بانی مدیرہ — زیب النساء

مدیر اعلیٰ — مشتاق احمد قریشی

مدیرہ — قیصر آرا

مدیر خصوصی — طاہر احمد قریشی

مدیرہ معاونین — جویریہ احمد

روشین احمد

جلد	37
شمارہ	12
مارچ	2016

ماہنامہ آنچل کراچی

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز
رکن چیمبر آف کامرس

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

www.aanchalpk.com/blog

onlinemagazinepk.com/recipes

info@aanchal.com.pk

/women.magazine

/pkwomenmagazine

اس شمارے میں

ابتدائیہ

عنوان	مصنف	صفحہ
سرگوشیاں	مدیرہ	14
حمد	نصیر احمد نصیر	15
نعت	ارشد محمود ارشد	15
درجواب آں	مدیرہ	16

دانش کدہ

عنوان	مصنف	صفحہ
السلام علیکم	مشتاق احمد قریشی	21

ہمارا آنچل

عنوان	مصنف	صفحہ
حریم حسین / تبسم شہزادی	ملیحہ احمد	25
شیزہ عارف / خنسا عبدالمالک		

سلسلہ وار ناول

عنوان	مصنف	صفحہ
موم کی محبت	راحت وفا	49
ٹوٹا ہوا تارا	سمیرا شریف طور	155
شبِ ہجر کی پہلی بارش	نازیہ کنول نازی	213

مکمل ناول

عنوان	مصنف	صفحہ
چراغ خانہ	رفعت سراج	29
وہ کاغذ کی کشتی	ڈاکٹر تنویر انور خان	75

ناولٹ

عنوان	مصنف	صفحہ
ترے عشق نچایا	نگہت عبداللہ	115
سازِ من	نائلہ طارق	189
اب سفر چاہتوں کا	افرا تاج	235

افسانے

عنوان	مصنف	صفحہ
کوئی دن اور	نازیہ جمال	141
شبِ غم اگر ڈھلتی	حمیرا قریشی	207
گر	ام اقصیٰ	255
کوئی ایسا اہلِ دل ہو	مبشرہ ناز	259
ظلمت شب کی سحر	قرۃ العین سکندر	265
چاندی کا بندہ	انیسہ ناز بشارت	273

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن/ ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی_74400

مستقل سلسلے

روحانی مسائل کا حل	حافظ شبیر احمد	276	یادگار لمحے	جویریہ سالک	299
بیاض دل	میمونہ رومان	278	آئینہ	شہلا عامر	304
ڈش مقابلہ	طلعت آغاز	280	ہم سے پوچھیے	شمائلہ کاشف	314
بیوٹی گائیڈ	روبین احمد	284	آپ کی صحت	ہومیو ڈاکٹر ہاشم مرزا	317
نیرنگ خیال	ایمان وقار	286	کام کی باتیں	حنا احمد	321
دوست کا پیغام آئے	ہما احمد	292	کترنیں	قارئین	000

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز۔ ای میل info@aanchal.com.pk

"حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب میری امت میں گناہوں کی کثرت ہوجائے گی تو اللہ تعالیٰ خواص وعوام سب پر اپنا عذاب اتارے گا۔" (مسند احمد)

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مارچ ۲۰۱۶ء کا آنچل حاضر مطالعہ ہے۔

آپ تمام بہنوں کو مبارک کہ آپ کے تعاون اور شراکت سے آپ کا آنچل الحمدللہ 37 برس کا ہوگیا چنانچہ اگلا شمارہ سال گرہ نمبر ہوگا۔ بے شک یہ اللہ رب العزت کا کرم اور آپ بہنوں کا تعاون ہے کہ آنچل اپنی اشاعت کے 37 برس مکمل کرسکا۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ ہر دس سال یا بارہ سال بعد ایک نئی پیڑھی یا نسل میدان میں اترتی ہے اگر اسے درست تسلیم کرلیا جائے تو آنچل کو اب تک تین نسلوں کا تعاون اور سرپرستی حاصل رہی ہے اگر ہم پیچھے مڑ کر دیکھیں تو حیرانگی ہوتی ہے کہ آنچل نے کس طرح اپنے سفر کا آغاز کیا۔ بہن زیب النساء اور بہن سلمیٰ کنول نے آنچل کا اجرا کیا پھر وقت نے بہن سلمیٰ کنول کو ہم سے جدا کردیا وہ اپنی طبعی عمر پوری کرکے اپنے خالق حقیقی سے جاملیں ان کی جگہ میری بڑی بہن فرحت آرا نے سنبھالی، ان کا ساتھ بہن زیب النساء دیتی رہیں بالآخر وہ بھی اپنے خالق حقیقی سے جاملیں اور بہن فرحت آرا نے کمر کس لی اور اپنی مددگار ساتھیوں کے ساتھ آنچل کے قافلے کی سربراہی سرانجام دیتی رہیں، پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ بھی طبعی عمر کو پہنچیں اب آنچل کی ذمہ داری کئی برسوں سے میرے سر آچکی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اس قابل کیا کہ آپ کے ذوق کے مطابق آپ کی خدمت کرسکوں میں بہنوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے نہ صرف آنچل میں بلکہ حجاب میں بھی میری حوصلہ افزائی کی ہے آج جب میں یہ سطور تحریر کر رہی ہوں تو ایک شفاف آئینے کی مانند آنچل کا ماضی میرے سامنے ہے میں ان تمام بہنوں کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے اپنے زور قلم سے آنچل کو سجانے سنوارنے میں بھرپور کردار ادا کیا خصوصاً بہن اقرا صغیر احمد صدیقی، بہن ڈاکٹر تنویر انور خان، بہن اسماء اعجاز، طلعت نظامی، عشرت جہاں عباسی، نادیہ فاطمہ رضوی، سمیرا شریف طور، نازیہ کنول نازی، عفت سحر طاہر، سعدیہ آل کاشف اور بہت سی بہنیں جن کے نام اس وقت ذہن میں نہیں آرہے ہیں اور وہ بہت سی لکھاری بہنیں جنہوں نے آنچل سے آغاز کیا اور ترقی کے زینے چڑھتی چلی گئیں اور پھر...... ان سب کا بھی خصوصی طور پر شکریہ ادا کرتی ہوں کہ ان کی بے لوث شراکت وساتھ نے آنچل کو اس مقام تک پہنچایا ہے۔ اللہ ان تمام بہنوں کو جزائے خیر سے نوازے آمین۔

اس ماہ کے ستارے

☆ وہ کاغذ کی کشتی — طویل مدت بعد اپنے قلم سے رشتہ جوڑتی ڈاکٹر تنویر انور حاضر محفل ہیں۔

☆ کوئی دن اور — خواتین کے عالمی دن کے حوالے سے نازیہ جمال کی بہترین ومؤثر تحریر۔

☆ شب غم اگر ڈھلتی — محبت کی ایک لازوال داستان جانیے حمیرا قریشی کے دلنشیں انداز میں۔

☆ سازِ من — برف کی شہزادی کی کہانی جسے لینے ایک شہزادہ بالآخر آن پہنچا تھا نگہت طارق کے دلکش اسلوب میں۔

☆ ظلمت شب کی سحر — شب ظلمت کو مات دیتی قرۃ العین سکندر پہلی مرتبہ شریک محفل ہیں۔

☆ گر — کامیاب زندگی کے گر سے آشنا کرواتی ام اقصیٰ اپنی سبق آموز تحریر کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

☆ چاندی کا بندہ — "یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے" نفیسہ ناز کی بہترین کاوش۔

☆ اب سفر چاہتوں کا — چاہتوں کے سفر میں دلوں کو آزماتی افرا تاج کی خوب صورت تحریر۔

☆ کوئی ایسا اہل دل ہو — برف پوش چٹانوں پر وطن کی محبت کا قرض چکانے والے نوجوان کی کہانی مبشرہ ناز کی زبانی۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

حمد

کوئی کاش پوچھے میں کیا چاہتا ہوں
کرم کی تیری اک نگاہ چاہتا ہوں
نہیں مجھ کو صبر و تحمل کا یارا
ترے در پہ حاضر ہوا چاہتا ہوں
گناہوں پہ اپنی ندامت ہے مجھ کو
خطا کار ہوں بس عطا چاہتا ہوں
عنایت کی مجھ پہ نظر میرے مولا
عطاؤں سے تیری سوا چاہتا ہوں
نہ دوزخ کا کھٹکا نہ جنت کی لالچ
میں تیرا ہوں تیری رضا چاہتا ہوں
سعادت ملے دین و دنیا کی مجھ کو
یہی اپنے حق میں عطا چاہتا ہوں
نصیر بندہ ہوں خواجۂ طیبہ کا مولا
قیامت میں اس کی نوا چاہتا ہوں

پروفیسر نصیر احمد نصیر

نعت

بے کسوں کو بھلا اور کیا چاہیے
یا نبی ﷺ آپ ﷺ کا آسرا چاہیے
بجھتی آنکھوں میں آجائے گی روشنی
آپ ﷺ کے در کی خاکِ شفا چاہیے
آپ ﷺ کے نقشِ پا چومتا چل پڑے
جس گناہ گار کو بھی خدا چاہیے
میرے گھر میں اندھیروں نے قبضہ کیا
آپ ﷺ کے نام کا اک دیا چاہیے
دل میں آلِ نبی ﷺ کی محبت رکھو
مومنوں گر خدا کی رضا چاہیے
گرم اشکوں سے جلتی ہیں آنکھیں مری
ان کو دیدارِ خیر الوریٰ چاہیے
مٹتی جائیں گی ارشد تری مشکلیں
کملی والے کا بس راستہ چاہیے

ارشد محمود ارشد

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

نازیہ کنول نازی...... ہارون آباد

ڈیئر نازیہ! سدا سہاگن رہو اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کی خوشیوں بھری زندگی کی عمر دراز کرے ماں کے درجات شادی کے بعد ہر سہاگن حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے آپ کو اس مرتبے سے نوازا ہماری طرف سے خوشی کے ان لمحات پر بہت مبارک باد۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کے بیٹے کی عمر دراز کرے اور اسے صحت وتندرستی سے بھرپور ہدایت والی زندگی عطا فرمائے آمین۔

ڈاکٹر تنویر انور خان...... کراچی

عزیزی ہمشیرہ! سدا خوش رہو ایک طویل عرصے بعد آپ سے قلمی رابطہ استوار ہوا۔ کتابی صورت میں ارسال کردہ آپ کا تحفہ بھی پسند آیا "زنجیریں" کے نام سے پہلے مجموعے کی اشاعت پر ڈھیروں مبارک باد اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو علمی وادبی میدان میں بہت سی کامیابیوں سے ہمکنار کرے۔ علم وادب سے شغف رکھنے والوں کے لیے آپ کی یہ کتاب ایک خوب صورت اضافہ ثابت ہوگا۔ جو بہنیں اس کتاب کو حاصل کرنا چاہتی ہیں وہ اس ای میل پر ڈاکٹر صاحبہ سے رابطہ کرلیں۔

drmrstanviranwarkhan@
yahoo.com

مصباح علی...... سرگودھا

پیاری مصباح! جگ جگ جیو آپ کی تحریر "پلڑا" کمپوزنگ کے مراحل طے کرچکی ہے ان شاء اللہ جلد ہی آپ کے نام کو روشن کرنے کا سبب بنے گی۔ آپ کی تحریر کے موضوع اچھے ہوتے ہیں اور مزاحیہ تحریر کے حوالے سے بھی آپ کی رائے سے ہم متفق ہیں۔ اس پریشانی وافرا تفری کے دور میں کچھ دیر کے لیے پرسکون ہونے کی خاطر ایسی تحریر بہت ضروری ہے بہرحال آپ کی دونوں تحریریں پڑھنے کے بعد ہی آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کرپائیں گے آنچل کا معیار آپ کو پہلے سے جاندار اور شاندار لگ رہا ہے تو یہ آپ کا حسن نظر ہے پرچے کی پسندیدگی کا شکریہ۔ ہمارا خوب سے خوب تر کا یہ سفر جاری رہے گا اور امید ہے آپ کا تعاون بھی حاصل رہے گا۔

شہزادی...... راولپنڈی

پیاری شہزادی! سلطنت آنچل میں آپ کی آمد و نصف ملاقات اچھی لگی آنچل نے آپ میں موجود لکھنے کی صلاحیت کو جلا بخشتے ہوئے آپ کو اچھی شاعرہ بنادیا ہے یہ تو اچھی بات ہے۔ آپ افسانہ لکھنے کے لیے بلوپین یا پوائنٹر استعمال کرسکتی ہیں اس پر کوئی پابندی نہیں۔ اگر آپ کا افسانہ معیاری ہوا تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ ہمارے لفظوں سے آپ کو ہمت ملتی ہے آپ کے یہ الفاظ ہمارے لیے باعث فخر ہیں۔ آج کل کے دور میں بے روزگاری بہت عام ہے۔ اس مادیت پرستی کے دور میں ہر کوئی اپنے مفاد و نقصان کی فکر کرتا ہے شاید اسی لیے دوسروں کو اہمیت نہیں دیتا بہرحال اللہ سبحان و تعالیٰ ہر بے روزگار کو حلال وجائز ذرائع سے حصول رزق حاصل کرنے کے مواقع میسر فرمائے آمین۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ

عزیزی کوثر! سدا سلامت رہیں آپ کے دل ونگاہ ہماری نگاہ التفات کے منتظر ہیں تو لیجیے جناب انتظار کی جانگسل گھڑیاں ختم اور جواب حاضر ہے۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی آپ سے نصف ملاقات بمعہ خوب صورت دعائیہ شعر بہت اچھی لگی۔ یونہی محبتوں کی خوش بو سے سب کو محسور کرتی رہیں، حمد ونعت جلد لگانے کی کوشش کریں گے۔ آپ دیگر سلسلوں میں بھی شرکت کرسکتی ہیں۔

اقراء ماریہ...... برنالی

ڈیئر سسٹرز! شاد وآباد رہو آپ کا شکوہ بجا ہے لیکن آپ کے خط باعث تاخیر موصول ہونے کے سبب شرکت سے محروم رہ جاتے ہیں آپ کے علمی شوق ولگن کے متعلق

جان کر اچھا لگا۔

ودیعہ یوسف زماں قریشی
لانڈھی...... کراچی

ڈیئر ودیعہ! سدا مسکراؤ، آپ اپنا افسانہ ارسال کرنا چاہتی ہیں کردیجیے لیکن زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ آپ اپنا مطالعہ وسیع کیجیے دیگر بڑے رائٹرز کی تحاریر کا بغور مطالعہ کریں کیونکہ ابھی اس خط سے اندازہ ہورہا ہے کہ آپ کا انداز تحریر کافی کمزور ہے۔ امید ہے مایوس ہونے کی جگہ کوشش جاری رکھیں گی دیگر سلسلوں میں آپ شرکت کرتی رہیں۔

عاصمہ اقبال...... عارف والا

ڈیئر عاصمہ! جیتی رہیں، سب سے پہلے تو آپ کو اپنے بھتیجے کی ڈھیروں مبارک باد۔ طویل عرصے بعد آپ سے نصف ملاقات اچھی لگی ورنہ یوں لگتا تھا کہ آنچل سے آپ کہیں دور جاچکی ہیں۔ آپ کا کہنا بجا ہے زندگی میں الجھنیں اور مصائب تو سب کے لیے ہیں بہرحال آپ کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کی والدہ کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور ان کا دستِ شفقت اور ممتا بھرا آنچل تا قیامت آپ کے سر پر قائم ودائم رہے۔

نجم انجم اعوان...... کورنگی، کراچی

عزیزی نجم! مانند نجوم جگمگاتی رہو، آپ کی شاعری متعلقہ شعبے میں ارسال کردی ہے اگر آنچل کے معیار کے مطابق ہوئی تو اصلاح کے عمل سے گزر کر ضرور اپنی جگہ بنائے گی۔ ماہنامہ حجاب کی سالانہ خریدار بننے کی غرض سے آپ آفس کے نمبر پر رابطہ کرلیں، تمام معلومات فراہم ہوجائیں گی۔ جی جناب مارچ کا مہینہ تو امتحانوں کا مہینہ ہے، بچوں سے زیادہ بڑوں کے لیے باعث امتحان ہوتا ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ اور دیگر تمام بچوں کو کامیابی وکامرانی عطا فرمائے۔

لائبہ میر...... حضرو

عزیزی لائبہ! سدا خوش رہو، نیرنگ خیال کے لیے موصول ہونے والی تمام شاعری متعلقہ شعبے کو ارسال کردی جاتی ہے اگر آپ کی شاعری معیاری ہوئی تو اصلاح کے بعد ضرور اپنی جگہ بنائے گی بصورت دیگر معذرت۔ آپ کی تجاویز نوٹ کرلی ہیں جلد عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ فروری کا شمارہ آپ کو بے حد پسند آیا، پسندیدگی کا شکریہ۔

ایس گوہر...... تاندلیانوالہ

عزیزی گوہر! شاد وآباد رہو، آپ نے جس طرح یہ خط ہمیں ارسال کیا ہے کہانی بھی آفس کے پتے پر بھیج دیجیے اگر آنچل کے معیار کے مطابق ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ آپ کے مطالعہ کے ذوق وشوق کے متعلق جان کر اچھا لگا، ان کہانیوں میں مثبت اور منفی دونوں پہلو ہوتے ہیں خیر اور شر دونوں کا وجود ہوتا ہے اب یہ پڑھنے والے پر منحصر ہے کہ وہ اپنی ذہنیت کے اعتبار سے کیا سبق حاصل کرتا ہے۔ بہرحال آنچل میں آپ کی شرکت جلد ہی دیگر لوگوں کی سوچ بھی بدل دے گی۔

مشی خان...... بھیر کنڈ

ڈیئر مشی! سدا آباد رہو، یہ صرف آپ کا ہی نہیں بلکہ بہت سی بہنوں کا گلہ ہے، جس کی وجہ صفحات کی کمیابی ہے۔ ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ مختصراً ہی سہی لیکن سب کی نگارشات جو بروقت موصول ہوں ضرور شامل محفل کریں اسی بناء بعض اوقات یہ شکایت ہوتی ہے، ہمیں آپ کی مشکلات کا اندازہ ہے کہ آپ دور دراز سے صرف اپنے شوق کی تسکین اور ہم سے نصف ملاقات کے لیے شرکت کرتی ہیں لیکن بعض اوقات گنجائش نہ ہونے کی بناء پر آپ کی یہ شکایت دور کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ بہرحال پوری کوشش ہے کہ آپ کی نگارشات جلد شائع کی جاسکیں، امید ہے خفگی وگلہ اب نہیں رہے گا۔

سعدیہ رمضان سعدی...... 186 پی

ڈیئر سعدی! سدا سہاگن رہو آپ کی جانب سے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ جلد ہی پیا دیس سدھارنے والی ہیں۔ بے شک والدین کے لیے جہاں خوشی کا ایک بہت بڑا لمحہ ہوتا ہے وہیں اپنی نازوں پلی گڑیا کو غیروں کے سپرد کردینا بہت ہمت وحوصلہ کا کام ہوتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو اپنے ہم سفر کے سنگ زندگی کی ڈھیروں خوشیاں عطا

فرمائے آمین۔ امید ہے آئندہ بھی رونق محفل بنی رہیں گی۔

یاسمین کنول...... پسرور

ڈیئر یاسمین! اسم بامسمیٰ بن کر مہکتی رہو ہمارے انداز تخاطب کو پسند کرنے پر مشکور ہیں شعر کی اشاعت پر شکریہ کی قطعاً ضرورت نہیں یہ آپ بہنوں کا اپنا پرچہ ہے جو آپ کی نگارشات سے سج دھج کر پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے امید ہے آئندہ بھی آپ جلوہ گر رہیں گی۔

سلمیٰ کنول...... گلشن اقبال، کراچی

پیاری بہن سلمٰی! سدا سہاگن رہو اور یونہی آنچل وحجاب میں اپنی تحریر و نگارشات کے پھول شامل کرتی رہو اپنی مصروفیات کے لمحات میں سے جس طرح وقت نکال کر آپ ہمارے لیے لکھتی ہیں اسی طرح ہماری بھی یہی کوشش ہوتی ہے کہ ہم بھی اظہار کا لمحہ ضائع نہ کریں لیکن نئے لوگوں کو شامل کرنے کے لیے کچھ تاخیر ہوجاتی ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم آپ کو بھول گئے۔ آپ کی تحریر موصول ہوگئی ہے ان شاء اللہ پڑھ کر جلدی رائے سے آگاہ کریں گے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کی مشکلات کو آسان کرے آمین۔

شکیلہ...... اقبالنگر

پیاری شکیلہ! سدا خوش رہو اگر ہمارے لفظوں سے اور ہمارے کہے چند جملوں سے آپ کی تشفی ہوتی ہے تو بے شک یہ بات ہمارے لیے قابل فخر اور باعث رشک ہے آپ کی ساس کی رحلت کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا ماں جیسی عظیم ہستی کے ممتا بھرے آنچل سے محروم ہوجانا بے شک بہت بڑا صدمہ ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو اور دیگر اہل خانہ کو صبرو استقامت عطا فرمائے اور مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔

ام ایمان قاضی...... کوٹ چھٹہ

ڈیئر ایمی! سدا سہاگن رہو آپ سے نصف ملاقات بہت اچھی لگی ابتدا میں لکھا شعر بھی آپ کی چاہت وخلوص کی بھرپور عکاسی کررہا تھا۔ بے شک آپ کا کہنا بجا ہے کہ انتظار کی گھڑیاں کچھ زیادہ ہی طوالت اختیار کرگئی ہیں۔ بہرحال پوری کوشش ہے کہ جلد آپ کی تحریر کو آنچل کی زینت بنا کر آپ

کے تمام شکوے وشکایات کا ازالہ کرسکیں۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

ڈیئر مدیحہ! سدا خوش رہو شکوہ وشکایات سے بھرپور آپ کا خط موصول ہوا آپ کو بالکل بھی نظر انداز نہیں کیا جارہا یہ آپ کی غلط فہمی ہے بعض اوقات کثیر تعداد میں ڈاک موصول ہوتی ہے تو کچھ بہنوں کو صفحات کی کمیابی کی بنا پر یہ شکوہ ہوتا ہے۔ ہماری جانب سے آپ کو سالگرہ مبارک ہو اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو ایسی ہزاروں خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے آمین۔

شازیہ خان...... آزاد کشمیر

ڈیئر شازیہ! شاد وآباد رہو آپ کی تحریر ''لنڈا بازار'' موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ناقص مطالعہ کے باعث آپ موضوع سے انصاف نہیں کرسکیں اس لیے اپنا مطالعہ وسیع کریں اور پڑھتے وقت الفاظ کو توجہ اور غور سے پڑھیں تاکہ املا کی اغلاط بھی آپ سدھار سکیں امید ہے مایوس ہونے کے بجائے کوشش جاری رکھیں گی۔

رشک حبیبہ...... کراچی

پیاری بہن حبیبہ! سدا مسکراؤ آپ کی تحریر ''میرا گھر'' موصول ہوئی پڑھنے کے ساتھ ہی قبولیت کی سند بھی حاصل کرگئی۔ ہماری طرف سے آپ کو مبارک باد بس اب اشاعت کا انتظار کریں، ہماری کوشش یہی ہے کہ جلد آنچل یا حجاب میں جگہ دیں۔

راؤ سمیرا ایاز...... کراچی

گڑیا سمیرا! جگ جگ جیو آپ کی تحریر ''ہنر حیات'' موصول ہوئی منفرد انداز تحریر اور موضوع کے بدولت آنچل کے معیار کا حصہ بن گئی۔ ہماری طرف سے آپ کو مبارک باد اسی طرح منفرد موضوع کو اپنے مزاج کا حصہ بنا کر آپ لکھنے کا سفر جاری رکھیں۔

فاطمہ خان...... لاہور

پیاری فاطمہ! پھولوں کی طرح مہکتی ومسکراتی رہو آپ کی تحریر ''رنگ دے'' موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے مگر موضوع کا چناؤ اور اس کے ساتھ آپ انصاف نہیں کرسکیں اس لیے آپ کی تحریر قبولیت کی

سند نہیں پا سکی لیکن مایوس ہونے کے بجائے کسی اور موضوع کا انتخاب کرتے ہوئے جلد اپنی تحریر ارسال کردیں۔

عافیہ یاسمین...... راولپنڈی

عزیزی عافیہ! سدا مسکراؤ' آپ کی جانب سے دو تحاریر "بولڈ اینڈ بیوٹی فل" اور "لاپرواہی" کے نام سے موصول ہوئیں۔ لاپرواہی کچھ خاص تاثر قائم کرنے میں ناکام ٹھہری البتہ دوسری تحریر قبولیت کی سند حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری۔ امید ہے اس کامیابی کے بعد آپ مزید محنت و لگن سے قلم سے انصاف کرتی رہیں گی۔

میمونہ ذوالفقار...... نامعلوم

عزیزی میمونہ! سدا مسکراؤ' آپ کی جانب سے خوب صورت کارڈ کا تحفہ موصول ہوا جسے آپ نے نہایت محنت لگن اور شوق سے بنا کر بھیجا ہے آپ کے پرخلوص جذبات و چاہت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ہمیں آپ کا ارسال کردہ کارڈ بہت پسند آیا' آپ شاعری ارسال کردیں اگر معیاری ہوئی تو ضرور جگہ بنالے گی آپ کی تحریر کے لیے معذرت خواہ ہیں۔

ثمینہ طاہر بٹ...... لاہور

عزیزی ثمینہ! شاد وآباد رہو' آپ کی جانب سے دو کہانیاں "ظرف" اور "مردانگی" کے نام سے موصول ہوئیں۔ دونوں تحریروں نے قبولیت کی سند حاصل کرلی ہے' امید ہے آئندہ بھی آپ کا قلمی تعاون حاصل رہے گا اور موضوع کی انفرادیت کو پیش نظر رکھیے گا۔ ہماری جانب سے اس کامیابی پر ڈھیروں مبارک باد۔

حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤ الدین

ڈیئر حمیرا! سدا ہنستی رہو' آپ کی تحریر "زندگی امتحان لیتی ہے" پختہ انداز تحریر و اصلاحی موضوع کی بدولت منظور نظر ٹھہری۔ اسی طرح مختصر و موثر انداز میں اپنے قلم کا جادو جگاتی رہیں جہاں آپ کے لکھنے کی فن کو جلا ملے گی وہیں قارئین کے دلوں میں بھی نمایاں مقام حاصل کرلیں گی۔

اقراء گلزار...... کراچی

پیاری اقراء! سدا خوش رہو' موجودہ حالات و واقعات کو قلم بند کرتی آپ کی تحریر "خدا کی رحمت" قابل قبول ٹھہری پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور موضوع کا چناؤ بھی عمدہ ہے لیکن انداز تحریر میں پختگی کے لیے ابھی آپ کو مزید محنت و مطالعہ کی ضرورت ہے لہٰذا اس کامیابی سے مزید محنت و کوشش کو اپنا شعار بنالیں' بہتر لکھنے میں آپ کو مدد ملے گی۔

عالیہ توصیف...... نامعلوم

ڈیئر عالیہ! سدا سلامت رہو' آپ کی تحریر "بدلتا موسم" انداز تحریر پختہ ہے' جلد لگانے کی کوشش کریں گے۔ موضوع کی انفرادیت کے ساتھ مختلف موضوعات پر طبع آزمائی جاری رکھیں۔

حلیمہ زمان...... سعودی عرب

عزیزی حلیمہ! سدا مسکراؤ' شکوہ و شکایات سے بھرپور آپ کی میل موصول ہوئی' آپ کا کہنا بجا ہے کہ انتظار کے طویل لمحوں کے بعد ناکامی بہت تکلیف دہ امر ہے۔ بہرحال آئندہ کوشش کریں گے کہ آپ کی نگارشات ضرور شائع ہوسکیں۔ یہ آپ کا اپنا پرچہ ہے امید ہے اب خفگی دور ہوجائے گی اور آپ کا اور آنچل کا ساتھ برقرار رہے گا۔

آفرین اعوان...... اٹک

عزیزی آفرین! سدا مسکراؤ' آپ کی جانب سے مختلف تحاریر موصول ہوئیں پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے البتہ موضوع کا چناؤ کمزور ہے' آپ نے جن موضوعات کو قلم بند کیا ہے ان پر بہت کچھ اور بہت بہتر انداز میں لکھا جاچکا ہے البتہ آپ کی ایک تحریر "تاریخ کے جھروکوں سے" منفرد موضوع کی بدولت اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ٹھہری۔ اس ناکامی سے کامیابی کا سفر آپ کو وسیع مطالعے کی بدولت طے کرنا ہے اور اسی طرح کے موضوع پر طبع آزمائی جاری رکھیں اس پہلی کامیابی پر ہماری جانب سے ڈھیروں مبارک باد۔

شبانہ تعظیم...... راولپنڈی

پیاری شبانہ! ہمیشہ مسکراتی رہو' آپ کی تحریر "محبتوں کی برسات" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو بہت محنت کی ضرورت ہے اس لیے دل برداشتہ ہونے کے بجائے اپنا مطالعہ وسیع کریں اور پہلے ہمیشہ مختصر موضوع پر قلم اٹھائیں

ناول وناولٹ پر طبع آزمائی بعد میں ادارے سے مشورہ کر کے لکھیں ابھی آپ کے لکھنے میں پختگی نہیں ہے۔

طیبہ اقبال...... نامعلوم

ڈیئر طیبہ! سدا سلامت رہو آپ سے نصف ملاقات بہت اچھی لگی، بے شک والد کے پرشفیق سائے سے محروم ہوجانا آپ کے لیے بڑا صدمہ ہے۔ ان حالات میں جیسے آپ نے خود کو سنبھالا اور اپنے والد کے خوابوں کو پورا کرنے کا عزم کیا ہے جان کر اچھا لگا آنچل کی فیملی کا حصہ آپ بن چکی ہیں اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ تمام عزائم کو کامیابی سے ہمکنار کرے آمین۔

غزل فاطمہ سگو...... نامعلوم

ڈیئر غزل! سدا خوش رہو آپ کی تحریر "تیرے لوٹ آنے کی منتظر نگاہیں" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ لکھنے کے لیے ہمیشہ مختصر موضوع کو اپنے مزاج کا حصہ بنائیں، طوالت کی وجہ سے آپ موضوع کے ساتھ انصاف نہیں کرسکیں۔ امید ہے مایوس ہونے کے بجائے مطالعہ کے ساتھ کوشش جاری رکھیں گی۔

ماہ نور نعیم...... بھکر

گڑیا ماہ نور! پھولوں کی طرح مہکتی مسکراتی رہو آپ کی تحریر "کانچ اور عورت" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے لیکن موضوع خاص نہ ہونے کی وجہ سے آپ کی تحریر قبولیت کی سند حاصل کرنے میں ناکام ٹھہری اس لیے کسی اور موضوع کا انتخاب کریں۔

سلمیٰ عنایت حیا...... کھلابٹ ٹاؤن شپ

پیاری سلمیٰ! خوشیوں کی بہار اپنے دامن میں سمیٹو آپ سے نصف ملاقات اچھی رہی۔ آنچل سے وابستگی اور شاعر بننے کا خواب جان کر خوشی ہوئی اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو صحت والی لمبی عمر عطا فرمائے خوشیوں بھری زندگی دے آمین آپ کی شاعری متعلقہ شعبہ میں بھیج دی ہے ان شاء اللہ جلد ہی آنچل کے صفحات پر جگہ بنالے گی۔

ناقابل اشاعت:

وہ ایک لمحہ جو میرا متاع حیات زادِ راہ سائبان غبارے والا خدا مہربان اس بار بھی ہم پڑھ سکے آنچل لاج آپی مہک کالی رات محبتوں کی برسات لوگ کیا کہیں گے تیرے لوٹ آنے کی منتظر نگاہیں ماٰئیں نی میرا عزم جواں محبت کی جیت ظرف ظرف کی بات لنڈا بازار ہدایت کی روشنی صبر کا پھل افسانہ مجھے رنگ دے بے نشان میرے مہرباں قناعت مسافتیں مہرباں ہوئیں نیک سیرت اے کاش گلشانہ عورت گر محبت نہ ہوتی صحرا نشین مجاہد سرزمین سے عشق لاپرواہی کوئی درد کا درماں ہے میرا سوہنا کوئی دیکھ رہا ہے ہیپی نیو ائیر جیت محبت کی بہنیں ایسی ہوتی ہیں ورطہ حیرت ہوس کی تباہی لفظ زندہ رہتے ہیں الجھن سلجھی ہم سفر بنا میرے مہرباں بے غرض محبتیں پاک کتاب مکافات عمل گندی نسل ناکردہ گناہ عشق عیاں سودا مقصد حیات مٹی کا گھروندا زخم من مورت یہ سزا ہے عمر بھر کی رسموں کی بھینٹ کڑوا سچ۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7، فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

مشتاق احمد قریشی

سلام اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے جسے اس نے زمین پر رکھ دیا ہے لہٰذا اسے آپس میں پھیلاؤ۔ اگر ایک مسلمان کچھ لوگوں کے پاس سے گزرتا ہوا انہیں سلام کرے اور وہ اسے جواب سلام دیں تو اس مسلمان کا ایک درجہ فضیلت میں ان جواب دینے والوں سے زیادہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے "سلام" کی یاد دلائی۔ اگر لوگ اس کے سلام کا جواب نہ دیں تو اس کا جواب وہ دیتا ہے جو ان سب سے بہتر اور پاکیزہ تر ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ یا اس کا مقرب فرشتہ)

ایک حدیث صفوان بن اُمیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کلدہ بن حنبل رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ دودھ، پیوسی اور سبزی دے کر بھیجا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت وادی کے بالائی حصے میں تشریف فرما تھے۔ کلدہ کا بیان ہے کہ میں بلا اجازت لئے اندر داخل ہوگیا اور سلام بھی نہیں کیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باہر واپس جاؤ اور پہلے السلام علیکم کہہ کر پوچھو کہ میں اندر آجاؤں؟ (ترمذی' ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اے فرزند! جب تم اپنے گھر کے اندر داخل ہو تو پہلے سلام کرلیا کرو۔ یہ سلام تمہارے اور تمہارے گھر والوں کے لئے بھی باعث برکت ہوگا (ترمذی) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ گفتگو سے پہلے سلام ہوتا ہے۔ (ترمذی)

جیسا کہ سورۃ النور میں ربِ کائنات ارشاد فرما رہا ہے۔

ترجمہ: پس تم جب گھروں میں جانے لگو تو اپنے گھر والوں کو سلام کرلیا کرو' دعائے خیر ہے جو بابرکت اور پاکیزہ ہے۔ (سورۃ النور۔ آیت نمبر ۶۱)

آیتِ مبارکہ میں مسلمانوں کو اپنے گھروں میں داخل ہونے کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ گھروں میں داخل ہونے کے آداب یہ ہیں کہ جب گھر میں بااجازت داخل ہو تو گھر میں جو مسلمان موجود ہوں اُن کو سلام کرو یعنی اپنے اہلِ خانہ کو سلام کرو' آدمی کو اکثر اپنے گھر والوں کو خصوصاً اپنی بیوی یا اپنے بچوں کو سلام کرنا گراں گزرتا ہے۔ شاید اس لیے کہ وہ اُس سے چھوٹے یا ماتحت ہوتے ہیں۔ لیکن اہلِ ایمان کو تعلیم دی جارہی ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق ایسا کریں۔ انسان اپنے ہی بیوی بچوں کو سلامتی کی دعا سے کیوں محروم رکھے۔ یہ ایک بہت ہی لطیف تعبیر ہے اُس قومی رابطے کی جو ان رشتوں میں پایا جاتا ہے حکم دیا جارہا ہے کہ اپنے نفسوں کو سلام کرو' کیونکہ جو شخص اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو سلام کرتا ہے وہ دراصل خود اپنے اوپر سلامتی بھیجتا ہے اور جو وہ سلام کرتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ سلام میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روحانی اثر ہے جو دونوں فریقوں کے درمیان دین کا مضبوط رشتہ جو اسلام کی وجہ سے قائم ہے اسے مضبوط کرتا ہے اور بندہ نا صرف اپنے دین بلکہ اپنے رب سے اپنے ایمان کی وجہ سے مربوط ہوجاتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم گھر میں جاؤ تو اللہ کا سکھایا ہوا بابرکت سلام کہا کرو میں نے تو

آزمایا ہے کہ یہ سراسر برکت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث روایت ہے کہ جب بچوں کے پاس سے گزرو تو سلام کیا کرو کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ (ترمذی' ابوداؤد)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آنے والوں میں اگر پوری جماعت ہو تو ایک آدمی کا سلام کر دینا سب کی طرف سے کافی ہے اور اسی طرح ایک آدمی کا جوابِ سلام دے دینا تمام اہل محفل کی طرف سے کفایت کرتا ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب وہ ہوتا ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔ (ترمذی' ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کرتے ہوئے سنا کہ اگر کوئی شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کے لئے جھکنا بھی چاہئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "نہیں" (ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ عاجز وہ ہے جو دعا سے عاجز ہو اور سب سے زیادہ بخیل وہ ہے جو سلام میں بخل کرے۔ (کبیر)

حضرت ربعی بن حراش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور اس نے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اندر آنے کی اجازت چاہتے ہوئے یوں کہا کہ: میں اندر آجاؤں! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم سے کہا کہ باہر جا کر اسے اجازت لینے کا طریقہ بتادو۔ اس سے کہو کہ پہلے السلام علیکم کہے پھر پوچھے کہ میں اندر آسکتا ہوں؟ اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو باہر ہی سے سن لی اور وہ وہیں سے بولا کہ "السلام علیکم میں اندر آسکتا ہوں؟" حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور وہ شخص اندر آگیا۔ (ابوداؤد)

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار غریب خانے پر تشریف لائے اور باہر ہی سے فرمایا۔ "السلام علیکم ورحمتہ اللہ" میرے والد سعد (رضی اللہ عنہ) نے دھیمی آواز سے جواب سلام دیا میں نے اپنے والد سے کہا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا کہ چھوڑو بھی' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (ہم پر) خوب بار بار سلامتی بھیجنے دو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "السلام علیکم ورحمتہ اللہ" سعد رضی اللہ عنہ نے پھر دھیرے سے جواب دے دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر تیسری بار سلام کہہ کر واپس ہونے لگے تو سعد رضی اللہ عنہ پیچھے ہولئے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور کا سلام سن رہا تھا اور دھیرے سے جواب دیتا رہا تھا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر بار بار سلامتی بھیجتے رہیں۔ اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس آئے اور سعد رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر گھر میں داخل ہوئے۔ (ابوداؤد)

سلام کے ساتھ ہی ہمارے معاشرے میں مصافحہ کا رواج بھی ہے۔ سلام کے ساتھ ہی مصافحہ بھی کیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ مصافحہ اہل یمن کی ایجاد ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اہل یمن آئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تمہارے پاس اہل یمن آئے ہیں اور مصافحے کی ابتدا انہی سے ہوئی ہے۔ (ابوداؤد) مصافحے کے اجر وثواب کے بارے میں ایک روایت ہے کہ "جب دو مسلمان باہم ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے تک کے سب گناہ صغیرہ معاف ہوجاتے

ہیں۔اور جہاں تک گناہِ کبیرہ کا تعلق ہے تو وہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔(ابوداؤد‘ ترمذی)

عطاالخراسانی سے امام مالک کی روایت ہے کہ مصافحہ کیا کرو اس سے باہمی رنج دور ہوجاتے ہیں اور ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجا کرو اس سے باہمی محبت و رفاقت قائم رہتی ہے اور کینہ دور ہوتا ہے۔(موطا امام مالک)

ترجمہ:”اور جب تمہیں کوئی احترام کے ساتھ سلام کرے تو اس سے بہتر طریقے سے جواب دو یا کم از کم اسی طرح لوٹا دو‘ اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔“(النساء۔۸۶)

تفسیر: یہ آیت مبارکہ آیات قتال کے درمیان باہم دوستانہ تعلقات کے لئے بادنسیم کی حیثیت رکھتی ہے اس میں سلام کے اصل الاصول کی طرف اشارہ کردیا گیا ہے۔اسلام جو ایک مکمل نظام حیات ہے اس کا اپنا خاص اسلامی معاشرہ ہے جو اخوت بھائی چارے میل ملاپ کا معاشرہ ہے اس لئے اسلام نے اپنے معاشرے کو ایک خاص منفرد طریقہ عطا کیا ہے سلام اسلامی معاشرے کو غیر اسلامی معاشرے سے منفرد و ممتاز کرتا ہے۔سلام سے ایک مسلمان اور مسلمان معاشرہ غیر مسلم اور غیر مسلم معاشرے سے ممتاز ہوجاتا ہے۔یہ سلام ہی ہے جو ایک مسلمان کو دیگر غیر مسلموں سے منفرد اور متمیز بناتا ہے اور روزمرہ کی زندگی میں ممتاز و نمایاں صفات کا مالک بناتا ہے۔اس کی وجہ سے اسلامی معاشرے کا ہر فرد باہم گھل مل جاتا ہے اور دوسرے معاشروں سے الگ اور نمایاں ہوجاتا ہے۔

اسلام نے سلام کے تین طریقے بتائے ہیں (۱) السلام علیکم (۲) السلام علیکم ورحمتہ اللہ (۳) السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ان تینوں طریقوں کا جواب سلام یا تو ویسا ہی ہوگا جیسا سلام کرنے والے نے کیا یا اس سے بہتر ہوگا ہاں تیسرے طریقہ جواب ویسا ہی ہوگا اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا اس میں وہی الفاظ پورے پورے ادا ہوں گے حضور نبی کریم سے یہی روایت ہے۔

اس طریقہ سلام میں ایک تو وہ انفرادیت ہے جو اسلامی معاشرے کا خاص رنگ ہے۔اسلام چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والوں کے خاص خدوخال ہوں‘ ان کی خاص عادات ہوں جس طرح اسلام نے مخصوص قانونی تنظیمی نظام دیا ہے‘ اسلام نے اُمت کو ایک مکمل نظام حیات دیا ہے اس طرح سے ایک مخصوص قبلہ بھی دیا ہے سلام کے ذریعے اسلام نے اُمت مسلمہ کے تمام افراد میں نہایت ہی پختہ محبت اور بھائی چارہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً ایک دوسرے کو سلام کرنا سلام کا جواب سلام سے دینا‘ اور سلام کا جواب زیادہ اچھا کر کے دینا ایسے اور بھی اعمال ہیں جن سے مسلمانوں کے درمیان باہمی رفاقت اور بھائی چارے کو فروغ ملتا ہے۔لیکن سلام دو مسلمانوں کی ملاقات کی ایسی اچھی ابتدا ہے جس میں دونوں ملنے والے ایک دوسرے کے لئے سلامتی کی دعا کررہے ہوتے ہیں یہ انسانی نفسیات کے عین مطابق ہے ایک دوسرے کی سلامتی اور خیر خواہی ایسا عمل ہے جیسے کوئی پھل دار درخت اپنے پھل کے بوجھ سے جھک جاتا ہے ایسے ہی نفس انسانی بھی اپنی بھلائی اور سلامتی کی خبر سے متاثر ہو کر جھک جاتا ہے۔سلام سے اسلامی معاشرے میں بہت مثبت اثرات پیدا ہوئے۔

اسلامی معاشرے میں اسلامی عادات کے اثرات کا اندازہ عملاً اس وقت ہوتا ہے جب ”سلام“ کے ذریعے دو غیر متعارف اشخاص باہم متعارف ہو کر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور پھر علیک سلیک باہمی روابط بھائی چارے ہمدردی میں بدل جاتی ہے یہ ہم اپنے روزمرہ کے معمولات میں بخوبی مشاہدہ کرسکتے ہیں کہ ایک بالکل اجنبی شخص جو ہر روز یا کبھی کبھی ہمارے سامنے آتا ہے اگر ہم اسے السلام علیکم کہیں تو وہ بھی مجبوراً ہی سہی وعلیکم السلام کہے گا اور اگر یہ عمل ہماری طرف سے مسلسل ہوتا رہے تو یہ سلام ہماری شناسائی میں تبدیل ہوجاتا ہے اور شناسائی بھائی چارے اور اخوت میں بدل جاتی ہے اور یوں یہ باہمی رفاقت دوستی بھائی چارہ اسلامی معاشرے کو مضبوط و مستحکم

کرتا ہے۔ اسلام تو مذہب ہی اخوت' بھائی چارے اور دوستی' ہمدردی کا ہے سلام کا اصل اصول یہ ہے کہ ملک میں امن وامان قائم ہو۔ اسلام تو دین ہی امن کا ہے اسلام میں جنگ بھی امن کے لئے ہے تاکہ کرۂ ارض پر امن قائم ہو اور یہ امن وسیع معنوں میں مطلوب ہے۔ ایسا امن جو اسلامی نظام حیات پر قائم ہو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ معاشرے میں استحکام' امن' اخوت' بھائی چارے کے پھیلاؤ اور قیام کے لئے سلام ایک بنیادی اور کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔ ''السلام علیکم'' کی اہمیت کا اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر مسلمانوں کی جماعت جہاد وقتال کے لئے نکلے تو پہلے معلوم کرلیں کہ مقابل کہیں مسلمان تو نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی مقابل بظاہر اظہار اسلام کردے اور السلام علیکم کہہ دے تو اس پر حملہ نہ کیا جائے جیسا کہ آنے والی آیت میں اظہار کیا جارہا ہے۔

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جارہے ہو تو تحقیق کرلیا کرو اور جو تم سے سلام علیک کرے تم اسے یہ نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں' تم دنیاوی زندگی کے اسباب کی تلاش میں ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سے اموال غنیمت ہیں' پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا۔ لہٰذا تم ضرور تحقیق وتفتیش کرلیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ (النساء۔۹۴)

تفسیر: ابتدائے اسلام میں ''السلام علیکم'' کا لفظ مسلمانوں کے لئے شناختی علامت کی حیثیت رکھتا تھا چونکہ ''السلام علیکم'' مسلمانوں کے لئے شعائر اور شناختی علامت کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دیکھ کر السلام علیکم کہہ کر اپنی شناخت کرایا کرتا تھا تاکہ دوسرے فرد کو یہ یقین ہوجائے کہ یہ شخص اپنے ہی گروہ سے تعلق رکھتا ہے اور ہمارا دشمن نہیں خیر خواہ ہے۔ دوسرے معنوں میں ''السلام علیکم'' کہنے والے نے یہ واضح کردیا کہ میرے پاس تمہاری سلامتی وعافیت وخیر خواہی کے سوا کچھ نہیں لہٰذا تم مجھ سے کسی قسم کی دشمنی کرو نہ میں تم سے کسی قسم کی عداوت کروں گا۔ السلام علیکم کی حیثیت واہمیت ابتدائے اسلام کے زمانے میں بالکل ایسی تھی جیسے کسی فوج کے جتھے میں کسی مخصوص شناختی لفظ کی ہوتی ہے۔ تاکہ جب رات کے وقت یا تاریکی میں کوئی فوجی کہیں سے گزرے یا اس کے پاس سے کوئی دوسرا جوان گزرے تو یہ شناختی لفظ جو بھی اس وقت کے لئے مقرر کیا گیا ہو بول کر اپنی شناخت واضح کرتا ہے تاکہ دشمن سمجھ کر نقصان نہ پہنچ جائے ایسے ہی اسلام میں سلام کا لفظ شعائر کے طور پر مقرر کیا گیا تھا۔ خصوصیت سے اس زمانے میں ان شعائر کی اہمیت اس وجہ سے اور زیادہ بڑھ گئی تھی کہ عرب کے نومسلموں اور کافروں کے درمیان' لباس' زبان' رہن سہن اور کئی چیزوں میں کوئی نمایاں فرق یا امتیاز نہیں تھا جس کی وجہ سے مسلمان اور کافر میں سرسری نظر سے پہچان کرلینا مشکل تھا۔

(جاری ہے)

ملیحہ احمد

آنچل کے تمام چاند ستاروں اور کہکشاؤں کو میری طرف سے پیار بھرا سلام قبول ہو‘ ارے ارے رکیے تو آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ یہ کون ہے جو ہمیں اتنے خوب صورت ناموں سے پکار رہی ہے‘ بھئی ظاہر سی بات ہے جس لڑکی کا خود اتنا خوب صورت نام ہو وہ دوسروں کو بھی خوب صورت ناموں سے ہی پکارے گی ناں‘ بائے دا وے مجھے ہی حریم حسین کہتے ہیں۔ میرا نام میرے ماموں نے رکھا تھا بڑی اچھی طرح سے چھان پھٹک کر‘ بقول امی کے انہیں اپنی پیاری سی بھانجی کے لیے کوئی بھی اچھا نام نہیں لگ رہا تھا اللہ اللہ کر کے ایک نام انہیں اچھا لگ ہی گیا اور انہوں نے وہ نام مجھے دے دیا۔ خیر جی اب آپ کو اپنے بارے میں بتاتی ہوں میں پاکستان کے شہر فیصل آباد میں رہتی ہوں۔ مجھے اپنے شہر سے بے حد پیار ہے‘ ہم کل چھ بہن بھائی ہیں جن میں بڑائی کا شرف مجھے حاصل ہے یعنی میں حریم حسین سب سے بڑی ہوں بی اے فائنل ائر کی اسٹوڈنٹ ہوں پھر میرے بعد منیب فرسٹ ائر‘ حدیبیہ اور وجیہہ کلاس 8th‘ مبشر کلاس سکس اور تحریم کلاس فور میں پڑھتی ہے۔ کھانے میں سب کچھ پسند ہے‘ پھلوں میں مجھے انگور‘ انار‘ سیب اچھے لگتے ہیں۔ رنگ بھی سارے اچھے لگتے ہیں‘ بہار اور سردی کا موسم زیادہ پسند ہے۔ قدرتی چیزیں بہت اٹریکٹ کرتی ہیں خاص کر قدرتی مناظر‘ پورا چاند بہت اچھا لگتا ہے دل کرتا ہے دیکھتی رہوں۔ سادگی اچھی لگتی ہے وہ لوگ جو ہماری بات سمجھ سکیں اور فضول کی شوخیاں نہ ماریں اچھے لگتے ہیں۔ تھوڑی جذباتی ہوں‘ غصہ جلدی آجاتا ہے دس منٹ تک ناراض ہوں یا ایف ایم سن لوں تو غائب ہو جاتا ہے۔ اپنے ناخن چبانے کی عادت بُری لگتی ہے۔ حساس دل کی مالک ہوں لیکن سب سمجھتے ہیں بے حس ہوں لیکن ایسا نہیں ہے۔ کبھی کبھی ڈل مائنڈڈ ہو جاتی ہوں‘ جیسی میں گھر میں ہوتی ہوں ویسی کالج میں نہیں ہوتی اور جیسی کالج میں ہوتی ہوں ویسی گھر میں نہیں ہوتی۔ عجیب سی شخصیت ہے میری ایک مزے کی بات بتاؤں جیسا میں سوچتی ہوں ویسا ہوتا نہیں ہے اسی لیے جو میں چاہتی ہوں کہ نہ ہو وہ میں سوچ لیتی ہوں پھر وہ بات نہیں ہوتی (ہاہاہا...... سچی)۔ گھر کے کام میں دلچسپی کچھ زیادہ نہیں ہے بس ایویں سی ہے لیکن جب کرنے پر آتی ہوں ویسے تو کافی زیادہ لڑکیوں سے (کالج کی) دوستی ہے لیکن بیسٹ فرینڈز عمارہ رمضان اور ثناء عروج ہیں۔ میری سہیلیاں بہت اچھی ہیں اس معاملے میں میں خوش نصیب ہوں۔ مادری زبان ہماری اردو ہے لیکن دل کرتا ہے کہ پنجابی بول کے دیکھوں کہ کیسے بولتے ہیں کہ بولی نہیں جاتی (ہائے پنجاب میں رہ کر پنجابی نہیں آتی حیرت ہے) انگلش آتی ہے لیکن بولتے ہوئے اٹک جاتی ہوں۔ ہاں سمجھ سب لیتی ہوں (بہت لائق ہوں میں) گانے دیکھنے‘ سننے اور فلمز دیکھنے کا بھی شوق ہے۔ ایکٹرز میں شاہ رخ خان‘ رنبیر کپور‘ عمران عباس اور ایکٹرس میں سے کترینہ کیف‘ ایشوریہ رائے‘ کاجول اور کسی کسی مووی میں کرینہ کپور اچھی لگتی ہیں۔ میرے بہت سارے خواب اور خواہشیں ہیں‘ جن کے پورے ہونے کی دعائیں مانگتی ہوں فی الحال تو یہی خواہش ہے کہ میرا تعارف چھپ جائے۔ میری خواہش ہے کہ میرے پاس ایک بڑی سی لائبریری ہو جہاں میری پسند کی تمام کتابیں موجود ہوں۔ میں کہتی ہوں کہ انسان کے پاس اتنا پیسہ موجود ہونا چاہیے جس میں وہ اپنی ضروریات بخوبی پوری کر سکے پیسہ نہ زیادہ ہو نہ کم ہو لیکن یہ بھی اللہ کی آزمائش کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ پاکستانی ڈرامے اچھے لگتے ہیں۔ ڈائجسٹ میں آنچل‘ شعاع اور خواتین اچھے لگتے ہیں جو میں پڑھتی ہوں۔ میرے دو ہی مشغلے ہیں ڈائجسٹ پڑھنا اور ایف ایم سننا

کبھی کبھی اس عادت سے میرے گھر والے بے زار ہوجاتے ہیں یہ نہیں کہ انہیں یہ چیزیں پسند نہیں دراصل وہ کہتے ہیں کہ خصوصاً امی کہ کام کے وقت کام کیا کرو اور بعد میں یہ کام کیا کرو لیکن میں تو گھر کے کاموں کے وقت بھی ڈائجسٹ پڑھتی ہوں اور ایف ایم سنتی ہوں۔ رائٹرز میں فرحت اشتیاق، سمیرا شریف، نازیہ کنول نازی، رخسانہ نگار عدنان، عمیرہ احمد ٹاپ پر ہیں۔ سنگرز میں عاطف اسلم، راحت فتح علی خان، سونو نگم، سعید ھی چوہان، ثریا گھوشال اور موہیت چوہان پسند ہیں ویسے میں خود بھی بہت اچھا گا لیتی ہوں۔ اچھا بھئی بہت لمبا تعارف ہوتا جارہا ہے، اجازت چاہوں گی اس اچھی بات کے ساتھ کہ اگر تم حقیقت میں کسی کو پانا چاہتے ہو تو حقیقت میں اس کے بن جاؤ یا اپنے اندر ایسی حقیقت پیدا کرلو کہ کوئی حقیقت میں آپ کا بن جائے اللہ حافظ اینڈ لو یو آل۔

تبسم شہزادی

السلام علیکم! ارے ارے رکیے، کہیں آپ یہ تو نہیں سمجھ رہے کہ آنچل کے ڈائجسٹ میں کوئی آدمی شرکت کررہا ہے اگر آپ ایسا سوچ رہی ہے تو بالکل غلط سوچ رہی ہے۔ بھئی میں بھی آپ ہی کی طرح صنف نازک سے تعلق رکھتی ہوں بلکہ نہیں 14 سال کی چھوٹی سی بچی ہوں (ہی ہی ہی)۔ بھئی آپ تو ابھی سے بور ہوگئے ابھی تو ہم نے اپنا تعارف بھی کروانا ہے تو جی تیار ہوجائیے ہمارا تعارف پڑھنے کے لیے۔ میرا نام تبسم شہزادی ہے ضلع فیصل آباد کے چھوٹے سے گاؤں نیلیا نوالہ سے تعلق رکھتی ہوں۔ 28 جنون 2001ء کو ہم اس دنیا کی رونق دوبالا کرنے تشریف لائے (آہم)۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں، دو بہنیں اور ایک بھائی مجھ سے بڑے ہیں اور ایک مجھ سے چھوٹا ہے۔ لڑاکو ہر وقت مجھ سے لڑتا رہتا ہے۔ آنچل سے ہمارا تعلق کچھ زیادہ پرانا نہیں اپریل 2014 سے ہم نے باقاعدہ آنچل پڑھنا شروع کردیا تھا ہماری کاسٹ رائے کھرل ہے۔ بات کی جائے پسند ناپسند کی تو کھانے میں ساگ، کھیر دودھ والی سویاں اور بھنڈی توری مل جائے تو کیا ہی بات ہے (اگر کوئی بہن بھیجنا چاہے تو موسٹ ویلکم ہاہاہا)۔ جیولری میں ائر رنگز رنگ اور بریسلیٹ پسند ہے۔ بات کی جائے خوبیوں خامیوں کی تو جناب بندہ کوئی بھی پرفیکٹ نہیں ہوتا جہاں خوبیاں ہوتی ہیں وہیں خامیاں بھی ہوتی ہیں خیر ہم اپنی خوبیوں خامیوں پر ذرا روشنی ڈالتے ہیں بھئی دوسروں سے پوچھ کر بتاتے ہیں اپنی ایک دوست سے پوچھا اس نے کہا تم بہت اچھی ہو، کہا خامی بتاؤ کہتی ہے تم میں خامی ہے ہی نہیں میں کیا بتاؤں (لو جی کرلو گل)۔ چلو دوسری دوست کے پاس چلتے ہیں اس سے پوچھا تم میں خوبیاں ہی خوبیاں ہیں، خامیوں تو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتیں خیر دوستوں کو چھوڑا کہ ایسے ہی بولتے رہتے ہیں چلیں ایک کلاس فیلو سے پوچھا اس نے کہا کہ تم بہت اچھی ہو کسی کے خلاف کینہ دل میں نہیں رکھتیں جو تمہارے ساتھ بُرا کرے اس کے ساتھ بھی اچھی رہتی ہوں۔ دوسری کے پاس گئے تم بہت معصوم ہو، تیسری نے کہا کہ تم ہر وقت مسکراتی رہتی ہو، یہ بات تو ہے کہ میں بہت جلد ہنس پڑتی ہوں، چوتھی کے پاس گئے اس نے کہا تم بہت اچھی ہو لیکن تمہیں غصہ جلدی آجاتا ہے (صدف جتنی جلدی آتا ہے اتنی جلدی بھاگ بھی تو جاتا ہے)۔ میری نظر میں بہت حساس ہوں، نرم دل ہوں، بات خوشی کی ہو یا غمی کی بات بعد میں ہوتی ہے اور رونا مجھے پہلے ہی آجاتا ہے۔ کسی سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتی، سب کی تکلیف کو محسوس کرتی ہوں حتیٰ کہ جانوروں کی تکلیف کا بھی احساس ہوتا ہے۔ رسالوں میں آنچل، خواتین، شعاع اور پھول شوق سے پڑھتی ہوں۔ مشاغل میں کتابیں پڑھنا اور سوچنا شامل ہے۔ شعروشاعری بہت پسند ہے بقول میری دوستوں اور کلاس فیلوز کے تبسم تو پوری شاعرہ ہے (ہاہاہا) خیر کچھ اپنی پسند آپ سے بھی شیئر کرتے ہیں۔ اپنی فیملی

سے بہت محبت ہے خصوصاً اپنے بڑے بھائی رضوان اور امی سے بہت محبت ہے۔ خالہ خدیجہ خالہ عذرا اور ماموں اسحق سے بھی بہت محبت ہے۔ ماموں کی بیٹی عائشہ سے بھی بہت محبت ہے۔ فیورٹ ٹیچر عذرا سرور ہیں۔ ایک نصیحت آپ سب کے لیے کوئی تم پر غصہ کرے تو ناراض مت ہونا کیونکہ یہ تو قدرت کا قانون ہے کہ جس درخت کا پھل زیادہ میٹھا ہوتا ہے اسے زیادہ پتھر لگتے ہیں۔ رائٹرز بھی پسند ہیں لیکن موسٹ فیورٹ سائرہ رضا ہے آنچل کی قاری ایہا رضوان مجھے بہت اپنی اپنی سی لگتی ہے۔ اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

شیزہ عارف

السلام علیکم! ڈیئر قارئین! کیا حال چال ہیں آپ کے میں تو ٹھیک ٹھاک فٹ فاٹ اے ون فریش اینڈ کول پلس لش پش ہوں۔ مابدولت کو شیزہ عارف کہتے ہیں کبھی کبھی شزی شیز شیزو یا شازور کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ ہم 2 اگست 1994ء کو دنیا میں تشریف لائے اور اپنے والدین کو کیوٹ سی بچی کے والدین ہونے کا شرف بخشا' اسٹار لیو ہے اور کاسٹ جدون۔ ہم ایبٹ آباد کے ایک چھوٹے سے گاؤں چمبہ میں رہتے ہیں' پانچ بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ بہنوں میں سب سے آخری نمبر جبکہ ایک بھائی مجھ سے چھوٹا ہے' 3 بہنیں شادی شدہ اور بھائی کے لیے لڑکی تلاش کی جارہی ہے' ایف ایس سی کیا ہے اور میڈیکل کے ٹیسٹ میں میرٹ لسٹ پر نہ آنے کی وجہ سے سال ڈراپ کیا ہے اور اب دوبارہ تیاری کررہی ہوں' آپ سب دعا کرنا۔ لیو کی کم و بیش تمام خوبیاں اور خامیاں مجھ میں پائی جاتی ہے' غصہ کی تیز ہوں' ہر بات منہ پر کہہ دیتی ہوں خود کو اسٹریٹ فارورڈ کہتی ہوں جبکہ ہوں منہ پھٹ (شاید)۔ پہلا امپریشن بہت مغرور ہوتا ہے جو درحقیقت ہوں نہیں' اب بندہ پہلی ہی ملاقات میں کھی کھی کرتا اچھا تھوڑی لگتا ہے۔ رنگوں میں لائٹ پنک اور ریڈ کلر پسند ہیں خوشبو میں موتیا کی کھانوں میں کھانے کی ہر چیز سوائے چنے کی دال کے۔ لباس میں فراک اور چوڑی دار پاجامہ۔ ڈریسز اور جیولری جمع کرنے کا کریز ہے۔ کوکنگ اچھی کرلیتی ہوں بقول بھائی کے ''دس سالن ہوں تب بھی ان میں سے اپنی شزی کا سالن پہچان لوں گا'' تھوڑی سی فرینک ہوں۔ بے حد باتونی ہوں' ایک اچھی سی جاب اور لینڈ کروزر بھی خواب ہیں۔ مطالعے کی شوقین ہوں (آہم صرف ناولز کے) پسندیدہ ایکٹر شاہد کپور اور ایکٹریس کترینہ کیف' حسن پرست ہوں' نخریلی بھی ہوں اور غصیلی بھی۔ کانفیڈنٹ ہوں بٹ اوور نہیں۔ قرأت کرتی ہوں اور دو دفعہ پوزیشن بھی لی۔ نعت بھی پڑھتی ہوں اور گانوں کی دیوانی ہوں' شاعری کی شوقین ہوں اور بقول کسی کے بے حد انا پرست' ضدی مگر تھوڑی سی معصوم بھی ہوں۔ پسندیدہ شخصیت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو اور بھائی تیمور خان۔ میرا بھائی جس کے لیے میں کچھ بھی کرسکتی ہوں۔ پسندیدہ کتاب قرآن پاک اور نسیم حجازی ''انسان اور دیوتا''۔ فرینڈز بہت سی ہیں مگر طوبیٰ' فضہ اور تانیہ بیسٹ فرینڈز ہیں اور رابعہ' ارشین' شانزہ' حبیبہ' مومنہ اجالا' رائمہ اور بہت سی (سوری یار جن کے نام یاد نہیں رہے)۔ لڑاکا بھی ہوں اور کیئرنگ بھی' کبھی کبھی جھوٹ بھی بول لیتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں جو چیز میری ہے وہ میری ہی ہو کسی اور کا سایہ بھی نہ پڑے اس پر' کمپرومائز کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ اب اجازت دیں دعاؤں میں ضرور یاد رکھنا' اللہ حافظ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! دوستو امید ہے کہ آپ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیر و عافیت ہوں گے۔ آپ سب کے سامنے آج اپنے تعارف کے ساتھ حاضر ہو رہی ہوں' امید ہے آپ کو پسند آئے گا۔ میرا نام خنساء عبدالمالک' تاریخ پیدائش 6 اکتوبر 1994ء ہے۔ ہم چھ بہن بھائی ہیں' میرا نمبر آخری ہے یعنی سب سے چھوٹی' ایف اے کیا ہے اور عالمہ کا کورس کر رہی ہوں' سب دعا کیجیے گا اللہ پاک علم کے ساتھ عمل کی توفیق دے آمین۔ امی ابو اور بہن بھائیوں سے بہت زیادہ محبت کرتی ہوں' دوستوں پر جان چھڑکتی ہوں مگر کوئی ساتھ نہ رہ سکی سوائے مریم کے (میری سویٹ سی دوست)۔ عاصمہ باجی سے ہر بات شیئر کر لیتی ہوں' سب کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں' وطن عزیز کو پرامن اور خوشحال وطن سے محبت رگ رگ میں گردش کرتی ہے پاکستان آرمی میرا جنون ہے (خوبی ڈاکٹر بہت پسند ہیں) دین اسلام کو پوری دنیا میں پھیلانا میری زندگی کا مقصد' ملک اور مذہب کی خاطر شہید ہونا چاہتی ہوں۔ پسندیدہ شخصیات میں نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم' خلفائے راشدین اور ہر صحابی رسول ﷺ میرے آئیڈیل ہیں۔ کتابوں میں سب سے پہلے قرآن پاک' حدیث شریف کی کتب' فضائل اعمال' حیاۃ الصحابہ اور دیگر اسلامی کتب' رسائل میں مسلمان بچے' بنات عائشہ اور ڈائجسٹ میں صرف آنچل پڑھتی ہوں۔ نعتیں اور بیان سننا پسند ہیں نعت خوانوں میں حافظ ابوبکر' انس یونس اور جنید جمشید بہت پسند ہیں۔ الحمدللہ شرعی پردہ کرتی ہوں اور تمام مسلمان بہنوں کے لیے دعا کرتی ہوں' اللہ پاک سب کو شرعی پردہ کرنے کی توفیق دے آمین۔ آرٹ میرا شوق ہے' نیچر کو پینٹ کرنا اچھا لگتا ہے۔ اچھے استاد کی ضرورت ہے اگر آپ میں سے کوئی مدد کر سکے تو مہربانی۔ رنگ سارے ہی اچھے لگتے ہیں' چوڑیاں اور مہندی بہت زیادہ پسند ہیں۔ لباس میں شلوار قمیص اور لانگ فراک پسند ہے ساتھ بڑا دوپٹہ۔ کھانے میں جو مل جائے کھا لیتی ہوں مگر حلال۔ کھیر بہت پسند ہے' سبزیوں میں کدو شوق سے کھاتی ہوں۔ عائشہ نور محمد' ام مریم اور نازیہ کنول نازی کی تحریریں بہت پسند ہیں۔ موسم بہار کا اور رات میں اور بارش سردیوں کی پسند ہے۔ خوبیوں اور خامیوں سے ملی جلی انسان ہوں۔ خوبی اپنے اندر ایک بتا سکتی ہوں کہ دل میں بغض نہیں رکھتی' کسی سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتی اور خامیاں اللہ پاک معاف کرے جذباتی بہت جلد ہو جاتی ہوں۔ کسی سے بات کرنے کو دل نہ چاہے تو فوراً موڈ بن جاتا ہے' شدید غصہ آتا ہے مگر اظہار نہیں کرتی۔ شاعری میں بہت دلچسپی ہے' ہر اچھے شاعر کو پڑھتی ہوں اداس جلدی ہو جاتی ہوں۔

واقف ہوں بہت خوب اس دنیا کی فطرت سے
بہت چاہتے ہیں لوگ مجھے مگر اک ضرورت کی طرح

بہر حال باتیں کچھ زیادہ ہی ہو گئی ہیں' معلوم نہیں میرا آدھا ادھورا یا پورا تعارف کسی کو پسند آیا یا نہیں' لیکن اجازت چاہوں گی اللہ نگہبان' السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اے رفیق دلربا' ہم مسافر الوداع
زندگی رہی تو پھر ملیں گے جب بھی موقع ملا

چراغ خانہ
رفعت سراج

قسط نمبر 3

اس کائنات محبت میں ہم مثل شمس و قمر کے ہیں
اک رابطہ مسلسل ہے اک فاصلہ مسلسل ہے
ہم خود کو بیچ دیں پھر بھی ہم تجھ کو پا نہیں سکتے
میں عام سا ہمیشہ ہوں تو خاص سا مسلسل ہے

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

پیاری اپنی دعا میں دانیال کو مانگنا چاہتی ہے لیکن پھر کچھ سوچ کر دعا کا مفہوم بدل کر اللہ سے دانیال کو اپنے لیے مانگتی ہے اور مطمئن ہوجاتی ہے۔ بوا بھی پیاری کی شادی جلدی کرنا چاہتی ہیں انہیں اب اپنی زندگی کا بھروسہ نہیں ہے اس لیے جلد از جلد پیاری کی ذمہ داری سے بری ہونا چاہتی ہیں۔ مانو پھوپو دانیال سے رشنا سے شادی کے حوالے سے پوچھتی ہیں لیکن وہ صاف انکار کردیتا ہے جس پر مانو پھوپو کو اطمینان ہوتا ہے جبکہ دانیال رشنا اور عالی جاہ کی جلد شادی کرنے کا مشورہ بھی دیتا ہے۔ مشہود کا موبائل مسلسل آف آنے پر پیاری کی پریشانی بڑھ جاتی ہے ایسا بہت کم ہی ہوتا تھا کہ مشہود کا موبائل آف ہو۔ مشہود جب میٹنگ میں ہوتا تو کال کرکے بتادیا کرتا کہ اس وقت کال نہیں کرنا لیکن اب جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا مشہود کا آف موبائل پیاری کے ساتھ بوا کی پریشانی میں بھی اضافہ کررہا تھا مجبوراً پیاری دانیال کو فون کرکے مشہود کے بارے میں پوچھتی ہے تب دانیال پیاری کو تسلی دیتا خود مشہود کے لیے پریشان ہوجاتا ہے۔ مشہود آفس سے گھر آنے کے لیے نکلا تھا لیکن راستے میں ہی اسے اغوا کرلیا گیا۔ مشہود کے سیل فون سے پیاری کو فون کرکے پانچ کروڑ مانگے جاتے ہیں۔ دانیال اپنے والد (کمال فاروقی) سے جب مشہود کے اغواء ہونے اور مطالبہ میں پانچ کروڑ کی رقم کا ذکر کرتا ہے تو وہ خود بھی پریشان ہوجاتے ہیں مشہود ان کی نظر میں بھی محنت کش اور ایک اچھا انسان ہے لیکن اتنی بڑی رقم کمال فاروقی کسی غیر کے لیے نہیں دے سکتے۔ اس لیے دانیال سے معذرت کرلیتے ہیں۔ سعدیہ (دانیال کی والدہ) کو جب بیٹے کی اس حرکت کا علم ہوتا ہے کہ وہ رات بھر مشہود کے گھر والوں کو تسلی دینے وہاں رک گیا تھا وہ اپنے شوہر کمال فاروقی پر برس پڑتی ہیں ساتھ ہی بیٹے کو بھی دوبارہ وہاں جانے سے منع کردیتی ہیں۔ مانو پھوپو سعدیہ (بھابی) کی خوشی دیکھتے ہوئے رشنا اور عالی جاہ کے رشتہ سے انکار دیتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیں)

مانو آپا نے تو اچانک پینترا بدل لیا تھا...... کمال فاروقی حیران پریشان تھے۔

''کہیں آپ سعدیہ کی دھمکیوں سے تو نہیں ڈر گئیں۔ میرے ہوتے ہوئے آپ کو فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔'' کمال فاروقی نے گہری نظروں سے بہن کا چہرہ دیکھا کچھ اخذ کرکے بنا الفاظ کوئی کھوج لگا کر ہی دم لیں گے۔ ''نہیں نہیں...... بے وقوف ہے وہ...... اور بے وقوف کی دھمکیاں بھی بلی کی میاؤں میاؤں ہوتی ہیں شیر کی دھاڑ نہیں جسے سن چرند پرند اپنے سانس روک لیں۔''

''آپ مجھ سے کچھ نہیں چھپائیں آپا۔''

''میں بالکل سچ بول رہی ہوں۔'' کمال سعدیہ نے جنگ کا طبل بجایا تو مارے غصے کے مجھے کئی رات نیند ہی نہ

آئی...... مردوں والی غیرت ایک عورت کو تنگ کرنے لگی...... ساری دنیا سوتی تھی اور میں جاگ جاگ کر سوچتی تھی...... آخر میں، میں نے ذہنی مشقت کی انتہا کو چھولیا اور واپس پیچھے آنا شروع ہوگئی اور اپنی حماقت پر جی بھر کر سر پیٹا۔ میں بڑی ہوں...... میری برداشت بھی بڑی ہونا چاہئے...... کیا جاہلوں والا کام کرنے چلی تھی...... یہ تو ایسا ہی ہے جیسے عورت کے مسئلے پر دو قبیلوں میں جنگ وجدل شروع ہوگیا ہو...... جنگ چھیڑ کر مر جائیں تو ہم بڑے کس کام کے......" مانو آپا نے کمال فاروقی کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر ان کے بالوں پر بوسہ دیا۔ بہن کی عظمت دیکھ کر کمال فاروقی کے دل پر رقت طاری ہونے لگی...... کتنی ہوش مندی سے وہ لگی آگ بجھا رہی تھیں۔

"آپ بہت عظیم ہیں آپا......"

"ارے کوئی عظیم وظیم نہیں...... لالچی ہوں...... بھائی کے سکھ کی لالچ ہے۔ میرے بھائی کو گھر میں سکھ نہیں ملے گا تو میرے منہ میں خاک اسے روگ لگ جائیں گے...... اللہ مجھے وہ دن نہ دکھائے کہ بھائی کی تکلیف دیکھوں......"

"لیکن عالی جاہ......" کمال فاروقی نے کچھ کہنا چاہا۔

"دونوں طرف سے کسی نے نامہ بر کبوتر نہیں اڑائے...... لڑکی صورت شکل سے اچھی ہے۔ جہاں سے گزرے گی سب دیکھیں گے...... کوئی عشق عاشقی کا کھیل نہیں تھا۔" مانو آپ کے انداز میں برجستگی تھی۔

"عشق عاشقی کھیل ہوتی ہے۔" کمال فاروقی اتنی دیر میں پہلی بار مسکرائے۔

"آج کل تو کھیل ہی ہے...... مار دنیا زمانے شور مچا کر محبت کی شادی ہوتی ہے۔ دو چار دن میں پنچائیت شروع ہوجاتی ہے...... ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے روادار نہیں ہوتے...... چھوڑو تم ان باتوں کو۔" مانو آپا بیزاری سے گویا ہوئیں۔

"لیکن آپا...... جو شے مل جاتی ہے...... اس کی قدر نہیں ہوتی اور جو ملتے ملتے رہ جاتی ہے وہ زندگی بھر یاد رہتی ہے۔ عالی جاہ پر ہم ظلم نہیں کریں گے؟" کمال فاروقی کو ہنوز تردد رہا۔

"ارے یہ تو تب ہوتا ہے جب لڑکی لڑکے نے بھی فلموں ڈراموں کے سین چلائے ہوتے پرائی بچی کا پیٹھ پیچھا ہے...... اللہ سے ڈروں گی، نام نہیں دھروں گی...... بہت باحیا اور نیک بچی ہے۔ جب ہی تو اس کا حسن دوچند ہے۔ جو دیکھتا ہے سانس روک کر دیکھتا ہے۔ حیا کے بغیر تو عورت کاغذ کا پھول ہے تم عالی جاہ کی فکر نہ کرو۔ سعدیہ سے کہو...... رشنا کو انگوٹھی پہنانے کی تیاری شروع کردے۔ سدا سہاگن رہے...... اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھے۔ مار اولاد کی محبت میں غصہ آ گیا تھا۔ آ کر معافی مانگ لوں گی۔" مانو آپا نے پھر کمال فاروقی کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

"آپا...... بس...... اب کریلے کو نیم پر نہ چڑھائیں...... اسے تو چاہئے کہ وہ جھک جھک کر آپ کو سلام کرے۔"

"کوئی ضرورت نہیں کورنش بجا لانے کی...... بڑی ہوں کسی پر کوئی احسان نہیں کر رہی اور خبردار...... تم بھی اس کو ہر وقت برا بھلا نہ کہا کرو۔ اس کی بھاگ دوڑ سے تو تمہارے گھر میں رونق ہے...... شام کو آتی ہوں میں اس کے پاس...... تم بیٹھو...... تمہیں اپنے ہاتھ سے کافی بنا کر پلاؤں گی۔ اللہ دنیا جہاں کی بہنوں کے بھائی سلامت رکھے...... اور اس دعا کے صدقے میرے بھائی کو بھی۔" مانو آپا کچن کی طرف جا رہی تھیں۔

"مانو آپا جیسی بہن کے ہوتے ہوئے زندگی میں کس چیز کی کمی رہ جاتی ہے۔" کمال فاروقی ایسے سکھ سے ہمکنار ہوئے جو کبھی کسی کے لیے نہروان میں تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

"دیکھ لوں گی تمہاری پھوپو کو۔ غلط بات پہ ہار ماننا تو میں نے سیکھا ہی نہیں۔" سعدیہ اپنے بڑے بیٹے بلال سے فون پر بڑے فخریہ انداز میں بات کر رہی تھیں۔ جو گزشتہ پانچ چھ سال سے امریکہ میں سیٹل تھا...... "اب

دیکھنا میں کتنی دھوم دھام سے دانیال کی شادی کروں گی۔ بارہ گھوڑوں کی بگھی پر دولہا بنا کر بیٹھاؤں گی...... سارا شہر بارات دیکھے گا......"

"ممی اتنی فضول خرچی کی کیا ضرورت ہے؟ پیسہ بڑی محنت سے کمایا جاتا ہے۔ پانچ سال دن رات محنت کی ہے تو میرا سوفٹ ویئر بزنس سیٹ ہوا ہے۔ پاپا بھی بہت محنت کرتے ہیں......" بلال سمجھانے لگا۔

"ارے تو پھر اتنی محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے کچن اور یوٹیلٹی بلز کے لیے تو ایک لاکھ بہت ہوتے ہیں۔ ارمان پورے کرنے کے لیے تو دولت کماتے ہیں۔ میں تو رشنا کے لیے شاپنگ کرنے یو کے، سنگاپور، دبئی جاؤں گی بلکہ اسے ساتھ لے کر جاؤں گی۔"

"مائی گاڈ......" بلال کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"میرے ہاں کون سی بچوں کی لائن لگی ہوئی ہے جو سوچ سوچ کر کنجوسوں کی طرح خرچ کروں۔ تمہاری شادی ہوگئی...... دانیال کے بعد میں فارغ۔" سعدیہ اتنی زیادہ خوش نظر آرہی تھیں کہ بلال کی تنقید واعتراض کو خاطر میں نہیں لارہی تھیں۔

❁ ❁ ❁ ❁

بوا کو ایمبولینس میں لے کر وہ ہاسپٹل تک تو پہنچ گئی تھی۔ پھر اس کے بعد جیسے اس کے اعصاب جواب دینے لگے۔ اعصاب بھی دباؤ برداشت کرنے کی ایک حد رکھتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا کسی بھی وقت سر میں ایک دھماکہ ہوگا اور اس کے وجود کے پرخچے اڑ جائیں گے۔ اس نے دانیال کو اس سارے معاملے سے بے خبر رکھا تھا۔ شاید ہر چھوٹی بڑی مشکل پر اسے بلاتے شرم آنے لگی تھی۔ وہ تو دانیال نے سائٹ پر جاتے جاتے گاڑی کا رخ مشہود کے گھر کی طرف موڑ دیا تھا۔ ایک آس بندھی تھی کہ شاید آج اس کی طرف سے کوئی کال آتی ہوا سے پیاری کے رویے سے بھی الجھن ہوتی تھی۔ اب وہ اسے خود سے فون نہیں کرتی تھی اگر وہ فون کرتا تو کئی بار کی ٹرائی کے بعد اٹینڈ کرتی۔ اپنی طرف سے کوئی بات نہ کرتی، جی اور ہاں۔ نہیں

کے علاوہ کچھ نہ بولتی یہ ایک بڑی عظیم ذہنی اذیت تھی۔ اسی لیے وہ اسے کال کرنے کے بجائے گھر چلا آیا تھا۔ مگر الیکٹرک لاک کی وجہ سے اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا کہ مکین اندر ہیں یا باہر۔ کھڑا کال بیل رنگ کرتا رہا۔

"فون اٹینڈ کرنا چھوڑ دیا شاید گیٹ بھی نہیں کھولے گی......" اس نے بے دم انداز میں سانس لیتے ہوئے سوچا تھا۔ لوگ اپنی راہ چل رہے تھے مگر اسے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے ہر گزرنے والا اسے اشارے ہی اشارے میں کہہ رہا ہو کہ "میاں دروازہ نہیں کھلتا تو اپنی راہ کیوں نہیں لگتے؟"

مگر اس نے اپنی ذات کی سب سے بہترین خوبی قوت ارادی کو بحال رکھتے جیب سے موبائل نکالا اور پیاری کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اسے خوش گوار حیرت نے آلیا۔ پہلی رنگ پر ہی کال ریسیو ہوگئی تھی اس سے پیشتر کہ وہ کچھ کہتا۔ پیاری کی آواز ایئر پیس سے ابھری۔

"بوا کی طبیعت خراب ہوگئی تھی میں ایمبولینس میں انہیں ہاسپٹل لے آئی ہوں۔ آئی سی یو میں ہیں۔" اس کی آواز سے محسوس ہوتا تھا کہ بہت روئی ہے۔

آنسو انسانی زندگی میں روح کے گھر کا مقام رکھتے ہیں۔ کوئی روح آنسوؤں کے غسل سے پہلے نہ یزداں کا ٹھیک ٹھیک ادراک کرسکتے ہیں نہ مقام لاہوت کا اور یہی آنسو محبوب کی آنکھوں سے رواں دواں ہوں تو چاہنے والے کو محبت کی لذت سے ہمکنار کرتے ہیں۔ دو دلوں کی دھڑکنیں، کس طرح باہم ہوتی ہیں یہ ادراک نیا شعور حاصل زندگی بن جاتا ہے۔ اس نے اب صرف ہاسپٹل کا نام پوچھا۔ مزید کوئی بات نہیں کی۔ محبت نے اب اگلے معیار کو چھونے کے لیے قدم بڑھائے۔ خلوص ومحبت کی ترویج پر معمور فرشتوں کی فوج ظفر موج میں سے دو فرشتوں نے آگے بڑھ کر دائیں بائیں تھام کر ایک نیا فرض ادا کرنے کے لیے اسے ذہنی طور پر تیار کیا۔

❁ ❁ ❁ ❁

مارچ ۲۰۱۶ء کے شمارے کی ایک جھلک

زادِ سفر: زندگی ایک سفر ہے اور یہ سفر ہے کٹھنائیوں کا جسے ہر ذی نفس نے طے کرنا ہے۔ ہر سفر کے لیے قدرت زادِ سفر مہیا کرتی ہے جو نہ صرف سفر کی دلچسپی کا سبب بنتا ہے بلکہ سانس بہ سانس، جو بہ جو گامزن رہنے کی مکمل ترغیب کا درجہ بھی رکھتا ہے۔ وہ معاشرے کا ایک روندا ہوا کردار تھا جسے قدرت نے طویل سفر اور زادِ سفر مہیا کر کے دنیا کے اونچے نیچے راستوں پر روانہ کر دیا تھا۔ سماج ہر موڑ پر اس کے سفر کو کھوٹا کرنے کے درپے تھا جبکہ اس کی سوچ اس کے آہنی وجود کی طرح پختہ اور مستحکم تھی۔ گوشت پوست کا انسان ہوتے ہوئے اسے پتھروں سے سر ٹکراتا اور اپنا زادِ سفر بچاتا تھا۔ وہ قدم بہ قدم سینت کر رکھتے ہوئے چلتا رہا، ٹھوکریں کھا کر سنبھلتا رہا اور اپنی گٹھڑی کی دل و جاں سے حفاظت کرتا رہا۔

عشق کسی کی ذات نہیں: عشق حقیقی ہو بھلے مجازی، عشق پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہوتی۔ عشق چاہے اپنے مقصد کے لیے ہو، کسی ذات سے ہو یا پھر رب تعالیٰ سے، وہ اپنا آپ منوا لیتا ہے۔ حق و باطل کے درمیان اپنے کردار سے وہی لکیر کھینچ سکتا ہے جس کے پاس آفاقی سچائی ہو۔ قوتِ عشق سے وہ میدانِ عمل میں اترتا ہے جو ایک کردار کی شہادت دیتا ہے۔ انسانی ذات ہی وہ میدانِ عمل ہے جہاں حاصلِ عشق کا ظہور ہوتا ہے۔ ایک دوشیزہ کی کہانی جو معاشرے کی روایتی پابندیوں کو توڑ کر اپنے کردار سے یہ ثابت کر دیتی ہے کہ من سچا ہو تو زمانہ جھک جاتا ہے۔

سلگتے چنار: "آپ ہی بتائیں کہ اگر میں اور مجھ جیسے دوسرے کشمیری نوجوان صرف اپنی اپنی فیملی کی حفاظت کے لیے اپنے گھروں میں آ کر بیٹھ جائیں گے تو آزادی کی جدوجہد کون کرے گا؟ کسی بڑے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے چھوٹی چھوٹی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ میں مجبور ہوں اور اس دھرتی کا بیٹا ہوں۔ میں نے اپنے ملک کو کافروں سے آزاد کروانے کا ارادہ کر لیا ہے اور میں اپنے اس مقصد سے کبھی پیچھے نہیں ہٹوں گا۔"

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

"میں مان ہی نہیں سکتی کہ مانو آپا نے اپنے پیارے بھتیجے کے لیے اتنی عظیم قربانی دی ہے۔ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔" سعدیہ بجائے حیران وخوش ہونے کے پہلے سے زیادہ بھتھے سے اکھڑی ہوئی نظر آرہی تھی۔

"اپنے دماغ کا علاج کراؤ......" کمال فاروقی نے کھٹ سے لیپ ٹاپ بند کیا اور سوفٹ ویئر استعمال کرنے کی تمام احتیاطیں بالائے طارق رکھ دیں۔ سعدیہ نے صحیح ان کا میٹر گھما دیا تھا۔

"لومڑی انگور کو کھٹا تب ہی کہتی ہے جب اس کے ہاتھ نہیں لگتے...... میرا خیال ہے رشنا کے گھر والوں نے عالی جاہ کا پرپوزل ٹھکرا دیا ہے۔ اب مانو آپا اپنی عزت اور بھرم بچانے کے لیے عظیم بن رہی ہیں۔"

"خبردار جو تم نے میری ماں جیسی بہن کے لیے ایک لفظ مزید منہ سے نکالا۔ مری جارہی تھی رشنا کو بہو بنانے کے لیے...... آج شام ہی نکاح پڑھاؤ بیٹے کا......" کمال فاروقی پوری قوت سے دھاڑے۔

"ارے واہ...... ایسے ہی...... اب تو میں پوری چھان بین کروں گی کہ آخر کیا ہوا ہے...... جو لوگ رشنا کی خاطر سو سال جنگ کرنے کو تیار تھے ایک دم پیچھے کیوں ہٹ گئے۔"

"تم جیسی چھوٹے اور تنگ ذہن کی عورت میری بہن کی کردار کی بلندی کو اپروچ ہی نہیں کرسکتی۔"

"مجھے میرا کام بتاؤ اور دانیال کے نکاح کی تیاری کرو...... آپا بتا رہی تھیں ہم لوگ پرپوزل لے کر جائیں گے تو منظور ہوجائے گا۔ آپا بہت سمجھداری سے راستہ ہموار کرچکی ہیں۔" کمال فاروقی نے بمشکل اپنا غصہ کنٹرول کرکے عملی اقدامات کی تیاری کی۔

"یا تو رشنا میں کوئی گڑبڑ ہے یا......"

"اسٹاپ اٹ......" کمال فاروقی پھر دھاڑے۔ "شرم کرو...... پرائی بیٹی کے بارے میں سوچ سمجھ کر بات کرو۔"

"دانیال کی شادی اب رشنا ہی سے ہوگی...... رشنا کے گھر فون کرکے بتادو کہ ہم شام کو آرہے ہیں۔"

"کمال......"

"نہ کمال نہ جمال...... اب جو میں کہہ رہا ہوں وہی ہوگا۔ جاؤ جاکر اپنا کام کرو۔ ورنہ میں کسی ہوٹل کے روم میں جاکر ریسٹ کرلوں گا۔" کمال فاروقی انتہا کو چھو رہے تھے۔ "بری سے بری بیوی کو بھی پتہ ہوتا ہے کہ کب چپ ہوجانا چاہیے ورنہ......" سعدیہ کمرے سے باہر چلی گئی تھیں۔

......☆☆☆......

آئی سی یو میں بوا کے سرہانے، دائیں بائیں اتنی مشینیں رکھی تھیں کہ شیشے سے اندر جھانکتے ہوئے پہلا خیال یہی آتا تھا کہ خدانخواستہ ان کی کلینک ڈیتھ واقع ہوچکی ہے اور اب ورثاء کو بہلایا جارہا ہے۔ پیاری دیوار سے پشت ٹکائے ساکت وصامت کھڑی تھی۔ دانیال یوں ٹہل رہا تھا جیسے صبح کی واک کررہا ہو...... گاہے بگاہے نظر اٹھا کر پیاری کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ مرد وعورت کی تنہائی کی بابت دانشوران قدیم وحکمائے جلیل نے بڑے سخت محتاط انداز میں عوام الناس کو خبردار کیا ہے، بڑھے بوڑھے اسے عام سے انداز میں آگ اور پھونس کا کھیل کہتے ہیں۔

مگر مرد وعورت کی تنہائی ایسی قیامت صغریٰ بھی ہوسکتی ہے جسے قیامت کبریٰ کی لمحاتی جھلک بھی کہہ سکتے ہیں۔ قیامت کبریٰ جب ماں گود کا بچہ پھینک کر دشتوں میں سرگرداں، نو مہینے کی گابھن اونٹنیاں کھلی پھریں گی۔ سیارے مدار چھوڑ بیٹھے ہوں گے۔ پہاڑوں کے قدم اکھڑ چکے ہوں گے ہر انسان کے حصے میں آنے والی قیامت صغریٰ کی الگ تشریح ہے۔ جو اس کی زندگی میں آنے والے حادثات وواقعات کے کسی انجام یا پنچ لائن پر منتج ہوتی ہے۔

اس وقت پیاری ایک قیامت صغریٰ سے گزر رہی تھی۔ اس کا پورا وجود وحشت کی مٹھی میں مقید تھا۔ اس کی بلا سے قریب دانیال تھا یا کوہ قاف سے اس کی تلاش میں آنے والا

کوئی شہزادہ یا اس کے رستے زخموں پر مرہم رکھنے والا کوئی حاذق طبیب۔ زندہ بھائی آنکھوں سے دور...... اور مشکل مادر یمشتن بوا بستر مرگ پر......

"میرا خیال ہے رات تک بوا کو مکمل ہوش آجائے گا۔" دانیال نے محض سکوت توڑنے کی نیت سے بات کی۔

"خیال میں تو سب کچھ ہے...... یہ بھی ممکن ہے کہ میں کھڑے کھڑے بغیر مرے جنت میں پہنچ جاؤں...... بڑی سے بڑی اور بہت خوف ناک حقیقت کو بھی فیس کرسکتی ہوں۔ اتنے گھپ اندھیرے میں خود کو دھوکہ دینا اچھی بات نہیں ہوتی اسی لیے تو کہتے ہیں جو ڈرتے وہی مرتے ہیں۔" پیاری نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بڑے حوصلے سے بھاری بھر کم الفاظ ادا کیے اور دانیال کو دم بخود کردیا۔

اس فصیح البیانی کے سامنے اس کے سارے الفاظ معذور ہوگئے۔ پیاری کے گلابی ہونٹ خشک ہوکر سفید پڑ چکے تھے۔ رت جگے نے آنکھوں کے گرد سرمئی ہالہ کھینچ دیا تھا۔ بال گندھی ہوئی چوٹی سے نکل کر لٹوں کی صورت شانوں اور گردن پر بکھرے ہوئے تھے۔ دوپٹہ جانے کب سر پر رکھا تھا۔ کچھ سر پر کچھ کاندھے پر باقی چمکتی ٹائلوں پر پڑا ہوا تھا۔ اسی سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اس وقت ماحول میں مکمل طور پر موجود نہیں۔

"آپ اپنا کام کریں۔ یوں میرے ساتھ کھڑے رہنے سے میرے حالات پر کیا فرق پڑے گا یا حالات بدل جائیں گے؟" پیاری کو یوں محسوس ہونے لگا تھا گویا دانیال کے احسانات کا بوجھ بڑھتا جارہا ہے۔ اس نے لٹی پٹی ویران سی پیاری کو اب بہت اعتماد اور توجہ سے دیکھا۔

"آپ ساتھ دینے کی نیت باندھ لیں پیاری...... حالات کچھ تو بدلیں گے۔ میں آپ کو اکیلا چھوڑ کر صرف موت کے فرشتے کے ساتھ ہی اکیلا جاسکتا ہوں...... اب ہم ایسے موڑ پر کھڑے ہیں کہ آخری وانتہائی فیصلہ کرنا ہوگا۔ آپ کو اکیلا چھوڑ کر اپنی دنیا میں مگن ہوجاؤں...... اتنا بڑا رسک نہیں لے سکتا۔ خدانخواستہ بوا کو کچھ ہوگیا تو میں آپ کو اپنے گھر لے جاؤں گا۔ وہ گھر جہاں میرے ماں باپ رہتے ہیں۔ کیونکہ میں اس گھر میں آنے جانے کا کوئی اخلاقی جواز نہیں رکھتا جہاں اکیلی لڑکی رہتی ہے۔ بس اب آپ میرے آنے جانے کی فکر میں دبلی نہ ہوں......"

دانیال نے سارے رت جگوں کا کھڑے کھڑے حساب بے باق کر کے پیاری کا سکتہ توڑ دیا تھا۔

وحشتوں کے جنگل میں ڈھونڈنے والے کی طرح تو پیارا تھا۔ وہ سحر آفریں ایجاب وقبول جو پورے چاند کی شرط پوری ہونے کا منتظر ہوا کرتا ہے...... یوں پلک جھپکتے میں سرزد ہوا...... گویا نشانہ بندھتے ہی تیر چل گیا۔ ازخود ریویو کا موقع ہی نہ ملا۔

دانیال آگے بڑھا اور اس نے پیاری کا ٹھنڈا برف ہاتھ تھام لیا۔ پیاری یوں لرز لرز گئی گویا کسی نے اچانک اس کی عصمت پر حملہ کردیا ہو مگر دانیال کی گرفت سے اپنا نرم ونازک ہاتھ چھڑانے کی نہ قوت تھی نہ چاہ۔ اسے کیا پتا تھا کہ گھپ اندھیروں میں جسے وہ پتھر کا ٹکڑا سمجھ رہی تھی وہ تو چراغ تھا جو روشن کیے جانے کا منتظر تھا۔ ذرا سی روشنی ہوئی اور امید یقین گمشدہ دوستوں کی طرح پھر سے اس کے گلے سے آلگے۔ یہاں تک گمان ہوا کہ ابھی فون کی گھنٹی بجے گی اور وہ مشہود کی آواز سنے گی۔ بوا آئی سی یو سے اپنے پاؤں پر چلتی باہر آجائیں گی۔ سورج پر پڑے بادل چھٹ جائیں گے مطلع صاف ہوجائے گا۔ رات کو چاند نکلے نہ نکلے اسے تارے گننے کی فرصت نہیں ملے گی۔ دانیال اسے کندھوں سے تھامے ہاسپٹل کے کیفے ٹیریا کی طرف بڑھ رہا تھا۔

❀......❀......❀......❀

دانیال آنکھیں پھاڑے ماں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے میرا بہت دل تھا اس لڑکی پر...... مگر تمہاری پھوپو بھی اس پر مری جارہی تھیں۔ ایسے کیسے ہاتھ اٹھالیا...... مجھے تو شک پڑتا ہے ضرور کوئی مسئلہ ہے ورنہ تمہاری پھوپو بھائی چھوڑ دیتیں رشتہ نہ چھوڑتیں۔ اب تو میں پوری انوسٹی گیشن کروں گی۔ تب ہی کوئی

فیصلہ کروں گی۔"

"کیسا فیصلہ؟" دانیال نے خود کو دھوکہ دیتے ہوئے سوال کیا۔اس سے زیادہ فیصلے کا مطلب کون سمجھ سکتا تھا۔

"ارے..... رشنا کو بہو بنانے یا نہ بنانے کا۔" سعدیہ نے فوراً جواب دیا۔

"بس ممی آپ پریشان نہ ہوں اور رشنا کو بہو نہ بنانے کا فیصلہ کرلیں اور ایک طرف ہوجائیں گی تو خود بخود سب ٹھیک ہوجائے گا۔" دانیال کو راہ نجات نظر آئی تو اس نے مفید مشورہ دینے میں ذرا دیر نہ لگائی اور رکی ہوئی سانس بہت اہتمام سے خارج کی۔

"ارے واہ..... اب تو یہ میری انا کا مسئلہ ہے۔ بات بھلے ختم ہو مگر لوجک پروسس سے گزر کر......"

"ممی پلیز..... زندگی اتنی فالتو نہیں ہے کہ سارے ضروری کام چھوڑ کر انا کی جنگ میں جھونک دیں..... اس ایک زندگی میں بڑے بڑے اچھے کام کیے جاسکتے ہیں..... پھوپو نے رشنا کے لیے انکار کردیا ہے۔ میری طرف سے بھی انکار ہے۔ بس اب سلسلہ یہیں ختم ہوگیا۔ مجھے اتنا ڈسٹرب نہ کریں کہ یہ گھر ہی چھوڑ دوں......" دانیال اب سچ مچ جھنجلا گیا اور سعدیہ کی بات سنے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

سعدیہ اپنی جگہ ہکا بکا بیٹھی رہ گئیں۔

"انکار......؟ ابھی کہاں سے انکار...... ابھی تو بال کی کھال نکلے گی......" سعدیہ پر دانیال کی دھمکی کا مطلق اثر نہ ہوا تھا۔

❀......❀......❀......❀

"بھینسوں کی لڑائی میں جھنڈوں کا نقصان...... ارے ان کے آپس کے خاندانی جھگڑے چل رہے ہیں۔ ہمارا مفت میں تماشہ بن رہا ہے۔ ارے تمہاری لڑکی کو رشتوں کی کمی ہے......" رشنا کی تائی خیرالنساء جن کا درحقیقت نام شرالنساء ہونا چاہیے تھا...... بباطن بغلیں بجارہی تھیں۔ بظاہر چہرے پر اپنائیت وہمدردی کے ڈونگرے برس رہے تھے۔ دیورانی کو غیرت کے معاملے میں پکا کرنے کے مشن پر صبح سے ان کے کمرے میں دھرنا دیے بیٹھی تھیں۔

جب سے ان کے راج دلارے دلدار علی کو ان کے دیور دیورانی نے ٹھکرایا تھا وہ ایک ان دیکھی آگ میں جلتی رہتی تھیں۔ مانو آپا جیسی معتبر خاتون نے اپنے بیٹے کے لیے سوال ڈالا تو بستر پر کانٹے بچھ گئے۔ چاروں کونوں میں اتنی پھونکیں ماریں کہ سانس کی تکلیف نئے سرے سے شروع ہوگئی۔ ہر وقت پمپ ہاتھ میں دکھائی دینے لگا۔

"آخر اللہ نے ان کی سن لی۔" مانو آپا جواب دے کر بھی چلی گئیں مگر ساتھ ہی یہ کہہ گئیں وہ اب اپنے بھائی کے ساتھ ان کے بیٹے کے لیے رشتہ ڈالنے آئیں گی جو عالی جاہ سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ رشنا کی ماں میمونہ اور باپ اسد حسین کو حیرت نے آلیا بلکہ دم بخود کردیا۔ مانو آپا دنیا کی واحد ماں تھیں جو اپنے بیٹے پر بھتیجے کو ترجیح ہی نہیں دے رہی تھیں اس کا کلمہ بھی پڑھ رہی تھیں۔ میمونہ نے خیرالنساء کو آدھی بات بتائی تھیں اور آگے کے روشن امکانات کو ان سے اس لیے مخفی رکھا تھا مبادا وہ نہ ہو جو مانو آپا کہہ گئی تھیں تو خیرالنساء کے سامنے بڑی ہزیمت اٹھانا پڑے گی۔ اب بے چاری سادہ لوح میمونہ کو یہ تو نہیں پتہ تھا اگر انہوں نے خیرالنساء کو ساری بات بتادی ہوتی تو ان کے سرہانے آکسیجن کا سلینڈر دھر دیا جاتا۔

رشنا کی آنکھیں بات بے بات بھیگ جاتیں تو ماں کو عجیب سا احساس جرم ستانے لگتا۔

"کہیں میری بچی کو عالی جاہ سے انسیت تو نہیں ہوگئی تھی کیونکہ ہر پل اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگتے تھے۔" انہیں ذرا دھیان نہ آیا کہ آنسو تو اس وقت بھی چمکتے رہتے تھے جب عالی جاہ کے پیام کو شرف قبولیت بخشا گیا تھا۔

"بیٹا اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اللہ کے ہر کام میں بہتری ہوتی ہے۔ تمہارا کون سا نکاح ہوا تھا۔ دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ اپنی جناب سے تمہارے لیے ضرور نیک بر بھیجے گا۔" وہ رشنا کو محبت سے سمجھانے بیٹھیں تو وہ آنسو پونچھتی کسی اور طرف چل پڑی۔ "بڑے بوڑھوں سے

سنا ہے کنواری پاؤں پٹختی ہے تو بر مانگتی ہے۔ مگر میری بچی چلتی ہے تو پاؤں کی آواز نہیں آتی۔" میمونہ ازحد متفکر ہو کر سوچ رہی تھیں۔

❁......❁......❁......❁

"ارے کہیں بھاگی جارہی ہے جو آج ہی رشتہ پکا کرنے جائیں۔ پہلے مجھے ٹھیک سے چھان بین کرلینے دیں۔" سعدیہ نے بمشکل ماتھے پر پڑی شکنیں مٹاتے ہوئے کمال فاروقی کو رسانیت سے جواب دیا۔

"نہیں آج ہی چلنا ہے۔ تم نے میری ماں سمان بہن کا تماشہ بنایا ہے اور وہ جو تم نے میری ماں کی نشانی ہیرے کی انگوٹھی سنبھال کر رکھی ہوئی ہے وہی اپنے پرس میں ڈال لو۔ آج ہی بات پکی ہوگی...... مانو آپا اپنے گھر سے سیدھی وہیں پہنچیں گی۔"

"کمال...... اتنی جذباتیت آپ کے مزاج میں نہیں ہے۔ ضرور کسی نے آپ کو خوب اچھی طرح چڑھایا ہے۔" سعدیہ نے اپنی مخصوص خودسری کے ساتھ جواب دیا۔

"سعدیہ مجھے زیادہ غصہ نہ دلاؤ...... ورنہ آج ہی دانیال کا نکاح بھی پڑھادوں گا اور رشنا کو رخصت کرا کر بھی لے آؤں گا۔ جلدی سے جا کر تیار ہوجاؤ میں صرف اس کام کی وجہ سے اپنے دس ضروری کام چھوڑ کر آیا ہوں۔"

"جا کر کرلیں اپنے دس ضروری کام۔ مجھے کوئی جلدی نہیں۔" سعدیہ نے اسی ڈھٹائی کے ساتھ پتھر چھوڑے۔

"سمجھ میں نہیں آتا تم کس مٹی سے بنی ہو۔ عالی جاہ کا رشتہ رشنا سے کسی صورت نہ ہو۔ اس کام میں گند کرنے کے لیے تم نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ کیا تمہارا مقصد صرف میری بہن کی بے عزتی کرنا تھا؟" کمال فاروقی بری طرح برس پڑے۔ ان کی آواز اتنی بلند تھی کہ فرسٹ فلور پر دانیال کے بیڈ روم تک پہنچ گئی جو ہاسپٹل جانے کے لیے جلدی جلدی تیار ہورہا تھا۔ گرتا پڑتا ماں باپ کی خواب گاہ تک پہنچا۔

"کیا ہوا پاپا......؟" وہ حیران پریشان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ تمہاری ممی رشنا کو انگوٹھی پہنانے جارہی ہیں۔ تم ساتھ چلنا چاہو تو چل سکتے ہو۔ ویسے تو ان کی فیملی نے تمہیں مانو آپا کے گھر کئی بار دیکھا ہوا ہے۔" کمال فاروقی نے بمشکل خود کو سنبھال کر قدرے نرمی سے کہا۔

"جی...... ؟ انگوٹھی پہنانے رشنا کو......؟ کیا مطلب؟" دانیال بری طرح گڑبڑایا۔

"انگوٹھی پہنانے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ تمہاری ماں کی پسندیدہ لڑکی سے تمہاری شادی ہونے جارہی ہے۔" کمال فاروقی کے لہجے میں طنز کی آمیزش نمایاں تھی۔

"ارے فالتو میں بحث کیے جارہے ہیں۔ مجھے اتنی جلدی نہیں ہے۔ جس لڑکی کو مانو آپا نے ایک سیکنڈ میں ٹھکرادیا...... بنی بنائی بات ختم کردی۔ اب میں اتنی آسانی سے......"

"میں کہتا ہوں اب اپنی بکواس بند کرو۔" کمال فاروقی کی برداشت مکمل طور پر ختم ہوگئی تھی۔ "میری بہن نے خاندان کو بکھرنے سے بچانے کے لیے اتنی بڑی قربانی دی۔ اور یہ عورت ان پر شک کررہی ہے۔" کمال فاروقی نے اب ہر مصلحت' رواداری' اٹھا کر بالائے طاق رکھ دی اور بیٹے کی موجودگی کا بھی ذرہ برابر لحاظ نہیں کیا۔

"کیا ہر وقت بہن کی مالا جپتے رہتے ہیں۔ خدمت میں کروں' گھر کے کام میں دیکھوں۔ ٹھنڈا گرم میری ذمہ داری' موزے کا ایک پاؤں نہ ملے تو میں ڈھونڈوں' صاحب میٹنگ سے دیر سے آئیں تو میں جاگوں۔ جا کر اپنی بہن سے کروائیں خدمتیں۔ میرے سر پر کھڑے کیوں چلارہے ہیں؟" سعدیہ کو بیٹے کی موجودگی نے اب شیرنی بنادیا تھا۔ کمال فاروقی کے چیخنے دھاڑنے سے ان پر مطلق کوئی اثر نہ ہوا۔

"خدمتیں کرتی ہو تو عیش بھی تو تم ہی کرتی ہو۔ وہ تو مجھ سے بے غرض محبت کرتی ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خواہش میرے سکون کی خاطر قربان کردی۔ ساری ناشکری عورتیں جہنم میں جائیں گی اور جانا بھی چاہیے۔" کمال فاروقی نے باندھی ہوئی ٹائی گلے سے اتار پھینکی۔

"پلیز...... آپ لوگ مجھ سے بھی پوچھ لیں میں اس ایمرجنسی کی منگنی کے موڈ میں بھی ہوں یا نہیں۔" اس سے پیشتر سعدیہ بول پڑتیں۔ دانیال تے ایک بم اپنی طرف سے پھوڑا۔ سعدیہ اور کمال فاروقی اب ہکا بکا ہو کر دانیال کی طرف دیکھنے لگے۔

"پلیز پاپا...... آپ ریسٹ کیجیے۔ میری وجہ سے اپنا بی پی شوٹ کرنے کی ضرورت نہیں۔" یہ کہہ کر دانیال رکا نہیں تیزی سے باہر نکل گیا۔

سعدیہ بھی پیچھے پیچھے چل پڑیں جاتے ہوئے بیڈ روم کا دروازہ بند کرنا نہیں بھولیں۔

✿......✿......✿......✿

"پہلے میں نے سوچا تھا آپ کو اور پوا کو اپنے گھر لے جاؤں گا۔ وقت بے وقت آپ کے گھر جانا اچھا نہیں لگتا۔ مرد کو تو دنیا کی باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر عورت کے معاملات بہت نازک اور حساس ہوتے ہیں۔ مگر اب میں اسی بات کو کسی اور طرح سوچ رہا ہوں اور آپ سے کھل کر شیئر کرنا چاہتا ہوں۔" صبح کی نئی نویلی دھوپ ہاسپٹل کے وسیع و عریض سر سبز لان میں بکھری ہوئی تھی۔ دانیال پیاری کے ساتھ سنگی بینچ پر بیٹھا بہت سنجیدگی سے بات کر رہا تھا۔

"آپ نے اپنے پیرنٹس سے بات کی یا خود ہی سوچے جا رہے ہیں۔" پیاری دانیال کی دلیل سے قائل ہوتی تو نظر آئی مگر ابھی الجھنیں باقی تھیں۔

"ہمارے گھر میں ایک پورشن ہے جس کا داخلی دروازہ الگ ہے۔ پہلے کرائے پر دیا تھا مگر کرائے داروں نے بہت تنگ کیا۔ ممی نے کہا کہ آئندہ وہ کرائے داروں کی دوسری نہیں پالیں گی حالانکہ اچھا خاصہ کرایا ملتا تھا خیر۔" دانیال کو خود ہی احساس ہو گیا کہ وہ بات کو کہیں سے کہیں لے جا رہا ہے سو اس نے جلدی سے اپنی بے احتیاطی کی خود ہی اصلاح کرتے ہوئے اپنے خاص موضوع پر واپسی کی راہ اختیار کی۔

"میں پاپا سے بات کرنا چاہتا تھا مگر وہاں دوسری باتیں شروع ہو گئیں۔"

"دوسری باتیں؟" پیاری نے چونک کر دانیال کی طرف دیکھا۔ بے بی پنک کلر کی ٹی شرٹ اور جیٹ بلیک کلر کی ڈریس پینٹ میں ملبوس دانیال بہت نکھرا نکھرا نظر آنے کے باوجود کھلا ہوا محسوس نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بھرے بھرے ہونٹوں پر گھنی مونچھوں کے سائے خمیدہ تھے۔ بھرپور جوانی اس پر مستزاد غیرت مندوں کی سی احتیاط و پیار سا گئی...... وہ صرف بے خیالی میں ہی پیاری کا چہرہ دیکھتا تھا۔ جان بوجھ کر اس نے ایک مرتبہ بھی پیاری کو بہت توجہ غور سے نہیں دیکھا تھا۔ مبادا گردشوں کی ستائی ہوئی پیاری کے احساسات کو ٹھیس نہ لگے اور حقیقت یہ تھی کہ یہ پیاری سے سچی محبت کا ہی کرشمہ تھا کہ وہ اس وقت صرف اس کے دکھ کا ساتھی تھا۔ نفس کو اس نے سو کوس سے لعنت دکھائی تھی۔ پیاری کی نظر اس پر پڑی اور اس نے کمتری کی انتہا محسوس کرتے ہوئے سوچا۔

"مجھے دانیال کی انگلی پکڑ کر چلنا ہے۔ ورنہ اجنبی چہروں کی بھیڑ میں گم ہو جاؤں گی۔"

"ہاں...... دوسری باتیں...... میری شادی کی باتیں......" دانیال نے بہت اعتماد اور واضح انداز میں کہا۔

"شادی......؟" پیاری کو اب پھر اس کی طرف دیکھنا پڑا۔ اس دیکھنے میں اس لٹ جانے والے کیفیت تھی جو سارا سودا خریدنے کے بعد جیب میں ہاتھ ڈالے تو پتہ چلے جیب کٹ گئی ہے۔ ابھی تو صرف انگلی پکڑنے کے احساس سے دل مضطر کو قدرے قرار ملا تھا۔ مگر یہ کیا......

"آپ کی شادی ہو رہی ہے؟" اس نے اپنی نسوانی انا کو بڑی مشکل سے کھینچ کھانچ کر کھڑا کیا۔

"میرا دوست لاپتہ ہے اس کی فیملی پریشان حال ہے اور میں شادی کروں گا؟ وہ بھی اپنے پیرنٹس کی فرمائش پہ...... کمال کرتی ہیں آپ۔" دانیال نے اس کی طرف دیکھنے سے شعوری طور پر گریز کیا۔

"آپ خود ہی تو کہہ رہے ہیں......" پیاری نے اپنی دو چشم تیرائی کو آدھا کیا اور سکون سے ضمنی سوال کیا۔

"گھر میں باتیں شروع ہوئی ہیں...... وہ بھی بہت

زور شور سے..... اور مجھے خطرہ ہے کہ کسی بھی وقت مجھے ایموشنلی پریشرائز کیا جائے گا۔ ایکچوئلی شادی کا تو بس نام ہے یوں سمجھیں دو قبیلوں میں جنگ چھڑ گئی ہے اور میں دونوں قبیلوں کا مفرور ہوں۔" دانیال نے مسکرا کر سامنے یوں دیکھا جیسے کوئی کھڑا اسے اشارے کر رہا ہو۔

پیاری کے خاک پلے نہیں پڑا۔

"بوا کی حالت کچھ بہتر ہوئی ہے۔ وہ پیرالائز ہوگئی ہیں۔ کسی بھی وقت گھر لے جایا جاسکتا ہے اور اس سے پہلے بہت کچھ کرنا ہے۔" دانیال نے بہت سنجیدگی اور اعتماد سے اب پیاری کی صورت باقاعدہ تکتے ہوئے کہا۔

"کیا کرنا ہوگا؟" دل کو تو بس اچھلنے کا بہانہ چاہیے ہوتا ہے۔

"ہم آج ہی شادی کریں گے۔ میں آپ کو اپنی بیوی کی حیثیت سے اپنے گھر لے جانا چاہتا ہوں۔ اس حالت میں نہیں کہ لوگ آپ پر ترس کھائیں اور آپ لوگوں سے زیادہ خود پر ترس کھائیں۔ جب مجھے شادی ہی آپ سے کرنا ہے تو آپ کو فضول کے مینٹلی ٹارچر سے کیوں گزاروں؟ جب کہ میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ مجھے آپ کے علاوہ کوئی اور چاہیے ہی نہیں۔ تو میں آپ کو اس وقت ریلیف کیوں نہ دوں۔ جب آپ کو اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ آپ کی اور میری شادی دو سال چار سال بعد بھی ہوسکتی ہے مگر مشہود کی غیر موجودگی میں کوئی ریسک افورڈ نہیں کیا جاسکتا۔" دانیال یوں بول رہا تھا جیسے کوئی اینکر بہت نپا تلا تجزیہ پیش کررہا ہو اور انتظامیہ کی جانب سے نیوٹرل نظر آنے کی سختی سے تاکید ہو۔ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ اس کی ذاتی زندگی کا معاملہ ہے اور وہ جذبات کا منہ چڑا رہا ہے۔ تب ہی تو پیاری کو آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھنے کا حوصلہ بھی ملا تھا۔ ورنہ لطیف بات پر تو بیوی بھی نظر چرا لیتی ہے اس کا اور دانیال کا ساتھ تو تمام نزاکتوں کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ مگر اس طرح سے جیسے دو مختلف سمتوں سے آئے ہوئے مسافر پلیٹ فارم پر بیٹھے مطلوبہ ٹرین کے آنے تک ادھر ادھر کی باتیں کررہے ہوں۔

"اس طرح کیا دیکھ رہی ہیں؟ آپ کی پریشانی کے لیے بہت لوازمات بکھرے ہوئے ہیں جو میں کوشش کے باوجود سمیٹ کر سمندر میں نہیں پھینک سکتا مگر آپ کی تنہائی کا سچا ساتھی تو بن سکتا ہوں...... یا آپ کو کوئی اور تو پسند نہیں وغیرہ وغیرہ...... میں جانتا ہوں آپ مجھ سے صرف محبت نہیں کرتیں ٹوٹ کر محبت کرتی ہیں۔ یار وہ کتنا بڑا احمق ہے جو ایک خاموش خاموش سی لڑکی کے دل پر لکھی ہوئی تحریر بھی نہیں پڑھ سکتا۔ یہی وہ خالص پن ہے جو روحیں پہچانتی ہیں۔ مشہود ہمارے درمیان ہوتا تو شاید شادی کی نوبت ہی نہ آتی۔ میں آپ سے یہ سب کچھ کہتا ہی نہیں۔ دوست کا دل نہیں توڑتا۔ اپنا توڑ لیتا۔ میں بے وقوفوں کی طرح آپ سے وہ بات سننے کے لیے اصرار نہیں کروں گا جو مجھے پتہ ہے۔" دانیال بول رہا تھا۔ وہ بس سن رہی تھی۔ شمس و قمر کا طلوع و غروب عین فطرت ہے۔ کوئی نہیں کہتا کہ یہ کیوں نکلتے ہیں کیوں ڈوبتے ہیں۔ اب اس وقت بھی فطرت خود کو منوانے پر مصر تھی۔

وہ لب بستہ سچائی کا سامنا کررہی تھی۔ حیرت کدے میں آئینوں کا سلسلہ تھا۔ نظر اٹھانے کی تاب نہیں تھی۔

دانیال اسے گہرے سمندر میں غوطہ زنی پر لگا کر جاچکا تھا۔

بوا اندر وارڈ میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھیں۔

دور تک خود کو تنہا پا کر اسے منظر پر صرف دانیال نظر آ رہا تھا۔ وہ تنہا گھر پر نہیں رہ سکتی۔ دانیال کے گھر میں اگر وہ رہتی ہے تو کتنے دن۔ بھائی کی جدائی کا پہاڑ کاندھوں پر دھرا تھا۔ فون کالز کا سلسلہ بند ہونے کے بعد صرف اندیشے اور وسوسے اس کا اثاثہ تھے۔ بوا ذہنی اور جسمانی لحاظ سے مفلوج ہوچکی تھیں وہ مصر کی ممی کو گھر میں سجا کر آٹھ پہر کس طرح کاٹے گی؟ دانیال مرد تھا اس کا ذہن نازک صورت حال میں کوئی حل نکالنے کے لیے مستعد تھا اور اس نے نکالا بھی تھا۔ مگر پیاری ایک غیر شادی شدہ لڑکی تھی جسے بہت احتیاط سے قدم رکھنا تھے۔ یہ اس کی سماجی اور اخلاقی پابندی تھی۔ زندگی نے عظیم آزمائش کے دور میں لا کھڑا کیا تھا۔

بھائی کی جدائی میں اتنے آنسو بہا چکی تھی کہ لگتا تھا جسم کا سارا خون آنسوؤں میں ڈھل کر آنکھوں کے راستے بہہ گیا تھا۔ ہمہ وقتی تھکن اور اداسی نے زندگی کی ساری توانائیاں چوس لی تھیں۔ مگر دانیال نے جو فیصلہ کیا تھا وہ باقی کی پوری زندگی پر حاوی ہونے جا رہا تھا۔ خفیہ شادی تو لڑکی کو اور زیادہ غیر محفوظ کر دیتی ہے۔ یہ اس بحران کا حل نہیں ہو سکتی۔ اس کی روح نے فراست کی بلندیوں کو چھو لیا۔ دل کی ہر دھڑکن انکار بن گئی۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" دانیال آئے گا تو وہ صاف صاف کہہ دے گی یہ اس کے مسائل کا حل نہیں ہے۔ اس نے بڑے اعتماد سے بہرحال فیصلہ کر لیا۔ محبت شرائط سے پاک ہوتی ہے۔ جہاں شرائط ہوتی ہیں وہاں سودے بازی ہوتی ہے۔

دانیال اس کی زندگی میں آنے والا پہلا اور آخری مرد تھا اور اتنا باخبر تھا کہ اس کے دل سے کان لگا کر رکھتا تھا۔ کسی اور بھلے وقت میں یہ انکشاف کہ وہ اس کی چاہتوں کی شدت سے باخبر ہے خوشی کی معراج بن جاتا مگر جیتا جاگتا جوان بھائی جو اس کی ماں بھی تھا اور باپ بھی اس کی جدائی کا دکھ اتنا بوجھل تھا کہ دنیا کی کوئی خوشی اس بوجھ کو ہلکا نہیں کر سکتی تھی پھر اس نے خود اپنے کانوں سے سنا تھا مشہود دوستی کو رشتے داری میں بدلنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھا۔ اگرچہ سگا بھائی اس کا قانونی و مذہبی حق ضائع کرنے کی بات کر رہا تھا مگر احسان مندی کا تقاضا تھا کہ اس کے جذبات کا احترام کیا جائے۔ فیصلہ ہو گیا تھا۔ دانیال اس کی زندگی تھا مگر اسے دانیال کے بغیر ہی زندگی گزارنا تھی۔

❁......❁......❁......❁

"ممی! ہو سکتا ہے آج رات میں گھر نہ آؤں مگر فکر نہ کریں صبح جلدی آ جاؤں گا۔" دانیال حفظ ماتقدم کے تحت سعدیہ سے بات کر رہا تھا۔ اگرچہ اسے خود بھی پتہ نہیں تھا کہ آیا وہ جو کچھ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے اس میں وہ کامیاب ہو گا یا ناکام۔

"خیریت؟ شہر سے باہر جا رہے ہو......" سعدیہ خود ایک فنکشن کی تیاری میں مصروف تھیں جو ان کے اپنے سوشل سرکل میں ہو رہا تھا۔ جس سے ان کے شوہر کمال فاروقی کا دور دور تک کوئی علاقہ نہ تھا۔ یہ بینکوں کے قرضے کھانے والوں کی بیگمات کی ایک سوشل ویلفیئر کے نام پر تنظیم تھی جس کی وہ روح رواں تھیں۔ شوہروں کی مالی بے قاعدگیوں کو چھپانے کے لیے یہ ایک پلیٹ فارم تیار کیا گیا تھا اور کمال فاروقی کی نیک نامی کو اپنے مقاصد میں استعمال کیا جا رہا تھا۔ سعدیہ اس مکڑی کے جال سے بے خبر بس اسی بات پر خوش تھیں کہ ہر جگہ فیتہ کاٹنے اور ڈونیشن کی تقسیم کے لیے انہیں مدعو کیا جاتا تھا۔ اس لیے دانیال کی غیر موجودگی کی وجوہات پر غور وخوض کرنے کی انہیں فرصت نہیں تھی۔ شہر کی مشہور اور مہنگی ترین بیوٹیشن سے ٹائم لیا ہوا تھا وہاں پہنچنے کی عجلت سوار تھی۔

"بس خیریت ہی ہے۔ غالباً آ بھی سکتا ہوں آپ پریشان ہو جاتی ہیں اس لیے پہلے سے احتیاطاً بتا رہا ہوں۔" دانیال نے نظر چراتے ہوئے کہا۔

"ظاہر سی بات ہے بچہ رات بھر گھر نہ آئے تو پریشانی ہوتی ہی ہے اور جبکہ حال ہی میں تمہارے دوست کے ساتھ ٹریجڈی ہو چکی ہے کچھ پتہ چلا...... پولیس کی طرف سے کیا خبریں آ رہی ہیں۔" سعدیہ کو ایک دم مشہود کے اغوا کا واقعہ یاد آیا تو قدرے فکر مند ہو کر پوچھنے لگیں۔

"فی الحال تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ پولیس تو یہی کہتی ہے کہ ہم پوری کوشش کر رہے ہیں۔" دانیال نے سوچتے ہوئے اور بہت افسردہ کیفیت میں جواب دیا۔

"ویری سیڈ...... اسی لیے کہتی ہوں احتیاط کیا کرو۔" سعدیہ نے عجلت کے تاثر چھپاتے ہوئے ماستا کا حق ادا کرنے کی کوشش کی تاکہ دانیال کو یقین ہو جائے کہ ماں کو اس کی بہت فکر رہتی ہے۔

"جی ممی......" دانیال نے نظر بچا کر اپنی ریسٹ واچ پر ٹائم دیکھا۔

"میں تو خود شاید بہت لیٹ آؤں مگر تم اپنے پاپا کو خود بھی فون کر کے بتا دینا۔" سعدیہ نے جوس گلاس ٹیبل پر

رکھا اور مزید کچھ کہے اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ گئیں۔

دانیال نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ممی بہت مصروف ہیں ورنہ بال کی کھال نکالنے بیٹھ جاتیں۔ اب سب سے کٹھن اور کڑا مرحلہ تھا۔ پیاری کو سوچنے غور کرنے کا ٹائم دے کر آیا تھا چند گھنٹے گزرنے کے بعد بے چینی لاحق ہوگئی تھی۔ وہ اب جلد سے جلد جاننا چاہتا تھا کہ پیاری نے بالآخر کیا فیصلہ کیا۔ اس وقت ذہن لومیرج کے نشے سے سرشار نہیں تھا بلکہ احساس ذمہ داری کی زنجیروں کا شکنجہ بہت سخت تھا۔ رومانس تو حادثے نے ہڑپ کرلیا تھا۔ اب تو گویا گزشتہ چاہتوں کے قرضے چکانے کی پڑی تھی۔ محبت کا دریا اچانک خطرے کا نشان کراس کرکے سیلابی پانی میں بدل گیا تھا جو اپنی راہ سے بھٹکتا ہے تو بستیوں کا رخ کرتا ہے۔ پانی جو نمو کی علامت کہلاتا ہے۔ سیلاب بن جائے تو دن رات کا فرق مٹا دیتا ہے نہ دن کی بھاگ دوڑ ہوتی ہے نہ رات کا آرام۔ بس وقت ایک ماورائی جہاں سے ٹھہر جاتا ہے ایسا جہاں جو وقت اور خلاء کی پابندیوں سے آزاد ہوتا ہے۔

ایک پیاری سی لڑکی ہے۔ اس کے سب سے بہترین دوست کی سگی بہن ہے۔ بہت باحیا' پارسا' اور غیر محفوظ۔ اسے ایک مضبوط حصار اور احساس تحفظ کی چادر اوڑھانا ہے۔ روم روم میں بسی شدید محبت اس کی تکلیف برداشت نہیں کرسکتی۔ ادھوری آگہی عشق کی سوزش کو احساس ذمہ داری کا نام دے کر کسی معرکہ سے گزر کر اپنی منزل پالینا چاہتی تھی۔ حادثے کی لال آندھی میں کہیں وہ اس سے گم نہ ہوجائے۔ اندیشے تکمیل تمنا کے لیے اسے دوڑا رہے تھے اور وہ اپنے ضمیر کو سمجھا رہا تھا کہ یہ تعلقات کا تقاضا ہے۔ اس لڑکی کو کوئی نقصان پہنچا تو خود سے نظر نہیں ملا سکے گا۔

ایک طوفانی فیصلے کے بعد وہ خوف زدہ کرنے والے نتائج کے اندیشوں سے برسرپیکار تھا اور صرف جیتنے کی نیت سے لڑ رہا تھا۔

❀....❀....❀....❀

"نہیں......" ساری کائنات میں نہیں کی بازگشت تھی۔ یوں لگا...... یہ لفظ "نہیں" صور اسرافیل ہے۔ جس کے بعد تمام اور مکمل نظام شمسی تہ وبالا ہونے لگا۔ ساروں کے مدار دھوئیں کے بادل بن گئے اور ٹوٹ پھوٹ تباہ کن آوازوں کے ساتھ شروع ہوگئی۔

"نہیں...... کیا مطلب؟" دانیال نے دل کی دھڑکنوں کو بمشکل سنبھالا۔

"نہیں کا مطلب...... نہیں ہوتا ہے۔" وہ بہت پروقار انداز میں کہہ رہی تھی اور دانیال کی طرف دیکھنے سے شعوری طور پر گریزاں تھی۔

"اعتبار نہیں ہے مجھ پر؟" وہ بولا...... آواز گہرے کنوئیں سے آرہی تھی۔

"پہلے تھا...... اب نہیں ہے......" بلاتکلف جواب ملا۔

دیرینہ مروتوں کے پرندے بھی کوچ کر گئے۔ محبت تو کسی چڑیا کا نام تھا۔ دانیال کو یوں لگا بھرے بازار میں اسے کسی نے ننگ انسانیت کیا ہو۔

"جو کسی کو اپنی عزت بنانا چاہتا ہے۔ پہلے اس کی عزت کے بارے میں سوچتا ہے۔ جو میرے لیے اپنے ماں باپ سے نہیں لڑسکتا وہ دنیا سے کیا لڑے گا۔ مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی۔ بہت مایوس کیا آپ نے...... مجھے میری ہی نظروں میں گرادیا۔ ابھی تو میں اکیلی ہوئی ہوں۔ ابھی تو میں بہت ستائی جاؤں گی۔ پہل آپ نے کی...... بہت دکھ ہوا۔ شکر یہ آپ کے پانچ کروڑ کا احسان نہیں ہے ورنہ بہت مشکل ہوجاتی۔ خداحافظ۔" وہ اندر وارڈ کی طرف جارہی تھی اور وہ بے روح وجود کے ساتھ ایستادہ دیکھ رہا تھا۔ کھودینے کا احساس، پاگل پن اور پاگل پن کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔

"اتنی سنگین صورت حال میں بھی وہ کتنا متوازن سوچ سکتی ہے...... وہ جو بنیادی تخلیق بھی نہیں ہے بلکہ بنیادی تخلیق آدم کی پسلی سے تخلیق ہوئی ہے۔ جس کو ناقص العقل کہا جاتا ہے۔ جدید سائنس جس کے دماغ کو تول کر انکشاف کرتی ہے کہ اس کے دماغ کا وزن مرد کے دماغ کے مقابلے میں کم ہوتا ہے۔ جس کی گواہی آدھی ہے۔ جس کی عبادت ناقص ہے کہ عبادت میں وقفہ کرتی ہے۔ چھٹیوں پر چلی جاتی ہے۔ پھر...... پھر وہ اس پر کیسے سبقت لے گئی؟"

یہاں تک اس کے ذہن نے کام نہیں کیا کہ حیا عورت کی سب سے بڑی نگہبان اور اس کی عظیم طاقت ہے۔ جو احتیاط سکھاتی ہے۔ احتیاط جذبات کی دھند صاف کرتی ہے۔ ذہن کا توازن مرتب کرتی ہے۔ نفس دل پسند شریک حیات کو گھر میں بسانے کا خواہش مند تھا۔ جسے وہ احساس ذمہ داری کا نام دے کر خود کو دھوکہ دے رہا تھا مگر کھڑے کھڑے ایک ناقص العقل نے اسے حقیقت آشنا کرکے لمحوں میں بوڑھا کردیا۔

❁......❁......❁......❁

ہاسپٹل سے گویا دو جہاں لٹا کر نکلا کچھ دیر سمت کا تعین کیے بغیر ادھر ادھر ڈرائیو کی پھر اندھیرے میں ایک روشن چہرہ جگمگایا۔ یہ چہرہ اس کی شفیق و مہربان پھوپو عرف مانو آپا کا تھا۔ اداسی اور تنہائی کا گھیرا تنگ ہونے لگے تو کسی مہربان کے نرم ہاتھوں کی تمنا جاگتی ہے کہ جو اس تنگ گھیرے کو مزاحمت کرکے توڑ ڈالیں۔ سینے سے لگالیں۔ پیشانی کو بوسہ دیں۔ بغیر پوچھے نادیدہ زخم پر مرہم رکھیں۔ اس بڑے سے شہر میں یہ کام مانو پھوپو کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے منتشر ذہن کے ساتھ بڑی غیر محتاط ڈرائیو کی اور سیدھا مانو پھوپو کے پورچ میں جاکر دم لیا۔

باہر لاؤنج کے دروازے کا شیشہ صاف کرتی ملازمہ اندر بھاگی تاکہ اس کی آمد کی اطلاع بیگم صاحبہ تک پہنچائے۔ اس کے قدم شکستہ تھے مگر مانو آپا کا جذبہ توانا تھا۔ وہ اندر دیر میں پہنچا مگر مانو آپا فرسٹ فلور سے اتر کر پہلے لاؤنج میں آگئیں۔ انہیں ہمیشہ دانیال کی عدیم الفرصتی کا گلہ رہتا تھا کہ بھتیجے کا خون سفید ہوگیا ہے۔ مہینوں صورت نہیں دکھاتا۔ جھپاک سینے سے لگالیا۔

"ماشاءاللہ...... آج تو میرے گھر کے در و دیوار روشن

ہو رہے ہیں۔ کیسے بھول پڑے...... پھوپو یاد آ گئی میرے بیٹے کو۔" وہ اسے پیار کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ وہ ان کی طرف بہت کم ہی آپاتا تھا۔ ایک دن اپنی جان چھڑانے کے لیے جلدی میں آ گیا تھا اس دن کے بعد آج ایک غم گسار پرخلوص، بے غرض رفیق کی تلاش میں اٹکتا بھٹکتا ان کے گھر آ گیا تھا۔ واقعی وہ ایک مطلبی اور خود غرض انسان ہے۔ اس نے خود پر نفرین بھیجی۔

"بس پھوپو...... کام ہی اتنے ہیں کہ چوبیس گھنٹے کم پڑ جاتے ہیں۔" اس نے شرمسار لہجے میں بے لوث محبت کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"چلو آ گئے ہو ناں...... بس میں تو تمہیں دیکھتے ہی خوش ہوگئی یوں لگا کہ جیسے تم تو روز ہی آتے ہو۔ بہت تھکا ہوا لگ رہا ہے میرا بیٹا۔" انہوں نے دانیال کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بہت پیار سے کہا۔ بغور دیکھ بھی رہی تھیں۔

"جی بس...... ویسے کچھ سر میں درد ہے اور کوئی بات نہیں۔" اس نے مانو پھوپو کو تسلی دی۔

"ٹھیک ہے میں چائے بنواتی ہوں۔ چائے کے ساتھ ڈسپرین لے لو...... دوپہر کو کھانا کھایا تھا؟" اٹھتے ہوئے یک دم انہیں خیال آیا۔

"ناشتہ بہت لیٹ کیا تھا...... اسے بس لنچ ہی سمجھیں۔" دانیال نے صوفے کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

مانو آپا نے ایک سوچتی ہوئی نگاہ دانیال پر ڈالی۔ "لگتا ہے ماں نے رشتا رشتا کرکے بچے کی جان کھالی ہے...... میرا بچہ تو میرے پاس آ کر صاف صاف انکار کرکے گیا تھا۔ ایک ہی لڑکی رہ گئی ہے ضد میں بس پاگل ہی ہوجاتی ہے یہ سعدیہ۔" بھتیجے کی اداس صورت دیکھ کر خون جوش کھانے لگا اور اس اداسی کے ذمہ داروں پر نزلہ گرنے لگا۔

"عالی جاہ تو رات کو لیٹ ہی آتا ہوگا۔" دانیال نے پٹ سے آنکھیں کھول کر ایک طرف جاتی ہوئی مانو پھوپو سے سوال کیا۔ جو اس کی خاطر مدارت کے لیے نوکر کو کہنے جارہی تھیں۔

"ارے نہ پوچھو...... ہماری تو نیندیں ویران ہوگئیں۔ کوئی وقت نہیں گھر آنے کا جب جی چاہا منہ اٹھا کر چل پڑے جب جی چاہا گھر کا منہ دیکھ لیا۔" مانو آپا نے سخت بیزار کن انداز میں جواب دیا۔ ایک ایک حرف سے ظاہر تھا کہ بیٹے سے سخت نالاں ہیں۔ دانیال نے فوراً چپ سادھ لی۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ پھوپو بھری بیٹھی ہیں۔ مزید بات کرنا ایسا ہی ہے گویا بارود کو تیلی دکھانا۔

"پھوپو نے کس پر تنقید کی...... کیوں کی؟ کس کو لعن طعن کی اور کیوں کی؟" ہر بات ولفظ بے معنی اور بے تاثر تھے۔ ہر خبر پرانی خبر تھی، ہر لفظ بہت پہلے سے سنتا آ رہا تھا۔ ہر شے آنکھوں دیکھی اور حافظے میں محفوظ تھی۔ نئی بات تو بس یہی تھی کہ اس کے دل کی دنیا لٹ گئی تھی۔ خبر تھی بس ایک ہی...... کوئی پیارا...... چاند سے بھی پرے نظر آ رہا تھا۔ پھوپو بولتی رہیں وہ یوں مسکرا مسکرا کر سنتا رہا جیسے اس سے زیادہ دلچسپ گفتگو آج سے پیشتر اس نے کبھی نہیں سنی اور آج سے زیادہ کبھی اتنا خوش گوار موڈ بھی نہیں بنا اور آج سے زیادہ کبھی اتنی پرسکون فرصت بھی نہیں ملی کہ پیاری سی پھوپو کے پاس سے اٹھنے کی جلدی ہو۔ وہ جتنا مرضی بولیں۔ بول بول کر تھک جائیں وہ سنتے ہوئے نہیں تھکے گا۔ ایسی سعادت مندی دیکھ کر تو مانو پھوپو نہال ہی ہوئی جاتی تھیں۔ اپنا بیٹا تو پٹھے پر ہاتھ ہی دھرنے نہیں دیتا تھا۔ کوئی بات شروع کرتیں تو ریسٹ واچ پر ٹائم دیکھنے لگتا جیسے کہہ رہا ہو اماں جلدی بات ختم کریں ورنہ میں دھواں بن کر اڑ جاؤں گا۔

"بیٹا تم ماشاءاللہ عاقل بالغ ہو۔ اپنی زندگی کے تمام معاملات پر فیصلہ کرنے کا تمہیں پورا حق ہے کیوں کہ زندگی کو تم نے گزارنا ہے۔"

"زندگی گزارنا ہے؟" دانیال نے خالی خالی نظروں سے مانو پھوپو کی طرف دیکھا۔

"کیسے گزرے گی...... کب سے دس بجنے کا انتظار کررہا ہوں آج دس ہی نہیں بج رہے۔ دس بجیں گے تو

گیارہ بھی بجیں گے پھر بارہ بھی۔ پھر آدھی رات ہوگی۔ پھر صبح کا انتظار ہوگا۔ گھڑی کی سوئیوں کو کیا ہوا..... لگتا ہے پیرالائز ڈ ہوگئی ہیں۔''

''جی پھوپو...... آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' دانیال نے جلدی سے کہا کیونکہ پھوپو فوری ردعمل نہ پاکر دانیال کو باقاعدہ گھورنے لگتی تھیں۔

''بالکل..... ہر انسان کی اپنی زندگی ہوتی ہے۔ اسے اپنی زندگی خود گزارنا چاہیے۔ دوسروں کی زندگی کیوں گزاریں۔ ان کی اپنی زندگی ہے وہ گزاریں۔ دوسروں کی زندگی چھیننے کی کیا ضرورت ہے۔ زندگی ایک بار ملتی ہے۔ سب کو اپنی اپنی قبر میں جانا ہے تو دوسروں کی زندگی پر قبضہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ زندگی ہے کوئی مذاق تو نہیں۔'' دانیال شروع ہوا تو پانی پیتی مانو آپا کو اچھو لگ گیا۔ ان کے اچھو نے دانیال کو واپس حواسوں میں لوٹا دیا۔ وہ بے خبری اور بے خودی کی کیفیت سے آناً فاناً واپس آگیا۔ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور مانو پھوپو کی پیٹھ سہلانے لگا۔ کھانس کھانس کر نڈھال ہونے کے بعد انہوں نے گہرا سانس لیا تو اس نے بھی اپنا دست تعاون سرکا لیا۔

''آج تم کچھ بدلے بدلے سے لگ رہے ہو دانیال...... کوئی خاص بات ہے؟'' مانو پھوپو بات کرنے کے قابل ہوئیں تو حیرانی کو وہیں سے پکڑ لیا۔ جہاں تک وہ بھاگ چکی تھی۔

''ارے نہیں...... آج بہت دنوں بعد فرصت ملی ہے تو آپ سے باتیں کرنا اچھا لگ رہا ہے۔ ایک ہی تو پھوپو ہیں میری مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔'' اس نے خاطر جمع کے ضمن میں چند کلمات ادا کیے۔ پھوپو سن کر خوش ہوگئیں۔ ''سب ہی کچھ بدل گیا پھوپو...... پاؤں کے نیچے زمین نہیں پانی ہے۔ آسمان پہلے نیلا تھا اب بے رنگ ہوگیا ہے۔'' وہ سوچ رہا تھا۔

❁......❁......❁......❁

یشتن بوا دنیا ومافیہا سے بے خبر بے سدھ پڑی تھیں۔ سرہانے لگی مشینوں کی جلتی بجھتی رنگ برنگی روشنیاں وقفے وقفے سے ابھرتی ہلکی سی بیپ کی آواز جو خیالات کا تسلسل وقتی طور پر توڑتی تھی اور اس وقفے میں وہ ایک نگاہ بوا پر ڈالتی تھی۔ درحقیقت بوا کی کلینیکل ڈیتھ ہوچکی تھی مگر ہاسپٹل کی آمدنی میں اضافے کے لیے جدید مشینیں بہت تعاون کررہی تھیں۔ صبح ہی ایک عمرو عیار کی زنبیل اس کے ہاتھ میں تھمادی جاتی تھی۔ یہ ٹیسٹ وہ ٹیسٹ الابلا دوا فلا دوا ڈاکٹروں کے دورے آخر میں ایک ہندسے کے ساتھ چار صفر۔

''جلدی کرو بل ادا کرو۔ مریضہ کو صبح کی ٹریٹمنٹ بھی شروع کرانا ہے۔'' نئے پرانے بہت نوٹ دے کر آتی اور اگلی صبح تک ایک نیا تماشہ شروع ہوجاتا۔ فی الوقت اسے مالی پرابلم نہیں تھی۔ ڈپازٹ دانیال نے ویزہ کارڈ سے جمع کرادیا تھا اور ہزار کا ایک پیکٹ لفافے میں بند کرکے اسے تھما کر چلا گیا تھا اور اس نے اسی وقت سوچ لیا تھا کہ بوا کی طبیعت سنبھلنے کے بعد جب وہ گھر جائے گی تو ماں کی رکھی ہوئی گولڈ کی جیولری میں سے کچھ فروخت کرکے پہلی فرصت میں دانیال کو رقم واپس کرے گی۔ اس کے اپنے اکاؤنٹ میں بڑی محدود رقم ہوتی تھی۔

مشہود گھر کے اخراجات کے لیے اسے مہینے میں دو تین مرتبہ کچھ رقم دیا کرتا تھا اور اس کی پاکٹ منی اس کے علاوہ ہوتی تھی جو اس کی بچت ہوتی تھی۔ اسی میں سے وہ اب تک کے تمام اخراجات کررہی تھی۔

ہاسپٹل کسی بھی انسان کا ایک امتحان ہوا کرتا ہے۔ یہ بے بسی کی وہ منزل ہے جہاں انسان اپنا سب کچھ دے کر زندگی بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ نہیں کہنے کے بعد تو یہ ایک لاکھ روپیہ سانپ بچھو کی طرح ڈسنے لگا۔ کب ہاسپٹل سے نکلیں اور قرضہ چکائیں۔ ایسی عجلت سوار ہوئی گویا دانیال پستول تان کر کھڑا ہوا اور کہہ رہا ہو۔ ''نکالو میرے ایک لاکھ۔''

بوا پر نظر آٹھہری۔ ''مشہود بھائی خدا کے لیے آجائیں۔ بوا بہت ڈرا رہی ہیں......'' اس نے سر جھکایا اور بلک بلک کر رونے لگی اتنا روئی کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔ وہ

شعوری کوشش کررہی تھی کہ آواز نہ نکلے بس گھٹ گھٹ کر روتی رہے۔
''ہیں کیا ہوا......؟ آپ نے رنگ کیوں نہیں دی؟ آپ کو کیسے پتہ چلا۔'' بھاری بھرکم ڈیوٹی نرس ہانپتی کانپتی بوا کے بیڈ کی طرف دوڑی......دوڑنا بھی ایسا تھا گویا تانگہ ناہموار پگڈنڈی پر دوڑ رہا ہو۔ پیاری تو دہل کر کھڑی ہوگئی۔ رونا دھونا بھول گئی۔ نرس مشینیں چیک کررہی تھی۔
پیاری نے نوٹ کیا پہلے کافی ساری لائٹس روشن تھیں اور اب چند مشینوں پر صرف ریڈ کلر کی ایک ہی لائٹ تھی۔ دل کی دھڑکنوں کی آمدورفت دکھانے والی مشین پر نظر آنے والی لہریں غائب ہوچکی تھیں۔
''کمال ہوگیا' آپ کو پتہ چل گیا کہ ان کی ڈیتھ ہوگئی ہے اور آپ نے بیٹھ کر رونا شروع کردیا۔ بی بی کم از کم آپ باہر آکر بتاتی تو سہی۔'' نرس کے لہجے میں روایتی تحکم کے بجائے اس وقت دکھ کی کیفیت تھی۔ اب اس نے کھٹ پٹ ریچھ مشینوں کے ناک کان مروڑے اور ڈاکٹر کو اطلاع دینے باہر بھاگ گئی۔
''ڈیتھ ہوگئی...... ڈیتھ ہوگئی۔'' نرس کی آواز نے اسے کسی درندے کی طرح دبوچ لیا تھا۔ وہ جیسے پتھر کے مجسمے میں ڈھل گئی۔
''آئی ایم سوری...... ہم نے بہت کوشش کی۔'' ڈاکٹر اس کے مقابل کھڑا اپنے پیشہ ورانہ انداز میں معذرت کررہا تھا۔
''سوری......'' انسان اپنی زندگی میں ہزاروں لاکھوں مرتبہ یہ لفظ سنتا ہے مگر ہاسپٹل میں ڈاکٹر کے منہ سے نکلنے والا سوری بہت خوف ناک ہوتا ہے۔
امید کسی یار دغاباز کی طرح رفوچکر ہوجاتی ہے اور امید کے بغیر جینا تو موت ہی کا دوسرا روپ ہے۔
''بی بی آپ کاؤنٹر پر جاکر اپنے ڈیوز کلیئر کرائیں...... اور ڈیڈ باڈی لے جانے کے لیے بھی کاؤنٹر پر ہی ایمبولینس کی بات کرلیں۔'' نرس کی ٹون روٹین سے بدلی ہوئی تھی مگر انداز مشینی ہی تھا۔
''ڈیڈ باڈی......'' وہ آنکھیں پھاڑ کر جاتی ہوئی نرس کو دیکھ رہی تھی۔ ''ارے مار ہم بیماریوں کی پوٹلی۔ آج مرے کل دوسرا دن۔ ارے تمہارے بھیا کو خوب ہری ہری سوجھ رہی ہے۔ بہنا کی عمر سرک رہی ہے ہاتھ پیلے کرنے کی فکر ہی نہیں۔ ایک کام کا لونڈا ساتھ لیے پھرتے ہیں اسے بھی بہن کا بھیا بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔'' بوا کی آواز کی بازگشت کانوں میں گونج رہی تھی۔
''آج مرے......کل دوسرا دن۔''
''بوا چلی گئیں...... بڑی جلدی تھی جانے کی۔ دیکھتی نہیں کہ میں بالکل اکیلی ہوں۔ پتہ تھا کہ بھائی بھی لاپتہ ہے پھر بھی میرا خیال نہ آیا۔ اکیلا چھوڑ دیا۔ ویسے ہر وقت میرا خیال رہتا تھا...... موٹر کا ہارن بجا ہے مگر تم باہر مت جانا...... میں دیکھتی ہوں اتنے احتیاطیں...... اب راہ میں چھوڑ کر چلی گئیں۔'' دکھ کی ایک لہر آری کی طرح جگر کو رگیدتے گزر گئی۔ بے ہوش ہوکر پورے وزن سے فرش پر آرہی تھی۔
❁......❁......❁......❁
نیند کس کمبخت کو آتی تھی۔ حیرت کی انتہا ایک ہنسی پر ختم ہوتی تھی اور یہ ہنسی اپنی حالت زار پر آتی تھی۔ دل کسی طور پر نہ بہلتا تھا نہ کسی دوست کے ساتھ فون پر بات چیت میں رابطہ تھا نہ کسی دل پسند انگلش کلاسیکل ناول پڑھنے پر طبیعت مائل ہوتی تھی۔ بے اختیاری کیفیت میں گاہے بگاہے کھڑکی سے یوں جھانک لیتا تھا جیسے کسی نے آنے کو کہا ہو اور وہ راہ دیکھتا ہو۔ معا رات گئے ہونے والی موبائل رنگ نے اسے چونکا دیا۔ کوئی دل میں بس گیا ہو تو ہر طرح کے خیال کا رخ اسی کی طرف جاتا ہے۔ کبھی وسوسہ۔ کبھی خوش فہمی' اس نے بڑی سرعت میں اپنا موبائل اٹھایا...... سامنے کوئی لینڈ لائن نمبر تھا۔ جو اسے فوری طور پر تو بالکل انجان ہی لگا ذہن فوری طور پر مشہود کی طرف گیا۔ آج کل تمام حیرت آمیز اور اجنبی معاملات اسی کی طرف ذہن کو لے جاتے تھے۔ کال ریسو کی۔
''ہیلو......؟'' دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز

ابھری۔ ”مسٹر دانیال بات کررہے ہیں؟“
”جی بول رہا ہوں......“ اس کی آواز میں بلا کی احتیاط تھی۔
اس کے بعد جو کچھ اس کو بتایا گیا وہ وقتی طور پر اپنے حواس بھلا بیٹھا۔ بات مکمل ہوگئی۔ رابطہ منقطع ہوگیا۔ مگر موبائل ہنوز اس کے کان سے لگا تھا۔
”بوا چلی گئیں؟“
فون ہاسپٹل سے تھا۔ اس کا فون نمبر ہاسپٹل کے ریکارڈ میں تھا کیونکہ بوا کے ہاسپٹل داخلے کے وقت اسی نے پیسے جمع کرائے تھے۔ مطلع کرنے والی نے یہ بھی بتایا تھا کہ مرحومہ کی ساتھی تاحال بے ہوش ہیں اور انہیں ہوش میں لانے کی کوشش جاری ہے۔
پیاری بالکل اکیلی ہے؟ پہلا خیال یہی آیا اور اس کے وجود میں بجلیاں دوڑ گئیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے گم کردہ راہ کو اچانک ہی منزل کے نشان نظر آنے لگے ہوں اور سوکھے دھانوں پر پانی پڑ گیا ہو۔ اس نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا۔ والٹ موبائل اٹھا کر تیزی سے باہر کی طرف دوڑا' جیسے کوئی اسے چلا چلا کر بلا رہا ہو اور وہ کہتا جارہا ہو آرہا ہوں۔

❁......❁......❁......❁

کمال فاروقی گہری نیند میں تھے۔ سونے سے پہلے وہ اپنے سیل فون کو وائی بیریشن پر کردیتے تھے اس خیال سے کہ نیند کچی ہوئی تو آنے والی کال ریسیو کرلیں گے ورنہ زندگی باقی ہے تو صبح بھی ہوگی۔
سعدیہ دیر سے بیڈ پر آئی تھیں۔ ان کی کسی عزیز دوست کا سمندر پار سے فون آگیا تھا کیونکہ ادھر دن ہوچکا تھا خوب تسلی سے بات کررہی تھیں گھنٹہ گزر گیا پتہ ہی نہ چلا۔
بیڈ پر آئیں تو لگتا تھا کہ لیٹتے ہی سو جائیں گی۔ مگر لیٹتے ہی کمال فاروقی کے فون کی وائی بیریشن نے کوفت میں مبتلا کردیا۔
”پتہ نہیں کس بے وقوف نے اتنی رات کو فون کیا ہے۔
ایک اچھے بزنس مین کے پاس رات کے چند گھنٹے ہی تو

محبت

☆محبت اگر وطن سے ہو تو خیر و ایمان۔
☆محبت اگر مذہب سے ہو تو دین۔
☆محبت اگر خدا سے ہو تو بندگی۔
☆محبت اگر نماز سے ہو تو ذریعہ نجات۔
☆محبت اگر اولاد سے ہو تو سمیا۔
☆محبت اگر والدین سے ہو تو فرض و جان۔
☆محبت اگر علم سے ہو تو روشنی۔
☆محبت اگر شریک حیات سے ہو تو زندگی اور روح۔
☆محبت اگر پھول سے ہو تو خوش بو۔
(عروسا اینڈ انیسہ محمود......خلہ)

ہوتے ہیں۔“ انہوں نے کمال فاروقی کو جگانے کے بجائے خود ہی فون کال ریسیو کرنے کا سوچ لیا۔ ناگواری کی انتہا پر سیل اٹھایا مگر اس بری طرح چونک پڑیں گویا آس پاس کوئی دھماکہ ہوا ہے۔
”یہ کیا..... دانیال کی کال آرہی تھی۔ یہ اپنے بیڈ روم سے کیوں اس وقت کال کررہا ہے؟“ مارے حیرت کے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔
لاؤنج کا دروازہ بند کرتے ہوئے انہوں نے اپنی آنکھوں سے اس کی کار پورچ میں کھڑی دیکھی تھی۔ رات کو ماں مطمئن ہی تب ہوتی ہے جب اسے پورا یقین ہوتا ہے کہ بچے گھر میں ہیں۔ انجانے اندیشے سے دل پھڑکا...... کال ریسیو کی۔
”جی بیٹا خیریت۔“ بمشکل بول پائیں۔
”ممی' پاپا سے بات کرائیں۔“ دانیال کے انداز میں عجلت تھی۔ سعدیہ کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔
”کیا ہوا دانیال......؟ پاپا سو رہے ہیں۔ میں تمہارے پاس آتی ہوں۔“ وہ آہستہ آواز میں بولتی ہوئی بیڈ سے اترنے لگیں۔
”ایک منٹ ممی! میں گھر پہ نہیں ہوں۔“ دانیال کی

عجلت بھری آواز سماعت سے ٹکرائی۔

"ہیں......" سعدیہ بھونچکی سی رہ گئیں۔

"لیکن تمہاری گاڑی تو پورچ میں کھڑی ہے۔ میں نے خود دیکھا تھا۔تم کسی دوست کے ساتھ ہو؟" سعدیہ الجھیں۔

"ممی میں اپنی گاڑی میں ہوں۔ایک ایمرجنسی ہوگئی ہے۔آپ پاپا سے بات کرائیں...... پلیز...... ذرا جلدی۔" سعدیہ حواس باختہ ہونے لگیں۔

"کس سے بات کررہی ہو؟ پتہ ہے کتنی مشکل سے میری آنکھ لگتی ہے۔پھر بھی میرے سر پر بیٹھی باتیں کررہی ہو۔" کمال فاروقی گہری نیند میں چڑ کر بڑبڑارہے تھے۔

"کمال...... دانیال کا فون ہے۔آپ سے بات کرنا چاہتا ہے......" سعدیہ گم صم کیفیت میں کمال فاروقی کی طرف سیل فون بڑھاتے ہوئے بولیں۔

کمال فاروقی تو یوں اٹھ بیٹھے جیسے ٹرین یا پلین میں سو رہے تھے۔جلدی سے سیل تھاما اور سماعت کیا۔نظریں وال کلاک پر تھیں۔صبح کا وقت ہو چلا تھا۔

"دانیال اس وقت کہاں ہے......اور کیوں فون کررہا ہے؟" پریشانی کی انتہا پر پسینے پسینے ہونے لگے۔

"جی بیٹا؟" اندیشوں سے آواز میں لرزش تھی۔

"پاپا...... آپ کو یہاں میرے پاس آنا پڑے گا۔ بہت ہی کریٹیکل سچویشن ہے ورنہ میں کبھی آپ کو ڈسٹرب نہ کرتا اور ہاں میں بالکل خیریت سے ہوں بس اس وقت آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔" جوان بچے ماں باپ کو دور سے ایسے ہی دلاسے دیتے ہیں۔کمال فاروقی کو تسلی کیا ہوئی الٹا دل کو پنکھے لگ گئے۔تازہ ترین حادثہ تو مشہود ہی کا تھا......

"آتا ہوں بس تھوڑی دیر میں پہنچتا ہوں۔" انہوں نے بیوی کی خاطر گھبراہٹ چھپانے کی کوشش کی۔

"پاپا! ایک منٹ...... پہلے مجھ سے تھوڑی سی تفصیل جان لیجیے ورنہ آپ پریشان ہوتے رہیں گے۔تفصیل ہی میں تو اس وقت اٹریکشن تھی۔

"ہاں...... ہاں...... بولو۔" انہوں نے سعدیہ کی طرف محتاط انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔جو ہونقوں کی طرح کمال فاروقی کی طرف دیکھ رہی تھی۔جواب میں مختصراً دانیال نے پتا سنائی۔

"اوہ......" کمال فاروقی نے اب رکی ہوئی سانس خارج کی کم از کم یہ خیال اپنی جگہ طاقت ور تو تھا کہ بیٹا خیریت سے ہے۔

"ٹھیک ہے بیٹا...... پہنچتا ہوں۔" یہ کہہ کر سیل کان سے ہٹا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"کہاں جارہے ہیں اس وقت...... دانیال کہاں ہے...... کیا ہوا ہے...... میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں......" سعدیہ یوں مستعد ہوگئیں جیسے رات سو کر اٹھی ہوں اور دن کے بکھیڑے شروع ہوگئے ہوں۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔دانیال خیریت سے ہے۔مشہود کی میڈ کی ڈیتھ ہوگئی ہے اور اس کی بہن کی حالت صدمہ سے بہت خراب ہے۔ایدھی والوں کے ساتھ تدفین وغیرہ کی بات چیت کرنا ہے۔دانیال بالکل اکیلا ہے۔مشہود کی بہن کی حالت بھی خاصی سیریس ہے......ویسے بھی اکیلی بچی کہاں کفن دفن کا انتظام کرسکتی ہے؟" کمال فاروقی احساس ذمہ داری اور سنجیدگی کے ساتھ بولتے ہوئے ڈریسنگ کی طرف جارہے تھے۔

سعدیہ لاجواب سی بیٹھی بس ان کو دیکھتی کی دیکھتی رہ گئیں۔ بھائی اغواء ہوگیا۔میڈ کا انتقال ہوگیا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

موم کی محبت
راحت وفا

تو نے دیکھا ہے کبھی صحرا میں جھلستا ہوا پیڑ
اس طرح جیتے ہیں وفاؤں کو نبھانے والے
کوئی دیکھے تو سہی ان کی صبحوں کو محسن
کتنا روئے ہیں لوگوں کو ہنسانے والے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

آغاجی حالات سے مایوس ہو کر ابدی نیند سو جاتے ہیں، شرمین کو صفدر اس خبر سے آگاہ کرتا ہے تو وہ خود کو آغاجی کی موت کا ذمہ دار سمجھنے لگتی ہے۔ شرمین سوچتی ہے کہ اگر وہ آغاجی کی آخری خواہش مان لیتی اور عارض سے شادی کر لیتی تو شاید آغاجی کی موت واقع نہ ہوتی۔ شرمین اذان کو اسکول چھوڑتی آغاجی کا افسوس کرنے عارض کے پاس آتی ہے تو وہ سرد مہری سے ملتا ہے۔ زیبا کو بیٹے کی جدائی نے اس قدر بے قرار کیا کہ وہ سب کچھ بھول کر دوبارہ صفدر کے گھر آجاتی ہے لیکن جہاں آرا بیگم اسے پہلے صفدر سے بات کرنے کا کہتی ہیں اور بچے کو تب تک دیکھنے سے منع کر دیتی ہیں۔ آغاجی کی جدائی کا اثر عارض پر کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے آغاجی صرف اس کے والد ہی نہیں بلکہ بہترین دوست بھی تھے۔ ان کی وفات کے بعد عارض کھانا پینا بھی چھوڑ دیتا ہے صفدر کی منت سماجت پر بھی عارض اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلتا تب مجبوراً صفدر شرمین کو بلاتا ہے۔ شرمین زینت آپا اور صفدر کے مجبور کرنے پر اذان کو اسکول سے لے کر عارض کے پاس آتی ہے لیکن عارض اسے اپنے عتاب کا شکار بناتا وہاں سے نکل جانے کو کہتا ہے شرمین اپنی توہین برداشت نہیں کر پاتی اور صفدر کو دوبارہ آنے سے منع کرتی گھر آجاتی ہے۔ صبیح احمد کی بہنیں اب صبیح احمد کی جائیداد پر قبضہ کرنے کے ترکیبیں سوچتی ہیں کشف اور نگہت (صبیح احمد کی بہنیں) کو شرمین پر شک ہے کہ اذان اس کے پاس ہے اور صبیح احمد نے اپنی جائیداد شرمین اور اذان کے نام کی ہے اس لیے دونوں بہنیں شرمین کی غیر موجودگی میں اس کے گھر پہنچ کر اذان سے ملتی ہیں۔ عارض غصہ میں صفدر پر چیختا ہے اور اسے غیر ذمہ دار اور خود غرض کہتا ہے جبکہ صفدر بھی بدلے میں چپ نہیں رہتا اور عارض کو زیبا کا گناہ گار کہتا گھر سے نکل جاتا ہے۔ عارض حیرت سے اس کی کہی گئی بات کو سوچتا ہے لیکن اسے اپنا گناہ نظر نہیں آتا۔ شرمین کو ڈر ہے کہ کہیں صبیح احمد کی بہنیں اذان کو اس سے چھین نا لیں اس لیے وہ کرائے دار کو شہر سے باہر جانے کا کہہ کر اذان کو لے کر عارض کے گھر آجاتی ہے۔

اب آگے پڑھیں

❁......❁......❁......❁

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ شرمین نے لائٹ آن کی تو کچھ دیکھنے کے قابل ماحول بنا۔ اس نے آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹایا اور خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے چلایا۔

"کیوں آئی ہو؟ میں نے دھکے دے دیئے ہیں صفدر کو اور تم بھی نکلو۔ میں غنڈہ، موالی، زانی، شرابی ہوں تمہاری نظروں میں، تو کیوں آتے ہو میرے پاس؟" وہ ایک سانس میں بولتا چلا گیا...... شرمین کو تعجب سا ہوا، اس کی ذہنی

حالت اور جسمانی حالت دونوں ہی بہت خراب تھیں۔ اس نے فرش پر پڑے کپڑے سمیٹنے کی کوشش کی تو وہ چیتے کی سی پھرتی سے اس پر جھپٹا۔

"سنا نہیں تم نے، میں کیا کہہ رہا ہوں؟ صفدر کی بیوی کا گناہ گار ہوں میں۔" وہ اس کے کان کے قریب جذباتی انداز میں چیخا...... تو اس کے دل کو جھٹکا سا لگا۔

"کیا مطلب......؟"

"میں عارض! میں صفدر کی بیوی کا مجرم ہوں، میں نے ریپ کیا ہے؟ اب تم بھی بچو مجھ سے۔" وہ بالکل دیوانوں کی طرح بول رہا تھا۔ شرمین کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"یہ کس نے کہا؟"

"تمہارے صفدر بھائی نے۔" وہ طنزیہ ہنسا۔

"صفدر بھائی نے کہا تو......"

"تو ٹھیک کہا ہے نا۔ ہاں اب تم ٹھیک سمجھو، جاؤ یہاں سے کہیں میں تمہارے ساتھ بھی بھابی جیسا سلوک نہ کردوں۔" وہ اسے دھکیلنے لگا۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟"

"صفدر نے کہہ دیا تو ممکن ہے۔"

"اچھا! ریلیکس! میں صفدر بھائی سے پوچھتی ہوں۔" اس نے نرمی سے کہا تو وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"مجھے کسی کی پوچھ گچھ کی ضرورت نہیں، مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"جذباتی ہونا ظاہر کرتا ہے کہ انسان فہم سے کام نہیں لے رہا۔" اس نے کہا۔

"میں تو درندہ ہوں۔"

"درندہ ہونے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے؟"

"تو سمجھ لو اور مجھے چھوڑ کے چلی جاؤ۔" وہ بولا۔

"دیکھو! مجھ پر چلانے کی ضرورت نہیں، میں صرف انسانی ہمدردی کے تحت آئی ہوں اور بس۔" شرمین کو غصہ آ گیا۔

"کیوں؟"

"کیا...... کیوں؟ میرا خیال ہے تمہیں کچھ کھانا چاہیے، میں لاتی ہوں۔" شرمین نے کہا لیکن وہ پاگل سا ہو گیا۔

"کچھ نہیں چاہیے جاؤ تم نکلو، صفدر کی بیوی کے مجرم سے بچو۔" وہ اٹھا اور اسے دھکے دینے لگا۔

شرمین کے پاس کوئی علاج نہیں رہا، وہ بری طرح دھکیل رہا تھا تو جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

"تو تم فرار چاہتے ہو۔" اس نے رک کر پوچھا۔

"نہیں...... میں تو اعتراف کر رہا ہوں، میں مجرم ہوں، صفدر نے یہی کہا ہے۔"

"اگر نہیں تھے تو انکار کر دیتے۔"

"میں ہوں، بس ہوں۔" اس نے بڑی بدتمیزی سے کہا اور پھر جیسے نڈھال ہو کر گر گیا۔

"صفدر بھائی کم عقل ہیں نہ تمہارے دشمن، معاملہ کیا ہے؟" وہ یہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھی تو اس نے غصے سے کہا۔

"سب میرے دشمن ہیں، میرا دوست مجھے مجرم بنا گیا، اور تم...... تم تو ہو ہی اس صبیح احمد کی، جو تمہاری فوٹو بٹوے میں

لیے پھرتا ہے' تمہیں اس کی محبت میں' میں کہاں نظر آؤں گا۔" وہ بولتا چلا گیا۔
"کیا کہا؟ اول فول بکتے ہوئے شرم نہیں آتی۔" شرمین کے دماغ میں ایک ساتھ کئی بارودی سرنگیں پھٹیں۔
"ٹھیک کہا' جاؤ اپنے فصیح احمد کے پاس ارے اسی کی وجہ سے تو میں نے اپنی محبت قربان کی تھی۔" حادثات اور صدمات نے عارض کی ذہنی حالت کو خاصا متاثر کیا تھا۔ شرمین ہکا بکا سی اس کی طرف بڑھی اور خود بھی نیم دیوانگی کی حالت میں بولی۔
"کیا جانتے ہو تم فصیح احمد کے متعلق...... بولو کتنا جانتے ہو؟"
"جس کی تم محبت ہو' زندگی ہو' اسے اور کیا جانوں؟" وہ طنزیہ بولا۔
"شٹ اپ۔" وہ غصے میں کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ آج بوتل سے جن اور پٹاری سے سانپ باہر نکلا تھا۔ شرمین غم و غصے کی حالت میں واپس آ گئی۔ وہ غبار نکال کے جیسے بے دم ہو کر بیڈ پر گر گیا۔
وہ اذان کو لے کر زینت آپا کی طرف آ ئی تھی۔ بابا کو بہت خوشی ہوئی۔ زینت بیگم کے ملک سے باہر جانے کے بعد پوری کوٹھی پر اداسی سی طاری تھی۔ اسے اور اذان کو دیکھ کر وہ کھل اٹھے' کمرہ کھولا۔ جلدی جلدی کھانے کے انتظام میں لگ گئے۔ اذان ٹی وی کے سامنے بیٹھ گیا اور وہ شال کندھوں پر پھیلا کر باہر لان میں آ گئی اسے بہت عجیب سا لگ رہا تھا کبھی اپنے لیے چھت کی تلاش اور اب اذان کے لیے یہاں آنا خود غرضی بھی تھی اور مجبوری بھی۔ اذان کی خبر کشف کو مل گئی تھی اور نگہت آپا کی فطرت حرص و ہوس سے گندھی تھی' وہ اذان کی بھنک پا کر اس کو لینا چاہیں گی' اذان کے ساتھ فصیح احمد کی چھوڑی دولت کے لیے تو وہ ہر قیمت پر اذان کو لے جانا اپنا حق سمجھیں گی۔ اس کے لیے ایک نئے طوفان کا سامنا تیار تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اذان کو باپ کے مرنے کا پتا چلتا اور پھر یہ ستم بالائے ستم کہ وہ اس کی منہ بولی ماما تھی' یہ جان کر اس کے ننھے اور معصوم ذہن پر برا اثر ہی نہیں اس کے لیے نفرت پیدا ہو سکتی ہے۔ مگر یہ تلخ حقیقت کب تک چھپائی جا سکتی تھی؟ ایک بوجھ کندھوں سے اترتا نہیں کہ دوسرا لدھ جاتا۔ عارض بالکل نئے روپ میں نفسیاتی مریض بن گیا تھا' جو صفدر بھائی کے لیے اس نے کہا تھا وہ یقین کرنے کے قابل نہیں تھا جانے کیا سے کیا کہہ کر اسے نکالا تھا۔ اسے فکر بھی ہو رہی تھی۔ لیکن کر کیا سکتی تھی؟ وہ تو کھانا پینا چھوڑ کے اپنے آپ سے گویا انتقام لے رہا تھا۔ اس کی بدنصیبی یہ بھی کہ رشتے اس کے ہاتھوں سے خشک ریت کی مانند نکل جاتے تھے۔ محبت کے پنکھ لگا کر لوگ اس کی زندگی میں آتے ضرور تھے' لیکن زیادہ دیر ٹھہرتے نہیں تھے۔ پھر تتلیوں کے رنگ کی مانند ہاتھوں میں رہ جاتے۔ اس کی زندگی عجب دوراہے پر آ کھڑی ہوئی تھی' عارض کا ساتھ سوچنا چاہا بھی تو کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ اس کے بقول اگر اس قدر گرا ہوا تھا تو اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں ہو سکتی' اور فرض کر لیتی کہ عارض نے جذباتیت میں یہ سب کہا ہے' تو بھی اس کو واپس لانے کے لیے اسے خود کو نیچا دکھانے کی ضرورت تھی' دوسری طرف اذان کو زندگی کا مقصد بنایا تو وہ بھی اب لرزاں تھا' اذان کو کھونے کے تصور سے بھی اس کا دل تڑپ اٹھا اور آنکھوں میں دھواں سا بھر گیا۔ بابا نے اسے کھانا کھانے کے لیے آ کر کہا تو وہ ان کے ساتھ اندر آ گئی' کمرے میں ہی کھانا منگوا لیا۔ اذان اسے دیکھتے ہی بولا۔
"ماما! پھوپو کا فون آیا تھا' میں نے بتا دیا آپ باہر ہیں۔"
"کیا...... کون پھوپو؟" جان کر انجان بنتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔
"پتا نہیں' کہہ رہی تھی میں آپ کی پھوپو بول رہی ہوں۔" اذان نے ہاتھ دھونے کی غرض سے واش روم کا رخ کیا۔ اور وہ فون چیک کرنے لگی' کشف کا نمبر ہی تھا۔
"یا اللہ! ہمیں اس کے شر سے بچا آمین۔" وہ بڑبڑائی۔

"ماما! آپ نے تو ان کے بارے میں کبھی نہیں بتایا۔" اذان آ کر کھانا کھاتے ہوئے بولا۔
"آپ نے کچھ اور تو نہیں کہا۔"
"نہیں' میں نے کہا ہم نانو کے گھر ہیں۔" وہ معصومیت سے بولا۔
"اوہ......! اور بھی بتا دینا تھا' بس آئندہ آپ میرا فون اٹینڈ نہیں کریں گے۔" اسے غصہ آ گیا۔ اذان نے گردن ہلائی تو وہ کھانا پلیٹ میں ڈالے چپ چاپ بیٹھی رہی۔

❁......❁......❁......❁
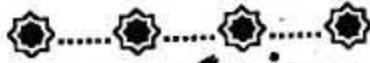
اگلے دن اذان کو اسکول ڈراپ کر کے وہ اپنے آفس آ گئی۔ ذہن میں اب صرف اذان ہی تھا۔ کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ زینت آپا کا فون آیا تو انہوں نے صبیح احمد کے وکیل ایم عالم صاحب سے مل کر مشورہ کرنے کا کہا تو اسے اچھا لگا۔ بات معقول تھی۔ زینت آپا کو شاید بابا نے رات وہاں رہنے کا بتایا تھا اس پر وہ خوش تھیں...... مگر فون بند کرنے کے بعد دو گھنٹے گزر گئے تھے اس کا ذہن وہیں بھٹکا ہوا تھا۔ وکیل صاحب کو بھی ساری حقیقت بتائے بنا کوئی بات نہ بنتی...... اور جاننے پر وہ جانے اس کے بارے میں صبیح احمد سے اس کے تعلقات کے بارے میں کیا رائے قائم کرتے...... اور کیا سوچتے؟ اگر وہ کچھ ایسا ویسا سوچ لیں تو وہ تو زمین میں ہی گڑ جاتی۔
یہ وہ تلخ حقیقت تھی جس کا سامنا کرنا صرف مشکل تھا بلکہ تقریباً ناممکن بھی تھا...... اس نے بھی کیسی قسمت پائی تھی بچپن سے جوانی تک صرف زندگی کو زندگی بنانے کے لیے پاپڑ ہی بیلے تھے۔ ایک سمندر کے بعد دوسرے سمندر سے گزرنا تھا۔ مگر فطرت نے اسے اتنا مضبوط اور توانا بنایا تھا کہ ہر بار وہ حوصلے اور ہمت سے نئے دکھ اور مصیبت کا سامنا کرتی۔ اللہ پر اس کا توکل اور یقین تھا کہ وہ گر کے سنبھل جائے گی۔ یہ وقت آزمائش کا ہے گزر ہی جائے گا۔ کچھ ضروری رپورٹس تیار کرنی تھیں۔ چند پروجیکٹس کی سمری چیک کرنی تھی۔ متعلقہ لوگ اس کے بلاوے کے منتظر تھے۔ خود کو پرسکون اللہ کی یاد سے کیا اور انہیں ترتیب کے مطابق بلایا۔ مس صنوبر جو ڈیٹا کلیکٹر تھی۔ اس کا جائزہ لینے کے بعد بڑے خلوص سے بولی۔
"میڈم! آپ ٹینس ہیں' چہرہ کملایا ہوا ہے۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔
"نہیں' بس طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔"
"آپ آف لے لیں۔" صنوبر نے مخلصانہ مشورہ دیا۔
"نہیں' کچھ کام ابھی کرنے ہیں' تھینک یو۔" اس نے جواب دیا۔ صنوبر چلی گئی تو وہ پھر اسی نقطے پر سوچنے لگی۔ عارض اور اذان۔ جب ہی عارض کے گھر کے نمبر سے فون آنے لگا۔ اس نے ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے فون نہ سننے کا ارادہ کر لیا۔ بڑی دیر تک وقفے وقفے سے بیل ہوتی رہی مگر اس نے دل کڑا کر کے فائل کھول لی اور اس کا جائزہ لینے لگی۔

❁......❁......❁......❁
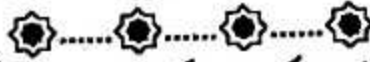
لنچ لینے کے بعد وہ لابی سے نکل کر ہوٹل کے پرسکون سے گوشے میں آ کر سگریٹ پیتے ہوئے عارض کے حوالے سے سوچ رہا تھا۔ جو کچھ عارض کو کہہ کر آیا تھا' اور جواب میں جس طرح کے ردعمل کا مظاہرہ عارض نے کیا تھا وہ صفدر کے لیے پریشان کن تھا۔ اس کا دل کبھی ملامت کرنے لگتا اور کبھی پرسکون ہونے کی ناکام کوشش کرنے لگتا۔ عارض کو اس مقام پر اس نے تنہا کر دیا تھا۔
"صفدر! کیا تمہیں یقین آ گیا کہ عارض زیبا کا مجرم ہے؟ یا پھر تم نے جذبات کی رو میں عارض کو سب کچھ کہہ ڈالا۔ جانے وہ کس حال میں ہوگا؟ اپنے ساتھ تو وہ مسلسل ظلم روا رکھے ہوئے ہے اور اب شاید اور زیادہ خود سے انتقام لے رہا

ہو۔ یا اللہ! میرے دل کو قرار کیوں نہیں؟ مجھے یقین کیوں نہیں آجاتا کہ میں نے ٹھیک کیا ہے زیبا کو انصاف ملنا چاہیے آخر وہ جانتے بوجھتے کیوں میری نفرت کی آگ میں جلتی رہے اگر وہ یہ سمجھتی ہے کہ عارض نے اسے بے عزت کیا ہے تو عارض کو اس کا حساب دینا چاہیے۔ وہ معصوم ہے تو ثابت کرے۔" سگریٹ کا آخری کش لے کر اس نے سگریٹ کا آخری حصہ جوتے کی نوک سے مسلا اور دھواں فضاؤں میں چھوڑ دیا۔

"صفدر! اگر عارض معصوم ہوا تو پھر کس طرح اس کو مناؤ گے اور زیبا کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟" ذہن نے سوال پوچھے تو وہ الجھ سا گیا۔

"شاید میں زیبا سے نفرت میں کچھ محبت کی آمیزش محسوس کرنے لگا ہوں۔ مکمل معاف تو کر ہی دوں گا لیکن ذہن کو آسودہ کیسے کروں؟" اپنے آپ کو جواب دیا۔ موبائل فون بج اٹھا تو وہ چونکا۔

"عارض کی طرف سے۔" نمبر دیکھتے ہوئے وہ بڑبڑایا۔ لینڈ لائن نمبر دیکھ کر فون اٹینڈ کیا۔

"جی حاکم الدین۔" اس نے خود ہی سمجھ لیا کہ یہ ملازم خاص ہی ہوسکتا ہے۔

"صفدر صاحب! چھوٹے صاحب رات سے گھر سے غائب ہیں۔ فون بھی بند ہے سردی ہے شال جیکٹ سب کمرے میں ہے۔" ملازم بہت فکر مند تھا۔

"اور شرمین بی بی۔" وہ جلدی سے بولا۔

"وہ تو نہیں ہیں چھوٹے صاحب نے جھگڑا کیا تو وہ چلی گئیں۔"

"اوہ! میں دیکھتا ہوں۔" صفدر نے کہا اور فون کاٹ کر چند لمحے کچھ سوچا اور پھر عارض کا نمبر ملایا مگر نمبر آف تھا۔ وہ فکر مند سا ہوا اس کا پیارا دوست کہاں ہوسکتا ہے؟ یہ بات بہت اہم تھی...... دماغ چکرا سا گیا۔ پھر کچھ سوچ کر شرمین کا فون نمبر ملایا۔ بڑی دیر بیل جاتی رہی مگر فون ریسو نہ ہوا۔ اب دوسرا اس کے پاس کوئی حل نہیں تھا۔ عارض کو جو بھی کہا جو بھی سمجھا وہ الگ بات اپنے دوست کی موجودہ ذہنی حالت کا احساس کرنا چاہیے تھا۔ وہ اپنے غم سے باہر نہیں آیا تھا اور اس نے آتے آتے کیسا صدمہ دے دیا تھا۔

"زیبا! تم ذمہ دار ہو میرے دوست کو تکلیف پہنچانے میں جانے کیوں تم کو پارسا سمجھ بیٹھا میں۔" ایک دم ہی اسے غصہ آ گیا۔ زیبا سامنے ہوتی تو وہ شاید سر پھاڑ دیتا۔

❁......❁......❁......❁

شہر سے دور فارم ہاؤس کے خاموش ماحول میں آ کر کچھ سکون تو ملا تھا مگر اندر جیسے تلاطم تھا۔ باہر سردی کی شدت تھی اور اندر گھٹن حبس...... چھت سے فرش تک بنی فل سائز شیشے کی کھڑکی کھول کر وہ باہر تک رہا تھا۔ کمرہ یخ بستہ ہوا سے بھر گیا مگر وہ جانے کس جہاں میں کھویا تھا۔

"سر! آپ کیا کرتے ہیں؟ سردی میں کھڑکی کھول رکھی ہے۔"

"گرمی بہت ہے۔" وہ بولا۔

"سر! آپ ٹھیک نہیں لگ رہے۔"

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" وہ کھڑکی سے ہٹ گیا۔ تو ذلفی ملازم نے کھڑکی بند کر کے پردے برابر کر دیے۔

"کسی کو میرے یہاں ہونے کا پتہ نہ چلے۔"

"سر! آصف بہت بیمار ہے کام کوئی نہیں ہے علاج بھی نہیں ہو رہا۔"

"خبردار! اس کا نام بھی لیا تو۔" ایک دم ہی اسے شدید غصہ آ گیا۔

”جی اچھا!“ ذلفی ڈر گیا۔
”وہ گھٹیا مجھے نظر نہ آئے۔“
”جی کھانا تیار ہے۔“
”نہیں کھانا‘ جاؤ۔“ اس نے سانس کو کچھ ہموار کرتے ہوئے کہا۔
”سر! آپ کی طبیعت۔“ ذلفی نے آدھا جملہ ادا کیا تو اس نے پانی کے گھونٹ بھر کے گھورا۔ وہ جلدی سے باہر چلا گیا تو وہ بیڈ پر دراز ہوگیا۔ لیکن ایک دم سردی کی شدت نے ایسا گرفت میں لیا کہ وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ دانت بجنے لگے اور گھگھی سی بندھ گئی۔ مگر کمرے میں کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ اسے کپکپی کے دوران بابا کی یاد آئی بے اختیار منہ سے بابا نکلا۔ تو کپکپی میں سسکی بھی شامل ہوگئی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔
آغا جی کی عادت تھی وہ سخت سردی میں کئی بار اس کے کمرے کا چکر لگاتے تھے۔ اس کا کمبل ٹھیک کرنا‘ تکیے ٹھیک کر کے بالوں میں انگلیاں پھیرنا ان کے گویا فرائض میں شامل تھا اور وہ اگر آنکھ کھل جاتی تھی‘ تب بھی ان کا پیار محسوس کرنے کے لیے سوتا بنا رہتا تھا۔ وہ جان بوجھ کر مسکراتے ہوئے اس کی پیشانی چوم کر کمرے سے چلے جاتے...... وہ پرسکون ہو کر سو جاتا۔ ایسی سردی میں گرم دودھ میں شہد ڈال کر زبردستی اسے پلاتے‘ ابلا ہوا انڈا‘ کافی پر لیکچر دیتے اور وہ ایسے معصوم بن کر دیکھتا جیسے ناسمجھ بچہ ہو جب تنقیدی نظروں سے اس کے گرم لباس کو دیکھتے اور دانستہ ایک جملہ کہتے۔
”میرے بیٹے پر ہائی نیک اور لیدر جیکٹ بہت بجتی ہے۔“ وہ نا چاہتے ہوئے بھی شریر نظروں سے انہیں دیکھتا اور پھر ہائی نیک اور جیکٹ پہن کر انہیں خوش اور مطمئن کر دیتا۔
مگر آج جب وہ انہیں شدت سے یاد کرتے کرتے تیز بخار میں پھنکنے لگا تو وہ اس کے قریب نہیں تھے۔ وہ انہیں کھو چکا تھا۔ محبتوں کے سب رشتے اس سے دور تھے۔

❁......❁......❁......❁

ملائیشیا سے ڈیلی گیشن آیا تھا......
شرمین کو چیف ایگزیکٹو نے ارجنٹ میٹنگ کے لیے کال کیا۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے دیر تک رکنا تھا۔ جلدی سے کمپنی کے ڈرائیور کو اذان کو لے کر گھر چھوڑ دینے کے لیے بھیجا۔ فون وائبریشن پر لگا دیا۔ کانفرنس ہال میں میٹنگ جاری تھی‘ کہ بار بار صفدر کا فون آنے لگا‘ وہ بمشکل سب کے سامنے فون سے نظریں چراتی رہی‘ ٹی بریک ہوئی تو وہ ہال سے باہر ایک طرف کھڑی ہو کر صفدر بھائی کا نمبر ملانے لگی۔ ذرا دیر ملاتے رہنے کے بعد صفدر کا مختصر میسج آیا۔
”پلیز چیک عارض۔“ عجیب اور مختصر بے ترتیب میسج تھا‘ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ فون آف کر کے واپس ہال میں آ گئی‘ مگر ذہن میں میسج گھوم رہا تھا۔ جونہی میٹنگ ختم ہوئی اس نے عارض کا نمبر ملایا مگر وہ آف تھا۔ پھر گھر کا نمبر ملایا‘ مگر وہاں سے جو اطلاع ملی وہ پریشان کن تھی۔ عارض ہاسپٹل میں ایمرجنسی میں تھا۔ حاکم الدین باقاعدہ رو پڑا۔ اس نے اسے تسلی دی اور جلدی سے اسپتال کے لیے نکلی۔ اذان کے لیے بھی فکر مند تھی۔ مگر عارض کی پریشانی بہت زیادہ تھی۔ اذان تو کرایہ داروں کی طرف ایڈجسٹ کر جاتا تھا‘ مسئلہ تو تھا‘ مگر عارض کو ایسا کیا ہوا کہ وہ ہاسپٹل پہنچ گیا‘ اس نے گاڑی چلاتے ہوئے سوچ کے گھوڑے دوڑائے تو دل کانپ اٹھا‘ کہیں عارض نے خود کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا لیا۔ اللہ نہ کرے بے اختیار ہی منہ سے نکلا۔ صفدر کو اطلاع دینی تھی۔ ہاسپٹل پارکنگ میں گاڑی لاک کر کے صفدر کو فون کیا۔
”جی شرمین بہن!“ صفدر نے پوچھا۔
”آپ کہاں ہیں؟“

"خیریت ہیں تو کمپنی کی طرف سے بھوربن آیا ہوں سب خیریت تو ہے؟"
"عارض ایمرجنسی میں ہے جانے اس کو آپ نے کیا کچھ کہا ہے۔"
"اس کی بے تکی ضد نے کہلوایا اور میں نے تو فقط پوچھا تھا اس نے مجھے بے عزت کر کے نکالا" صفدر نے بتایا۔
"بہرکیف! ایسا لگتا ہے کہ اس نے خود کو نقصان پہنچایا ہے۔" شرمین کے دل میں عارض کے لیے محبت جاگی آواز بھرا گئی۔
"میں...... میں آتا ہوں آپ اس کے پاس ہی رہو پلیز۔" صفدر بھی یک دم فکر مند ہو گیا تھا۔
"جی!" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ بے اختیار ہی اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اللہ سے دل ہی دل میں دعا کی اور ہاسپٹل کی ریسیپشن پر پہنچ کر عارض کے متعلق پوچھا۔ اسے ایمرجنسی سے کمرے میں شفٹ کر دیا تھا۔

۞......۞......۞......۞

یہ واجبات عشق ہم پہ ہی فرض کیوں
وہ بھی ادا کرے محبت اسے بھی تھی

وہ کمزور غافل اس کے سامنے پڑا تھا۔ یہ وہ عارض تو نہیں تھا جو آغا جہ کا جگر گوشہ تھا۔ لاڈلا وجیہہ ہینڈسم تھا آغا جی کے بعد وہ کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ وہ اگر وہاں موجود تھی تو آخر کیوں؟ نا صرف موجود تھی بلکہ دل درد میں ڈوبا ہوا تھا آنکھوں سے اشک چھلک رہے تھے۔
"محبت کا یہ کیسا امتحان اور قرض ہے جو میں اتارنے پر مجبور ہوں بار بار اس دشمن جاں کے سامنے کیوں آ کھڑی کر دی جاتی ہوں قسمت کیا چاہتی ہے مجھ سے۔"
"شرمین! یہ تو اچھی قسمت ہے تجھے محبت کی ادائیگی میں صدمات ملے ہیں مگر یہ بھی تو سوچو کہ آج اگر تمہاری زندگی میں دکھ نہ ہوتے تو خدا کے ساتھ دعا و محبت کا رشتہ کیسے بنتا؟" اندر سے آواز آئی۔ وہ کرسی پر ٹک گئی۔
"عارض! میں نہیں جانتی کہ مجھے اب بھی تم سے محبت ہے کیونکہ مجھے اپنی تقدیر سے ڈر لگتا ہے میرے ہاتھ کی اداس لکیروں سے مجھے خوف آتا ہے یہ لکیریں شاید تم سے الگ ہو گئی ہیں۔ مگر میں نہیں چاہتی کہ تم اس حال میں رہو تم نے اپنی کیا حالت بنالی ہے؟" بے اختیار ہی اس نے اس کا ہاتھ تھاما اس وقت بخار کی شدت میں کمی تھی۔ مگر اسے آنکھیں کھول کر دیکھنے کی طاقت نہیں تھی...... سیاہ مائل رنگت کے ساتھ اندر کو دھنسی آنکھیں خشک پتوں جیسے ہونٹ اور ابھری ہوئی رخسار کی ہڈیاں اسے افسردہ کر رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر نرس اور حاکم الدین ایک ساتھ کمرے میں آئے۔
"ڈاکٹر صاحب! چھوٹے صاحب کو ٹھیک کر دو ہم بڑے صاحب کو کیا منہ دکھائیں گے؟" حاکم الدین پر رقت سی طاری تھی۔ ڈاکٹر نے ان کا کندھا تھپتھپایا اور شرمین کی طرف دیکھ کر پوچھا۔
"آپ مسز عارض ہیں؟"
"جی...... شادی ہونے والی ہے۔" حاکم الدین نے جانے کس اعتبار کے سہارے اور کس اعتماد کے تحت کہہ دیا۔ ڈاکٹر عارض کے معائنے میں مصروف تھے اس لیے انہوں نے حاکم الدین کے جواب پر توجہ نہ دی۔ البتہ شرمین گنگ رہ گئی۔
"معافی دیں...... ہمارے بڑے صاحب ایسا کہہ کر گئے ہیں۔" حاکم الدین نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔
"نمونیہ بہت شدید ہوا ہے کچھ وقت لگے گا بروقت ہاسپٹل نہ لایا جاتا تو مشکل ہوتی۔" ڈاکٹر نے یہ بتاتے ہوئے نسخہ دیکھا پھر نرس کو ہدایت کی۔

"یہ سب کیسے ہوا؟" اس نے حاکم الدین سے بہت دھیرے سے پوچھا۔
"صاحب کل سے غائب تھے فون بھی بند تھا۔ طبیعت خراب ہوئی تو فارم ہاؤس سے ڈلفی نے فون کیا۔ ہم ایمبولینس لے کر پہنچے۔"
"اوہ......!" وہ سانس بھر کے رہ گئی۔ ڈاکٹر صاحب چلے گئے تو اس نے گھڑی پر نگاہ ڈال کر حاکم الدین سے کہا۔
"بیٹا اکیلا ہے گھر میں پھر آؤں گی آپ صاحب کے پاس رہو کوئی مسئلہ ہو تو فون کر لینا۔" حاکم الدین نے اثبات میں گردن ہلادی۔ تو وہ عارض پر نگاہ ڈال کے باہر آ گئی۔

❁......❁......❁......❁
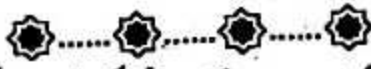
شام ڈھل رہی تھی۔ وہ گاڑی لاک کر کے کرایہ داروں کے پورشن کی طرف آ گئی شبانہ کچن میں تھی بچے ٹی لاؤنج میں ٹی وی دیکھ رہے تھے ان میں اذان نہیں تھا اس نے کچن میں گھس کر شبانہ سے پہلا سوال اذان کے بارے میں کیا۔
"اذان اپنی پھوپو کے ساتھ گیا ہے۔"
"کیا......کون سی پھوپو؟" اسے دھچکا لگا۔
"میں نے تو بہت منع کیا مگر وہ بضد تھیں کہ لے کر جائیں گی اور پھر اذان بھی راضی تھا۔" شبانہ نے بتایا۔
"لیکن......میں آپ کے پاس چھوڑ کر گئی تھی اور آپ مجھے فون کر دیتیں۔" اس کا تو دل بیٹھ رہا تھا۔
"آنے والا ہوگا آپ فون کر لو پھر کیا ہوا؟" شبانہ کے لیے یہ بات اتنی اہم نہیں تھی۔
"اوہ! آپ کو روکنا چاہیے تھا۔" وہ پریشان سی اپنے پورشن کی طرف آ گئی۔ اندر داخل ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ اسی دن کا ڈر تھا۔ کشف نے اپنی گندی فطرت کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ تھکن سے برا حال تھا۔ سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ مگر نہ چائے کا ہوش تھا اور نہ سر درد کی گولی کا خیال۔ زندگی نے نئی آزمائش کا آغاز اس طرح کیا تھا۔ اس کا اسے اندازہ ہی نہیں تھا۔ اذان اس کی اجازت کے بنا پر سکون ہو کر چلا گیا۔ وہ جذباتی ہو کر اذان کی تصویر اٹھا کر شکوہ کرنے لگی۔
"اپنی ماما کی پروا نہیں کی۔" دل چاہا فون کرے مگر پھر ایسا لگا کہ کہیں کشف ایسا کچھ نہ کہہ دے جس سے سارا پردہ ہٹ جائے۔ اس نے انتظار کا فیصلہ کیا۔

❁......❁......❁......❁

کیک، میکرونیز کھانے کے بعد جیسے اذان کو ہوش آ گیا۔ اداس نگاہوں سے کمرے کے اطراف میں دیکھنے لگا۔ کشف اپنا کافی کا مگ لے کر کمرے میں آئی اور مسکراتے ہوئے اسے غور سے دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے میں اس کی اصل ماں نینسی جوزف کے چہرے کے مشابہت بھی تھی اور صبیح احمد کے چہرے کا عکس بھی۔ اگرچہ نینسی جوزف سے بالمشافہ ملاقات تو نہ ہو سکی تھی مگر بھائی کے خطوط اور تصاویر کے ذریعے وہ نینسی اور اذان کو بخوبی پہچانتی تھی۔ بھائی کو نجانے کیا سوجھی کہ نینسی کو مسلمان کر کے شادی رچالی۔ اس کی جگہ تو ثمین چڑیل کو ہی اپنی زندگی میں شامل کر لیتے۔
"کیا دیکھ رہے ہو۔" اس نے اس کے سنہری بالوں کو چھیڑتے ہوئے کہا۔
"ماما! انتظار کر رہی ہوں گی۔"
"کون ماما؟" کشف نے کریدنے کی کوشش کی۔
"میری ماما۔" اذان نہیں سمجھا۔
"تمہیں یقین ہے کہ وہ تمہاری ماما ہیں۔" کشف نے کوشش کی کہ وہ کچھ ظاہر کرے مگر وہ اس وقت صرف پریشان تھا۔

"مجھے جانا ہے۔"
"میں بتا دیتی ہوں فون کر کے رات کو اذان پھوپو کے پاس رہے گا۔" کشف نے پیار سے کہا۔
"نہیں مجھے واپس جانا ہے۔" وہ ایک دم صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"اچھا اچھا بیٹھو تو سہی......اوکے میں چھوڑ آتی ہوں۔" کشف کو ہتھیار ڈالنے پڑے کیونکہ وہ کچھ نہیں جانتا تھا اسے نہ اپنی اصل ماں کا نام معلوم تھا نہ وہ سوتیلی ماں فریحہ کے بارے میں جانتا تھا اس کے لیے تو سب کچھ شرمین تھی اور شرمین کو رد کرنا فی الحال مناسب نہیں تھا بھائی نے اس پر اعتبار کیوں کیا یہ جاننا ضروری تھا۔
"کتنے دو غلے تھے بھائی جان آپ، آپ نے اذان سے اس کی اصل ماں کا نام تک چھپایا اسے بتا ہی دیتے۔ اس کی پیدائش پر مرگئی تھی مگر آپ کو تو شرمین سگی نظر آئی۔ اس کے حوالے بیٹا کر گئے۔ اب ہم بتائیں گے اذان کو اصلیت۔" وہ سارے راستے یہی سوچتی رہی۔
گیٹ پر گاڑی رکی تو اذان جلدی سے اتر کر گیٹ سے اندر چلا گیا جبکہ کشف کا خون کھولتا رہا بڑی کوشش سے اس نے اس وقت خود کو کنٹرول کیا۔ ورنہ دل چاہا کہ اندر جا کر شرمین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کو سب اصلیت بتائے اور پھر اس سے اس کا بھائی سے رشتہ پوچھے مگر نگہت آپا نے جذباتی ہونے سے منع کیا تھا کہ آرام سے پوچھیں گے۔ اذان پر ہمارا قانونی اور شرعی حق ہے۔ اس لیے خاموشی سے ڈرائیور کو واپسی کا کہا۔

❁......❁......❁......❁

جھٹکے سے دروازہ کھول کر اذان اندر آیا اور محبت سے اس کا چہرہ، ماتھا چومنے لگا۔ جیسے مدتوں کا بچھڑا ہو دیوانہ وار لپٹا جا رہا تھا۔ اس کی بانہوں میں حرکت ہوئی شدت جذبات سے مغلوب ہو کر اسے بھینچ لیا۔ آنکھیں تر ہو گئیں۔
"ماما! آپ سیڈ اور ناراض بھی تھیں۔" اس نے پوچھا۔
"ہاں!"
"سوری ماما! کشف پھوپو نے میری بات نہیں مانی۔" اس نے صفائی پیش کی۔
"اور آپ چلے گئے۔" اس نے غیر یقینی کیفیت سے پوچھا۔
"ماما!"
"کیا چاہتی ہیں وہ؟"
"کون؟"
"جو خود کو آپ کی پھوپو کہتی ہیں۔"
"ماما! آپ ڈیڈی کو بلائیں۔"
"کیا ہوا؟"
"میں نے بات کرنی ہے۔" وہ بضد ہوا۔
"اور آپ نے کیا باتیں کیں؟"
"پوچھ رہی تھیں کہ ڈیڈی کب آئے تھے؟"
"پھر۔"
"میں نے کہا آئے نہیں، ماما مجھے لے آئیں۔" اذان نے اس کی گردن میں بازو حمائل کیے۔
"اذان! اور کیا کہا آپ نے؟"

''روک رہی تھیں اور منع کررہی تھیں' انہوں نے بڑی پھوپو کا بھی بتایا۔'' اذان رک رک کر بولا تو اس کا چہرہ متغیر ہوگیا۔

''آپ اتنے بڑے اور خودسر ہوگئے' کسی کے ساتھ اٹھ کر چلے گئے۔'' اسے شدید غصہ آگیا۔ ڈانٹ دیا۔ اذان شرمندگی سے اور زیادہ لپٹ گیا۔

''کوئی بھی آکر کچھ کہے اور آپ چلے جاؤ گے' کیا جواب دوں گی میں آپ کی ڈیڈی کو خبردار جو آئندہ کسی کی طرف گئے؟'' اس نے بہت سختی سے تاکید کی اور پھر اسے چھوڑ کر کچن کی طرف آگئی۔ اذان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہورہی تھی۔ فرار کا یہ رستہ طے کرنا بہت مشکل تھا چولہے پر چائے کا پانی رکھا اور سوچتے سوچتے سارا پانی پہلی بار تو خشک ہوگیا۔ خشک ساس پین جلنے کی بو پر وہ چونکی۔ تو اذان اس کی ٹانگوں سے جڑا کھڑا تھا ندامت اور شرمندگی کے ساتھ اسے ٹوٹ کر پیار آیا۔

......☆☆☆......

عبدالصمد ماشاء اللہ گھٹنوں کے بل چلنے لگا تھا۔ جہاں آرا خوشی سے پھولے نہیں سماتی تھیں۔ اس وقت بھی وہ ان کے کمرے میں خوش خوش چل کر دکھا رہا تھا۔ زیبا رات کا کھانا پکا کر ان کے کمرے میں لے آئی تو وہ خوشی سے اس کے پیروں سے لپٹ گیا۔

''ارے ارے رکو۔'' زیبا نے جلدی سے ٹرے امی کے سامنے رکھی اور اسے فرش سے اٹھا کر بیڈ پر بٹھایا۔

''صفدر کی خیر خبر۔'' انہوں نے پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں امی! میں نے فون کیا تھا مگر انہوں نے اٹینڈ ہی نہیں کیا۔'' اس نے بتایا۔

''فون کرتی رہا کرو' مرد کو آزاد نہیں چھوڑتے۔'' انہوں نے سمجھایا۔

''وہ میری قید میں ہیں ہی کب۔''

''دوسرے بچے کا بوجھ ڈالو اوپر تلے بچے آجائیں تو مرد کی توجہ صرف گھر پر رہتی ہے۔''

''امی! عبدالصمد کو غنیمت سمجھیں۔'' وہ طنزیہ ہنس کر بولی۔

''کیوں؟''

''میرا مطلب ہے کہ صفدر کو بچے پسند نہیں۔'' وہ ٹال گئی۔

''یہ کس نے کہا؟ عبدالصمد میں اس کی جان ہے۔''

''جی...... زیادہ بچوں کے قائل نہیں۔'' وہ تو بات کرکے پھنس گئی۔

''دو تین بچے تو ہوں' ہمارا خاندان آگے بڑھے۔''

''جی......!''

''میں کروں گی اس سے بات' بہت وقفہ ہوگیا۔''

''نہیں' امی! وہ سمجھیں گے کہ میں نے کہا ہے۔'' وہ ڈر گئی۔

''پھر بھی کیا ہے؟''

''میں خود کرلوں گی' ویسے بھی عبدالصمد ابھی چھوٹا ہے۔'' وہ ٹالتے ہوئے عبدالصمد کے خوب صورت بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

''اللہ سلامت رکھے۔'' جہاں آرا نے عبدالصمد کی بلائیں لیں۔

"میں گرم چپاتی لے آؤں۔" وہ اٹھی۔
"نہیں میں نے تو ایک چپاتی کھالی ہے۔" وہ بولیں۔
"منھی کی شادی کے بعد اماں اکیلی ہوجائیں گی۔" وہ متفکر سی بولی۔
"ارے کیوں! حاجرہ بہن کو ہم اپنے ساتھ رکھیں گے گھر کرائے پر اٹھا دیں گے۔"
"اماں نہیں مانیں گی۔"
"کیسے نہیں مانیں گی؟ بس تم وہاں جا کر مت رہنا۔"
"اور صفدر نے نکال دیا تو کہاں جاؤں گی۔" بظاہر ہنس کر اس نے بات کی مگر پس پردہ وجہ موجود تھی۔
"زیبا! اب کھیل کھیلنا بند کرو ایسی سوچ بھی ذہن سے نکال دو اور اگر ارادے خراب ہیں پھر مستقل چلی جاؤ۔" جہاں آرا کو ایک دم شدید غصہ آ گیا۔ وہ خاموشی سے برتن سمیٹ کر کمرے سے چلی آئی۔ انہیں کیا بتاتی؟ ان کی سوچ اپنی جگہ ٹھیک تھی مگر غلط وہ بھی نہیں تھی کہ ایک خوف تو دل میں تھا۔

❁......❁......❁......❁

کشف کے لیے یہ بات تعجب خیز تھی کہ شرمین نے اس کے آنے اور اذان کو لے جانے پر کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں کیا..... جب کہ وہ منتظر تھی کہ شرمین سرگرمی کرے گی۔ نگہت آپا کو فون پر بھی اپنا خیال ظاہر کیا تو وہ ترخ کر بولیں۔
"ارے وہ ہوتی کون ہے سرگرمی والی۔"
"پھر بھی۔"
"سچ تو یہی نکلا کہ اذان کو دولت کی وجہ سے پروں میں دبائے بیٹھی ہے۔"
"لیکن صبیح بھائی نے ایسا چاہا تو ہو انہوں نے ہم پر اعتبار نہ کیا۔"
"صبیح کی تو تم بات ہی نہ کرو وہ اس جادوگرنی کی قید میں رہا بیٹا بھی اسی کے حوالے کر گیا۔"
"مزے کی بات یہ ہے کہ اذان کو صبیح بھائی کی وفات کی خبر بھی نہیں۔"
"ہوسکتا ہے صبیح نے منع کیا ہو کہ بچے کے ذہن پر برا اثر نہ پڑے۔" نگہت آپا نے کچھ نرمی سے کہا۔
"اسی لیے میں نے نہیں بتایا' مگر اذان تو ماما' ماما کرتا نہیں تھکتا۔" کشف نے بتایا۔
"وہ ہے ہی میٹھی چھری' اپنا بنا رکھا ہے۔"
"تو پھر۔"
"آرام سے چلو اب اس کے ردعمل کا انتظار کرو' پھر خود فون کر لینا۔ فوری طور پر کچھ ایسا نہ کرنا کہ وہ محتاط ہوجائے۔" نگہت آپا نے سمجھایا۔
"ہاں! میرا بھی یہ خیال ہے۔"
"بس جب بھی اذان سے ملو' بہت محبت دکھاؤ۔"
"آپا! وہ ہے ہی اتنا کیوٹ کہ کیا بتاؤں؟ بہت سمجھداری کی باتیں کرتا ہے۔ ایک طرح سے تو شرمین اس کی اصل ماں سے اچھی ثابت ہوئی ہے' اچھے اسکول میں پڑھا رہی ہے' جان سے لگا رکھا ہے۔"
"تو وجہ ہے نا! دولت......؟"
"کسی حد تک' مگر وہ خود جاب کررہی ہے۔"
"چھوڑو' بس ہمیں اپنے بھائی کی اولاد اور اس کی دولت واپس چاہیے' ہم خود اذان کا خیال رکھ لیں گے۔"

"چلیں ٹھیک ہے دیکھتے ہیں۔"
"اچھا پھر بتانا۔"
"او کے اللہ حافظ۔"
"اللہ حافظ۔"

❁......❁......❁......❁
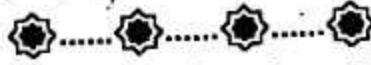
اپنی کمپنی میں ریزائن کرنا تھا۔ اس نے تمام تقاضوں کے مطابق جہاں جہاں دستخط اور کلرئنس کی ضرورت تھی پوری کی۔ زینت آپا کا بزنس بے یارومددگار تھا۔ اس بار وہ کہہ کر تو نہیں گئی تھیں البتہ کوئی بندوبست کیے بنا چلی گئی تھیں۔ اس نے کمپنی کے بہت اصرار کے باوجود ریزائن کیا۔ کمپنی نہیں چاہتی تھی لیکن اس کی مجبوری تھی۔ وہ تو مصروفیت کے سبب زینت آپا کو ایک فون کال بھی نہیں کرسکی تھی۔ اسے اور مسائل نے اس طرح گھیر رکھا تھا کہ سانس لینے کی فرصت نہیں تھی۔

اب جو ریزائن کے بعد باہر نکلی تو رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ اذان کے اسکول کی چھٹی میں تو بہت وقت تھا۔ اس نے زینت آپا کے آفس کا رخ کیا۔ اسے دیکھ کر سارا عملہ الرٹ ہوگیا۔ اس نے منیجر صاحب سے مجموعی طور پر بزنس کی رپورٹ لی۔ پھر زینت آپا کو فون ملوایا۔ وہ بہت خوش ہوئیں۔ اس کا شکریہ ادا کرنے لگیں۔ اس نے بوبی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اس کے زخم تو ٹھیک ہوگئے ہیں، کندھے کا درد ٹھیک نہیں ہورہا۔ کچھ دیر بات کرنے کے بعد اس نے فون بند کیا۔ تو صفدر بھائی کا فون آ گیا۔

"جی صفدر بھائی۔"

"کہاں ہو بھئی؟" صفدر نے پوچھا۔

"جی آفس میں ہوں۔"

"حیرت ہے آپ کے نزدیک بزنس اتنا اہم ہوگیا ہے، کاروباری سوچ ہوگئی ہے۔" شکوہ تھا یا طنز وہ سمجھ نہ سکی۔

"آج پہلا دن ہے دراصل زینت آپا......"

"اچھا! اچھا! عارض کی بھی فکر کرلیتی تھی۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا، مجھے فکر نہیں، ویسے نہ بھی کروں تو فرق نہیں پڑتا۔" وہ کچھ خفا سی ہوگئی۔

"شرمین، بہن! بیمار سے انتقام نہیں لیتے۔" صفدر نے کہا۔

"کمال ہے آپ ایسا سوچتے ہیں، انتقام کا لفظ نہیں ہے میری ڈکشنری میں، انتقام تو آپ لے کر گئے تھے عارض سے میرا کوئی جھگڑا نہیں۔" اس نے سیدھا سا جواب دیا۔

"اکس او کے! آپ کہیے۔"

"کچھ نہیں۔ عارض ٹھیک ہے؟"

"کچھ بہتر ہے، میں ہاسپٹل میں ہی ہوں۔"

"مجھے آنا ہے لیکن کچھ دیر بعد اذان کا مسئلہ ہوتا ہے نا۔"

"او کے! آجاؤ میں پھر ہی جاؤں گا، سیدھا یہیں آیا ہوں۔"

"آپ جائیں مجھے مناسب وقت میں آنا ہے۔"

"میں تم سے مل کر جاؤں گا۔"

”صفدر بھائی! آپ اب پلیز عارض کو ایسامت کہیے گا۔“
”وہ ایسا ویسا نہیں۔“ صفدر نے اس کی بات کا مطلب سمجھ کر کہا اور فون بند کر دیا۔
شرمین کو سخت حیرت ہوئی ایسا بھی کیا ہے کہ صفدر بھائی کے لہجے میں تختی سی تھی وہ عارض کے لیے متفکر بھی تھے اور بے بس بھی۔ کیا انھوں نے عارض کو ویسا سب کہا، اگر کہا تو کہیں یہ سچ تو نہیں، مجھے یقین کیوں نہیں آ رہا؟ شاید صفدر بھائی اور عارض کے درمیان غلط فہمی ہے۔ اس نے فون رکھا اور کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر نارمل ہونے کی کوشش کی۔

❁......❁......❁......❁

صفدر عارض کے بالکل قریب بیٹھا تھا۔ عارض پر ڈاکٹرز کی توجہ اور میڈیسن نے اچھا اثر ڈالا تھا۔ وہ بہت بہتر تھا پرسکون سویا ہوا تھا، بس کبھی کبھی لمبا سانس لیتا تو صفدر چونک جاتا پھر وہ جونہی نارمل ہوتا تو صفدر کو اطمینان مل جاتا۔ بیٹھے بیٹھے صفدر کی آنکھ لگ گئیں، عارض نے نیم وا سی آنکھوں سے اسے قریب دیکھا تو ایک دم بولا۔
”کیوں آئے تو تم......؟“
”اخلاقی فرض ادا کرنے۔“ صفدر نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔
”میں نے تمہارا سرمایہ لوٹا ہے۔“
”اس کا حساب باقی ہے۔“
”تو لو......میں نے ویسا ہی کیا ہے جیسا تم نے کہا۔“
”تو میں بھی وہی کروں گا جو ایک شوہر کو کرنا چاہیے۔“
”کرو، گولی مار دو مجھے۔“
”تم بھی تم نے یہ اعتراف نہیں کیا۔“
”کر لیا جائے یہاں سے۔“ وہ نقاہت سے بولا۔
”تم بھی ایک تیماردار ہوں۔“
”مت کر تیمارداری، میرے جیسے انسان کی تیمارداری۔“
”ہنہ!“
”میں نے کہا جاؤ۔“ وہ بولا۔
”عارض! تم نے دوست کی دوستی دیکھی، شوہر کی دشمنی نہیں۔“
”لاؤ اپنی بیوی کو وہ میرے سامنے آئے، پھر تم دیکھنا میری دشمنی۔ میرے بابا کے جانے کے بعد تم سب بدل گئے، مجھے سب سے نفرت ہو رہی ہے۔“ عارض آغا جی کو یاد کر کے رندھے ہوئے گلے سے بولا۔ صفدر کا دل تڑپا اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔
”لاؤں گا سامنے، بس ڈر یہ ہے کہ میں آغا جی کو صدمہ پہنچانے والا نہ بن جاؤں۔“
”صفدر! جو تم کہہ چکے ہو وہ کافی ہے۔“ عارض نے ہاتھ چھڑایا۔
”بہت عرصے سے نہیں کہا، اس کی داد دو۔“
”بہرکیف! مجھے تنہا چھوڑ دو۔“ وہ جھنجلایا۔
”یہ دعا نہیں ہے، اللہ کسی کو تنہا نہ کرے۔“
”ہنہ!“ وہ طنزیہ کہہ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"میری دعا ہے کہ تم تنہائی کے صدمے سے نہ گزرو مگر غور کرو اپنی تنہائی کے لیے تم نے کتنے سامان خود جمع کیے ہیں۔ یہ موقع نہیں کہ میں الجھوں، گھر چلے جاؤ گے تو پھر بات ہوگی۔" صفدر نے دھیرے سے کہا۔ وہ گردن موڑے دوسری طرف دیکھتا رہا۔

"جاؤ یہاں سے۔" کچھ دیر بعد عارض بولا۔

"ہنہ! جاتا ہوں۔" صفدر نے تحمل کا دامن نہ چھوڑا۔

"اور میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"فکر تمہاری نہیں اپنی دوستی کی ہے۔"

"کون سی دوستی؟"

"یہی تو میں سوچ رہا ہوں۔"

"صفدر جاؤ، میں ویسا ہی ہوں جیسا تم کہہ چکے ہو۔" وہ بہت زیادہ کرب سے گزرا تھا کہ اعصاب پر ایک ہی بات طاری تھی۔ صدمہ تھا، اذیت تھی کہ اس نے گناہ کیا۔ صفدر نے کہا اور بس۔

"اس کا مجھے نہ صدمہ ہے نہ دکھ صرف حیرت ہے اس حیرت سے تم مجھے نکال لو گے۔" صفدر نے کہا اور پھر گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ حاکم الدین کمرے میں داخل ہوا تو صفدر نے کہا۔

"حاکم الدین! اثر مین بی بی آئیں گی تو انہیں کہہ دینا کہ اب وہ ان کا خیال رکھیں۔ میں جا رہا ہوں۔" صفدر کے جملے پر عارض نے چڑ کر کہا۔

"مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔"

"خدا کرے! تم ہماری ضرورت بنے رہو۔" صفدر خلوص سے کہہ کر اپنا سفری بیگ اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ عارض کی آنکھوں میں جانے کہاں سے پانی اترا اور بہہ نکلا۔

❁......❁......❁......❁
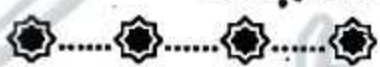
صفدر گھر پہنچنے تک غم و غصے کی بھٹی میں دہک چکا تھا۔ امی کے پاس کالونی کی خواتین بیٹھی تھیں۔ کمرے میں زیبا قرآن پاک پڑھ رہی تھی۔ اس کو دیکھتے ہی اشتعال جاگا مگر قرآن کے تقدس کا تقاضا تھا کہ اس وقت کوئی بات نہ کی جائے، سو واش روم میں گھس گیا، باہر آیا تو وہ چائے بنا کر لے آئی تھی۔ بس پھر کیا تھا اپنے دوست کی محبت نے دل کو جکڑ لیا۔ اس نے اس کی گردن اپنی مٹھی میں جکڑی اور بولا۔

"قرآن پڑھ کر دھوکا دو بھی میرے ساتھ، میرے دوست پر گھناونا الزام کیوں لگایا بولو۔ مجھے یقین ہے کہ تم نے جھوٹ بولا ہے۔"

"تو...... مجھے جھوٹا کہیں، مگر دوست کو بے گناہ کہیں۔" اس نے مشکل سے گردن آزاد کرائی۔

"تم سے شادی کر کے جہنم کے سوا کچھ نہیں ملا۔"

"ناشکری کے لیے آپ کا اتنا کہنا ہی کافی ہے۔" زیبا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"بس کرو، دفع ہو جاؤ یہاں سے فلسفہ بگھارنے کی ضرورت نہیں۔" وہ چلایا۔

"گھر میں آیت الکرسی پڑھ کر داخل ہوا کریں۔" اس بات نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اس کا وجود شعلہ بن گیا۔

"کیا کہا تم نے...... گویا میں شیطان ساتھ لے کر آتا ہوں؟"

"میں نے کب کہا، میں نے تو آیت الکرسی کی فضیلت بتائی ہے۔" وہ بولی۔

"ہنہ! اور اس وقت کوئی فضیلت یاد نہیں رہی جب گناہ کا بیج بویا تھا۔" وہ پھر آپے سے باہر ہوگیا۔
"میں نے نہیں ہم آپ کے دوست نے۔" وہ چلائی۔
"مجھے میرے دوست کے خلاف استعمال کررہی ہو۔"
"تو مجھے نکال دیں۔"
"دل تو یہی چاہتا ہے۔" وہ بے بسی سے کہہ کر بستر پر گرا اور سر سے پاؤں تک کمبل تان لیا۔ زیبا نے ہتھیلی سے آنکھیں رگڑیں اور روتے ہوئے بولی۔
"نفرت میں دوست کے لیے محبت اور میرے لیے نفرت میں محبت کی کمی آ گئی۔" صفدر نے کمبل کا کونہ سرکا کے اسے دیکھا اور پھر نرمی سے کہا۔
"تم کیا جانو، کیا کہہ دیا اور کیا سن لیا؟"
"میں جاننا چاہتی ہوں۔"
"دعا کرو عارض اور میرے درمیان پھیلی دھند چھٹ جائے، میں اپنے دوست کی محبت کے بنا مر جاؤں گا۔" وہ بولا تو زیبا صرف اس کا منہ تکتی رہ گئی۔ یہ کیسی محبت تھی۔

✿......✿......✿......✿

عارض کی طبیعت کچھ سنبھل گئی تھی۔ صفدر بھائی تو پہلے دن مل کر گئے تو پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اذان کو اسکول کی طرف سے دو دن کی چھٹیاں ملی تھیں۔ اس لیے عارض نے شرمین سے تو نہیں حاکم الدین کو کہا۔
"حاکم الدین! جسے جانا ہے جائے، اذان کو میرے پاس ہی رہنا ہے۔"
"جی صاحب! شرمین بی بی بتائیں۔" حاکم الدین نے شرمین کی طرف دیکھا۔ مگر شرمین کے بولنے سے پہلے ہی اذان بڑی چاہ سے عارض کے سینے سے لگ کر بولا۔
"ماما! میں عارض انکل کے پاس ہی رکوں گا۔"
"بیٹا! ہم آجائیں گے آپ کا اسائمنٹ ہے تیار کرنا ہے اور میرے آفس کی تو چھٹی نہیں ہے۔" شرمین نے اذان سے ہی کہا۔
"ماما! پلیز رات تک بلکہ مارننگ میں آجاؤں گا۔" اذان نے خود ہی پروگرام بنالیا۔
"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بظاہر میرے خیر خواہ بننے والے میری خوشی کی پروا تک نہیں کرتے۔" عارض نے جھنجھلا کر کہا۔ حملہ شرمین اور صفدر کے لیے تھا۔ شرمین نے حاکم الدین کو باہر جانے کا اشارہ کیا، جب وہ چلے گئے تو وہ بولی۔
"خیر خواہوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں؟"
"مجھ پر گھناؤنا الزام لگاؤ پھر خیر خواہ بھی کہلاؤ۔"
"میرے ساتھ جو کیا وہ الزام نہیں حقیقت ہے۔"
"میں نے صبیح احمد کے لیے کنارا کیا تھا۔ باقی سنجنا کی کوئی حقیقت نہیں۔ میں نے تسلیم کرلیا ہے کہ اذان تم دونوں کے درمیان کا پل ہے۔ میں تنہا ہوا ہوں، تمہیں تنگ تو نہیں کیا، مگر صفدر......" وہ بولتے بولتے رکا۔
"میرے لیے بھی غلط سوچا اور غلط کیا، سنجنا سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ صبیح احمد کی حقیقت بھی تم نہیں جانتے۔ صفدر بھائی کسی پر غلط الزام نہیں لگا سکتے۔ ان کا دل تمہارے لیے آلودہ ہوا ہے تو کچھ تو ہے نا۔" اس نے بہت دھیرے دھیرے کہا۔ وہ بھنا اٹھا۔

''ہاں ہے نا! میں برا انسان ہر عیب سے لتھڑا ہوا۔''
''عارض! تمھارا مسئلہ یہ ہے کہ تم چیزوں میں فرق نہیں سمجھتے۔ صفدر بھائی کا گھر جل رہا ہے۔ تم مل بیٹھ کر حل نکالو۔ میں تمھاری زندگی میں ہوں ہی نہیں۔''
''ہاں! صبیح احمد جو ہے۔''
''انکل آپ میرے ڈیڈی سے ملے ہیں؟'' اچانک اذان بول پڑا۔
''وہ کب آئیں گے......؟'' اذان نے پوچھا۔
''اپنی ماما سے پوچھو۔'' عارض کا لہجہ کڑوا تھا۔
''عارض! موت ایک ایسی حقیقت اور سچائی ہے کہ اس پر ہمیں بڑی دیر بعد یقین آتا ہے۔ صبیح احمد کو اب تو معاف کردو۔'' شرمین نے کہا اور نظریں جھکالیں۔ وہ بھونچکا سا اٹھا اور اس کے روبرو بیٹھ کر بولا۔
''مطلب......؟''
''مطلب یہ کہ صبیح احمد سے تمہیں نہیں مجھے مطلب ہونا چاہیے آرام کرو، ہم پھر آجائیں گے۔'' شرمین نے کہا اور اٹھنے لگی تو اس نے ہاتھ تھام کر بیٹھنے پر مجبور کیا۔
''ہم کہیں نہیں جارہے، مجھے بتاؤ پلیز۔''
''پلیز عارض! محبت ان دیکھے جذبوں پر یقین کرنا سکھاتی ہے، یقین کے لیے پہلے محبت کرنا سیکھو تاکہ یہ تمہیں یقین اور اعتبار کی دولت سے مالا مال کردے۔'' شرمین نے اچھی خاصی گہری باتیں کرڈالیں۔
''میری محبت پر شک ہے۔'' وہ مضطرب ہوا۔
''مجھے آپ کے لفظ محبت کو لبوں پر لانے پر بھی شک ہے۔ کیونکہ میری محبت کے بارے میں سوچ اور ہے تمہاری اور۔''
''ٹھیک ہے۔'' وہ مایوس سا ہوکر بستر پر دراز ہوگیا۔
''میں، عصر کی نماز پڑھ کر آتی ہوں۔'' شرمین یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

❁......❁......❁......❁

نماز پڑھ کر وہ کمروں کے پیچھے...... راہداری میں آکر شیشے سے بند کھڑکیوں میں سے ایک کھڑکی کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی۔ باہر اسپتال کی کار پارکنگ تھی۔ گاڑیاں آجارہی تھیں۔ کوئی ٹوکن لے رہا تھا اور کوئی واپس دے رہا تھا۔ تیمارداروں کی ہاہوبھی اور مریضوں کی ہائے ہائے وہ ہٹ کر دوسرے سرے پر پہنچ گئی...... تو ایک بزرگ خاتون وہاں بیٹھی آنسو بہارہی تھیں۔ وہ ان تک پہنچ کر رک گئی۔
''نہیں...... نہیں، میرا بیٹا بیمار ہے ڈاکٹر کہتے ہیں کہ دعا کرو۔'' بڑی سادگی سے بزرگ خاتون نے جواب دیا۔ اسے ہلکی سی ہنسی آئی مگر ضبط کرگئی۔
''تو آپ دعا کریں، روئیں نا۔''
''اپنے پیاروں کے لیے دعا روئے بنا کہاں ہوتی ہے؟'' انہوں نے بڑی معصومیت سے کہہ کر اس کی طرف دیکھا۔
''اور رونے سے کیا ہوتا ہے؟''
''اپنوں کی محبت ملتی ہے۔''

”محبت جو رو کردیں وہ اپنے ہوتے ہیں کیا؟“ اس نے بے خیالی میں کہہ دیا۔
”بیٹی! میرا بیٹا مجھ سے ملتا نہیں ہے اس کی بیماری کی خبر سن کر یہاں آئی ہوں۔“ انہوں نے بتایا۔
”ماں ہیں نا۔“
”ہاں! مگر محبت سب کو ماں جیسی کرنی چاہیے۔“
”کیا مطلب؟“
”ماں کی محبت میں نہ کھوٹ ہوتا ہے نہ ملاوٹ‘ بس محبت ہی محبت ہوتی ہے‘ ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ ایسی محبت کرنی چاہیے‘ میری بہو میرے بیٹے کے ساتھ محبت نہیں کرتی۔ اس کی دولت سے مطلب ہے اسے۔“
”اچھا آپ انھیں ان کے کمرے میں جائیں۔“ اس نے ہاتھ بڑھا کر اٹھانا چاہا۔
”تمہارا کون ہے یہاں؟“ بزرگ خاتون نے رک کر پوچھا‘ تو وہ ہکلا گئی۔
”وہ......“ لفظ زبان پر رکے تو اسی لمحے دور سے اذان کی آواز آئی۔
”ماما!“ وہ شاید اس کی تلاش میں آیا تھا۔ خاتون کو جھٹ سے جواب مل گیا۔
”خدانخواستہ تمہارا شوہر داخل ہے۔ اس کے پاس جاؤ بہت خیال رکھو‘ بیٹی سب کچھ مل جاتا ہے مگر شوہر کی محبت مشکل سے ملتی ہے۔“ وہ بہت اپنائیت سے کہتی ہوئیں اپنے رستے پر چلی گئیں اور اس کی سوچ کا زاویہ مضطرب سا ہوگیا۔ عارض کا خیال آیا تو اس نے قدم تیزی سے اٹھائے...... ایسا لگنے لگا کہ جیسے اس کا بہت خیال رکھنا ہے...... اسے سنبھالنا لازمی ہے اسے نہیں پتا چلا کہ دل نے مجبور کیا یا ان بزرگ خاتون کی باتوں نے۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو عارض کو دروازہ تکتے پایا۔ کمزور سا عارض اس کو دیکھ کر جیسے مطمئن سا ہوگیا۔
”حاکم الدین! میں صاحب کے لیے سوپ بنا کر لاتی ہوں آپ اس وقت تک یہیں رہیں۔“ اس نے براہ راست ملازم کو کہا اور اذان کو وہیں چھوڑ کر باہر نکل گئی۔

❁......❁......❁......❁

اس نے گھر آ کر فریزر سے چکن نکال کر چولہے پر رکھی سوئیٹ کارن‘ سرکہ‘ انڈے اور دیگر سوسز چولہے کے قریب رکھیں‘ چولہے کی آنچ ہلکی کر کے کمرے میں آئی وارڈ روب سے نیوی بلو شلوار شوٹ نکال کر واش روم میں گھس گئی...... تولیے میں بال لپیٹ کر کچن کی طرف آئی‘ اسی اثنا میں شبانہ ایک شاپنگ بیگ لیے آ گئی۔
”آؤ شبانہ۔“
”بھئی تم ماں بیٹے کہاں گم رہتے ہو‘ ہمارے تو بچے اداس ہوگئے ہیں۔“ شبانہ نے کہا۔
”دراصل! میں اپنی آپا کے گھر اور بزنس دیکھ رہی ہوں وہ کینیڈا گئی ہیں۔“ اس نے نظریں چراتے ہوئے جھوٹ بولا۔
”اچھا میں تمہاری نند کو بتادوں گی۔“
”کون؟“ وہ چونکی۔
”اذان کی پھوپو آئی تھیں یہ اذان کے لیے دے گئی ہیں‘ کچھ دیر بیٹھی تھیں۔“ شبانہ نے سرسری سے انداز میں بتایا۔
”مت لیا کرو کسی سے بھی کچھ۔“ وہ دبے دبے غصے سے کہہ گئی۔
”وہ چاہ سے لائی تھی تو کیا کہتی۔“
”آئندہ کچھ بھی کہے آپ نے کہنا ہے کہ میں نے منع کیا ہے۔“

سنہری باتیں

☆ انسان اپنی توہین معاف کر سکتا ہے۔ بھول نہیں سکتا۔

☆ جس سے محبت کی جائے اس سے مقابلہ نہیں کیا جاتا۔

☆ کسی کو پالینا محبت نہیں بلکہ کسی کے دل میں جگہ بنالینا محبت ہے۔

(دیویا سونی۔ ٹنڈوالہ یار)

"ٹھیک ہے ویسے تمہاری ان سے ناراضی چل رہی ہے؟" شبانہ کے اندر تجسس تو سر اٹھایا۔

"شبانہ! کچھ باتیں ہم چاہیں بھی تو شیئر نہیں کر سکتے۔" اس نے کہا اور انڈوں کی سفیدی پھینٹنے لگی۔

"ٹھیک ہے یہ کہاں رکھوں؟" شبانہ نے اس کا موڈ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہنہ..... یہ جانے کیا لائی ہیں؟" وہ بڑبڑائی۔

"یہ یہیں رکھ دیتی ہوں۔" شبانہ نے وہیں کچن کی ٹیبل پر شاپنگ بیگ رکھ دیا۔

"بیٹھو......" اس نے مروتاً کہا۔

"نہیں بس میں چلتی ہوں کپڑے استری کرنے ہیں۔" شبانہ نے کہا اور چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد شرمین نے سوپ کو بھول بھال کر صرف اذان کے لیے سوچنا شروع کردیا۔ کشف کی طرف سے اس رابطہ مہم میں اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس کی شخصیت اس کا کردار لوگوں کے لیے تماشا بننے کے قریب تھا۔ کشف جان بوجھ کر اس کی عدم موجودگی میں آنے لگی تھی یہ تحفے تحائف بنا کسی خاص مقصد کے نہیں تھے شبانہ سے کچھ راز لینے کی کوشش بھی کی ہوگی۔

"یا خدا! میں کیا کروں؟" وہ سر تھام کے کرسی پر گر گئی۔ ذہن میں سخت آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ دل چاہا کہ کشف کو فون کر کے کھری کھری سنائے مگر یہ اس کا مزاج تھا نہ وہ جھگڑ سکتی تھی نہ کوئی احتجاج کر سکتی تھی۔

❁......❁......❁......❁

اس نے سوپ تیار کر کے حاکم الدین کو فون کر کے بتایا کہ وہ نہیں آ رہی اذان کو بھجوادیں فون بند کر کے وہ بستر میں گھس گئی۔ سوچ کے تانے بانے سب اسے گھیرے میں لیے ہوئے تھے۔ بڑی دیر سے فون بج رہا تھا ایک دم جو دھیان ہٹا تو جلدی سے فون اٹھایا۔ حاکم الدین کا ہی فون تھا۔

"ہاں! حاکم الدین!"

"بی بی جی! صاحب کو چھٹی مل گئی ہے ہم گھر آ گئے ہیں اذان بابا کو صاحب نے بھیجنے سے منع کر دیا ہے۔"

"اوہو! حاکم الدین! اذان کا آنا ضروری ہے۔"

"مگر صاحب ناراض ہو رہے ہیں اور آپ کے لیے بھی غصہ کر رہے ہیں۔" حاکم الدین نے جھجکتے ہوئے کہا تو وہ چپ رہی۔

"ٹھیک ہے صاحب کو کچھ کھلانا۔"

"انہوں نے کمرے سے نکل جانے کا کہہ دیا ہے۔"

"اوہ گاڈ! اچھا میں صفدر بھائی سے بات کرتی ہوں۔" وہ بولی۔

"نہیں جی ان کے تو نام پر بھی چلانے لگتے ہیں۔"

"پھر میں کیا کروں حاکم الدین۔" وہ بے بسی سے بولی۔
"آپ آجائیں میں ڈرائیور کو بھیج دیتا ہوں' کہیں صاحب کی پھر طبیعت خراب نہ ہوجائے۔"
"حاکم الدین! یہ آنکھ مچولی میں کب تک کھیلوں؟" وہ کچھ بیزاری ہو کر بولی۔
"میں کیا کہہ سکتا ہوں بی بی!"
"میں اپنے مسائل میں گھری ہوں۔" وہ بہت سنجیدگی سے بولی۔
"بی بی! چھوٹا منہ بڑی بات ہے آپ بڑے صاحب کی بات مان لیں۔" حاکم الدین نے اسے آغا جی کی خواہش کے بارے میں یاد دلایا۔
"مسائل باریک دھاگوں کی صورت ایسے الجھے ہوتے ہیں کہ انسان چاہ کر بھی سلجھا نہیں سکتا۔ میرے لیے شاید اور مشکلات اتنی زیادہ ہیں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ بہر کیف! میں آتی ہوں اپنی گاڑی پر۔" اس نے اچھی خاصی طویل بات کی اور فون بند کردیا۔
سچ مچ زندگی اس مقام پر آ گئی تھی کہ کچھ بھی ٹھیک سے ہینڈل نہیں کر پا رہی تھی۔ سب کچھ ٹھیک کرنا چاہتی تھی مگر کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ قدرت نے اس کے ساتھ ہی مشکل سوالات کا نہ حل ہونے والا سوال نامہ بھی دنیا میں بھیج دیا تھا۔ اب تو ڈھیرے ڈھیرے اعصاب جواب دے گئے تھے۔ اپنے مسائل کیا کم تھے کہ عارض سے کچھ بھی تعلق باقی نہ رہنے کے باوجود وہ اس کے زیر اثر تھی۔ بزرگ خاتون کی باتوں نے دل پر شدید اثر کیا تھا۔ مگر کشف کی کارروائی نے سارا اثر جیسے زائل کردیا تھا۔ اس نے دائیں ہاتھ رکھی گاڑی کی چابی اٹھانی چاہی تو صبیح احمد کی فوٹو پر نگاہ جم گئی۔
"میری زندگی کی مشکلات کا سفر تم سے شروع ہوا اور لگتا ہے یہ سفر مجھے قبر میں اتار کے ختم ہوگا۔ تم نے مجھے اذیتوں کے سوا کچھ نہیں دیا' کاش! میں نے تمہاری محبت پر یقین نہ کیا ہوتا اور کاش! میں نے تمہاری آخری وصیت کو تسلیم نہ کیا ہوتا۔" وہ سرد آہ بھر کے اٹھی اور کمرہ لاک کر کے باہر آ گئی۔

❁......❁......❁......❁
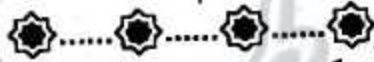
"عارض! تم کیوں میری مشکلات میں اضافہ کر رہے ہو؟ جب ہمارے راستے جدا ہیں تو میرے یہاں آنے کا کوئی جواز نہیں بنتا' تم نے بہت پہلے وہ سب ختم کردیا تھا' اب ملازمین کے ساتھ رہنے کو اپنی عادت بناؤ۔ میں روز روز یہاں نہیں آسکتی۔ اذان کو بھی یہاں نہیں چھوڑ سکتی' کسی کو جواب دہ ہوں۔" وہ بولتی چلی گئی' عارض پوری توجہ سے سن رہا تھا۔ مگر ایک دم بولا۔
"کس کو...... کس کو جواب دہ ہو؟"
"یہ تم سے کنسرن نہیں' میں روز یہاں نہیں آسکتی۔" وہ نظریں چرا گئی۔
"تو مت آؤ' چھوڑ دو مجھے۔"
"چھوڑنے کا اختیار تم استعمال کر چکے ہو اسی لیے تو کہہ رہی ہوں۔" وہ بولی۔
"اس کی سزا میری موت ہے۔"
"اللہ نہ کرے۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔
"شرمین! یہ کیا ہے؟ میرے لیے تمہارے منہ سے یہ کیوں نکلا اسے کیا کہتے ہیں؟" وہ سوپ کا پیالہ جو کہ اس نے بڑی مشکل سے اسے تھمایا تھا' وہ اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر زور سے پٹخا۔

آنسو

اداس شہروں میں ساحلوں پر
بہہ رہے ہیں کمال آنسو
محبتوں کے زوال میں یہ
بھٹک رہے ہیں سوال آنسو
برستی بارش چمکتی بجلی
سمٹ رہے ہیں نڈھال آنسو
اداس شاموں میں ڈھل گئے ہیں
وقت کے یہ بے مثال آنسو
راج دل کے الٹ گئے ہیں
یہ خشک آنکھوں میں سیلاب آنسو

سیدہ عبادت راج......ڈیرہ اسماعیل خان

"یہ کچھ نہیں ہے۔"
"تو پھر جاؤ‘ جاؤ یہاں سے۔" اسے پھر دورہ پڑا۔
"پلیز! دھیرے بولو۔"
"شرمین! میں نے اپنی خوشی کے لیے کیا تھا کیا؟"
"کم از کم میری خوشی کے لیے تو ہرگز نہیں تھا۔"
"صبیح احمد کے بٹوے میں تمہاری فوٹو تھی اور اس نے تمہیں اپنی زندگی کہا‘ میں نے تم سے پہلے ہی محبت کا جواب مانگا تھا‘ جو کہ تم نے نہیں دیا۔ سو......"
"گڑھے مردے مت اکھیڑو۔ اب کچھ بھی کہنے سے فائدہ نہیں۔ صبیح احمد خود فریبی تھے‘ جھوٹ کے مرض میں مبتلا تھے‘ محبت میں بٹوہ اور تصویر لازم نہیں ہوتے‘ اب وہ دنیا میں نہیں رہے سو میں کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتی۔"
"میں نے اپنی زندگی میں صرف تم سے محبت کی۔"
"اچھا! خیر‘ اب یاد رکھنا کہ میں روز روز نہیں آسکتی‘ بہتر ہے کہ تم زندگی کی سچائیوں کی طرف لوٹ آؤ‘ بزنس دیکھو‘ آغا جی کے خواب پورے کرو۔" اس نے ٹال کر سمجھانا چاہا۔
"تو...... تم نے بھی مجھے صفدر کی طرح چھوڑنا ہے۔"
"عارض! چھوڑنا کیا؟ ہم صرف آغا جی کی وجہ سے اب تک ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں‘ یا پھر صفدر بھائی کے مجبور کرنے پر۔"
"ہنہ! ٹھیک ہے سب چھوڑ جاؤ۔ آئندہ یہ خواہش نہیں کروں گا‘ بلکہ تمہاری دنیا سے دور جانے کی کوشش کروں گا۔"
"جیسے تمہاری مرضی۔" وہ وہاں سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ عارض کے غم و غصے نے سوپ کا پیالہ فرش کی زینت بنادیا۔

چائے کا کپ سامنے رکھے وہ مسلسل سوچ میں ڈوبا تھا۔ الجھا الجھا' افسردہ اور مضطرب۔ جہاں آرا کو یہی لگ رہا تھا کہ زیبا سے ناراض ہے انہوں نے زیبا سے علیحدگی میں پوچھا بھی' بظاہر تو زیبا کو بھی یہی محسوس ہوا کہ وہ ہمیشہ کی طرح اسی سے نالاں ہے مگر پوچھنے کی جرأت نہ کی۔ چائے کا کپ رکھ کر باہر چلی گئی تھی اب کچھ دیر بعد کمرے میں آئی تو شرمین ساتھ تھی شرمین کو دیکھ کر وہ ہولے سے مسکرایا اور کچھ حواس کی دنیا میں آیا۔

"صفدر بھائی! آپ گھر میں مزے سے بیٹھے ہیں۔"

"نہیں' مزے کیسے؟"

"آپ نے تو عارض کی خیر خبر بھی نہیں لی۔"

"ہاں! کچھ عذاب ایسے ہوتے ہیں کہ دور جانے سے بھی بڑھتے ہیں اور پاس رہنے سے بھی ان میں اضافہ ہوتا ہے' سوان سے ہی لڑ رہا ہوں۔"

"صفدر بھائی! عارض اسی کیفیت سے دوچار ہے' میرے لیے روز اس کے پاس جانا ممکن نہیں' اذان کے مسئلے میں' میں بہت پریشان ہوں۔ پلیز آپ عارض کو دیکھیں۔" وہ بولی۔

"نہیں' عارض سے میں شاید اب کبھی نہ مل سکوں۔"

"وجہ......؟"

"بہت گمبھیر ہے وجہ' خیر اذان کا کیا مسئلہ ہے؟"

"اذان صبیح احمد کی وصیت کے مطابق میرے پاس ہے' مگر اب اس کی لالچی پھوپو اسے میرے پاس دیکھ کر تلملا رہی ہیں۔ میری پوزیشن بہت آکورڈ ہو رہی ہے۔ صبیح احمد کے مرنے کا بھی اذان کو پتا نہیں' اس کے معصوم ذہن پر برا اثر پڑے گا۔" وہ بہت زیادہ پریشان تھی۔ صفدر پوری توجہ سے بات سنتے سنتے چونکا۔

"صبیح احمد......؟"

"جی صبیح احمد اب دنیا میں نہیں' اذان مجھے اپنی ماں سمجھتا ہے' میں تو مجرم بن گئی ہوں' وہ مجھ سے متنفر ہو جائے گا۔"

"اوہ سیڈ! بڑی عجیب بات ہے۔"

"ایسے میں' عارض کے لیے میرے پاس کچھ نہیں' اسے آپ سنبھالیں۔" اس نے کہا۔

"شرمین! عارض اور میرے درمیان میری بیوی زیبا آ گئی ہے' تم ہمیشہ پوچھتی تھیں کہ میں الجھا الجھا کیوں ہوں؟ میرا گھر ویران اور برباد ہے' جانتی ہیں کس وجہ سے؟" وہ بولتے بولتے چپ ہوا۔

"عارض......مگر کیسے......؟"

"زیبا ایک گھناؤنے سرخ لباس میں لپٹی میرے گھر آئی تھی' اس نے اپنے گناہ گار کا نام اب بتایا تو میں شاک کھا کر سنبھلا ہوں' عارض کی ہوس کا شکار ہونے والی میری بیوی جھوٹ کہتی ہے یا سچ یہ جاننا ضروری ہے' یہ عارض ہی ثابت کرے گا' مگر وہ بھڑک اٹھا اور میں جنگ لڑ رہا ہوں خود سے۔"

"اوہ میرے خدا! عارض......عارض ایسا کیسے کر سکتا ہے؟" شرمین کی حیرت اور صدمے سے آنکھیں کھلی رہ گئیں۔

"یہی تو صدمہ مجھے ہے۔"

"نہیں......عارض ایسا نہیں کر سکتا۔" شرمین کے اوسان جیسے اس کے اپنے اختیار میں نہیں رہے۔

"زیبا نے کہا' تو میں نے بڑے عرصے عارض سے تذکرہ نہیں کیا' اپنے غصے پر ضبط کیا' زیبا اور میرے درمیان نفرت کی دیوار اتنی بلند اور مضبوط بن گئی ہے کہ اس کا اس گھر سے جانا ٹھہرا۔"

تحریم انجم

ڈیئر قارئین السلام علیکم! جیسا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ مجھے نہیں جانتے ہوں گے' کیونکہ میں آپ کی محفل میں پہلی بار آنے کی کوشش کررہی ہوں' آگے آپ کی مرضی' مجھے اپنائیں یا نہ اپنائیں' میرا نام تحریم انجم ہے۔ ملتان کے ایک گاؤں سے میرا تعلق ہے' اور اسلام آباد میں سیکنڈ ایئر کی طلبہ ہوں' ابو کی لاڈلی تھی کیونکہ میں گھر میں سب سے چھوٹی ہوں۔ 2 سال پہلے میرے بیسٹ فرینڈ مطلب میرے ابو کی ڈیتھ ہوگئی اور زندگی میں پہلی بار میں نے اپنی بہت پیاری چیز کو کھویا اور قیامت کس کو کہتے ہیں مجھے اس دن پتا چلا۔ خدا سے دعا ہے کہ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کریں۔ اور آپ سب کے سروں پر والدین کا سایہ قائم رکھے (آمین) مجھے آنچل پڑھتے ہوئے کم عرصہ گزرا ہوگا کیونکہ مجھے وقت کم ملنے کے ساتھ ساتھ ڈانٹ بھی پڑتی ہے کہ میڈیکل کے اسٹوڈنٹ تو پڑھائی میں کھانا بھی بھول جاتے ہیں' اور تم ہو کہ ہر وقت فارغ نظر آتی ہو۔ مجھ میں خامیاں تو ہیں ہی پر خوبیاں بھی بہت ہیں۔ مجھے غلط بات پر بہت غصہ آتا ہے' اور مجھ سے منافقت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے کم لوگ مجھے پسند آتے ہیں۔ بہت سی رائٹرز پسند ہیں' خاص کر عمیرہ احمد' سمیرا شریف طور (صدف آپی کی جان) اقرا صغیر اور عشنا کوثر سردار' گھر میں آنچل آجائے تو اف خدایا اتنی لڑائی ہوتی ہے کہ پہلے میں پڑھوں گی اب فیصلہ ہوا ہے کہ سب الگ الگ منگوائیں گی' کسی زمانے میں ہم بھی لائق اسٹوڈنٹ تھے پر یہ فیڈرل بورڈ اور اوپر سے F.S.C نے پاگل بنادیا۔ خدا آپ سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ خدا حافظ۔

''مگر صفدر بھائی! عارض ایسا کرسکتا ہے یہ آپ نے سوچا......؟''

''اس کی سابقہ زندگی رنگین استعاروں سے بھری ہے مگر یہ زیبا بھی ان میں شامل ہوگی' اور پھر اس انتہا پر وہ پہنچ گیا' یہ یقین نہیں آتا۔ کاش مجھے یقین نہ آئے۔'' صفدر بہت اپ سیٹ تھا۔

''اگر ایسا ہے تو مجھے گھن آرہی ہے عارض سے۔''

''نہیں...... تم ایسا مت سوچو' مجھے حقیقت جاننے تک اپنا دوست عزیز ہے۔'' صفدر نے کہا۔

''کمال ہے' آپ اب دوست کہہ رہے ہیں' زیبا بھابی کو لے جائیں اس کے سامنے دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوجائے گا۔'' وہ نفرت سے بولی۔

''بس اوپر تلے ایسے واقعات ہوتے چلے گئے کہ میں پوچھ نہیں سکا تھا' اب بھی وہ سنبھلا نہیں مجھے اشتعال دلایا تو میں سب کہہ گیا اور وہ اس پر آپے سے باہر ہوگیا۔''

''ہونے دیں' یہ اتنا چھوٹا جرم اور گناہ نہیں' عارض کو تو انسان نہیں کہا جاسکتا' آپ ابھی تک دوست کہہ رہے ہیں۔'' شرمین کی دکھ سے آنکھیں بھر آئیں۔

''نہیں شرمین بہن! تم اس سے نفرت نہ کرو' وہ قابل توجہ ہے' میرا دل اس کے لیے ابھی محبت سے بھرا ہے۔''

''کمال ہے' عارض اتنا گر گیا اور آپ......''

''تم...... تم اس کے لیے ایسا مت کہو پلیز۔''

''ہرگز نہیں...... میرے اور اس کے درمیان پہلے ہی کچھ نہیں بچا تھا' اب...... اب تو نفرت ہورہی ہے۔''

''شرمین بہن...... پلیز تم اسے تنہا نہ کرو' ابھی فیصلہ باقی ہے' تب بھی تم نے اسے سہارا دینا ہے' چھوڑنا تو مجھے پڑے گا۔'' صفدر نے بڑے تاسف بھرے لہجے میں سمجھایا۔

"اوہ عارض! یہ تم نے کیا کیا؟" شرمین کی آنکھوں سے جانے کیوں عارض کے ساتھ ہمدردی میں یا نفرت سے آنسو جاری ہوگئے۔ زیبا اس کے لیے چائے بنا کر لائی تو اس نے ٹشو پیپر سے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔

❁......❁......❁......❁
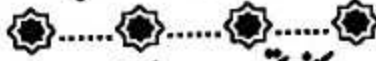
وہ آندھی اور طوفان کی طرح عارض کی طرف پہنچی تھی۔ اذان کیونکہ عارض کے پاس تھا' ڈرائیور آیا اور حاکم الدین نے فون پر منت کی تھی' مگر اب اس وقت اس کا وجود ایک الاؤ کی مانند آگ بن چکا تھا۔ عارض باہر لان میں سورج کی طرف پشت کیے بیٹھا تھا۔ اذان اس کے قریب بیٹھا تھا۔ اذان کے کھلکھلانے کی آواز آئی۔ ساتھ میں عارض کی ہنسی بھی شامل تھی۔ جو کہ اسے سامنے دیکھ کر تھم گئی۔

"اذان! آؤ چلو میرے ساتھ......" اس نے خونخوار لہجے میں اذان کا بازو تھام کر کہا۔

"ماما!" اذان کے بازو پر گرفت سخت تھی تو وہ بولا۔

"یہ کیا کررہی ہو......؟" عارض نے چلا کر کہا۔

"ٹھیک کررہی ہوں۔"

"رہنے دو اسے۔"

"میں اسے تمہارے سائے سے بھی دور رکھوں گی اب۔" وہ سخت نفرت سے بولی۔

"کیوں......؟"

"ماما! میں میں......" اذان نے بولنا چاہا۔

"چپ رہو چل کر گاڑی میں بیٹھو۔" وہ چلائی۔

"اتنا غرور ہے تمہیں اذان پر۔"

"ہاں! اور آئندہ ہماری طرف پلٹ کر نہ دیکھنا' تم ایک گرے ہوئے انسان ہو۔" شرمین نے شدید نفرت سے کہا تو جانے عارض کا ہاتھ کیسے بلند ہوا اور اس کے دائیں رخسار پر نشان چھوڑ گیا۔ وہ حیران رہ گئی' جب کہ وہ نادم سا ہو کر بولا۔

"سوری......!"

"اچھا کیا تم نے' نفرت جو میں نہیں کرسکتی تھی تم نے وہ نفرت پیدا کردی۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"سوری یار۔" وہ شرمندہ ہوا' سمجھ رہا تھا کہ تھپڑ کی وجہ سے وہ کہہ رہی ہے۔ لیکن در پردہ تو وہ حقیقت تھی جو صفدر بھائی نے بیان کی تھی۔

"سوری چھوٹا لفظ ہے' تمہارے لیے' جو گھٹیا حرکت تم نے کی ہے اس کی سزا یہ نہیں۔ تم نے اپنے ہی عزیز دوست کو ڈس لیا۔ اب کبھی بھول کر بھی میرا نام نہ لینا۔ وہ یہ کہہ کر گاڑی کی طرف بڑھی اور اذان کو دروازہ کھول کے اندر دھکیل کر گاڑی اسٹارٹ کر کے نکال لے گئی۔ عارض صرف کف افسوس ملتا رہ گیا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

وہ کاغذ کی کشتی
ڈاکٹر تنویر انور خان
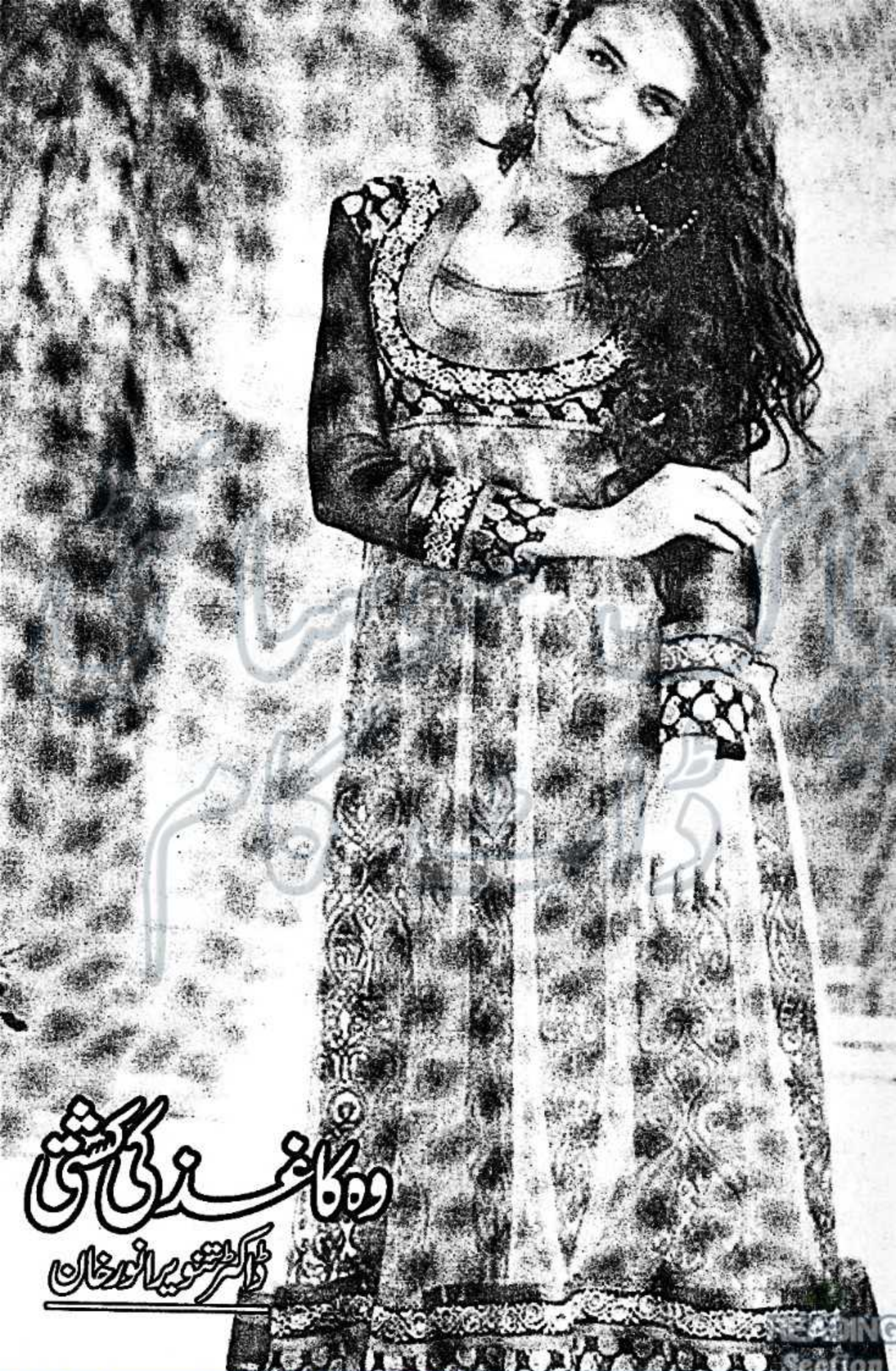
اس جگہ عقل نے دھوکے کھائے
جس جگہ دل ترے فرمان لگے
کوئی دھڑکن ہے، نہ آنسو نہ امنگ
وقت کے ساتھ یہ طوفان لگے

"تم سو رہی ہو بیٹی؟"

"نہیں آرام کررہی ہوں۔" رحمت بی کی آواز پر میں نے اپنے ٹیبل لیمپ کی لائٹ آن کی۔

"چائے پیو گی؟"

"ہاں آپ چائے بنائیں میں شاور لے کر فریش ہوجاتی ہوں۔" رحمت بی نے جاتے جاتے مجھ سے کہا۔

"گل بیٹی مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

"ٹھیک ہے آپ اپنی اور میری چائے بسکٹ کے ساتھ یہاں لے آئیے۔" میں شاور لینے چلی گئی آج میں بہت تھک گئی تھی۔ کراچی میں گرمی بھی بہت پڑ رہی تھی اور آج کورٹ میں کیسز بھی ایسے تھے کہ دماغ کی چٹنی بن گئی۔ میں نہا کر فریش ہوئی تو رحمت بی چائے بسکٹ لے کر آ گئیں۔

"ہاں اب بولیے۔"

"تمہارے لیے ایک ٹیلی فون آیا تھا' کوئی نشیمن سے مسز زاہدہ زبیر تھیں۔"

"زاہدہ زبیر......! میں تو ان کو نہیں جانتی۔" میں ذہن پر زور دیتے ہوئے حیرت سے بولی۔

"وہ تم سے بہت جلد بات کرنا چاہتی ہیں۔"

"آپ نے نمبر لیا ان کا؟"

"ہاں میں نے ان کا نمبر لکھ لیا ہے۔"

"تو دیجیے۔" رحمت بی نے مجھے ایک نوٹ بک پکڑا دی۔ میں نے اس لینڈ لائن پر فون کیا۔

"کیا میں مسز زاہدہ زبیر سے بات کرسکتی ہوں۔"

"آپ کون؟"

"میں ایڈووکیٹ گلنار علی ہوں۔"

"اوہ......اچھا کیا آپ نے مجھے کال بیک کی میں ہی مسز زاہدہ زبیر ہوں۔اس نشیمن کی انچارج۔"

"جی میں شاید آپ کو نہیں جانتی۔"

"ہاں آپ مجھے نہیں جانتیں مگر میرے نشیمن کی ایک خاتون نے آپ کا نمبر دیا ہے وہ آپ سے ضروری ملنا چاہتی ہیں۔"

"مجھ سے مگر کیوں؟"

"یہ مجھے نہیں معلوم بس آپ انسانیت کے لیے ہی آ جائیے۔"

"میں آج ہی آتی ہوں' آپ کا ایڈریس وہی طارق روڈ والا ہے۔"

"جی ہاں وہی ہے۔" مسز زاہدہ زبیر نے جواب دے کر فون بند کردیا۔

❀......⌘......❀
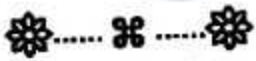
"بیٹی بات ہوئی ان خاتون سے۔"

"جی ہاں ہوگئی' مجھے نشیمن جانا ہے۔"

"کتنی دیر میں جاؤ گی بیٹی۔"

"بس ایک گھنٹے میں۔"

"ہاں ابھی نہ جاؤ بال گیلے ہیں سوکھ جائیں تو جانا نظر لگ جاتی ہے۔ ماشاءاللہ ابھی بھی بہت لمبے ہیں تمہارے بال۔"

"ہاں بی یہ سب آپ کی محنت کا پھل ہے آپ جو میرے بالوں میں سرسوں کے نیم گرم تیل کی مالش کرتی ہیں۔"

"گل عورت کا حسن لمبے بالوں میں ہی ہے اب بھلا پرکٹی اور گنجی عورتیں کیا اچھی لگیں گی۔ بھئی ہم تو پرانے لوگ ہیں ہماری تو پرانی سوچ اور نسخے ہیں۔"

"ہاں آپ نے مجھے کبھی بھی ہیئر ڈرائیر بال سکھانے کے لیے استعمال نہیں کرنے دیا۔"

"ذرا پنکھا تیز کردیجیے میرے بال سوکھ جائیں' بس مجھے جانا ہے۔" اور رحمت بی نے پنکھا تیز کردیا' واقعی اس عمر میں بھی میرے بال خاصے لمبے تھے' میں نے بال سکھائے اور پھر انہیں

باندھ کر جانے کے لیے تیار ہوگئی۔
"بیٹی جلدی آنا...... میں نے آج اسٹو پکایا ہے مٹن کا تم بہت شوق سے کھاتی ہو۔"
"ہاں آپ کے ہاتھ کا اسٹو بہت مزے کا ہوتا ہے جب آؤں گی تو گرم گرم روٹی پکا دیجیے گا۔"
"جب آؤ گی تو بنا دوں گی بیٹی ابھی تو میں آرام کرنے جارہی ہوں کمر میں درد ہورہا ہے۔"
"بی میں نے آپ سے کہا ہے کہ ہم ایک کام کرنے والی رکھ لیتے ہیں اب آپ ضعیف ہوگئی ہیں۔"
"ارے نہیں بیٹی، ابھی گولی کھا کر لیٹوں گی تو ٹھیک ہوجائے گا۔"
"اچھا میں چلتی ہوں آپ دوا ضرور کھا لیجیے گا۔ میں واپس آکر آپ کو درد کا مرہم لگادوں گی۔"

❀ ...... ✽ ...... ❀
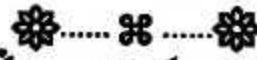
میں کلفٹن سے طارق روڈ کی طرف جارہی تھی سوچوں میں غرق تھی کہ کون مجھے اس طرح یاد کرسکتا ہے۔ میں نشیمن کے باہر پہنچ چکی تھی میں نے کار پارک کی اور گیٹ پر گارڈ کو اپنا کارڈ دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں مجھے ایک خاتون اپنے ساتھ مسز زاہدہ زبیر کے کمرے کی طرف لے گئی۔ ذرا ہی دیر میں ہم وہاں پہنچ گئے۔ میں نے دروازہ ناک کیا۔
"یس کم ان پلیز۔" میں نے دروازے کو ہلکا سا دھکا دیا اور وہ کھل گیا۔
"میں ایڈووکیٹ گلنار علی ہوں۔"
"پلیز بیٹھیے میں زاہدہ زبیر۔"
"ہم ڈائریکٹ بات کریں ان خاتون کے بارے میں جن کے لیے آپ نے مجھے بلایا ہے۔"
"ہاں میں آپ کو لے کر چلتی ہوں، مگر ان کا فزیوتھراپی کا سیشن ہورہا ہے، آدھا گھنٹہ لگے گا، ہم جب تک چائے پیتے ہیں۔"
"ٹھیک ہے۔"
"یہ خاتون ہمارے پاس ایک سال پہلے آئی تھیں اس وقت اچھی خاصی صحت مند تھیں۔ مگر دیکھتے ہی دیکھتے ان کی صحت گرنے لگی وہ بس یہاں پناہ لینے آئی تھیں، خوف زدہ سی تھیں، ان کے ساتھ دو بچیاں بھی تھیں، کچھ دنوں کے بعد انہوں نے وہ بچیاں کہیں ہوسٹل بھیج دیں۔" ہم نے باتیں کرتے کرتے چائے پی اور پھر ہم ایک کمرے کی طرف چل دیئے۔
ذرا ہی دیر میں ہم ایک چھوٹے سے صاف ستھرے کمرے میں پہنچے۔ جہاں صرف ایک بیڈ اور اس پر کوئی خاتون دیوار کی طرف کروٹ کیے لیٹی تھیں۔ میں نے جھک کر ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔
"میں گلنار علی آپ نے مجھے یاد کیا تھا، آپ کون ہیں؟"
میرے مخاطب کرنے پر خاتون نے کروٹ بدلی اور مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔
"تم شمع...... تم یہاں؟" وہ اٹھی اور میرے گلے لگ گئی۔ میں وہیں بیڈ پر بیٹھ گئی۔
"گل آنٹی آپ آگئیں۔ آپ نے میرا مان رکھ لیا۔" وہ میرے کاندھے سے لگی بری طرح رو رہی تھی اور میرے بھی آنسو نکل آئے۔ وہ میری بے حد عزیز، بہن جیسی دوست کی بیٹی تھی۔ میری دوست سائرہ اب اس دنیا میں نہیں تھی۔ مگر میں اس کے بچوں کو بھول نہیں سکتی تھی کیونکہ وہ ہمیشہ انہیں میرے پاس لے کر آتی تھی۔
"شمع تم یہاں کیسے؟"
"میں آپ کو سب کچھ بتاؤں گی، کاش ہم نے آپ کی بات مانی ہوتی تو آج یہ سب کچھ نہیں ہوتا۔"
"آپ لوگ باتیں کریں میں اپنے کمرے میں ہوں۔" مسز زاہدہ زبیر نے کہا۔
"اوہ سو ناکس آف یو...... میں اس بچی کو جانتی ہوں، یہ میری مرحومہ دوست سائرہ شمس کی بیٹی ہے میں اس سے دس سال کے بعد مل رہی ہوں۔"
"مجھے خوشی ہوئی گلنار علی کہ آپ کی جان پہچان نکل آئی اور ہمارا مسئلہ حل ہوگیا۔"
"ٹھیک ہے میں آپ سے ایک اجازت لینا چاہتی ہوں۔"
"جی کہیے۔"
"کیا میں اس بچی کو ایک دو دن کے لیے اپنے گھر لے جاسکتی ہوں، تاکہ یہ آرام سے مجھے ساری باتیں بتاسکے۔"
"ٹھیک ہے آپ ریٹرن میں دے دیں، میں آفس میں ہوں۔" میں نے شمع سے کہا اپنا ایک جوڑا رکھ لو میں ابھی آتی ہوں۔ ہم گھر چل کر بہت سی باتیں کریں گے۔
"ٹھیک ہے آنٹی۔"
ذرا ہی دیر بعد میں نے مسز زاہدہ زبیر کے آفس میں شمع کو

ساتھ لے جانے کی درخواست دی اور پھر میں شمع کو لے کر نشیمن سے باہر آئی..... شمع کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ میں نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر کہا۔

"شمع بیٹی تم نہ رو مجھے دکھ ہو رہا ہے۔ میں اب سے ہر پل تمہارے ساتھ ہوں۔ میں تمہیں اس ماحول سے اس لیے گھر لے جارہی ہوں تاکہ تم مجھے آرام اور سکون سے سب کچھ بتا سکو۔"

"ہاں سب کچھ بتاؤں گی گل آنٹی اور وعدہ کرتی ہوں کہ اب نہیں روؤں گی۔"

"میری بہادر بیٹی ہو تم۔ چلو گاڑی میں بیٹھو۔" میں نے کار کا اگلا دروازہ کھولا اور وہ بیٹھ گئی پھر ہم گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ ذرا ہی دیر بعد میں اپنے کلفٹن کے اپارٹمنٹ میں تھی۔ کار نیچے پارک کی اور فرسٹ فلور پر اپنے اپارٹمنٹ کی ڈور بیل دی۔ رحمت بی نے دروازہ کھولا۔

"آ گئیں گل بیٹی۔"

"ہاں بی آ گئی ذرا دیکھیں تو کسے لے کر آئی ہوں۔"

"ارے یہ سائرہ کی بیٹی شمع ہے۔"

"آداب نانی ماں۔"

"جیتی رہو بیٹی اندر آؤ۔"

"تم تو نشیمن گئی تھیں یہ بچی کہاں ملی؟"

"انہوں نے ہی مجھے بلوایا تھا ایک دو دن کے لیے گھر لے آئی ہوں اجازت لینا پڑتی ہے۔"

"ہاں بیٹی اس کے بغیر تم اسے کیسے لاسکتی تھیں۔"

"بی فرسٹ کلاس کھانا تیار کریں۔"

"اسٹو تو ہے میں چکن کڑاہی اور شامی کباب گرم کر لیتی ہوں۔ تم اپنے کمرے میں بیٹھو۔" میں اپنے بیڈروم میں داخل ہوئی اور میں نے شمع سے کہا۔

"شمع بیٹی گرمی بہت ہو رہی ہے تم شاور لے کر فریش ہو لو میں اے سی آن کرتی ہوں۔"

ذرا ہی دیر بعد شمع نہا کر آ گئی میرا کمرہ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ رحمت بی ٹرالی میں کھانا سجا کر لے آئی تھیں۔

"باہر تو بہت گرمی ہے بیٹی میں نے سوچا تم اپنے کمرے میں ہی کھانا کھالو۔" ہم دونوں نے کھانا کھایا اور کافی پی پھر میں نے بی سے کہا۔

"آپ یہیں نیچے سو جائیے گا جیسے سوتی ہیں۔"

"نہیں بیٹی میں دوسرے کمرے میں سوؤں گی تم لوگ باتیں کرو گی تو مجھ بڑھیا کو نیند کیسے آئے گی۔"

"تو پھر آپ چھوٹے کمرے میں لیٹ جائیں میں اے سی آن کر دیتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں وہاں سو جاؤں گی۔"

❀ ...... ✤ ...... ❀

"شمع اب تم مجھے دس سال کی اسٹوری سناؤ۔"

"گل آنٹی مجھے یاد ہے ہم آپ سے دس سال پہلے ملے تھے تب آپ نے مما کا بریسٹ کینسر کا آپریشن کروایا تھا۔ لیفٹ سائڈ کینسر کے بعد ان کی لیفٹ کڈنی بھی خراب تھی۔ وہ بھی آپریشن کروایا۔"

"ہاں مجھے یاد ہے اس کے بعد ہماری ٹیلی فون پر بات ہوتی تھی وہ مجھے ہمیشہ پریشان لگتی تھی وہ کبھی اپنے رشتہ داروں کے محور سے باہر نکلنا نہیں چاہتی تھی۔"

"ہاں آنٹی ہمارے باپ کے ٹکڑوں پر پلنے والے رشتہ دار وہ وحشی درندے تھے جن کی وجہ سے میری ماں مر گئی۔"

"مگر ایسا کیا ہوا۔" مجھے حیرت و تجسس نے آ لیا جبکہ سائرہ کی زندگی سے میں واقف ہی تھی۔

"گل آنٹی آپ کو تو معلوم ہے نہ ڈیڈی چالیس سال سعودی عرب میں رہے اور نواب شاہ کے چھوٹے شہر کے رشتہ داروں کی کتنی مدد کی کسی کو انجینئر کسی کو ڈاکٹر بننے کے لیے پیسے لٹائے اور میری مما جو سچائی کی مورتی تھیں سب کچھ ہنسی خوشی رشتہ داروں بہنوں اور بھائیوں پر لٹاتی رہیں شاید مما بھولے پن اور سیدھے پن میں رشتہ داروں کی چالاکیاں نہ سمجھ پائیں۔"

"ہاں شمع میٹرک کے بعد سائرہ چار سال ہمارے گھر رہنے آئی تھی تو میری بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ تمہارے نانا میرے ابو کے اچھے دوست تھے اور وہ میری بڑی اچھی بہن بن گئی تھی۔ میں بھی اکلوتی تھی نہ بہن نہ بھائی ہم میں بے حد پیار تھا وہ شمس بھائی کو بہت چاہتی تھی وہ چار سال بعد کراچی سے چلی گئی اور شمس جو اس کے تایا کے بیٹے تھے ان سے شادی ہو گئی میں جب بھی اسے سمجھاتی تو وہ کہتی۔ شمس بہت اچھے انسان ہیں اور پیسے کی حیثیت ہی کیا ہے آنی جانی چیز ہے۔"

"اور آنٹی میری پیاری مما یہ بس جانتی تھیں کہ جن رشتہ داروں کے عہدے بڑھ گئے تھے وہی رشتہ دار چاہتے تھے کہ ہم دلدل میں پھنستے چلے جائیں ہماری مما اتنی بے پروا تھیں کہ بابا جو پیسے بھیجتے تھے وہ اپنے بینک اکاؤنٹ میں جمع کرانے کے بجائے اپنی

بہن رابعہ کے اکاؤنٹ میں جمع کراتی اور کہتی تھیں نرے وہ میری بہن ہے بے ایمانی نہیں کرے گی۔" شمع کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ "کاش میری مما آپ کے سمجھانے پر سمجھ جاتیں۔ جب ہم بڑے ہوئے تو بہت کچھ خراب ہوچکا تھا ہم تینوں بہن بھائیوں کی شادی رشتہ دار خالہ اور چاچا اپنے لڑکے لڑکیوں سے کرنا چاہتے تھے شاید اس لیے کہ دولت ہاتھ آئے' مگر ہمارے انکار کی وجہ سے وہ مما کو راضی نہ کرسکے۔"

"تم ایم بی اے کررہی تھیں وہ کیا ہوا.....؟" میں نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔

"وہ سب رہ گیا۔ میری چھوٹی بہن مائرہ صرف میٹرک ہی کرسکی' بڑا بھائی انجینئر بنا مگر بے سود' بابا اسے امریکا ہائر اسٹڈیز کے لیے بھیجنا چاہتے تھے مگر بابا سعودی عرب سے چھٹیاں گزارنے آئے تو ہارٹ اٹیک سے ان کی ڈیتھ ہوگئی۔ میرا بھائی بری طرح ٹوٹ گیا' مما ٹوٹ گئیں۔" وہ سسک پڑی اور میں نے اسے پانی کا گلاس دیا۔

"شمع پانی پیو بیٹی۔ میں تمہارے بابا کی وفات پر آئی تھی اور سائرہ کو میں نے ایک مورتی کی طرح پایا' وہ میرے گلے لگ کر بہت روئی اور اس نے کہا۔ گل تمہاری سائرہ شمس کے بغیر زندگی گزارنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"سائرہ یہ غلط ہے تمہیں اپنے بچوں کے لیے زندہ رہنا ہوگا۔" مجھ پر ماضی کے در وا ہونے لگے میں نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی۔

"میں نے زندگی کا تصور کبھی شمس کے بغیر نہیں کیا' انہوں نے مجھے شادی کے بعد ایک ملکہ کی طرح آرام دیا' میرے بچوں کو اب تک شہزادے شہزادیوں کی طرح پالا۔"

"میں جانتی ہوں' سائرہ شمس بھائی بہت اچھے تھے' مگر تم ایسے کیسے ہار مان سکتی ہو۔"

"میری ہر رائے ہر مرضی ان سے تھی' کبھی مستقبل کے بارے میں سوچا نہیں کہ ان کے بغیر زندگی گزر سکتی ہے' میں تو گل کوئی ذمہ داری لینے کے لائق ہی نہیں' تم سے اچھا مجھے کون جانتا ہے۔"

"میں بھی تو زندہ ہوں' میں تو شادی کے آٹھ سال بعد ہی بیوہ ہوگئی تھی' اپنے تین بچوں کو پالا' کار ایکسیڈنٹ میں علی کی موت ہوگئی اور میں نے پھر اپنی چھوڑی ہوئی وکالت دوبارہ شروع کی۔" میں نے اپنی زندگی کا خلاصہ اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"تم بہادر ہو تم مجھ سے زیادہ پڑھی لکھی ہو' میں تو صرف بی اے پاس ہوں۔ کیا کروں گی آمدنی کا ذریعہ اچانک بند ہوگیا۔"

"مگر سائرہ بھائی صاحب نے سعودی عرب میں اتنے عرصہ کام کیا ہے تمہیں پیسے ملیں گے۔"

سائرہ خاموش ہوگئی اور میں بھی میت کی تدفین کے بعد چلی آئی۔ تم لوگ اس وقت PECHS میں رہتے تھے۔"

"جی آنٹی بابا کی موت اور امی کی عدت پوری ہونے کے بعد مما بھائی شاہد کے ساتھ سعودی عرب گئیں اور اس وقت جو پیسہ ملا وہ ہم نے کسی کو نہیں بتایا' مما کے ساتھ میں نے جوائنٹ اکاؤنٹ کھولا وہ پیسہ ہی ہمارا سرمایہ تھا۔"

"اور وہ پیسہ جو تمہاری خالہ کے اکاؤنٹ میں تھا وہ۔"

"انہوں نے چند لاکھ دے کر کہا کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے اور پھر ہم سے ناراض ہوکر ملنا چھوڑ دیا۔ وہ ہمارا گھر بھی چھوڑ کر چلی گئیں' پہلے دو خالائیں ساتھ تھیں' مگر دونوں چلی گئیں۔ دونوں میرے بابا کے پیسوں سے پڑھ لکھ کر ڈاکٹر بنی تھیں۔"

"شمع شاہد نے کہیں جاب کیوں نہیں کی؟"

"اس لیے کہ ہمارا دماغ خراب تھا وہ 86 فیصد مارکس لے کر B.E الیکٹرک کی ڈگری لیے بیٹھا تھا مگر کم پیسوں کی جاب نہیں کررہا تھا' جو لوگ روز چالیس پچاس ہزار یوں خرچ کردیتے تھے وہ بھلا پندرہ بیس ہزار کی نوکری کیسے کرتے' مما بھی اس میں اسے حوصلہ نہ دیتی تھیں۔"

"اسے کام کرنا چاہیے تھا بغیر ایکسپرئنس کے جاب نہیں ملتی۔ مجھے یاد ہے سائرہ نے مجھے بھی کہا تھا کہ کہیں جاب لگوادوں' مگر اس کا تجربہ زیرو تھا' اچھی جگہ پر نوکری نہیں مل سکتی تھی۔ میں سائرہ کی کوئی مدد نہیں کرسکی۔"

"گل آنٹی مما جب بھی آپ کے پاس لے کر آئیں' آپ نے ہمیں بڑے اچھے مشورے دیئے مگر مما نے ہمیں باندھ کر رکھا' کبھی کوئی فیصلہ نہ کرنے دیا۔"

"میں پرائیویٹ ایم بی اے ہمدرد یونیورسٹی سے کررہی تھی' مگر پھر ہمیں گھر بدلنا پڑا' ہم PECHS سے ڈرگ روڈ دو سو گز کا مکان لے کر شفٹ ہوگئے۔ میرے لیے ممکن نہ تھا کہ میں یونیورسٹی جاسکتی' مما کی مینٹل کنڈیشن دیکھ کر میں نے پڑھائی چھوڑ دی۔ مائرہ کو نزدیک کے اسکول میں داخل کرادیا۔ وہ تو صرف تیرہ سال کی تھی۔ بھائی نے میوزک ویڈیو شاپ کی دکان کھول لی۔ مگر پھر اکثر و بیشتر وہ پریشان رہتا۔

"کیوں......؟"

"شاہد کا کاروبار اچھا نہ چلتا وہ حالات سے پریشان تھا۔ اور مما کی طبیعت الگ خراب رہتی وہ پرہیز بھی نہیں کرتی تھیں بس ہر وقت منہ لپیٹے بابا کو یاد کرتی رہتی تھیں۔ وہ ہمیشہ آپ کی بات کرتی تھیں کہ اگر مجھے کچھ ہوجائے تو گل آنٹی سے مشورہ کرنا۔"

"مگر شمع تم لوگ تو بہت عرصہ سے مجھ سے رابطہ نہ کرسکے۔"

"ہاں گل آنٹی جب مما بہت بیمار تھیں ہم نے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر آپ کا فون آؤٹ آف رینج تھا۔"

"ہاں میں اپنے بچوں کے پاس کینیڈا گئی تھی۔ شاید انہی دنوں سائرہ کا انتقال ہوا تھا۔"

"بس گل آنٹی امی کی موت پر تو جیسے ہم پر کہرام ٹوٹ پڑا۔ رشتہ داروں کو تو بتانا تھا ہم مما کی میت لے کر نواب شاہ گئے اور وہ لمحہ میں کبھی نہیں بھول سکتی جب میری ماں کی لاش رکھی تھی اور رشتہ دار گدھوں کی طرح ہمارے چاروں طرف کھڑے تھے۔ ہم یتیم تین بہن بھائی بے بس اور لاچار رشتہ داروں کے رحم و کرم پر تھے۔"

"تم لوگوں کو ہمت پکڑنا چاہیے تھی۔"

"ہماری مما کی بزدلی نے ہمیں بھی بزدل بنادیا تھا۔ وہ ہمارے سر پر سوار تھے کہ میت اس وقت تک دفن نہیں ہوگی جب تک ہم تینوں اپنے چچا اور خالہ زاد بھائیوں سے شادی کے لیے ہاں نہ کردیں۔"

"یہ تو بہت بڑا ظلم تھا۔"

"ہاں گل آنٹی مائرہ بہت چھوٹی تھی صرف سولہ سال کی۔ میں نے ہمت پکڑ کر کہا۔ مائرہ تو چھوٹی ہے ہم خاندان میں شادی کریں گے میں اور شاہد بھائی راضی ہیں پلیز ہماری ماں کی میت کو لے جاکر دفنادیں۔ وہ کینسر کی مریض تھیں ہم ان کی مردہ باڈی کو زیادہ دیر نہیں رکھ سکتے پلیز بھائی تم بھی بولو۔"

"ہاں شمع ٹھیک کہہ رہی ہے میں بسمہ کے ساتھ شادی کرنے پر راضی ہوں اور شمع کی شادی جمال سے ہوگی۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر کہیں جاکر ان ظالموں نے مما کی میت اٹھائی مجھے یاد ہے کہ میرے چچا کی شادی میری سگی خالہ سے ہوئی تھی۔ اور وہ لوگ دولت کے لالچ میں بہت سنگ دل ہوچکے تھے۔ مائرہ کی شادی وہ اپنے چھوٹے بیٹے جمیل سے کرنا چاہتے تھے جو مائرہ کا ہم عمر تھا مگر وہ شادی تین سال بعد طے ہوئی تھی۔ میری اور شاہد کی شادی مما کے چالیسویں کے بعد طے ہوئی۔ ان لوگوں نے برسی کا بھی انتظار نہیں کیا۔

"سائرہ کے چالیسویں کے بعد تم دونوں کی شادی ہوگئی۔"

"جی اور مجھے وہ رات اب بھی یاد ہے جب مائرہ مما کی موت کی رات میرے گلے لگ کر بہت روئی تھی اس نے کہا۔

"آپی یہ لوگ کتنے ظالم ہیں میں اس خاندان میں کبھی شادی نہیں کروں گی جمیل کتنا آوارہ ہے نہ پڑھ رہا ہے نہ کچھ اور کررہا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں تمہاری شادی نہیں ہونے دوں گی۔"

"اور جمال تمہارے ساتھ کیسے تھے؟"

"وہ میرے ساتھ بہت اچھے تھے میری بے بسی میری مجبوری کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"شمع تم لوگوں کے ساتھ ہمارے گھر والوں کا رویہ بہت خراب ہے میں ان کی باتوں سے متفق نہیں ماں بابا کو ایسا رویہ نہیں اپنانا چاہیے۔"

"میں کیا کرتی جمال یتیم تھی مجبور تھی بھائی بزدل تھا کچھ نہ بول سکا۔"

"مگر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم الگ رہیں گے۔"

"کیا ایسا ہوسکتا ہے؟"

"ہاں میری دبئی میں جاب لگی ہے ہمیں فیملی رکھنے کی اجازت ہے۔"

"ٹھیک ہے جمال جیسا آپ چاہیں۔"

"اور پھر تم لوگ دبئی گئے؟"

"نہیں میں ماں بننے والی تھی ان لوگوں نے جانے نہیں دیا۔ خالہ اور چاچو کا رویہ اچھا نہیں تھا ان کی نیت ان پیسوں پر تھی جو میرے بابا کو ملے تھے مگر میں بہانے کرتی رہی میرے گھر دو بیٹیاں پیدا ہوئیں اور پھر وہ گھر میرے لیے اور تنگ ہوگیا...... دن بھر کام کرنے کے باوجود صلہ نہ ملتا تھا مائرہ یہ سب دیکھ کر پریشان ہوتی تھی وہ بیمار ہوگئی اور جب اس کا چیک اپ کرایا تو معلوم ہوا اسے بلڈ Leukemia ہے۔ ان لوگوں نے اس کا ٹھیک سے علاج نہ کرانے دیا اور پھر ایک دن میری بہن مائرہ اچانک فوت ہوگئی۔"

✿ ...... ✖ ...... ✿

"شمع تم یہاں کیسے آئیں؟"

"مجھے ایک دن معلوم ہوا جمال نے دبئی میں دوسری شادی کرلی ہے اور مجھے طلاق نامہ بھیج دیا۔"

"طلاق نامہ۔"
"جی ہاں اس میں لکھا تھا کہ تم نے دو بیٹیوں کو جنم دیا ہے، مجھے بیٹا چاہیے تھا اس لیے تمہیں فارغ کر کے میں نے یہاں دوسری شادی کرلی ہے تم اب میرے گھر والوں کے چنگل سے بھی آزاد ہو جہاں چاہو جاؤ اب تم ان کی بہو نہیں ہو، مجھے بھول جانا کیونکہ میں نے تمہیں کبھی نہیں چاہا۔ زبردستی کا بندھن تھا وہ ایک کاغذ کی کشتی تھی جس پر ہم ماں بابا کے مارے سوار ہوئے تھے وہ بارش کے پانی سے ڈوب گئی...... شمع ہمت پکڑ کر اب دنیا سے ٹکرا جانا بزدل نہ بننا تم بہت امیر ہو مجھے معلوم ہے مگر ان پیسوں پر میرے ماں باپ کا کوئی حق نہیں...... وہ غلطی پر تھے تم کو کوئی جانے سے نہیں روکے گا عدت پوری کر کے تم چلی جانا اپنی تعلیم پوری کرنا اور میری بیٹیوں کی پرورش اچھی سی کرنا۔ میں نے ماں بابا کو سختی سے کہہ دیا ہے کہ وہ تمہیں نہیں روکیں گے ورنہ میں ان سے ملنا چھوڑ دوں گا۔ شمع تمہارے ساتھ ماں بابا کا رویہ دیکھ کر مجھے دکھ ہوتا تھا مجھے معاف کر دینا مگر مجھے تمہیں آزادی دلانے کی اور کوئی صورت نہیں تھی، مائرہ کی موت کا بھی مجھے بے حد غم ہے کہ اس کا علاج تمہیں کرانے نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ میرے اور میرے ماں بابا کے گناہوں کو معاف کرے میں شمع تمہیں اور کچھ نہیں دے سکتا۔ یہ طلاق نامہ اور خط مجھے E-mail کے ذریعے ملا۔ خالا خالو کا رویہ ڈر کے مارے میرے ساتھ بہتر ہو گیا اپنی عدت کے دن گزارنے کے بعد میں وہاں سے چلی گئی۔"

"کہاں......؟"

"اپنی ایک بچپن کی سہیلی کے پاس چند دن رکی اپنی بچیوں کو ڈے کیئر میں ڈال کر میں نے ایم بی اے پورا کیا پھر جاب کرلی۔ پھر اچانک ایک دن میرے پیٹ میں درد اٹھا۔"

"ارے کیوں؟"

"میں نے جلدی جلدی ایک مشہور فزیشن کو دکھایا میرے سارے بلڈ ٹیسٹ ہوئے اور پیٹ کا الٹراساؤنڈ بھی ہوا۔ مجھے Hepatitis-C ہو گیا اور وہ بھی خاصی ایڈوانس اسٹیج تھی۔ میں گھبرا گئی اپنی بچیوں کے بھی بلڈ ٹیسٹ کروا کے انہیں اس بیماری سے محفوظ کرایا مگر آنٹی مجھے Chronic Hepatitis-C ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے Liver cirrhosis بھی ہے۔"

"تم اپنا علاج کروا رہی ہو۔"

"ہاں میں نے انجکشنز کا کورس کیا اور کچھ گولیاں بھی لیں پر ان گولیوں نے مجھے نقصان پہنچایا بند کرنا پڑیں اور صرف Interferon کے انجکشن کا کورس ہوا اسٹیج فور ہے۔ دن بدن کمزوری ہوتی گئی میں نے اپنی دونوں بچیوں نمرہ اور ثمرہ کو مری کے ایک ہوسٹل میں داخل کرا دیا وہ وہیں پڑھ رہی ہیں میں ان سے Skype پر بات کرتی ہوں۔"

"کیا تمہیں کبھی بلڈ ٹرانسفیوژن ہوا تھا۔"

"ہاں امی زندہ تھیں تو کار ایکسیڈنٹ سے مجھے کافی چوٹ لگی تھی اور جان بچانے کو چار بوتل خون بھی چڑھا تھا۔"

"وہ بغیر Scan کیا خون ہوگا تمہیں اسی سے یہ بیماری ہوئی۔"

"بس کل آنٹی زندگی کی پریشانیوں نے مہلت ہی نہ دی جو کچھ سوچتی۔"

"تم نے کام کیوں چھوڑا؟"

"تھکاوٹ اور پیٹ کی تکلیف کے مارے جاب چھوڑنا پڑی۔"

"مگر تم یہاں نشیمن میں کیسے آئیں؟"

"اور کہاں جاتی...... ان سے سہارا مانگا انہیں پیسے بھی Donate کرتی ہوں رہنے کو ایک بستر ہی تو چاہیے تھا۔"

"مجھ سے پہلے رابطہ کیوں نہیں کیا بیٹی؟"

"مما کی پرانی ڈائری نکالی تو آپ کا پرانا نمبر مل گیا۔ مسز زاہدہ زبیر سے آپ کو فون کرایا۔"

"مگر بیٹی میں تمہیں اب نشیمن میں نہیں رہنے دے سکتی۔"

"پر آنٹی میں اس موذی بیماری کے ساتھ آپ کے گھر نہیں رہ سکتی۔ میں نے وہاں نشیمن میں بھی کونے والا کمرہ لیا ہے۔ کبھی کبھی ہیمرج ہوتا ہے ناک سے خون آتا ہے۔"

"شمع تم مجھ سے کیا چاہتی ہو۔"

"صرف یہ کہ میری زندگی چند دنوں کی مہمان ہے، کب میری کاغذ کی کشتی ڈوب جائے میں اپنی دونوں بیٹیوں کو سونپنا چاہتی ہوں۔ آپ میری موت کے بعد ان کی گارجین ہوں گی اور میں آپ کو اس پیسے کے لیے بھی منتخب کروں گی جو ان کی پڑھائی لکھائی پر خرچ ہوگا۔ دونوں کو ڈاکٹر بننے کا بہت شوق ہے، کھلونوں میں ہمیشہ ڈاکٹری سے متعلق ہی کھلونے خریدتی تھیں۔"

"بیٹی شمع میں بھی اب کوئی نوجوان نہیں ہوں، میں تمہاری خواہش ضرور پوری کروں گی بس چار دن بعد میری بیٹی کینیڈا سے پڑھ کر آرہی ہے اس کے ساتھ مل کر اکاؤنٹ کھول لینا میری بیٹی

شرمین علی اور بیٹا عمیر علی شرمین سے چھوٹا ہے وہ ابھی پڑھ رہا ہے اور رمیز تیسرے نمبر کا ہے۔"
"ٹھیک ہے آنٹی میں انتظار کروں گی۔"
"اور کچھ کہنا چاہتی ہو۔ کیا تمہارا بھائی شاہد بھی تم سے نہیں ملتا۔"
"نہیں میں کسی سے نہیں ملتی' اور ہاں آنٹی میں آپ کے پاس نہیں دوسرے کمرے میں سونا چاہتی ہوں۔"
"کیوں؟"
"بس میں نہیں چاہتی کہ یہ وائرس آپ کو لگے۔"
"اچھا ٹھیک ہے ایک چھوٹا روم ہے وہاں سو جاؤ۔" میں نے دوسرے کمرے میں اسے سلا دیا' وہ دوسرے ہی دن صبح ضد پکڑ کر بیٹھ گئی کہ میں اسے نشیمن چھوڑ دوں۔ میں نے اسے واپس چھوڑ دیا۔

❀...... ⌘ ......❀

چار دن کے بعد میری بیٹی شرمین علی آ گئی۔ اس نے کینیڈا سے ہی جاب اپلائی کی تھی اور تجربہ کی بنا پر اسے بینک میں اچھی جاب مل گئی تھی۔ شرمین کو دس دن کے بعد جوائنگ دینا تھی۔ میں اس کے کمرے میں گئی۔
"ارے امی آپ؟"
"ہاں بیٹی مجھے تم سے ضروری بات کرنا ہے۔"
"جی بولیے کیا بات ہے؟"
"تم میری بچپن کی دوست سائرہ آنٹی کو تو جانتی ہو۔"
"ہاں پر ان کا تو انتقال ہو گیا تھا۔"
"ہاں شمع...... وہ تمہاری بہن کی طرح ہے اور یہ کہانی ان کی ہی ہے۔"
"کیا ہوا شمع باجی کو۔"
"انہیں' بہت کچھ ہو گیا......اور پھر میں نے شرمین کو شمع کی کہانی سنادی۔
"ویری سیڈ امی آپ۔ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟"
"یہی کہ ایک مرتی ہوئی خاتون کی خواہش پوری کر دو اور اس کی بچیوں کی سرپرستی لے لو۔"
"امی میں تو بے حد مصروف رہتی ہوں' بینک میں رات گئے تک کام ہوتا ہے۔"
"دیکھو شرمین میری جب تک زندگی ہے میں انہیں دیکھوں گی' مگر میرے بعد کیا ہوگا......؟ ہمیں شمع کے ساتھ مل کر ایک جوائنٹ اکاؤنٹ کھولنا ہوگا تاکہ ماہانہ آمدنی سے ان بچیوں کو پڑھا لکھا سکیں جب وہ ڈاکٹر بن جائیں گی تو پھر ان شاء اللہ سارے پیسے جوان کی امانت ہیں ان کے سپرد کر دیں گے۔"

❀...... ⌘ ......❀

شرمین راضی ہو گئی اور پھر شمع نے میرے گھر آ کر اسکائپ پر بچیوں سے بات کروائی' بڑی خوب صورت بچیاں تھیں۔
"نمرہ اور ثمرہ تم پوچھتی تھیں نہ کہ تمہاری نانی اور خالہ کہاں ہیں' یہ تمہاری نانی ہیں اور یہ تمہاری شرمین خالہ۔"
"ارے ہماری نانی اور خالہ تو بہت پیاری ہیں۔"
"تم لوگ بھی بہت پیارے ہو۔"
"شرمین خالہ آپ اور نانی ماں ہمیں اسکائپ کی ID دیں گی۔"
"بالکل دیں گے بیٹا!"
"نانی ماں ہم روز مما سے پوچھتے تھے کہ ہماری نانی کہاں ہیں' خالہ جانی کہاں ہیں۔ مما کہتی تھیں کہ وہ بتائیں گی' دیکھیے آج بتایا ہے۔"
"ہاں یہ بتاؤ تمہارے امتحان ہو گئے۔"
"بس ختم ہونے والے ہیں' پھر دو ماہ کی چھٹیاں ہیں۔ ہم گھر آئیں گے۔"
"ہاں تم دونوں گھر ضرور آؤ گی۔" شمع کی سانس پھول رہی تھی' میں نے بات کرنا شروع کی۔
"ثمرے بھئی خالہ جانی اور نانی ماں سے تو ملنا ہی ہوگا اور ساتھ رہنا بھی ہوگا۔"
"ضرور نانی ماں' بہت مزہ آئے گا۔" بچیوں سے بات کرنے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ شمع کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔
"گل آنٹی آپ پریشان نہ ہوں' ٹھیک ہو جاؤں گی ذرا کمزوری ہو گئی ہے۔"

❀...... ⌘ ......❀

"گل آنٹی ہم بینک چل کر اپنا اکاؤنٹ کھول لیتے ہیں۔" ماہانہ اسکیم کی اسلامی بینک میں اس کے تین کروڑ جمع تھے۔ میں نے اسٹیمپ پیپر پر اس کا وصیت نامہ تیار کروایا جس میں تحریر تھا کہ شمع کے بعد ہم لوگ جوائنٹ اکاؤنٹ بچیوں کے لیے آپریٹ کر سکتے ہیں۔ اگر گل کو کچھ ہو جائے گا تو شرمین علی یہ بار اٹھائیں گی۔ جب نمرہ اور ثمرہ اکیس سال کی ہوں گی تو اس affidavet کے مطابق وہ تین کروڑ روپوں کی مالک ہوں گی

اور آدھا آدھا روپیہ دونوں میں بٹ جائے گا۔
"شمع باجی آپ نے میرے اور امی کے اوپر بہت بڑی ذمہ داری ڈال دی۔"
"شرمین میری بہن مجھے تم لوگوں سے زیادہ اچھے لوگ کہاں مل سکتے ہیں یہ میری ماں ہیں اور تم میری بہن۔ آج اگر میں یہ فیصلہ نہ کرتی تو میرے بعد میری بچیاں کسی یتیم خانے میں ہوں گی۔"
"شمع باجی امی نے سائرہ آنٹی کو ہمیشہ بہت چاہا...... اور آپ کا بھروسہ اپنی امی کا بھروسہ میں کبھی نہیں توڑوں گی...... اللہ نے ہمیں زندگی دی تو ہم نمرہ اور ثمرہ کو ان شاء اللہ ضرور قابل بنائیں گے۔"
"آمین ثم آمین۔" شمع نے بے ساختہ کہا۔

❁......⌘......❁

کچھ دن یونہی گزرے اور تب ہمیں شمع کو ہسپتال لے جانا پڑا نمرہ اور ثمرہ کو چھٹیوں میں ہم نے اپنے پاس بلالیا تھا۔ میں نے تین کمروں میں سے ایک کمرہ بچیوں کے لیے سیٹ کردیا تھا۔
"گل آنٹی میں چاہتی ہوں آپ Adoptation پیپرز بنوالیں۔ جو بھی طریقہ کار ہو وہ کریں۔" میں نے شرمین سے بات کرنا ضروری سمجھی۔
"شرمین میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔"
"جی امی۔"
"بیٹی تم نمرہ اور ثمرہ کو گود لے لوگی میرا مطلب ہے Adoptation۔"
"ہاں امی میں انہیں ایڈوپٹ کرلوں گی۔ وہ بہت پیاری بچیاں ہیں۔ آپ کو معلوم ہے مما کیوں؟"
"ہاں بیٹی میں جانتی ہوں کہ تم کبھی ماں نہیں بن سکتی۔ تمہارے خطرناک ایکسیڈنٹ کے بعد تمہارے دونوں FallopianTubes کو نقصان پہنچا تھا۔"
"ہاں امی میری جان تو بچ گئی مگر میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی مجھ سے چھن گئی اور اسی وجہ سے میں نے عدنان کو دوسری شادی کی اجازت دے دی اور ان کی زندگی سے نکل آئی۔"
"بیٹی میں جانتی ہوں تیرا دکھ بہت بڑا ہے شادی کے فوراً بعد وہ جان لیوا کار حادثہ ہوا۔"
"بس امی میں نے زندگی تنہا گزارنے کی ہی ٹھانی تھی مگر اب نمرہ اور ثمرہ پر میں پوری توجہ دوں گی۔ شمع باجی کے بچنے کی امید نہیں ہے۔"
"ہاں بیٹی وہ بچیاں بھی تم سے بہت پیار کرتی ہیں۔"

❁......⌘......❁

میں نے نمرہ اور ثمرہ کے Adoptation پیپرز بنوائے اور شمع کی تحریری وصیت بھی جس میں درج تھا شرمین علی ان کی پڑھائی اور شادیوں تک گارجین رہیں گی۔" میں بچیوں کو لے کر شمع کے پاس ہسپتال گئی اور تب شمع نے ان سے بات کی۔
"تم دونوں اب سمجھدار ہو گر چھوٹی بھی ہو۔ میں تم لوگوں سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"
"جی مما......" وہ ایک ساتھ بولیں۔
"دیکھو بیٹیوں میں بہت بیمار ہوں میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہم تم دونوں نے نانی ماں اور خالہ امی کے ساتھ رہنا ہے۔"
"اب ہم ہوسٹل میں نہیں رہیں گے۔"
"نہیں اب تم دونوں نانی ماں کے ساتھ رہوگی خالہ امی کو اپنی ماں سمجھنا بہت اچھی پڑھائی کرنا تنگ مت کرنا۔"
"آپ کہاں جارہی ہیں مما۔" وہ بھولپن سے بولیں۔
"مجھے لیور کی بیماری ہے اور وہ بھی آخری اسٹیج پر اور میں کاغذ کی کشتی میں سوار ہوں جو کبھی بھی ڈوب سکتی ہے۔ اور جہاں میں جاؤں گی وہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔"
"مما آپ مت جاؤ ہم نانی ماں اور خالہ امی کا کہنا مانیں گے وہ ہمیں بہت پیار کرتی ہیں۔" نمرہ نے کہا۔
"نمرہ میری بچی یہ بات یاد رکھنا کہ تمہارا کوئی اور رشتہ دار نہیں صرف اور صرف یہ دونوں ہیں۔"
"مما آپ اللہ میاں کے پاس جارہی ہیں۔" ثمرہ نے معصومیت سے پوچھا۔
"ہاں ثمرہ بیٹی کسی لمحہ بھی سانس کی ڈور ٹوٹ سکتی ہے۔ یہ دنیا بہت خراب ہے تم دونوں میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر وعدہ کرو کہ نانی ماں اور خالہ امی سے کبھی جھوٹ نہیں بولوگی سچ بولوگی اور ان کا کہنا مانوگی وہ اگر کبھی ڈانٹ بھی دیں گی تو برا نہیں مناؤ گی کیونکہ خالہ امی اب میری جگہ ہوں گی تمہیں اپنے ہر دکھ سکھ خوشی ان کے ساتھ شیئر کرنا ہوں گے بدتمیزی نہیں کرنا۔"
"مما گاڈ پرامس ہم ایسا ہی کریں گے۔" دونوں نے اپنے ننھے منھے ہاتھ شمع کے ہاتھوں پر رکھ دیئے۔ میں دیکھ رہی تھی شمع کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔
"میں اب بچیوں کو گھر بھیج دوں......" وہ پریشان

ہو رہی ہیں۔"
"جی گل آنٹی اب مجھے اطمینان ہو گیا' ہمیں ان بچیوں سے سچ چھپانا نہیں تھا' اب وہ ذہنی طور پر تیار رہیں گی کہ مما جانے والی ہیں۔"
میں کچھ نہ بولی۔ شمع کے پیٹ سے پانی نکالنے کے لیے Tapping ہونا تھی' اس کو Ascites ہو گئی تھی اور جبھی ہم نے اسے ہسپتال میں داخل کیا تھا۔

❁ ...... ⌘ ...... ❁

بچیوں کو رحمت بی کے پاس چھوڑ کر میں واپس ہسپتال آ گئی شمع کی حالت خاصی تکلیف دہ تھی۔ سانس لینے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ گردے تو پہلے فیل ہو چکے تھے اسے آکسیجن لگی تھی۔
"گل آنٹی اب میری بچیوں کو یہاں نہ لایئے گا۔ میری میت بھی گھر نہ لے جایئے گا' یہ کیشمن والے ہی میرا کفن دفن کردیں گے۔ مسز زبیر آئی تھیں مجھ سے ملنے میں نے انہیں ایک چیک ڈونیٹ کردیا کیشمن کے لیے..... آپ نگرانی کر لیجیے گا' پتہ نہیں گل آنٹی یہ زبان بھی بند ہو جائے بولا بھی نہ جائے۔"
"میں سمجھتی ہوں بیٹی......" شمع کی تکلیف دیکھ کر میرے بھی آنسو نکل پڑے۔ میں باوضو تھی اس کی تکلیف دیکھ کر سورہ یٰسین پڑھنا شروع کردی۔ اور تب میرے دیکھتے دیکھتے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے وہ مالک حقیقی سے جا ملی۔ مجھے بہت دکھ ہوا' مجھے سائرہ شدت سے یاد آئی' میں نے مسز زبیر کو اطلاع کردی۔ انہوں نے تدفین کا انتظام کرلیا۔ میں نے اور شرمین نے اس کا آخری دیدار کیا تھا۔ لیکن نمرہ اور ثمرہ ماں کے آخری دیدار سے محروم رہی تھیں۔

❁ ...... ⌘ ...... ❁

اپنے انتقال سے پہلے شمع نے تکیے کے نیچے سے ایک ڈائری دی تھی۔
"گل آنٹی' جب میری بیٹیاں اٹھارہ سال کی ہو جائیں تو نمرہ اور ثمرہ کو یہ ڈائری پڑھنے کو دیجیے گا' اس میں میری زندگی کی کہانی لکھی ہے۔" میں نے وہ ڈائری اپنے پرس میں رکھ لی تھی۔
گھر واپس آنے کے بعد میں نمرہ اور ثمرہ کے کمرے میں آ گئی۔
"ارے نانی ماں آپ آ گئیں۔"
"تم دونوں نے کھانا کھایا۔"
"جی رحمت ماں نے کھانا دیا اور جوس بھی۔"
"اچھا تمہاری نانی ماں تمہارے پاس بیٹھ سکتی ہیں۔" دونوں بچیوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔
"مجھے تم دونوں سے بات کرنی ہے۔"
"جی نانی ماں کیا بات ہے؟"
"بیٹا تمہاری ماں وہاں چلی گئیں جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔"
"مما اللہ میاں کے پاس چلی گئیں..... اب ہم اپنی مما کو کبھی نہیں ملیں گے۔" وہ دونوں میرے گلے سے لگ گئیں اور سسک پڑیں۔ دکھ ہی ایسا تھا کہ مجھے بھی آبدیدہ کر گیا بچیوں کا اب میرے اور شرمین کے سوا دنیا میں کوئی نہیں تھا۔
"نانی ماں ہم نے مما سے وعدہ کیا تھا کہ آپ کو تنگ نہیں کریں گے۔"
"سنو نمرہ اور ثمرہ مما تو جنت کی سیر کریں گی تم لوگ دعا کرو گے تو مما خوش ہوں گی' اپنی نانی ماں سے وعدہ کرو کہ مما کی کہی ہوئی ساری باتوں کو نبھانا ہے' میں اور تمہاری خالہ امی تم دونوں کا یہاں پاس کے اسکول میں داخلہ کرادیں گے۔"
"ہم نہیں روئیں گے' دعا کریں گے۔" میں نے خود پر ضبط کرتے بچیوں کو بہلانے کی کوشش کی۔
"ہاں میری اچھی بیٹیاں نانی ماں کی جان ہو تم لوگ' نانی کو جینے کا بہانہ مل گیا ہے۔"
"اور مجھے بھی امی۔" شرمین بھی بچیوں کے کمرے میں داخل ہوئی' اور مجھے چھوڑ کر نمرہ اور ثمرہ شرمین سے لپٹ گئیں۔
"خالہ امی مما جنت میں چلی گئیں۔"
"ہاں وہ اچھی جگہ چلی گئیں ہم ان کے لیے دعا کریں گے۔ اور ہاں کل صبح ہم لوگ اسکول جا رہے ہیں میں نے تم لوگوں کے داخلے کی بات کرلی ہے' تم لوگ اپنے رپورٹ کارڈ اور اسکول لیونگ سرٹیفکیٹ بھی نکال لینا۔"
"جی خالہ امی ہم تیار ہو جائیں گے۔"
"شرمین ان بچیوں کے کاغذات میرے پاس ہیں' شمع نے ان کے کاغذات کا ایک چھوٹا بیگ دیا تھا۔" میں نے یاد آنے پر کہا تو وہ مجھے دیکھنے لگی۔
"ٹھیک ہے امی آپ بھی چلیں گی نہ۔"
"ہاں بیٹی کیوں نہیں۔"
"دراصل امی میں پھر اپنی جاب میں مصروف ہو جاؤں گی۔"
"ہاں تمہیں گارجین فارم پر دستخط کرنا ہیں۔"
"جی امی میں نہیں چاہتی کہ شمع باجی سے کیے وعدہ کو میں پورا

نہ کروں۔ میں ان شاء اللہ نمرہ اور ثمرہ کو ماں کا پورا پیار دوں گی۔"
"جیتی رہو میری بیٹی۔" میں نے پیار سے شرمین کا ماتھا چوم لیا۔ وہ بچیوں کو پیار کر کے چلی گئی اور تب میں نے نمرہ اور ثمرہ سے کہا۔
"کیا تم دونوں اپنی نانی ماں کے ساتھ سوؤ گی۔"
"جی نانی ماں۔"
"تو پھر چلو میرے ساتھ۔" میں نے ان کے معصوم چہرے پر پیار کیا اور ان دونوں کو لے کر میں اپنے کمرے میں آ گئی۔ وہ میرے دائیں بائیں لیٹ گئیں۔
پھر اسی رات پہلی دفعہ سائرہ اور شمع ایک ساتھ خواب میں آئیں۔ سفید کپڑوں میں ملبوس وہ دونوں خاموش کھڑی تھیں' کچھ نہ بولیں۔ میری گھبرا کر آنکھ کھل گئی۔ شاید نمرہ اور ثمرہ سے میرا پیار دیکھ کر وہ خواب میں آئیں۔ شاید روحوں کا یہ شکریہ کا انداز ہوتا ہے۔ میں نے دونوں بچیوں کا ماتھا چوما اور گھڑی میں وقت دیکھا صبح کے چار بج رہے تھے۔ میں تہجد کی نماز کے لیے اٹھ گئی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

شمع کا ڈیتھ سرٹیفکٹ ہم نے بینک میں بھی دے دیا' تاکہ اکاؤنٹ آپریٹ ہو سکے۔
"سنو ایک بات کہوں تم دونوں سے۔"
"جی خالہ امی۔"
"بس خالہ نہیں صرف مما...... خالہ سے غیریت کا احساس ہوتا ہے ایک مما جنت میں چلی گئیں مگر دوسری مما تو ہیں نہ۔"
"جی...... ہم آج سے آپ کو مما بولیں گے۔" وہ شرمین کے گلے سے لگ گئیں۔
"تم لوگ تو اتنی پیاری لگ رہی ہو۔"
"ہمیں نانی ماں نے تیار کیا ہے۔" ثمرہ بولی۔
"گڈ۔ اب ہم چلتے ہیں۔" میں بھی شرمین اور بچیوں کے ساتھ گئی۔
بچیوں نے چوتھی کلاس کے داخلے کا ٹیسٹ اچھے نمبروں سے پاس کر لیا اور ان کا داخلہ کلفٹن کے اچھے اسکول میں ہو گیا۔ ہم نے بچیوں کا adoptation کا غذ اور گارجین شپ کا لیٹر سب اسکول سے جمع کرایا' وہاں یہ بھی لکھ کر دیا کہ بچیاں صرف اپنی مما یا نانی ماں کے ساتھ جا سکتی ہیں' اسکول میں اور کوئی انہیں نہیں لے جا سکتا۔
میں کورٹ سے واپس آئی تو دن کے تین بج رہے تھے۔

میں نے شاور لیا اور پھر رحمت بی سے کہہ کر بچیوں کو اپنے کمرے میں بلالیا۔
"ارے نانی ماں آپ آ گئیں۔"
"ہاں میں آ گئی تم لوگ کیا کر رہی تھیں۔"
"ہم باتیں کر رہے تھے کہ اسکول کیسا ہوگا...... وہاں تو ہماری بڑی اچھی اچھی سہیلیاں تھیں۔"
"یہاں پر بھی اچھی سہیلیاں بن جائیں گی۔"
"سچ نانی ماں۔"
"ہاں بالکل سچ اب میں نے تم لوگوں کو اس لیے بلایا ہے کہ ہم ابھی بازار جا رہے ہیں تم لوگوں کی یونیفارم لینا ہے اور دوسرے کپڑے بھی لینا ہیں۔"
دن یونہی گزرتے رہے' وقت جیسے پر لگا کر اڑ گیا' نمرہ اور ثمرہ بڑی ہو گئیں۔ انہوں نے پری میڈیکل انٹر کر لیا۔ بڑی ہو کر وہ اور بھی خوب صورت ہو گئیں۔ میں نے اپنی جاب سے فراغت لے لی تھی' بس کبھی کبھار کوئی کیس لے لیتی تھی۔ شرمین کا پیار بچیوں کے لیے بے حد تھا بالکل ایک سگی ماں کی طرح۔ اس روز اتوار تھا۔ اس کی بھی چھٹی تھی۔ وہ ایک بڑی کمپنی میں Advisor تھی۔ نمرہ اور ثمرہ کو بڑی ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا کمرا بھی چاہیے تھا' میں نے اپنا ماسٹر بیڈروم انہیں دے دیا اور خود ان کے کمرے میں شفٹ ہو گئی تھی۔ شرمین ان کے کمرے میں آئی۔
"ثمرہ کیا ہو رہا ہے۔"
"مما ہم میڈیکل کے ٹیسٹ کے لیے تیاری کر رہے ہیں۔"
"ہاں اچھی طرح پڑھنا میں شمع باجی کی خواہش کو پورا کرنا چاہتی ہوں۔"
"ہم ڈاکٹر ضرور بنیں گے۔" دونوں بچیوں نے میڈیکل کا ٹیسٹ بڑے اچھے نمبروں سے پاس کر لیا۔ ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ شرمین بھی بہت خوش تھی۔ وہ جب ان کے کمرے میں آئی تو میں بھی وہیں موجود تھی۔ وہ دونوں شرمین کے گلے لگ گئیں۔
"مما آپ خوش ہیں نہ۔" شرمین نے والہانہ پیار کرتے ہوئے کہا۔
"میں بہت خوش ہوں۔ میں اس لیے آئی ہوں کہ رات ہم ڈنر دو دریا پر کریں گے۔"
"سچ ہم kolacyhi جائیں گے۔" ثمرہ خوشی سے

بولی۔
"ہاں میں نے پانچ سیٹوں کی بکنگ کروالی ہے۔"
"پانچ کیوں مما۔" ثمرہ نے ٹوکا۔
"ارے بھئی اب ہم اپنی رحمت بی کو تو ساتھ لے جائیں گے نہ۔"
"یس ویری گڈ۔"
"اب ہم اپنی مما کے کپڑے استری کرنے جارہے ہیں۔ پھر اپنے کپڑے استری کریں گے۔" ثمرہ شرمین کے کمرے میں گئی۔
"کیا بات ہے بیٹا۔"
"مما ہم کپڑے استری کررہے ہیں کہیں لائٹ نہ چلی جائے پھر جنریٹر چلتا ہے۔"
"میرے کپڑے تو رحمت بی نے استری کردیے۔"
"مگر کیوں مما' ہمارے ہوتے ہوئے آپ نے رحمت بی سے کیوں کرائے۔"
"بس وہ ضد کررہی تھیں۔"
"مما مجھے اچھا نہیں لگا۔"
"اچھا اب تم ناراض نہ ہو یہ لو یہ ڈریس کل میرے آفس کے لیے استری کردو۔ تمہارا شکوہ دور ہوجائے گا۔"
شرمین کے کمرے سے ثمرہ باہر نکلی تو رحمت بوا مل گئیں۔
"بوا آپ نے مما کے کپڑے کیوں استری کیے' یہ ہمارا کام ہے آپ اب آرام کریں' بہت کام کرلیا۔"
"اصل میں آرام کی عادت نہیں ہے بیٹی۔"
"مگر بوا آخر ہم بیٹیاں کس کام کی ہیں۔"
"جیتی رہو بچی تم دونوں سے تو گھر میں رونق ہے اور میں تم دونوں کے لیے دعا کرتی ہوں کہ اچھی زندگی پاؤ اور خوب ترقی کرو' اچھا اچھا پڑھو۔"
"بس اسی دعا کی ضرورت ہے بوا۔"

❀......✤......❀

رات ہم سب دو دریا کی طرف کھانا کھانے گئے' بے انتہا مزہ آیا۔ رات گیارہ بجے گھر واپس آگئے۔
دن یونہی گزرتے رہے' میں نے کریک ویسٹا میں تین بیڈ روم کا اپارٹمنٹ بک کرالیا تھا' میں ذرا خاموشی کے ماحول میں رہنا چاہتی تھی۔ میں بچیوں کے کمرے میں آگئی۔
"کوئی کام ہے نانی ماں۔" ثمرہ نے پوچھا۔
"ہاں خوشی کی خبر ہے۔"
"وہ کیا۔"
"وہ یہ کہ اب تم لوگ پیکنگ شروع کردو' ہمیں کریک ویسٹا اپارٹمنٹ میں شفٹ کرنا ہے۔"
"سچ نانی ماں۔" کہتے میں شرمین بھی آگئی۔
"امی میں نے packer سے بات کرلی ہے' آپ بالکل پریشان نہ ہوں' وہ بہت آرام سے سب پیک کرکے شفٹ کرادیں گے۔"
"چلو شرمین بیٹی جیسا تم مناسب سمجھو کرو۔"
"ارے ہاں تم دونوں ذرا میرے کمرے میں آنا' مجھے ضروری بات کرنی ہے۔"
"اچھا مما ہم آتے ہیں۔"
شرمین اپنے کمرے میں تھی۔ انہوں نے دروازہ ناک کیا۔
"ہم آجائیں مما۔"
"آجاؤ' ادھر میرے پاس بیٹھو۔" مجھے بھی شرمین نے بلالیا تھا۔ میں پہلے سے وہاں موجود تھی۔
"مجھے تم دونوں سے یہ بات کرنی تھی کہ اب تم دونوں بڑی ہوگئی ہو اور میڈیکل کالج کی زندگی میں قدم رکھ رہی ہو۔ وہاں کوایجوکیشن ہے۔ تمہارا ڈاؤ میڈیکل یونیورسٹی میں داخلہ ہوگیا ہے اور تم بتاؤ کیا چاہتی ہو؟ پیسوں کا مسئلہ نہیں ہے' وہ تو شمع باجی تم لوگوں کے لیے خاصا چھوڑ گئی ہیں۔ میرے پاس ایک ایک پائی کا حساب ہے۔"
"مما آپ ایسی باتیں کرکے ہمیں دکھی نہ کریں۔"
"بس بیٹی ثمرہ تم دونوں نے مجھے ممتا کا احساس دلایا' بے انتہا پیار کرتی ہوں میں تم دونوں سے۔"
"ہمیں تو کسی بھی جگہ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ کیا وہاں اچھی پڑھائی ہوگی مما؟" ثمرہ نے پوچھا۔
"ہاں میری دوست کی بیٹی نیلم وہاں پڑھتی ہے' وہ سیکنڈ ایئر ایم بی بی ایس میں ہے اور بہت خوش ہے۔ میں اس سے ملواؤں گی تم دونوں کو۔"
"مما ہم نیلم اور آنٹی کو ڈنر پر لے چلتے ہیں۔"
"تم ٹھیک کہہ رہی ہو' میں کل رات ہی انہیں بلالیتی ہوں۔"
"امی آپ کی کیا رائے ہے......" شرمین نے مجھ سے پوچھا۔
"جو تم تینوں کا فیصلہ ہوگا وہی میرا۔"

دوسرے روز شرمین بچیوں کو لے کر ڈنر پر گئی' میرے جوڑوں میں درد تھا میں نہیں جاسکی۔ میری طبیعت کچھ بوجھل ہی رہنے لگی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میرا وزن کم ہو رہا ہے' کچھ کھایا بھی نہیں جارہا تھا اور سینے میں بھی تکلیف تھی۔ میں اسے عمر کا تقاضہ سمجھ رہی تھی۔

میں نے بچیوں سے کہنا کچھ مناسب نہ سمجھا اکیلے ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کرانے چلی گئی۔ الٹرا ساؤنڈ' میموگرام ہوا' اور پھر مجھے بریسٹ کینسر تشخیص ہوا Aden0carcinoma میں نے خاموشی سے Blopsy کرائی تو یہی نکلا۔ میری ایک بریسٹ remove ہونا تھی۔ میں نے شرمین سے کہا۔

"شرمین مجھے بریسٹ کینسر ڈائیگنوز ہوا ہے۔"

"کیا کب کیسے مما؟"

"بس پریشانیاں اور بیماریاں کب بتا کر آتی ہیں۔ میں نے سارے ٹیسٹ اور Blopsy کرائی تو پتہ چلا۔"

"مجھے بتایا بھی نہیں مما۔"

"مجھے خود ابھی پتہ لگا۔"

"کب ہے آپریشن۔"

"چار دن کے بعد۔"

"ثمرہ اور نمرہ کو بتایا۔"

"نہیں انہیں کیسے بتاؤں۔"

"بتانا پڑے گا مما وہ دونوں آپ کو بہت چاہتی ہیں۔"

"تم بتا دینا شرمین۔ مجھ میں ان بچیوں کو بتانے کی ہمت نہیں۔"

شرمین نے جب انہیں بتایا تو وہ بہت روئیں۔

"نانی ماں آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

"مجھے کوئی تکلیف ہی نہیں تھی۔"

اور پھر میرا آپریشن ہوگیا۔ میرا علاج کیموتھراپی سے ہونا تھا۔ سخت علاج تھا۔ مگر برداشت کرنا تھا۔ میں نے ہمت نہیں ہاری مقابلہ کیا تھا اپنی بیماری سے اور کسی سے کیا وعدہ بھی پورا کرنا تھا۔

ہم لوگ کریک ویسٹا کے خوب صورت اپارٹمنٹ میں شفٹ ہوگئے۔ شرمین نے پورے گھر کی سیٹنگ کی۔ میں اپنا علاج کروا رہی تھی اور مجھے اس کے سائڈ افیکٹ بھی ہو رہے تھے۔ میری ہڈیوں میں درد اور سر کے بال بھی کم ہو رہے تھے۔ میں نے پہلے سے ہی اسکارف کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ اس لیے مجھے اپنے بال گرنے کا احساس نہیں تھا۔ رحمت بوا کی مدد کے لیے ایک انہی کی جوان بیوہ نواسی رکھ لی تھی مگر رحمت بوا میرے لیے کھانا خود پکاتی تھیں۔ ثمرہ اور نمرہ میڈیکل یونیورسٹی جانے لگیں اور خاصی خوش تھیں لیکن میری طرف سے فکرمند بھی۔

❀ ...... ⌘ ...... ❀
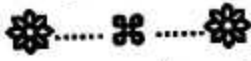
دن یونہی گزرتے رہے' میرے بڑے بیٹے کی شادی امریکہ ہی میں ہوگئی تھی اور چھوٹا بیٹا رمیز میری بیماری کا سن کر پاکستان آنے کو تیار ہوگیا۔ اس کے آنے سے مجھے بڑی ڈھارس ہوئی۔ رمیز بھی ملٹی نیشنل کمپنی میں امریکہ سے ہی اپلائی کر کے آیا تھا اور جاب پر لگ گیا۔ اور میں نے محسوس کیا کہ وہ ثمرہ سے محبت کر بیٹھا ہے۔ وہ تھی ہی بہت خوب صورت۔ نمرہ بھی کچھ کم نہ تھی' ایک دن وہ جاب سے واپس آ کر میرے پاس بیٹھا۔

"امی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نہ۔"

"ہاں رمیز بیٹا' میں ٹھیک ہوں۔ مگر میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ شرمین کی شادی تو بریک ہوگئی' وہ اب شادی کرنا نہیں چاہتی۔"

"تو اچھا ہے نہ وہ آخر شمع باجی کی دی ہوئی ذمہ داریاں کیسے پوری کرتیں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو مگر میں چاہتی ہوں تم شادی کرلو تاکہ میرے گھر میں پوتا پوتی آئیں اور دل بہلے۔"

"مما میں نے ابھی تو کمانا شروع کیا ہے' کچھ پیسے جمع کرلوں تو شادی کروں گا۔" اس کا انداز ٹالنے والا تھا۔

"دیکھو رمیز اگر تمہاری زندگی میں کوئی لڑکی ہے تو بتا دو۔"

"فی الحال تو سر کھجانے کی فرصت نہیں' اتنی سخت پڑھائی تھی مما۔"

"اچھا تم میری بات پر غور کرنا بیٹا۔"

"ضرور غور ہوگا اگر میری مما کا حکم ہے تو عمل بھی کرنا ہوگا۔"

وہ مسکرا کر کہتا ہوا کسی ضروری کام سے باہر نکل گیا تو میں یونہی خیالوں میں اس کا مستقبل بننے لگی۔

رمیز دوسرے روز رات گئے شرمین کے کمرے میں پہنچا۔

"آپی بات کرنی ہے۔"

"ارے رمیز آؤ اچھا لگا تم آئے۔ ہم ساتھ کافی پیتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ اس وقت کافی بنانے ہی جا رہی تھی رمیز کو بھی اپنے ساتھ کچن میں ہی لے گئی۔

"رمیز تم پریشان ہو کیا بات ہے؟"

"آپی مما کہہ رہی ہیں کہ میں شادی کرلوں۔" وہ کچھ جھجکتے ہوئے بولا۔
"تو اچھا ہے نہ شادی کرلو۔" شرمین ہنس پڑی۔
"لو آپ تو ہنس رہی ہیں۔ میں اب لڑکی کہاں سے لاؤں۔"
"یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ میرے گھر میں بھابی آئے گی تو میں بہت خوش ہوں گی۔ چلو تم کافی پیو جہاں کام کررہے ہو وہاں پر بھی کوئی اچھی لڑکی ہوگی نظر میں رکھنا۔" شرمین شرارت سے بولی۔
"نہ..... نہ ایک منٹ میں اسکینڈل بن جاتا ہے۔"
"ارے میرا بھائی ہے ہی اتنا ہینڈسم۔"
"میں تمہارے ساتھ ہوں، تم جس لڑکی کو کہو گے میں دیکھنے چلوں گی۔ مما کو ہم تکلیف نہیں دے سکتے۔" وہ اپنی مسکراہٹ چھپا کر بولی۔
جس لمحہ رمیز وہاں سے باہر آیا وہ اپنی شادی کا فیصلہ کرچکا تھا۔ اسے خاموش خاموش سی ثمرہ بے حد پسند تھی اور اس کے دماغ میں ایک بات اور تھی اس کی آپی جن کے جینے کا سہارا ثمرہ اور نمرہ تھیں۔ اگر وہ دونوں شادی ہوکر چلی گئیں تو آپی کیا کریں گی، باہر سے لائی ہوئی بھابی کیسی ہو؟ ڈھیر سارے سوال رمیز کے دماغ میں تھے مگر پہلے وہ ثمرہ سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا تھا۔
شرمین کو اپنی دوست کے گھر لنچ پر جانا تھا اور نمرہ کو ساتھ لے گئی۔ ثمرہ گھر میں تھی اس نے سوچا اپنی الماریاں سیٹ کرلے۔ الماری سے سارے کپڑے نکال کر بیڈ پر ڈالے۔ رمیز نے موقع غنیمت جانا۔
"اندر آسکتا ہوں۔" رمیز نے دستک دے کر پوچھا۔
"جی..... جی آیئے۔"
"چائے پیو گی۔"
"میں چائے نہیں پیتی۔"
"ویری گڈ۔ میں بیٹھ سکتا ہوں۔"
"جی رمیز بھائی، سب بکھرا پڑا ہے، نمرہ مما کے ساتھ گئی ہے۔ میں نے سوچا کپڑے وغیرہ سیٹ کرلوں۔"
"چلو ہم لیونگ روم میں چلتے ہیں۔"
"نہیں آپ اس ایزی چیئر پر بیٹھ جایئے۔" رمیز بیٹھ گیا اور اسے دیکھنے لگا۔
"مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"
"جی بولیے۔"
"تم کسی سے محبت کرتی ہو؟"
"یہ کیسا سوال ہے؟"
"ارے بھئی تم کو ایجوکیشن میں پڑھتی ہو خوب صورت ہو شاید کسی کی پسند ہو۔"
"نہیں ایسا کچھ بھی نہیں۔"
"دیکھو بھئی بات یہ ہے کہ تمہاری نانی ماں کا حکم ہے کہ میں شادی کرلوں اور شادی کے لیے ایک لڑکی چاہئے اور وہ لڑکی میں نے ڈھونڈ لی۔"
"اچھا....." ثمرہ حیرت سے بولی۔
"ہاں تم مجھ سے شادی کروگی۔ دیکھو منع نہ کرنا اب مجھے تم سے پہلی نظر میں محبت ہوگئی تو کیا کروں؟" ثمرہ اس اچانک سوال سے بوکھلا گئی وہ حیرت زدہ تھی۔
"دیکھو ثمرہ میں گول مول بات نہیں کرتا، میرے لیے تمہارا جواب بہت اہم ہے۔ بس ابھی لوں گا تم سے جواب ہاں یا نہ۔"
"مگر میری پڑھائی۔"
"وہ تم کرتی رہو گی۔ تم کو مجھ میں کوئی برائی نظر آتی ہو تو بتاؤ۔"
"نہیں رمیز بھائی۔"
"بس اب بھائی کا لفظ نہیں..... تم راضی ہو۔"
"جی، جو مما فیصلہ کریں گی میں مانوں گی۔"
"تھینک یو سوئٹ۔ اب باقی کام میرا ہے۔ میں چلتا ہوں، یاد رکھنا آج اور ابھی سے تم میری امانت ہو۔ اور ہاں میں تمہیں پڑھنے دوں گا۔ ٹینشن نہ لینا۔" رمیز ثمرہ کے کمرے سے چلا گیا اور وہ حیران سی کھڑی رہ گئی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اس کا جیون ساتھی اتنا پیارا اتنا ہینڈسم ہوگا۔ اور وہ ہمیشہ اسی گھر میں رہے گی۔ اس نے جلدی جلدی اپنی اور نمرہ کی الماری سیٹ کی اور پھر کچن میں چلی آئی۔ رحمت بی بی کی نواسی عابدہ کام کررہی تھی۔
"میں کچھ مدد کروں۔" ثمرہ نے پوچھا۔
"نہیں ثمرہ باجی کام ہوگیا۔"
"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"
"میں کھانا لگادوں؟"
"ہاں تم کھانا لگاؤ، میں ڈش آؤٹ کرتی ہوں۔" عابدہ ٹیبل پر کھانا لگارہی تھی کہ رمیز آگیا۔
"عابدہ سخت بھوک لگی ہے، کیا پکایا ہے آج کھانے میں۔"
"کیا بات ہے آج سب کو بھوک لگ رہی ہے۔"
"اور کسے بھوک لگی؟"

"وہ ثمرہ باجی بھی کچن میں آئی ہیں' کھانا ڈش آؤٹ کررہی ہیں۔" اور رمیز کچن میں گھس گیا۔

"کیا ہورہا ہے؟"

"آپ یہاں۔"

"میں اپنے گھر کے کچن میں نہیں آسکتا۔"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔" ثمرہ گھبرا کر باہر آگئی۔

"عابدہ تم کھانا ڈش آؤٹ کرو' میں نانی ماں کو بلانے جارہی ہوں۔" رمیز مسکرادیا اور باہر نکل آیا۔

"عابدہ آج چائنیز بنا ہے تم سب سے پہلے تو سوپ نکال دو۔" رمیز بچوں کی طرح چمچ پیالے سے لگا کر بجانے لگا۔ ذرا ہی دیر میں ثمرہ نانی ماں کو لے کر آگئی۔

"ارے تم پہلے سے یہاں بیٹھے ہو۔"

"آپی میری پسند کا کھانا پکوا کر گئی ہیں' سچ امی جان سخت بھوک لگی ہے۔" ذرا ہی دیر میں کھانا ڈش آؤٹ ہوگیا۔ ثمرہ بھی بیٹھ گئی وہ خاصی گھبرا رہی تھی۔

"ثمرہ بیٹی......"

"جی نانی ماں۔"

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"جی نانی ماں۔ میں ٹھیک ہوں۔"

"امی کہاں ٹھیک ہے طبیعت' یہ دیکھیں انہوں نے سوپ گرادیا۔"

"تم چپ رہو صبح سے اپنا کمرہ ٹھیک کررہی تھی۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں آج انہوں نے بڑے بڑے کام کیے ہیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا۔"

"کچھ نہیں امی سنا ہے الماریوں کے کپڑے وغیرہ درست کیے۔"

"ہاں تمہاری طرح تھوڑی...... بکھرا کر رکھتے ہو اور روز عابدہ کو تمہارا کمرہ سمیٹنا پڑتا ہے۔"

"اب لڑکوں کے کمرے تو ایسے ہی ہوتے ہیں امی جان۔"

"ہاں تم بچپن سے خاصے بے پروا ہو۔ مجھے تمہارا کمرہ ہمیشہ ٹھیک کرنا پڑتا تھا۔"

"اور بھائی جان کا کمرہ۔"

"عمیر اور شرمین کا کمرہ مجھے ٹھیک نہیں کرنا پڑتا تھا۔"

"ہاں بھائی جان تو آج بھی بڑے سلیقے والے ہیں۔ بھابی کا پورا ساتھ دیتے ہیں کام کاج میں۔" وہ کھانا کھاتے ہوئے کن انکھیوں سے مسلسل ثمرہ کو بھی دیکھ رہا تھا۔

"اور تم...... تم کیا کروگے؟"

"میرا کام تو میری بیوی کو کرنا پڑے گا امی جان۔" وہ شوخ ہوا۔

"چلو پاکستان میں تو نوکر چاکر مل جاتے ہیں۔"

"بس جبھی تو میں پاکستان آگیا۔ ہر طرح کا آرام ہے۔"

"یہ بات تو ہے بیٹا اپنا ملک اپنا ہی ہوتا ہے۔"

اس گفتگو کے دوران ثمرہ بالکل خاموش رہی۔ کھانا کھا کر وہ کمرے میں چلی گئی۔ آج اسے شدت سے شمع کی یاد آرہی تھی۔ اس نے اپنے Android کو کھولا اور اپنی مما کا پسندیدہ جگجیت سنگھ کا نغمہ "وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی' ایئر فون لگا کر سننے لگی' ایک ایک لفظ عکاسی کررہا تھا شاید ان کی اپنی کہانی کی۔ وہ مما کی دکھ بھری زندگی...... وہ ڈائری جو اس نے پڑھی تھی' اس کی مما کی زندگی کاغذ کی کشتی کی طرح ہی بارش کے پانی میں بھیگی گزر گئی تھی۔ اور پھر وہ اسی بارش میں ڈوب گئی۔ اس کی آنکھوں سے بے دریغ آنسو بہہ رہے تھے۔ تکیہ بھیگ گیا اور وہ یونہی سوگئی۔

✿......⌘......✿
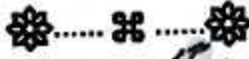
نمرہ اور شرمین واپس آگئیں۔ عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت تھا۔ نمرہ حیران تھی کہ ثمرہ کیوں سورہی ہے۔

"باجی یہ بے وقت کیوں سورہی ہو۔"

"ارے تم آگئیں۔" ثمرہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ گئی۔

"باجی تم نے پھر مما والا گیت سنا۔"

"ہاں مما کی یاد آرہی تھی۔ یہ گیت ہماری زندگی کی عکاسی کرتا ہے۔"

"میں جانتی ہوں مگر باجی وہ وقت گزر گیا' ہماری امی چلی گئیں' مگر ہمیں ایک ایسی مما دے گئیں ایسی نانی ماں دے گئیں جو انمول ہیں۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو مگر آج کچھ ایسا ہوا کہ میں تمہیں بتائے بنا رہ نہیں سکتی۔"

"باجی میں ذرا کپڑے بدل لوں۔ شاور لے کر فریش ہولوں پھر بات کریں گے۔"

"ٹھیک ہے میں جب تک عصر کی نماز پڑھ لوں۔" ثمرہ نے وضو کیا اور عصر کی نماز پڑھی پھر وہ شرمین کے کمرے میں گئی۔

دروازہ ناک کیا۔ ”مما میں ہوں۔“
”ہمرے ثمرہ آؤ کیسا دن گزرا۔“
”مصروف گزرا اپنی الماریاں اور کتابیں سیٹ کیں آپ کی پارٹی کیسی تھی۔“
”بہت اچھی تھی، بیٹی تم بھی چلتیں تو اچھا لگتا سب تمہیں پوچھ رہے تھے۔“
”مما پھر کبھی چلوں گی۔“
”اچھا بیٹی میں ذرا نماز پڑھ لوں۔“
”جی مما۔“ ثمرہ شرمین کے کمرے سے نکل آئی۔
وہ کچن کے سامنے سے گزر رہی تھی کہ اس نے رمیز کو وہاں دیکھا۔
”آپ کو کچھ چاہیے۔“
”وہ میں عابدہ کو دیکھنے آیا تھا کافی کا کہنے۔“
”میں کافی بنا دوں۔“
”نیکی اور پوچھ پوچھ۔“ رمیز کچن سلیب سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔
”اب آپ راستے سے ہٹیں تو میں کچھ کروں۔“
”اچھا اب کیا کیا جائے راستے میں تو میں آ چکا ہوں۔ اور اب مجھ سے جان چھڑانا بھی مشکل ہے۔“
”اف اوہ رمیز بھائی۔“
”پھر وہی بھائی۔“
”پلیز ذرا سا ہٹیے تو میں کافی بنا دوں ورنہ میں جا رہی ہوں۔“
وہ کچن سے باہر نکلنے لگی تو رمیز نے مسکرا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
”سوری میں باہر بیٹھا ہوں، تم کافی لے آؤ ٹی وی لاؤنج میں۔“ شرمین ثمرہ سب ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گئے۔
”ثمرہ تم نے کافی بنائی، عابدہ کہاں ہے؟“
”آپی میں تو خود بنانا چاہتا تھا عابدہ نماز پڑھ رہی تھی پر ثمرہ نے کہا کہ یہ بہت اچھی کافی بناتی ہیں۔“
”ہاں ثمرہ کھانا بھی بہت اچھا پکاتی ہے۔“ ذرا ہی دیر میں عابدہ آ گئی۔
”تم کہاں تھیں بھئی میری بیٹی کو کافی بنانا پڑی۔“ شرمین نے اسے ٹوکا۔
”آپی میں کچن میں آئی تھی پر ثمرہ باجی کافی بنا رہی تھیں پھر میں نماز پڑھنے لگی۔“
”اچھا ٹھیک ہے، تمہیں پتہ ہے نہ رمیز چار سے پانچ بجے کے درمیان کافی پیتا ہے۔“
”جی میں خیال رکھوں گی۔“
”بالکل خیال نہ رکھنا عابدہ جی نہ جانے کتنی بدمزہ کافی پینے کو ملے..... کافی تو مجھے ثمرہ کے ہاتھ کی ہی پینی ہے۔“
”جی اچھا۔“

❀ ...... ✽ ...... ❀

ذرا دیر بعد ثمرہ اس کے پاس آئی۔
”بتائیں کیا بات ہے؟“
”تمہارے جانے کے بعد میں الماری ٹھیک کر رہی تھی کہ رمیز بھائی آ گئے۔“
”کوئی کام تھا انہیں اور آپ نے کر دیا۔“
”ہاں بہت ضروری کام تھا اور کوئی چارہ نہ تھا میرے پاس۔“
”بتائیے نہ باجی کیا کام تھا۔“
”ارے پگلی رمیز نے اچانک کہا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں، اور یہ کہ وہ نہ بھی نہیں سنیں گے اور یہ بھی کہ وہ مجھے پسند کرتے ہیں۔“
”ارے یہ تو بڑی اچھی خبر ہے۔ آپ نے کیا کہا؟“
”میں نے ہاں کر دی۔ وہ جا ہی نہیں رہے تھے۔“
”ارے تو اتنے اچھے رشتے کے لیے کون نہ کرے گا۔“
”رمیز نے وعدہ کیا ہے کہ مجھے پڑھنے دیں گے۔“ ثمرہ نے ثمرہ کا ماتھا چوم لیا۔
”باجی میں بہت خوش ہوں۔“ خوشی اس کی آواز سے چھلک رہی تھی۔
رات شرمین اپنی امی کے کمرے میں تھی کہ رمیز بھی آ گیا۔
”کیسی ہیں امی؟“
”اچھی ہوں۔“
”آپ سے بات کرنی تھی اور آپی آپ سے بھی۔ میں نے آپ کا مسئلہ حل کر دیا۔“
”کون سا مسئلہ رمیز۔“
”شرمین آپی امی نے کہا تھا کہ میں شادی کر لوں انہیں پوتا پوتی دیکھنا ہیں۔ اور پھر ان سب کے لیے ایک عدد لڑکی بھی چاہیے ہوتی ہے اور مجھے باہر جانا ہی نہیں پڑا گھر میں ہی مل گئی۔“
”گھر میں مل گئی۔“
”ہاں آپی آپ کی بیٹی ثمرہ..... میں اسے پسند کرتا ہوں۔“
”تمہیں ثمرہ پسند ہے۔“

"ہاں میں نے اس سے بات بھی کی اور وہ بھی راضی ہے۔" رمیز نے ہونٹوں میں مسکراہٹ دبا کر بات مکمل کی جب کہ شرمین کے ساتھ مجھے بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

"کیا رمیز تم نے میری بچی سے بات بھی کرلی تم نے ضرور کچھ الٹا سیدھا بولا ہوگا۔"

"الٹا سیدھا نہیں صرف سیدھا سیدھا کہ مجھ سے شادی کرلو اور جواب ابھی چاہیے دراصل آپی اب دیکھیں میں آپ کا بھائی ہوں تو آپ کی بیٹی میں بھائی ہی رہوں گا اور وہ بھانجی بنے گی مگر بیٹی ہی رہے گی اگر وہ شادی ہو کر باہر چلی جاتی تو آپ اکیلی ہو جاتیں۔"

"رمیز تم بے حد شرارتی ہو تم نے ثمرہ کو تنگ نہیں کیا..... اور اس نے کیا کہا؟" شرمین رمیز کے سر پر ہلکا سا ہاتھ مارتی ہوئی بولی، بہن کی رضامندی دیکھ کر رمیز کی مسکراہٹ واضح ہوگئی تھی۔

"کہاں تنگ کیا یہ اس روز کی بات ہے جب آپ نمرہ کے ساتھ لنچ پر گئی تھیں میں نے سیدھی سیدھی اس سے بات کرلی۔ بس میں وہیں چیئر پر بیٹھ گیا اور ہاں کروا کر ہی آیا۔ اور کہہ گی کیا یہ بولی کہ جو فیصلہ مما کریں گی اسے منظور ہوگا۔ اب آپی اس کی مما آپ ہو، میرا مقدمہ آپ کی عدالت میں ہے۔"

"تم نے میری بچی کو کافی تنگ کیا اب مجھے تو اس سے بات کر لینے دو۔ تمہارے خوف کے مارے اس نے ہاں نہ کردی ہو۔"

"ارے آپی پوچھیں پوچھیں اتنے ہینڈسم بندے کو وہ منع کر ہی نہیں سکتی۔" رمیز نے فرضی کالر جھاڑے۔

"ہاں تم تو حسن کے شہزادے ہو۔"

"یقین کریں آپی کس قدر لڑکیاں وہاں کینیڈا میں میرے پیچھے تھیں، مگر میں جانتا ہوں کہ وہ گھر نہیں بسا تیں بھاگ جاتی ہیں۔ اور میں روز روز شادی نہیں کرسکتا۔ اب جب ہمارے گھر میں اتنی خوب صورت لڑکی موجود ہے تو باہر کیوں جائیں۔"

"رمیز تم بہت بولتے ہو اب مجھے سوچنے دو گے ذرا۔"

"اچھا میں تو چلا جب چاہیں شادی کردیں۔ بالکل راضی ہوں۔" وہ مسکراتا ہوا کہہ کر چلا گیا۔

❀......❀......❀

شرمین بچیوں کے کمرے میں آئی وہ ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔

"ارے مما آپ..... آیئے۔" دونوں ایک ساتھ بولیں۔

"ثمرہ بیٹی میں تم سے بات کرنے آئی ہوں۔"

"جی مما۔"

"تم سے رمیز نے جو بھی کہا جو تمہیں تنگ کیا تم پریشان تو نہیں ہو۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ کچھ جھجک کر حیا سے نظریں جھکا کر بولی۔

"تم رمیز سے شادی کے لیے راضی ہو۔"

"مما جو آپ کا فیصلہ ہوگا۔"

"ہاں مما باجی کو کیوں اعتراض ہوگا رمیز بھائی اتنے اچھے ہیں۔ میں تو بے حد خوش ہوں۔"

"مگر میں بڑی مشکل میں ہوں۔"

"کیوں مما؟"

"دراصل ثمرہ تم لوگ ماشاءاللہ لاکھوں کی مالک ہو اور یہ بات رمیز نہیں جانتا۔ کہیں تمہارے دل کے کسی گوشے میں یہ بات نہ ہو کہ ہم تمہیں اس گھر میں......؟" اور ثمرہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اس نے شرمین کے منہ پر ہاتھ رکھا اور اس کے کندھے سے لگ کر رو دی۔

"مما کیا ہم زندگی کے کسی پل اتنا گر سکتے ہیں کہ یہ سوچیں اس ماں کے لیے جس نے اپنی جوانی سے لے کر ہم پر سب کچھ لٹایا ہے۔ ہم تو چھوٹی بچیاں تھیں اگر کروڑوں کی دولت ہمیں پیار دے سکتی تو امی آپ کے ہاتھ میں ہمارا ہاتھ نہیں دیتیں اور مما وہ پیار و محبت جو مجھے اور نمرہ کو ملا وہ اس ساری دولت سے زیادہ انمول ہے۔ مما ہم آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔"

"آئی ایم سوری تم دونوں رو نہیں اور اپنی مما کو معاف کردو۔ تم میری بہت پیاری بیٹیاں ہو یہ سوچ کر دل کٹ جاتا ہے کہ تمہاری شادی ہوجائے گی تو میں کیا کروں گی؟"

"مما ثمرہ تو اب رمیز بھائی سے شادی کرے گی اگر آپ کی اور نانی ماں کی اجازت ہوگی اور میں...... میں شادی نہیں کروں گی۔" نمرہ نے شرمین کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک بیٹی کی شادی ہو اور دوسری کی نہیں، تمہیں معلوم ہے نمرہ تمہارے لیے نیلم کے بھائی کا رشتہ آیا ہے۔ وہ انجینئر ہے اور میں اسے بچپن سے جانتی ہوں۔"

"مگر میں ابھی شادی نہیں کروں گی۔" نمرہ بول پڑی۔

"بس ہم رسم کردیں گے، ثمرہ کی شادی تو اس لیے کرنا پڑے گی کہ تمہاری نانی ماں بیمار ہیں اور وہ چاہتی ہیں کہ رمیز شادی کرلے۔"

"یہ ٹھیک ہے مما...... آپ جو کہیں۔" ثمرہ چہک پڑی۔
"باجی کی شادی کب ہوگی۔"
"ارادہ ہے دسمبر میں شادی ہو۔ پہلے تم دونوں کی پڑھائی کا پتہ لگے پھر ونٹر کی چھٹیوں میں شادی کردوں گی۔ان شاء اللہ۔"
"مما جیسا آپ چاہیے۔" دونوں بولیں۔
"اچھا اب بالکل نہیں رونا اگر مما کی کوئی بات بری لگی ہو تو معاف کردو۔"
"کیسی بات کرتی ہیں مما آپ ہماری جان ہیں آئی لو یو۔"
"اور میں بھی تم دونوں سے بے حد پیار کرتی ہوں۔" شرمین ان کا گال تھپتھپا کر باہر نکل آئی۔

❀......⌘......❀
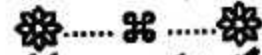
دوسرے روز شرمین گل کے کمرے میں پہنچی۔
"امی آپ سے ضروری باتیں کرنی تھیں۔"
"ہاں بولو۔"
"امی میں نے ثمرہ سے بات کرلی ہے وہ راضی ہے۔"
"چلو ٹھیک ہے بیٹی میرے دل میں بھی یہی خواہش تھی کہ رمیز گھر کی ہی کسی لڑکی کے لیے حامی بھر لے اتنی خوب صورت بچیاں ہیں۔"
"ہاں امی میں خاصی ریلیکس ہوگئی' ثمرہ کے لیے رشتہ نیلم کے بھائی کا آیا ہے وہ انجینئر ہے مگر ثمرہ ابھی شادی کے لیے راضی نہیں ہے پڑھائی ختم ہونے کے بعد اس کی شادی کردوں گی مگر آپ کی خوشی کے لیے ان شاء اللہ رمیز اور ثمرہ کی شادی دسمبر میں کروں گی۔"
"ثمرہ تم جاکر برائیڈل ڈریس کا آرڈر دے دو۔" شرمین نے ثمرہ سے کہا۔
"مما آپ کے بغیر میں کیسے جاسکتی ہوں۔"
"میں چلوں گی تم دونوں کے ساتھ میری ایک دوست ہے وہ ڈیزائن کرے گی تمہاری ڈریس۔ ہمارے ہاں تو لال رنگ کا ہی ڈریس بنتا ہے شادی کے دن کا' ولیمہ کا ڈریس جس رنگ کا چاہو بنوالینا ان شاء اللہ۔"
"جی مما جیسا آپ کہیں گی۔"
"کیا ہم رمیز بھائی سے نہیں پوچھیں گے۔" ثمرہ نے ٹوکا۔
"ولیمے کی ڈریس اور ڈیزائن امی سے پسند کروائیں گے۔"
"پھر تو انہیں ہمارے ساتھ چلنا چاہیے مما۔"
"تم ٹھیک کہتی ہو مگر ثمرہ کو تنگ کرے گا پہلے یہ پسند کرلے پھر اسے لے جاؤں گی۔"
"کیا باتیں ہو رہی ہیں۔" اچانک رمیز کمرے میں داخل ہوا۔
"بھئی شادی کی تیاریاں کرنا ہیں' اور دلہن کے ڈریسز بھی تیار کرنا ہیں تم بھی اپنی ڈریس کا ناپ دینا میرے ساتھ چل کر۔"
"اب دلہا دلہن تو ایک ہی گھر میں ہیں اس تام جھام کی کیا ضرورت۔"
"جب شادی کرنا ہے تو تام جھام تو ہوگا' اور ہاں دلہن کے ولیمہ کا جوڑا اور اس کا رنگ تم پسند کرو گے۔"
"کب چلنا ہے؟"
"ابھی نہیں...... میں ویک اینڈ پر ہی لے چلوں گی۔"
"ٹھیک ہے آپی آپ بتادیجیے گا۔" رمیز چلا گیا اور ثمرہ کی جان میں جان آئی۔
"ثمرہ بیٹی تم پریشان نہ ہو۔ میرا بھائی شرارتی ضرور ہے مگر بہت پیارا ہے۔ تمہیں بہت اچھی زندگی دے گا۔ مگر ہاں تم بھابی نہیں صرف میری بیٹی ہی رہو گی۔"
"جی مما...... آپ ہیں نہ نانی ماں ہیں پھر مجھے کس بات کی فکر۔"
"فکر تو مجھے کرنی ہے باجی' تم تو یہیں رہ جاؤ گی اور مجھے جانا پڑے گا مما کو چھوڑ کر۔" ثمرہ اداس ہوگئی۔
"تمہارا رشتہ بھی ایک اچھے لڑکے سے طے کررہی ہوں ان شاء اللہ تم بھی بہت خوش رہو گی۔ تم بھی تو میری بیٹی ہو۔" شرمین نے اسے خود سے لگا کر کہا۔
"ہاں مما...... پھر بھی ایک بھائی اور کیوں نہیں تھا آپ کا تاکہ میں بھی یہیں رہتی۔" ثمرہ نے شکوہ کیا۔ شرمین کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی تھی۔
"بس وہ بھائی تو خاصا بڑا ہے اور امریکہ میں شادی کی ہوئی ہے' وہ اپنے دونوں بچوں اور بیوی کے ساتھ پاکستان ضرور آئے گا۔"
"انہیں بتادیا؟" ثمرہ نے پوچھا۔
"ہاں بتادیا وہ رمیز کی شادی سے خاصا خوش ہے اور مونا کو پاکستانی شادی دیکھنے کا بے حد شوق ہے۔ اب وہ تھوڑی تھوڑی اردو بھی بولتی ہے۔"
"بڑا مزہ آئے گا مما۔"

❀......⌘......❀
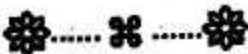
دن یونہی تیزی سے گزر گئے۔ شادی کی ساری تیاریاں ہوگئی تھیں۔ رمیز بے حد خوش تھا۔ ثمرہ دلہن بنی بہت پیاری لگ رہی تھی اور نمرہ بھی کچھ کم نہ تھی۔ جڑواں بہنیں تھیں ہم شکل بھی تھیں۔

شادی ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں تھی۔ سب نے بہت انجوائے کیا۔ اور آخر کار ثمرہ دلہن بنی پھولوں کی سیج پر آ بیٹھی تھی۔ رمیز کا کمرہ نمرہ کو مل گیا تھا اور ان کا بڑا کمرہ رمیز اور ثمرہ کے لیے ہوگیا تھا۔ رمیز ثمرہ کو پا کر بہت خوش تھا۔ وہ تھی ہی اتنی پیاری لڑکی۔

"تم خوش ہو مجھ سے شادی کر کے۔" دوسری طرف خاموشی تھی رمیز نے اسے ایک سونے کا سیٹ منہ دکھائی میں دیا وہ بہت خوب صورت نازک سا سیٹ تھا۔

"پسند آیا۔" ثمرہ خاموش تھی۔ "اب میں ہی بولتا رہوں تم کیا شادی کے بعد گونگی ہوگئیں۔ میں چلتا ہوں۔" رمیز بیڈ سے اٹھ گیا اور تب ثمرہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"رمیز بیٹھیے مجھے سیٹ بہت پسند آیا اور آپ بھی بہت ہینڈسم لگ رہے ہیں۔" رمیز بیٹھ گیا۔

"تعریف کا شکریہ، مگر تم بھی بہت خوب صورت لگ رہی ہو تم خوش ہو۔"

"جی میں خوش ہوں کہ آپ میرے جیون ساتھی ہیں۔"

❁......❁......❁

ولیمہ کی تقریب بھی فائیو اسٹار ہوٹل ہی میں تھی۔ نمرہ اور ثمرہ کے سارے کلاس میٹس آئے تھے۔ سب نے بہت انجوائے کیا۔ وہ اب ثمرہ جمال سے ثمرہ رمیز بن چکی تھی۔ ولیمہ کی تقریب کے بعد وہ بہت تھک گئی تھی۔ شرمین نے اسے گل کے ساتھ گھر بھجوا دیا تھا۔ ثمرہ اپنے کمرے میں آئی تو اسے شدت سے شمع کی یاد آنے لگی۔ اس نے ایئر فون سے وہی گانا لگا کر سننا شروع کردیا۔

یہ دولت بھی لے لو
یہ شہرت بھی لے لو
بھلے چھین لو مجھ سے میری جوانی
مگر مجھ کو لوٹا دو وہ بچپن کا ساون
وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی

غزل سنتے سنتے اور روتے روتے وہ سوگئی پتہ ہی نہ چلا کہ کتنا وقت گزر گیا رمیز اسے دیکھ کر پریشان ہوگیا وہ سیدھا نمرہ کے کمرے میں گیا۔

"نمرہ یہ ثمرہ رو کیوں رہی ہے؟"

"رو رہی ہیں۔"

"ہاں اس نے کپڑے بھی نہیں بدلے بس موبائل پاس رکھا ہے اور ایئر فون کان میں ہے۔" نمرہ فوراً کمرے میں آئی اور ثمرہ کو آواز دی۔

"باجی اٹھیے رو کیوں رہی ہیں۔" ثمرہ ایک دم نمرہ کے گلے سے لگ گئی۔

"مجھے شدت سے امی یاد آرہی ہیں آج وہ ہوتیں تو کتنی خوش ہوتیں۔ وہ دیکھتیں کہ مما نے کتنے اچھے انسان سے ان کی بیٹی کی شادی کرائی ہے۔"

"باجی امی کی یادوں کو ہم کبھی بھی دل سے نہیں نکال سکتے وہ میری بھی ماں تھیں مگر بچپن میں وہ ہمیں شرمین مما اور نانی ماں کے پاس چھوڑ کر جنت میں چلی گئیں آپ رو کر انہیں دکھی نہ کریں۔"

"نمرہ امی کی یاد آئی تو میں وہ غزل سننے لگی اور نیند آگئی۔"

"میرے رمیز بھائی کو تو آپ نے پریشان کردیا میں اب چلوں اور آپ...... آپ رمیز بھائی اپنی بیوی کو سنبھالیں...... شب بخیر اللہ حافظ۔" نمرہ چلی گئی اور تب رمیز ثمرہ کے پاس بیٹھ گیا۔

"ثمرہ آج کے بعد میں یہ آنسو نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"مجھے معاف کردیں رمیز۔ میں نے آپ کو دکھ دیا۔"

"نہیں دکھ نہیں ہوا مگر میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ میری بہن اور تمہاری شرمین مما سے کوئی کمی تو نہیں رہ گئی پرورش میں۔" اور ثمرہ نے رمیز کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"نہیں رمیز نہیں ایسی بات نہیں ہے وہ میری جنم دینے والی ماں تھیں انہوں نے اور ان کی امی نے بہت دکھ اٹھائے...... یہ جو غزل میں سنتی ہوں یہ میری امی کی پسندیدہ غزل تھی۔ رمیز میری زندگی میں اور نمرہ کی زندگی میں بہت سے رشتوں کی کمی ہے باپ، بھائی، ماموں، چاچا...... اور وہ آخری سانسوں تک دہے گی۔"

"کیا ہم لوگ تمہارے لیے کچھ بھی نہیں۔"

"رمیز مجھے معاف کردیں میں جذباتی ہوگئی تھی۔ آپ کو دکھ دینا نہیں چاہتی تھی رمیز مجھے معاف کردیں۔"

"ثمرہ اگر کبھی میری ذات سے کوئی تکلیف ہو تو ضرور بتانا۔ میں کوشش کروں گا کہ تم خوش رہ سکو۔" رمیز لیٹ گیا اسے سخت

نیند آرہی تھی۔ ثمرہ بھی کپڑے بدل کر لیٹ گئی۔

❀ ...... ⌘ ...... ❀

کچھ ہی عرصے بعد گھر والوں کو خبر ملی کہ ثمرہ ماں بننے والی ہے اور سب کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔ گھر والے ثمرہ کا خاص خیال رکھتے تھے۔ وہ اپنے کالج جارہی تھی۔ رمیز کی اس روز چھٹی تھی وہ ایسے ہی ثمرہ کی الماری میں اپنی کوئی چیز تلاش کررہا تھا کہ اس کے ہاتھ شمع کی ڈائری لگ گئی۔ وہ جانتا تھا کہ کسی کی ڈائری پڑھنا بری بات ہے مگر ثمرہ اس کی زندگی سے وابستہ تھی اور اسے پورا حق تھا سب کچھ جاننے کا۔ یہ سوچ کر اس نے پہلا صفحہ کھولا لکھا تھا۔

یہ دولت بھی لے لو
یہ شہرت بھی لے لو
بھلے چھین لو مجھ سے میری جوانی
مگر مجھ کو لوٹا دو بچپن کا ساون
وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی

یہ غزل جانے مجھے کیوں پسند ہے شاید اس لیے کہ یہ میری امی کی پسندیدہ تھی اور امی کی موت کے بعد یہ میری زندگی کی حقیقت بن گئی۔ نہ جانے میں یہ ڈائری کیوں لکھ رہی ہوں شاید اس لیے کہ زندگی کی حقیقت کتنی تلخ ہوتی ہے کسی سے بیان نہیں ہوسکتی۔ یہ کاغذ کے پنوں میں دل کی آواز بن کر تحریر کی جاسکتی ہے اور یہ دل کی آواز دل سے غبار نکال دیتی ہے جمال نے مجھے طلاق دے کر اچھا کیا تھا۔ وہ ظالم جمال کے گھر والے جنہیں نہ اچھی طرح سمجھتا تھا میری زندگی سے دور جاچکے تھے۔ وہ لاہور چلے گئے اور ہم نے ایک دوسرے سے رابطہ نہ رکھنے کا وعدہ کیا تھا۔ ثمرہ اور نمرہ کی پرورش کے لیے میں آزاد تھی۔ میری زندگی سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر پائیدان کے بجائے نیچے پائیدان کی طرف جارہی تھی۔ زندگی بھی ساتھ نہیں دیتی بس سانس کی ڈور کب آئے اور ٹوٹ جائے۔

❀ ...... ⌘ ...... ❀

اپنی امی کی کہانی کی یادداشت تو لکھ لی مگر اپنی کاغذ کی کشتی ایسے ڈول رہی تھی کہ بارش کا پانی بہا کر لے جائے گا۔ موت کی دہلیز پر کھڑی سوچ رہی ہوں کہ ثمرہ اور نمرہ کو کس کی دہلیز پر چھوڑ کر جاؤں کیا جمال کو بلا کر ان کے سپرد کردوں مگر اچانک گل آنٹی یاد آگئیں اور ان کا ان کی بیٹی شرمین کا پیار دیکھ کر میں انہیں گارجین بنادینا چاہتی تھی۔ میں نے جمال کا پتہ اس ڈائری میں اس لیے لکھ دیا کہ شاید زندگی کے کسی موڑ پر بڑی ہونے کے بعد وہ باپ سے خود ملنا چاہیں...... ثمرہ اور نمرہ کو یہ ڈائری میری موت کے بعد ہی ملے گی اس سے پہلے نہیں انہیں حق حاصل ہے کہ معلوم کریں کہ دنیا کتنی ظالم ہے موتیوں کی مالا کی طرح پروئے ہوئے رشتوں کو تنکوں کی طرح بکھیر دیتے ہیں۔ دوسرے کی دولت پر قابض ہوکر عیش کرنا چاہتے ہیں۔

ثمرہ اور نمرہ محفوظ ہاتھوں میں چلی گئیں اب میں چین سے مرسکوں گی۔ گل آنٹی آپ میری امی کے لیے ایک انمول تحفہ تھیں۔ آپ کی امی کے لیے دوستی لازوال تھی۔ کاش میری امی کچھ سمجھ سکتیں۔ وہ چلی گئیں اور میں جارہی ہوں۔"

"آج اپنی ڈائری کا آخری پنہ لکھ رہی ہوں۔ کاغذ کی کشتی کبھی بھی ڈوب سکتی ہے۔ دکھوں اور غموں کی بارش اتنی تیز رہی کہ کچھ سوچ ہی نہ سکی...... میری ثمرہ اور نمرہ کے لیے آخری تحفہ...... میری آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھارہا ہے۔ شاید زندگی ساتھ چھوڑ رہی ہے...... ہاتھ بھی شل ہورہے ہیں...... لکھا نہیں جارہا...... الوداع ثمرہ اور نمرہ اپنی ماں کو معاف کردینا کیونکہ میں گل آنٹی اور شرمین سے اچھا تحفہ تمہیں نہیں دے سکتی تھی۔ اور پھر رمیز نے دیکھا کہ آخری صفحہ پر لکھائی کی ایک لکیر سی آگئی شاید شمع چلی گئی تھی۔

رمیز نے ڈائری پڑھی اور وہیں واپس رکھ دی۔ پھر آپ ہی آپ بولا۔

"شمع آپی میں ثمرہ اور نمرہ کو ان کے بابا سے ضرور ملاؤں گا۔ شکر ہے کہ ان کا پتہ ہے وہ تو لاہور کے خاصے مشہور بزنس مین ہیں۔"

❀ ...... ⌘ ...... ❀

رمیز وہی غزل سننے لگا۔ اتنے میں ثمرہ آگئی اور آنکھیں موندے رمیز کے پاس کھڑی ہوگئی۔

"رمیز یہ کیا ہورہا ہے...... آپ یہ گانا کیوں سن رہے ہیں؟"

"ثمرے بھئی یہ تمہاری پسند ہے تو اب میری بھی پسند ہے۔"

"مگر اس گانے میں دکھ ہی دکھ ہے۔"

"پر ہر دکھ کے بعد سکھ بھی آتا ہے جناب۔"

"نہیں آپ یہ غزل نہیں سنیں گے۔" ثمرہ نے سی ڈی نکال لی۔

"اچھا بھئی نہیں سنوں گا۔ مگر تم چھپ چھپ کر نہیں سنو گی۔ اس لیے زور سے لگائی تاکہ تمہارا خوف نکلے۔"

"کیسا خوف؟"

"یہی چھپ چھپ کر غزل سننے کا شمع آپی کو یاد کرنے کا اور رونے کا عمل نہیں ہوگا۔"

"ہاں نہیں ہوگا۔" ثمرہ بولی۔

"بھئی وہ اس لیے بھی کہ ہمارا بے بی روتا بسورتا نہ ہو۔ خوش باش ہو۔" رمیز نے ثمرہ کو اپنے پاس بٹھالیا۔

"آج آپ آفس سے جلدی آگئے؟"

"گیا ہی نہیں چھٹی ماری تھی۔"

رمیز نے آفس کے کام کا بہانہ بنا کر پکا پروگرام بنالیا تھا لاہور جانے کا۔

"ثمرہ میں ہفتہ دس دن کے لیے لاہور جارہا ہوں۔"

"ارے کیوں؟"

"آفس کے کام سے جانا ہے۔ اور اب میں نوکری کر کے تنگ آگیا ہوں اب اپنا بزنس شروع کرنے کا سوچ رہا ہوں۔"

"رمیز میں کیسے رہوں گی آپ کے بغیر۔"

"ارے تو تم بھی چلو...... اگر اس حالت میں امی اجازت دیں تو میں لے چلتا ہوں۔"

"مجھے پتہ ہے مما اجازت نہیں دیں گی۔"

"تو پھر میرا سامان پیک کردو میں نے رات کی فلائٹ سے جانا ہے۔" ثمرہ نے ایک چھوٹا سوٹ کیس رمیز کے لیے تیار کردیا۔

"مجھ سے روز بات کرنا واٹس ایپ پر۔"

"ہاں بابا واٹس ایپ، ایمو، وی چیٹ، اسکائپ سب پر میں نے تمہارا کونٹیکٹ ایڈ کرلیا ہے مگر ہم دن میں نہیں رات کو بات کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" رمیز کے جانے سے ثمرہ اداس تھی۔

وہ جانے کے لیے نکل ہی رہا تھا کہ دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر کہا۔

"اب ایک بزنس مین کی بیوی بنوگی میرے ٹور تو لگتے رہیں گے تم ایسے روتی رہوگی، بس اب اور نہیں اور ہاں میرے بے بی کا خیال رکھنا۔" وہ ہنس پڑی۔

"اچھا اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" ثمرہ نے اسے رخصت کردیا۔

❁ ...... ⌘ ...... ❁

لاہور ایک بڑا شہر ہے اس کے پاس جمال صاحب کا پتہ تھا مگر وہ گھر جانا نہیں چاہتا تھا اس نے گوگل سرچ کر کے ان کی کمپنی کا پتہ نکالا "جمال گروپ آف کمپنی" اور پھر وہ وہاں پہنچ گیا۔ اس نے ریسپشن پر اپنا کارڈ دیا "مجھے اس کمپنی کے چیف جمال صاحب سے ملنا ہے۔"

"کیا آپ کا اپوائمنٹ ہے ان کے ساتھ۔"

"نہیں میں تو کراچی سے آیا ہوں۔"

"آپ کا نام......" لڑکی نے پوچھا۔

جی رمیز علی۔" Recptionist نے جمال صاحب کو فون ملایا اور پھر بولی۔

"سر ابھی فارغ ہیں آپ سامنے والی لفٹ سے تھرڈ فلور پر چلے جائیے۔"

"بہت شکریہ۔" رمیز جب لفٹ سے اوپر گیا تو سامنے ہی پیون بیٹھا تھا۔

"یہ میرا کارڈ صاحب کو دے دو۔" ذرا ہی دیر میں پیون نے اندر جانے کا کہا۔

رمیز ایک بہت بڑے سے خوب صورت سجے کمرے میں داخل ہوا ایک باوقار سی شخصیت اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"سر میں آپ سے ملنا چاہتا تھا آداب۔"

"جیتے رہو۔ آؤ بیٹھو۔" انہوں نے کھڑے ہو کر اس سے ہاتھ ملایا۔

"کیا کام تھا مجھ سے بیٹا تم تو ماشاء اللہ خود بے حد اچھی پوسٹ پر ہو۔"

"بس انکل آپ اتنے بڑے بزنس مین ہیں سوچا آپ سے ملوں مشورہ لوں۔"

"کیا تم بزنس کرنا چاہتے ہو۔"

"ہاں کراچی میں سیٹ کروں گا۔ اب نوکری کر کر کے دل بھر گیا ہے۔" ذرا ہی دیر میں کافی آگئی اور ساتھ میں کچھ اسنیکس بھی۔

"تم جو پوچھنا چاہتے ہو وہ پوچھو۔"

"آپ شادی شدہ ہیں۔"

"ہاں...... شادی شدہ ہوں، مگر اس بات سے تمہارے بزنس کا کیا تعلق ہے؟"

"آپ شمع کو جانتے ہیں؟"

"شمع" ...... ماضی آنکھوں کے سامنے لہرا گیا وہ ایک دم اداس ہوگئے۔

"ہاں وہ میری خالہ اور چچازاد دونوں تھی۔"

"اور کچھ بھی تھیں وہ آپ کی۔ آپ نے ان کی زندگی بچا کر اور ان کی زندگی سے نکل کر بہت بڑا احسان کیا تھا۔"
"مگر تم یہ سب کیسے جانتے ہو اور کیوں پوچھ رہے ہو۔ مجھے ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"
"میں جانتا ہوں شمع آنٹی کے ایک ایک آنسو کو جانتا ہوں۔"
"آپ کے کتنے بچے ہیں؟"
"میرا کوئی بچہ نہیں..... شاید اللہ نے مجھے سزا دی ہے کہ میں نے شمع کو دو بچیوں کے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔"
"نہیں ایسی بات نہیں آپ کی دونوں بیٹیاں بڑی ہوگئی ہیں اور ڈاکٹر بن رہی ہیں ابو۔"
"ابو....." جمال صاحب حیران تھے۔
"یہ تم مجھے ابو کیوں کہہ رہے ہو؟"
"اس لئے کہ میں آپ کا داماد ہوں' بڑی بیٹی ثمرہ سے میری شادی ہوئی ہے۔"
"شمع کیسی ہے؟"
"ثمرہ اور نمرہ میری مما کو سونپ کر برسوں پہلے وہ انتقال کر گئیں کیا آپ کو اپنی بیٹیاں یاد نہیں آئیں؟"
"بیٹا یہ اتنا بڑا کاروبار دل بہلانے کے لیے کیا ہے۔ میرے گھر والے بہت خراب تھے' میں نے شمع کو آزادی اس جہنم سے اس لیے دلائی تھی تاکہ میرے گھر والوں کا ظلم وستم وہ برداشت نہ کرے اور میری بچیوں کی پرورش بھی اچھے سے ہو جائے۔"
"انہیں آپ کی ضرورت ہے۔"
"مگر بیٹا وہ مجھے جانتی بھی نہیں ہیں۔"
"جانتی نہیں ہیں آپ کو دیکھا بھی نہیں ہے مگر رشتوں سے محبت کرتی ہیں' ان کی زندگیوں میں ایک باپ کی کمی کو آپ پورا کرسکتے ہیں۔"
"کیا وہ مجھے قبول کریں گی۔"
"ہاں کریں گی وہ آپ کے پیار کو سمجھیں گی کہ کس طرح آپ نے انہیں دوزخ سے نکالا۔"
"میں نے اپنے گھر والوں کو بھی ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔ کبھی پلٹ کر ان کی شکل نہیں دیکھی۔"
"ہاں ایک لمحہ ایسا آتا ہے کہ انسان کو مضبوط بن کر فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔"
"میں نہیں چاہتا تھا کہ شمع میری بچیوں کو اچھا نہ پال سکے اس لیے نکل آیا اس کی زندگی سے وہ بے حد اچھی تھی۔"

"اور اب..... اب آپ کی وائف کیسی ہیں؟"
"وہ بھی بہت اچھی ہیں۔ ہماری اولاد نہیں ہے اس لیے انہوں نے مجھے اپنی بچیوں کے لیے اکیلے میں روتے دیکھا ہے؟"
"آپ ثمرہ اور نمرہ کو یاد کرتے تھے۔"
"ہاں..... میں ان سے بہت پیار کرتا تھا' کبھی بھول نہ سکا۔"
"آپ مجھے چھوٹی ماں سے ملائیں گے۔"
"ہاں..... میں ملاؤں گا وہ بہت اچھی اور سلجھی ہوئی ہیں' ایک بینک میں کام کرتی ہیں۔"
"وہ میری امی آپ کی خالہ کی بچپن کی سہیلی گلنار علی ہیں۔"
"ہاں میں گل آنٹی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔"
"بس نہ جانے کیسے شمع آپی نے میری مما کو ڈھونڈ لیا۔"
"میں تمہیں کل چھوٹی ماں سے ملانے لے چلوں گا تم شام کو آنا میرے پاس پانچ بجے۔" پھر وہ رک کر بولے۔
"تم اپنا پتہ دو میں آؤں گا تمہیں لینے۔"

❀......❀......❀

دوسری شام جمال رمیز کو لینے پہنچ گئے اور پھر کچھ دیر کی ڈرائیو کے بعد رمیز جمال کے گھر میں داخل ہو رہا تھا۔ ایک پروقار سی خاتون رمیز کے سامنے کھڑی تھیں۔
"یہ تمہاری چھوٹی ماں ہیں صبیحہ۔"
"آداب....." رمیز نے جھک کر سلام کیا۔
"جیتے رہو بیٹا..... جمال نے تمہاری بہت تعریف کی تھی۔"
"بس چھوٹی ماں میں نے اپنے بیٹے ہونے کا فرض ادا کیا ہے۔"
"آؤ بیٹا بیٹھو۔"
"ابو آپ کا گھر بہت خوب صورت ہے۔"
"ہاں خوب صورت ہے مگر سونا سونا سا۔" وہ اداسیوں میں گھر کر بولے۔
"اب سونا نہیں رہے گا ابو آپ کی دو عدد بیٹیاں ہیں۔"
"ہاں خدا کا شکر ہے کہ شمع میری بچیوں کو اچھے ہاتھوں میں سونپ گئی۔ میں نے تو اس سے کسی قسم کا رابطہ نہ کرنے کی قسم کھائی تھی۔ سو اولاد نہ ہونے کے باوجود بھی کبھی رابطہ نہیں کیا۔"
"آپ دونوں نے اپنی بچیوں کے لیے بہت بڑی قربانی دی ہے۔ آپی شمع تو جان سے گئیں' اور آپ یوں تنہا..... زندگی

گزارتے رہے۔"
"بس بیٹا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا تھا کہ کبھی نہ کبھی تو مجھے میری اولاد کا منہ دیکھنا نصیب ہوگا۔"
"اور اللہ نے آپ کی سن لی۔"

❀ ...... ⌘ ...... ❀

ابھی وہ لوگ باتیں کر رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔
"تمہارا موبائل بج رہا ہے بیٹا۔" صبیحہ نے کہا۔
"جی ثمرہ ہے۔"
"تو بات کرو بیٹی سے۔"
"جی......" رمیز نے فون کان سے لگالیا۔
"کہاں ہیں آپ رمیز! میں کتنی دیر سے ملا رہی ہوں آپ نے موبائل بند کیا ہوا تھا۔"
"ہاں تو میٹنگ کے دوران موبائل بند رکھنا ہوتا ہے۔"
"میں تو پریشان ہوگئی تھی۔"
"خدا کے لیے ثمرہ اب تم panic نہ کرو۔ میں مصروف تھا۔ خیریت تو ہے نہ......"
"ہاں سب خیریت ہے بس آپ سے بات کرنے کو دل کررہا تھا۔"
"تو کرو نہ بات۔"
"کوئی موضوع نہیں ہے۔ کیا بات کروں؟ بس آواز سن لی کافی ہے۔"
"اچھا اب دل ٹھنڈا ہوگیا۔"
"ہاں! آپ سے بات ہوگئی اب پڑھنے جارہی ہوں۔ امتحان نزدیک ہیں۔"
"اور میرا بے بی تو ٹھیک ہے نہ۔"
"ہاں بے بی بھی ٹھیک ہے اپنے پاپا کو یاد کرتا ہے کہ جلدی بلاؤ۔"
"بس میرا کام ختم ہوگیا ہے۔ شاید ایک دو دن میں آجاؤں۔"
"ٹھیک ہے آپ آرام کریں۔ ہم کل بات کریں گے۔"
"ان شاء اللہ۔" رمیز کے منہ سے نکلا اور وہ پھر کمرے میں آگیا۔
"خیریت ہے بیٹا۔" جمال نے پوچھا۔
"جی آپ کی بیٹی بس panic کرتی ہے مجھ سے بات ہوگئی تو چین آگیا۔ اس کے امتحان ہونے والے ہیں فورتھ ایئر

ایم بی بی ایس کے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔
"ماشاء اللہ نمرہ بھی ڈاکٹر بن رہی ہے؟"
"جی دونوں بہنیں ایک ہی کلاس میں ہیں۔"
"اللہ تعالیٰ ہماری بچیوں کو خوش رکھے۔" بڑی ماں نے دعا دی۔
"میں آپ کو دونوں کی تصویریں دکھاتا ہوں۔ رمیز نے انہیں تصویر دکھانے کے ساتھ لیپ ٹاپ پر انہیں اپنی شادی کی مووی بھی دکھائی۔

❀ ...... ⌘ ...... ❀

رمیز نے پہلے تو اپنے موبائل پر سب سے متعارف کرایا۔
"ارے صبیحہ دیکھو میری ننھی بچیاں کتنی بڑی ہوگئیں۔ کتنی خوب صورت ہیں۔"
"ماشاء اللہ ایک جیسی لگتی ہیں۔" بڑی ماں نے کہا۔
"ہاں جڑواں ہیں نہ۔" جمال ایک دم بولے۔
صبیحہ کو ان کی خوشی کا اندازہ نہیں ہورہا تھا؟ وہ محسوس کررہی تھیں کہ بچیوں کے ذکر سے جمال کے مرجھائے چہرے پر رونق آ گئی تھی۔ صبیحہ نے بہت عرصے بعد جمال کو خوش دیکھا تھا۔
"رمیز بیٹے کب ملوا رہے ہو ہماری بیٹیوں سے۔" صبیحہ نے کہا۔
"بس بڑی ماں بہت جلد ملواؤں گا۔ بس تھوڑا انتظار کرلیں کیوں کہ دونوں کے ابھی امتحان ہونے والے ہیں۔" اس نے فوراً کہا وہ برسوں کے بچھڑے لوگوں کو ملانے کے لیے ذہن میں ترکیب کرنے لگا۔
"تم درست کہتے ہو ابھی بچیوں کا امتحان بھی ہے جب امتحانات سے فارغ ہوجائیں گی تو ملیں گے۔"
"جی تھیوری کے پیپر ہوجائیں بڑی ماں پھر جب تک میں سیٹ کرلوں گا۔"
"ہم صبر کرلیں گے بیٹے۔" جمال بولے۔
"اچھا تم کب تک ہو یہاں بیٹے۔" بڑی ماں نے پوچھا۔
"میں کل چلا جاؤں گا۔"
"ہمیں فون تو کرو گے نہ۔"
"جی ضرور بس ابھی صرف فون پر ہی۔" رمیز نے انہیں سمجھایا۔
"تمہاری کتنے بجے کی فلائٹ ہے۔"
"جی صبح چھ بجے کی۔"

"ثمرہ کو بتایا۔"
"نہیں اس کے لیے سرپرائز ہوگا۔ ورنہ ایئرپورٹ پہنچ جائے گی اور میں نہیں چاہتا کہ وہ ایئرپورٹ آئے۔"
"ہاں ٹھیک ہے بیٹا۔"
"ابو چھوٹی ماں، اب میں چلوں گا۔" دونوں نے اسے گلے لگا کر رخصت کیا اور تب جمال نے اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھما دیا۔
"یہ کیا ہے ابو۔"
"تم میرے داماد بھی ہو اور بیٹے بھی منع نہ کرنا۔ یہ چیک نہیں میرا پیار ہے۔"
"پانچ لاکھ روپے...... ابو میں یہ نہیں لے سکتا۔"
"یہ میری خواہش ہے رمیز بیٹا......" وہ سسک پڑے چشموں کے پیچھے سے بہتے آنسو رمیز نے دیکھ لیے تھے۔
"بیٹا تم یہ لے لو ہماری خواہش ہے ورنہ جمال کو بہت دکھ ہوگا۔" صبیحہ نے کہا۔
"ابو آپ روئیں نہیں...... میں لے لیتا ہوں۔ مگر یہ چیک اس وقت تک جمع نہیں کراؤں گا جب تک آپ کی بیٹیاں آپ سے نہیں مل لیتیں۔ وعدہ کریں اب آپ کبھی نہیں روئیں گے۔ میں آپ کی بیٹیوں کی پیاری پیاری تصاویر whatsapp پر بھیجوں گا۔ ان شاء اللہ بات بھی کراؤں گا۔" رمیز نے جمال کا ہاتھ تھام کر کہا تو وہ قصداً مسکرا دیے۔

❁......⌘......❁

دس بجے صبح رمیز گھر پہنچا تو سب سے پہلے گل سے ہی اس کا سامنا ہوا تھا۔
"ارے تم آگئے بیٹا۔" گل نے پوچھا۔
"جی امی جان آداب۔"
"جیتے رہو...... میٹنگ کیسی تھی آفس کی۔"
"بہت اچھی تھی۔" وہ ذرا رک کر بولا۔
"آپی کہاں ہیں؟"
"وہ تو آفس چلی گئی۔"
"میں فون پر بات کرلوں گا۔"
"پہلے ثمرہ سے مل لو پھر آپی سے بات کرلینا۔"
"جی میں کمرے میں جا رہا ہوں۔" وہ کمرے کی طرف آیا مگر وہاں ثمرہ نہیں تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ دونوں بہنیں پڑھ رہی ہوں گی۔ اس نے کپڑے تبدیل کیے اور بیڈ پر لیٹ گیا اور غزل لگالی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جمال ابو کے پاس شہرت کے ساتھ سب کچھ ہے مگر وہ جوانی کے دن اور گیا ساون کبھی نہ آیا...... کتنا ترسے ہیں وہ اپنی بچیوں کے لیے۔
"ارے رمیز مجھے منع کرکے آپ خود اس گانے کو سننے لگے۔" ثمرہ اچانک اسے دیکھ کر حیران ہوئی۔
"تم کہاں تھیں؟"
"پڑھ رہی تھی مگر آپ نے کل کیوں نہیں بتایا کہ صبح آرہے ہیں۔"
"بس رات ہی فیصلہ کیا کہ کام ہوگیا تو چلوں۔"
"اچھا کیا رمیز میں آپ کو مس کررہی تھی۔"
"اور میرا بے بی۔"
"وہ بھی...... آپ خاصے بے شرم ہوگئے ہیں۔ ایسی باتیں کوئی کرتا ہے کیا۔"
"ہاں ہر باپ کرتا ہے ہاں باپ کو اس ننھے سے آنے والے مہمان کو خوش آمدید کہنا چاہیے۔"
"آپ نے ناشتہ کیا...... میں عابدہ سے کہتی ہوں۔"
"ہاں بس اب کھانا کھاؤں گا تمہارے ساتھ۔ البتہ اپنے ہاتھ سے بنا کر کافی پلادو۔"
"میں کافی بنانے ہی آئی تھی۔ نمرہ کو بھی چاہیے تھی۔" وہ کہہ کر واپسی کے لیے مڑی تو رمیز بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"تم کافی بناؤ میں نمرہ سے مل لوں۔"

❁......⌘......❁

"ارے بھائی جان آپ آگئے۔"
"ہاں...... تم کیسی ہو...... تیاری کیسی ہے؟"
"میڈیکل خاصا مشکل ہے۔"
"سب پڑھائیاں مشکل ہوتی ہیں میں نے بھی جب پی ایچ ڈی کی تو خاصی مشکل تھی۔"
"ہاں آپ نے تو ڈاکٹریٹ کی ہے اتنی سی عمر میں۔"
"پڑھنا پڑتا ہے مگر میں امی کو مس کرتا تھا اس لیے پڑھ کر آگیا۔ میری زندگی میں بھی باپ نہیں بھائی ہیں تو دور ہیں اور شکر ہے شرمین آپی ایک پیاری سی آپی ہیں۔"
"رمیز بھائی آپ بھی اداس نہ ہونا۔ آپ ہنستے مسکراتے اچھے لگتے ہیں۔"
"اور تم دونوں بہنیں بھی مجھے ہنستی ہوئی اچھی لگتی ہو۔" رمیز مسکرا کر بولا اور قریب رکھی اس کی میڈیکل کی کتاب اٹھا کر

دیکھنے لگا۔
"ثمرہ پتہ ہے مجھے منع کرکے خود غزل سن رہے تھے۔ وہ کاغذ کی کشتی....." ثمرہ کافی لئے کمرے میں داخل ہوئی۔
"ویسے چوائس اچھی ہے تم لوگوں کی۔" رمیز وہاں سے اٹھ کر جانے لگا۔
"کہاں جارہے ہیں؟"
"آرام کرنے جارہا ہوں۔ لنچ کے لیے اٹھا دینا ثمرہ۔" رمیز اپنے کمرے میں جانے کے بجائے گل کے کمرے میں آ گیا۔
"امی آپ کے پاس لیٹ جاؤں۔"
"ہاں ہاں کیوں نہیں؟" رمیز نے امی کی گود میں سر رکھا اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "اب امی آپ کیسی ہیں۔"
"پہلے سے ٹھیک ہوں بیٹا اب علاج تو ختم ہو گیا ہے رپورٹس بھی ٹھیک آئی ہیں..... کیا تم کچھ بات کرنا چاہتے ہو رمیز۔" گل اس کا چہرہ پڑھ کر کہنے لگی تو وہ بغیر تمہید کے کہنے لگا۔
"جی امی بات بھی کرنا چاہتا ہوں۔"
"تو کرو نہ کیا بات ہے؟"
"کمرہ لاک کردوں میں نہیں چاہتا کہ کوئی ہماری باتیں سنے۔" رمیز نے اٹھ کر دروازہ لاک کردیا۔
پھر رمیز نے گل کو لاہور جانے کا مقصد بیان کیا اور یہ بھی کہ وہ نمرہ اور ثمرہ کے ابو سے بھی ملا ہے۔
"وہ لوگ بہت اچھے ہیں امی وہ بہت گریٹ انسان ہیں..... انہوں نے اور چھوٹی ماں نے مجھے بے حد پیار دیا۔"
"ہاں وہ اچھے ہوں گے جبھی تو اتنا بڑا فیصلہ کیا اپنی زندگی کا شمع کو آزاد کرکے اور بچیوں کو دور کرکے..... وہ اپنے گھر والوں سے دور ہو گئے اور کبھی شمع کو تنگ بھی نہیں کیا۔"
"ہاں امی ابو نے بتایا کہ وہ شمع آپی کو چھوڑنے کے بعد اپنے گھر والوں سے کبھی نہیں ملے۔"
"ہاں کبھی کبھی حق اور سچائی کی جیت کے لیے انسان کو قربانی دینا پڑتی ہے۔ اور وہ انہوں نے دی۔"
"امی شرمین آپی کو ہم کیسے سنبھالیں گے اگر انہوں نے نمرہ کو مانگا تو ہم کیا کریں گے؟"
"شرمین سے رمیز تم نہیں میں بات کروں گی۔ میں اسے سمجھاؤں گی وہ سمجھ جائے گی۔" رمیز مطمئن ہو گیا۔

❀ ...... ⌘ ...... ❀

دن یونہی گزرتے رہے۔ رمیز نے جمال اور چھوٹی ماں سے رابطہ رکھا وہ آفس سے روز انہیں فون کرتا۔ IMMO پر بات کرتے تھے وہ سب لوگ...... ڈیڑھ ماہ میں نمرہ اور ثمرہ کے تھیوری پیپرز ہو گئے اور بیس دن کے بعد پریکٹیکل تھے۔ نمرہ اور ثمرہ ہسپتال گئی تھیں اپنے کیسز کی تیاری کے لیے۔ وہ ہفتہ کا دن تھا..... گل شرمین کے کمرے میں آ ئیں۔
"کیسی ہو بیٹی؟"
"ارے مما آپ مجھے بلا لیتیں..... آیئے آپ ادھر میرے پاس بیڈ پر لیٹیں۔"
"لیٹوں گی نہیں بات کرنی ہے تم سے۔"
"کیا بات ہے؟" وہ پریشان ہو کر بولی۔ گل نے ساری رمیز کی باتیں اسے بتادیں۔
ایک جھٹکے کے ساتھ شرمین کو لگا کہ جیسے کوئی چیز ٹوٹ گئی ہو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔
"مما کیا میرے پیار میں کوئی کمی رہ گئی جو رمیز نے یہ کیا؟"
"بیٹی ایسی بات نہیں ہے۔ تمہیں سمجھنا ہوگا۔ یہ خدا کی خدائی میں ایک اچھا عمل ہے جمال صاحب بوڑھے ہو گئے ہیں ان کی کوئی اور اولاد بھی نہیں اگر باپ کا پیار بچیوں کو مل جائے تو کیا حرج ہے؟" گل نے شرمین کو سمجھانے کی کوشش کی۔
"اگر انہوں نے نمرہ کو مانگ لیا تو۔"
"ہوسکتا ہے ایسا نہ ہو وہ تمہارے جذبات کو سمجھ سکیں۔"
"میں نے انہیں اپنی زندگی مان لیا ہے امی۔" شرمین جذباتی ہو کر سوچ رہی تھی۔
"ہاں میں جانتی ہوں شرمین اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم ایک بہادر بیٹی اور ماں ہو۔" وہ سسک پڑی۔
"ہاں میری اپنی کوئی اولاد نہیں ہوسکتی تھی تو ان بچیوں کو اپنی زندگی سمجھ لیا مگر میں شاید یہ بھول گئی کہ ایک لے پالک ماں اور اصل ماں میں فرق ہوتا ہے۔"
"شرمین بیٹی ایسا نہیں ہے میری بچی..... تم نے حد سے زیادہ پیار دیا ہے انہیں۔" شرمین کو ایک دم ہی بے حد غصہ آ گیا وہ سیدھی رمیز کے کمرے میں جا پہنچی۔
"رمیز کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا۔" شرمین غصے سے کانپ رہی تھی۔
"آپی..... آپی بیٹھیے..... ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" اس نے رمیز کا ہاتھ جھٹک دیا۔
"کیا بات کرو گے۔ کیا سمجھاؤ گے کہ تم نے بڑا کارنامہ انجام

دیا ہے۔“
”میں نے تو ایک کوشش کی کہ بچھڑے ہوئے لوگوں کو ملا دوں۔“
”کس سے پوچھا تھا تم نے‘ کہ تم کیا کرنے جارہے ہو...... کیوں کرنے جارہے ہو؟“
”میں مانتا ہوں آپی مجھ سے غلطی ہوئی مگر آپ جمال ابو سے ملیں گی تو دیکھیں گی وہ لوگ بہت اچھے ہیں۔“
”ہوسکتا ہے وہ اچھے ہوں...... مگر میرا کیا؟ کیا رمیز تم نے ایک پل بھی سوچا‘ کہ تمہاری آپی کی زندگی کتنی دکھوں سے بھری ہے اپنا گھر ٹوٹنے کا غم لے کر میں پاکستان آئی تھی‘ شمع آپی کے عوض مجھے ثمرہ اور نمرہ ملیں جن کو میں نے اپنی زندگی کا مقصد بنالیا اور تم...... تم میری زندگی کی کتاب سے یہ چند پنے پھاڑ دینا چاہتے ہو۔“ شرمین بری طرح سسک رہی تھی۔
”آپی مجھے معاف کردیں۔ میں ابو کو منع کردوں گا کہ وہ نمرہ کو ہم سے دور نہ لے جائیں۔“
”وہ قانونی طور پر بھی انہیں لے سکتے ہیں‘ وہ سگے باپ ہیں کچھ بھی کرسکتے ہیں۔“
”آپی پلیز کول ڈاؤن رہیے نمرہ تو ویسے بھی شادی کے بعد آپ سے دور چلی جائے گی پھر آپ کیا کریں گی؟“ گل بھی کچھ دیر بعد کمرے میں آگئی تھیں۔
”رمیز ٹھیک کہہ رہا ہے شرمین...... اگر کچھ دن وہ اپنی چھوٹی ماں اور باپ کے ساتھ رہ لے گی تو کیا ہے؟“ گل نے شرمین کو سمجھایا۔
”اب آپ کے اور کوئی بھائی تو ہے نہیں‘ جو نمرہ کو گھر میں رکھ لیں۔ اسے شادی کرکے یہاں سے جانا ہے ہر لڑکی کی طرح۔ آپ اپنے ذہن کو تیار کریں اس بات کے لیے آپی۔“
”ہاں شرمین‘ ہمیں تو نمرہ کی شادی باہر کرنا ہے وہ گھر سے تو چلی جائے گی۔“ شرمین رمیز کے کمرے سے خاموشی سے باہر نکل آئی‘ اور اس ساری رات وہ روتی رہی...... اس کا تکیہ آنسوؤں سے تر ہوگیا‘ صبح اس کی آنکھیں سوجی سوجی تھیں۔
”امی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے آنکھیں سوج رہی ہیں۔“ نمرہ نے پوچھا۔
”ہاں رات نیند ہی نہ آئی۔“
”مجھے تو آپ روئی روئی سی لگ رہی ہیں۔“ ثمرہ نے پوچھا۔
”نہیں روئی تو نہیں بس نیند نہیں آئی۔ تم دونوں میری چھوڑو اپنی بتاؤ‘ کیسی چل رہی ہے پڑھائی۔“ شرمین فوراً بات کا رخ ان کی طرف موڑ گئی۔
”کل خاصی پریکٹس کی دوسری دوستوں کے ساتھ مل کر۔“
”کتنے دن بعد پریکٹیکل ہیں؟“
”بس امی اگلے ہفتہ سے ہیں اور ہمیں تھیٹر میں آلات دیکھنے جانا ہے۔ رات کو تو تھیٹر ٹیکنیشن نہیں ہوتا۔“
”ہاں تم دونوں چلی جاؤ۔ ڈرائیور کو لے جانا۔“
”نہیں امی میں گاڑی چلالوں گی ثمرہ نہیں چلائے گی۔“
”ہاں ثمرہ کو احتیاط کرنا ہے بیٹی۔“
”آپ فکر ہی نہ کریں۔“ وہ دونوں تیار ہوکر ہسپتال چلی گئیں۔ تب بھی شرمین ذہنی طور پر الجھی رہی تھی۔
❀......⌘......❀
رمیز چور چور سا بنا ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھا تھا۔ اس کی آفس کی چھٹی باقی تھی وہ ذرا ہی دیر بعد شرمین کے کمرے میں پہنچا۔
”آپی میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے معاف کردیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ اتنا اثر لیں گی تو میں یہ قدم کبھی نہیں اٹھاتا۔“
”آؤ بیٹھو۔“
”آپی میں جمال ابو سے کہوں گا کہ وہ انہیں لے جانے کی بات نہیں کریں گے۔“
”نہیں تم کسی سے کچھ نہیں کہو گے‘ میری قسم ہے تم کو۔“
”آپی آپ اپنی قسم نہیں دیں۔ میری وجہ سے آپ دکھی ہوگئیں۔“
”ہاں میں دکھی ہوگئی تھی مگر ممانے درست کہا کہ اگر میری سگی بیٹی بھی ہوتی تو اسے شادی کرکے بھیجنا پڑتا۔“
”آپ کو سمجھ آگیا نہ۔“
”ہاں نمرہ کو اگر وہ مانگیں گے تو ہم دے دیں گے۔ میں سمجھوں گی اس کی شادی ہوگئی۔ میں نے اپنے دل کو سمجھالیا ہے۔“
”آپی ہم برا ہی کیوں سوچیں‘ کیا معلوم نمرہ خود منع کردے۔“
”معلوم نہیں رمیز مگر میں نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر مضبوط کرلیا ہے۔“ رمیز شرمین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولا۔
”آپی میں جانتا ہوں آپ نے بھی اپنی زندگی میں بہت

دکھ جھیلے ہیں۔ آپ کی گرہستی خراب ہوئی اور پھر ثمرہ اور نمرہ آپ کا سہارا بن کے ملیں۔"
"ہاں کئی سال بیت گئے رمیز بھاگ دوڑ میں احساس ہی نہ ہوا کہ میں خود مڈل ایج میں پہنچ گئی۔"
"آپی میں ثمرہ کو لائک کرتا تھا اس لیے وہ تو یہیں رہے گی؛ شادی ہوئی ہے اس سے میری۔ آپ کو خوش ہونا چاہیے ورنہ ثمرہ کی شادی بھی باہر ہوتی تو آپ بالکل اکیلی رہ جاتیں۔"
"ہاں رمیز اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے۔ تم بہت پیارے بھائی ہو تم مجھ سے بہت چھوٹے ہو اس لیے ڈانٹ دیا آئی ایم سوری بیٹا۔"
"نہیں آپی آپ معافی نہیں مانگیں میں آج آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنا پہلا بیٹا آپ کو دوں گا۔ ان شاءاللہ۔"
"نہیں رمیز اللہ تمہیں اور ثمرہ کو سلامت رکھے اور تم دونوں اپنے بچے کی پرورش کرو۔"
"پھر بھی آپی میں اس بات کے لیے تیار ہوں۔"
"ہم اسی گھر میں تو رہ رہے ہیں جو تمہارا بیٹا ہوگا وہ میرا بھی ہوگا۔"
"نہیں آپی آپ کو اسے قانونی طور پر Adopt کرنا ہوگا۔ آپ جہاں چاہیں گی اپنے بیٹے کو لے کر جاسکیں گی اسے آپ سے کوئی نہیں چھینے گا۔"
"رمیز...... بیٹا میں اب ایک ننھے سے بچے کی ذمہ داری کیسے سنبھالوں گی۔"
"ابھی آپ بوڑھی تو نہیں ہیں۔"
"اچھا ٹھیک ہے اب تم مجھے سوچنے کا موقع نہیں دو گے۔"
"ابھی تو بے بی کو دنیا میں آنے کے لیے دو ڈھائی ماہ باقی ہیں۔"
"تم فکر نہیں کرو بچیوں کے امتحانات کے بعد ان کے ابو کو بلاؤ۔"
"جی انہوں نے خود یہی کہا ہے۔ سچ آپی وہ دونوں بے حد اچھے ہیں۔"
"اچھا رمیز میں اب سوؤں گی۔ رات بالکل نہیں سوئی۔"
"ہاں آپ آرام کریں میں امی کے پاس جارہا ہوں۔" رمیز گل کے کمرے کی طرف چلا آیا۔
"امی آپ اخبار پڑھ رہی ہیں۔"
"ہاں تمہیں تو معلوم ہے مجھے چین نہیں پڑتا اخبار کے بغیر۔

آؤ بیٹھو۔" وہ وہیں ان کے پاس بیڈ پر لیٹ گیا۔
"امی آپ تو مجھ سے ناراض نہیں۔"
"میں کیوں ناراض ہوں گی۔"
"آپی کو میں نے منالیا ہے ان سے معافی مانگی بس غلطی کی تھی امی آپی بہت ہرٹ ہوئی ہیں۔"
"تم نے سچائی کی بات کی ہے بیٹے شرمین کو سمجھنا پڑے گا۔"
"وہ سمجھ گئیں اب وہ نہیں روئیں گی۔"
"بیٹا یہی دنیا کی ریت ہے ہر لڑکی نے دوسرے گھر جانا ہوتا ہے۔"
"اب آپی سمجھ گئی ہیں اور امی میں نے ایک فیصلہ اور کیا ہے۔ میں آپ کو بتا رہا ہوں اس لیے کہ آپ میری ماں ہیں۔"
"کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"
"یہی کہ میں اپنا فرسٹ بے بی آپی کو دے دوں گا ان شاءاللہ۔"
"مگر کیوں بیٹا وہ تو اسی گھر میں رہ رہی ہے۔"
"اپنی زندگی آپی نے ثمرہ اور نمرہ کے لیے وقف کردی تھی۔ وہ ان کی کل کائنات تھیں اور میں انہیں ان کے بڑھاپے کا سہارا دینا چاہتا ہوں۔"
"یہ تم نے اچھا سوچا ہے مگر ثمرہ...... کیا وہ اپنا بچہ دے سکے گی۔"
"امی ہمارے بچے کی پرورش آپی سے اچھی کون کرے گا۔ ان دونوں کو بھی آپ نے اور آپی نے مل کر پالا ہے۔"
"رمیز تمہاری سوچیں اچھی ہیں۔ خدا تمہیں سلامت رکھے آمین۔"

❁ ...... ⌘ ...... ❁
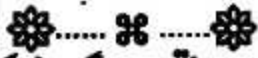
شرمین اپنے آفس میں تھی۔ زندگی یونہی گزر رہی تھی۔ وہ جب آفس میں تھی تو اس کے باس نے اسے پرپوز کیا تھا۔ وہ جواب کے منتظر تھے۔ شرمین تین سال سے انہیں ٹالتی آرہی تھی۔ وہ تقریباً اسی کے ہم عمر تھے۔
نجم نام تھا ان کا۔ نجم کی بیگم کی ڈیتھ ہوچکی تھی۔ ovariow کینسر ہوگیا تھا ان کو دو چھوٹے بچے تھے۔ بڑا پانچ سال کا اور بچی صرف دو سال کی تھی۔ اپنی بیگم کی موت کے بعد نجم سہراب بالکل اکیلے تھے۔ انہوں نے اپنی بیوی کی برسی کے بعد اسے پرپوز کیا تھا۔ مگر شرمین نے ٹال دیا تھا۔ وہ نجم سہراب کو اپنے بارے میں سب کچھ بتانا چاہتی تھی۔ نجم سہراب نے محبت

کی شادی کی تھی شہلا سے مگر زندگی نے وفا نہ کی۔ وہ چلی گئی اور نجم سہراب تنہا رہ گئے ان کی ماں ساجدہ بیگم شادی کے لیے پیچھے پڑی تھیں اور تب انہیں شرمین اچھی لگی تو انہوں نے اسے پرپوز کیا۔ وہ شرمین کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے اپنے گھر کے حالات دیکھ کر آج شرمین اپنی زندگی کا ایک اہم فیصلہ کرنے جارہی تھی۔ وہ نجم سہراب کو سب کچھ بتادینا چاہتی تھی۔

"سر آپ جب فارغ ہوں تو میں آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے میسج کیا۔

"ہم ساتھ لنچ کرتے ہیں۔"

"جی ٹھیک ہے میں ڈیڑھ بجے آپ کے کمرے میں آؤں گی۔" شرمین نجم سہراب کے کمرے میں پہنچی۔

"پہلے ہم کھانا کھائیں گے پھر بات کرتے ہیں۔"

"جی ٹھیک ہے سر۔"

"میں نے چائنیز آرڈر کیا تھا وہ آگیا ہے۔" اور ان دونوں نے خاموشی سے کھانا کھایا اور تب نجم نے پوچھا۔

"گرین ٹی چلے گی۔"

"جی بالکل۔"

"تمہارا کام تو کچھ پینڈنگ نہیں ہے، ہم بات کرسکتے ہیں۔"

"میں نے سارا کام ختم کرلیا ہے۔ سر آپ سے میں صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ مجھ سے ابھی بھی شادی کے خواہ ہیں۔"

"ہاں، تم نے مجھے منع کردیا تو میں خاموش ہوگیا امی مجھے ہر دوسرے تیسرے دن لڑکیوں کی تصاویر دکھاتی ہیں۔"

"پر آپ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"تم مجھے سب بتاؤ اگر ہم ایک دوسرے کے جیون ساتھی بن رہے ہیں تو معلوم ہونا چاہیے۔"

"سر سالوں پہلے میں نے اپنے شوہر سے خلع لے لیا تھا۔ شاید اس لیے کہ میں ماں نہیں بن سکتی تھی، کبھی بھی نہیں اور امریکہ میں اس شخص کو آزاد کرکے پاکستان آگئی تھی۔ اسی وجہ سے میں نے اپنی امی کی دوست کی بچیاں ثمرہ اور نمرہ کی پرورش کی وہ بچیاں اب جوان ہیں ڈاکٹر بن رہی ہیں۔ میں ان کی گارجین ہوں، میری مما کی دوست کی بیٹی کینسر سے برسوں پہلے انتقال کرگئی تھیں۔ ثمرہ کی شادی میرے بھائی سے ہوئی ہے وہ تو میرے پاس ہی ہے مگر نمرہ کی شادی کہیں اور ہوگی۔"

"تم تو بہت اچھی ہو شرمین مجھے اچھا لگا کہ تمہیں ایک نیک کام کرنے کو ملا تم ایک اچھی ماں بنوگی۔"

"سر میں آپ کو صرف ساتھ دے سکتی ہوں اولاد نہیں اور یہ بات آپ اپنی والدہ کو ضرور بتائیں گے۔ ہماری زندگی میں جھوٹ نہ ہو تو زندگی اچھی گزرتی ہے۔"

"تم شادی کے لیے راضی ہو گیا؟"

"جی میں راضی ہوں اگر آپ میری ماں نہ بننے کی کمی کے ساتھ مجھے اپنا سکتے ہیں تو میں راضی ہوں، مگر ہماری شادی سادگی سے ہوگی، میری مما حیات ہیں ماشاءاللہ سے بھائی ہیں، آپ مجھے پرپوز کریں گے اپنی والدہ کے ساتھ آکر۔"

"میں امی سے بات کروں گا میری سنبل اور ساحر کو تم جیسی ماں ملیں گی اور کیا چاہیے۔ ہمارے دو بچے اور میں خوش ہوں شرمین کہ تم میری جیون ساتھی بنوگی میرے بچے تمہارے بچے ہوں گے۔"

"پھر آپ ہمارے ساتھ اتوار کی رات ڈنر کریں۔"

"ٹھیک ہے میں تمہیں امی سے بات کرکے ok کردوں گا۔"

❀......⌘......❀
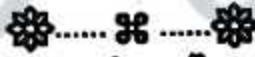
اتوار آنے میں دو دن باقی تھے۔ ثمرہ اور نمرہ کے پریکٹیکل بھی ختم ہوچکے تھے۔ شرمین نے رمیز کو گل کے کمرے میں بلوایا۔

"مجھے آپ لوگوں سے بات کرنی ہے۔" وہ سب گل کے کمرے میں بیٹھ گئے۔

"بات دراصل یہ ہے امی کہ میرے باس کا میرے لیے پرپوزل آیا ہے۔"

"واٹ پرپوزل......" رمیز کو جھٹکا سا لگا۔ وہ بیڈ پر لیٹے لیٹے اٹھ بیٹھا۔

"کیوں، کیا میں اتنی بدصورت ہوں کہ مجھے کوئی پسند نہیں کرسکتا۔"

"مگر آپی اچانک۔"

"ہاں رمیز بہت سے فیصلے اچانک ہی لینا پڑتے ہیں اور پھر میری اپنی بھی زندگی ہے انہوں نے مجھے دو سال پہلے پرپوز کیا تھا نجم سہراب نام ہے میرے باس ہیں۔"

"آپ پسند کرتی ہیں ان کو؟"

"میں ان کی عزت کرتی ہوں کیونکہ انہوں نے مجھ سے کبھی کوئی بدتمیزی نہیں کی۔"

"بیٹی تم نے ان سے بات کی ہے کہ تم کبھی ماں نہیں بن سکتی۔"
"جی امی دراصل ان کی بیوی کا انتقال ہو چکا ہے کینسر سے ایک پانچ سال کا بیٹا اور ایک دو سال کی بیٹی تھی اب ساحر سات سال کا اور سنبل چار سال کی ہے۔"
"آپ بچوں والے آدمی سے شادی کریں گی۔"
"تو کیا ہوا رمیز اگر نجم اچھے انسان ہیں اور میرے مسئلے کے بارے میں جانتے ہیں پھر بھی مجھے قبول کرنے کو تیار ہیں تو کیا حرج ہے؟"
"کوئی حرج نہیں ہے بیٹی انہیں آنے دو۔"
"میں نے اتوار کو انہیں ڈنر پر بلایا ہے۔ وہ اپنی والدہ کے ساتھ آئیں گے۔"
"مگر آپی یوں اچانک......" رمیز حیرانی سے بولا۔
"رمیز بہت سارے فیصلے اچانک کرنا پڑتے ہیں۔ اور میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ قدم اٹھایا ہے۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ ہماری ترجیحات بڑھتی ہیں۔ اور اس سے پہلے کہ ہمیں دھکا مار کر کوئی آگے بڑھ جائے۔ ہمیں راستہ بدل لینا چاہیے اور میں نے کسی دکھ کے آنے سے پہلے راستہ بدل لیا۔"
"اور آپ نے ایک لمحہ بھی ثمرہ اور نمرہ کے بارے میں نہیں سوچا۔"
"وہ میری بیٹیاں تھیں ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ یہ بات میں نے نجم سہراب سے کہہ دی ہے۔"
"آپی ہم کیا کریں گے۔"
"اب تم ہی تو کہتے ہو کہ لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے۔ اب زندگی کے اس موڑ پر اگر میرا ہاتھ کوئی تھام رہا ہے تو میں چلی جاؤں۔ اچھا ہے...... مجھے بھی ایک چاہنے والا شوہر ملے گا دو خوب صورت بچے ملیں گے انہیں پالوں گی۔"
"آپی آپ نے مجھے معاف نہیں کیا۔"
"نہیں رمیز ایسی بات نہیں ہے ہمارا دل ایک کانچ کے ٹکڑے کی طرح ہوتا ہے اگر ٹوٹ کر بکھرے تو کرچیاں دور تک جاتی ہیں۔ میں کسی کو اجازت نہیں دے سکتی کہ میری زندگی کے ساتھ کھلواڑ کرے۔"
"بیٹی اگر کوئی تمہارا ہاتھ تھام رہا ہے تو یہ اچھی بات ہے میں چین سے مرسکوں گی تمہاری اپنی گرہستی ہوگی۔"
"جی امی ہمارا اپنا بھی کوئی ارمان ہوتا ہے جو فرض آپ نے مجھے سونپا تھا وہ میں نے بخوشی ادا کیا۔ اب میں تھک گئی ہوں۔"
رمیز کچھ نہ بولا اور شرمین چلی گئی۔ اپنے کمرے میں جا کر اس نے ثمرہ اور نمرہ کو اپنے پاس بلایا۔
"امی آپ کا میسج ملا ہم اندر آجائیں۔"
"بالکل آؤ آج میں نے اپنی بیٹیوں سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ دروازہ لاک کردو۔" وہ دونوں شرمین کے دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔ شرمین نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔ "اب جو میں کہوں گی وہ تم تحمل سے سنو گی۔"
"جی امی بولیے۔"
"اب تم دونوں بڑی ہوگئیں ثمرہ کی شادی ہوگئی اور یہ مما بھی بننے والی ہے اور نمرہ تم...... تم تو پرائے گھر جاؤ گی تمہیں شادی کرکے میرے پاس سے جانا ہوگا بیٹیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ میں تمہیں ذہنی طور پر تیار کررہی ہوں۔ میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ میں نے بھی اپنی زندگی کا ایک اہم فیصلہ کیا ہے میں نے شمع باجی سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا۔ میں اس بات سے شرمندہ نہیں۔"
"جی امی کیسا فیصلہ کیا ہے آپ نے۔"
"میری زندگی میں ایک شخص آگیا ہے جو میرا جیون ساتھی بننا چاہتا ہے اور میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں ہاں کردوں۔"
"یہ تو بڑی اچھی بات ہے امی...... وہ گریٹ انسان کون ہے؟" نمرہ نے پوچھا۔
"وہ میرے باس ہیں نجم سہراب...... انہوں نے مجھے دو سال پہلے پرپوز کیا تھا مگر تم لوگوں کی ذمہ داریوں کی وجہ سے میں نے ہاں نہیں کی تھی۔ ان کی بیوی کی ڈیتھ ہوگئی اور دو چھوٹے چھوٹے بیٹا بیٹی ہیں مگر میں خوش ہوں کیونکہ میں تو ماں نہیں بن سکتی۔"
"اب دوبارہ یہ نہ کہیے گا ہم ہیں نا آپ کی بیٹیاں...... اور اب ہمارے دو چھوٹے بھائی بہن ہوجائیں گے۔"
"تم لوگوں کو اعتراض تو نہیں؟"
"نہیں امی آپ کو اپنی زندگی کی ہر خوشی ملنی چاہیے ہم خوش ہیں آپ کے اس فیصلے سے۔"
"اتوار کو نجم آئیں گے اپنی امی کے ساتھ۔"
"ہرے ہم انکل کا شاندار استقبال کریں گے زبردست سا ڈنر کرائیں گے انہیں۔ اور امی ہم خوش ہیں آپ کا فیصلہ اچھا ہے۔ بس ہماری امی ہم سے دور ہوجائیں گی۔"

"نہیں میں نے نجم سے کہہ دیا ہے کہ میری بچیاں جب چاہیں گی مجھ سے ملنے آئیں گی انہیں جب میری ضرورت ہوگی میں بھی جاؤں گی۔" شرمین نے بات ختم کی تو ثمرہ اپنے کمرے میں پہنچی اور نمرہ سے بولی۔

"نمرہ ہم نے درست مشورہ دیا ہے امی کو۔"

"ہاں باجی انہوں نے ہمارے لیے پوری جوانی تیاگ دی وہ ابھی بھی کتنی خوب صورت اور بردبار ہیں۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم ان کی خوشیوں کو رد کریں۔ ہم اتنے خودغرض نہیں بن سکتے۔" ثمرہ نے کہا تو نمرہ بولی۔

"باجی انہیں دو پیارے پیارے بچے مل جائیں گے وہ ان بچوں کی بھی ماں کہلائیں گی۔"

"تم اداس تو نہیں۔" ثمرہ نے پوچھا۔

"میری بھی تو شادی ہو جائے گی میں تو چلی ہی جاؤں گی۔"

وہ دونوں بڑی دیر تک باتیں کرتی رہیں اور پھر نمرہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ رمیز کے آنے کا وقت ہو رہا تھا۔

❀......⁂......❀

رات نو بجے رمیز آئے خاصے تھکے ہوئے تھے۔

"آپ خاصے تھکے ہوئے لگ رہے ہیں۔"

"ہاں جان خاصا تھک گیا ہوں۔ چھٹیاں کرلو تو کام جمع ہو جاتا ہے۔"

"اچھا آپ شاور لے کر فریش ہوں میں کافی لاتی ہوں۔" ثمرہ کچن میں چلی آئی رمیز جب نہا کر نکلا تو فریش تھا۔

"آپ کافی خوش نظر آرہے ہیں؟"

"اس لیے کہ میں تمہیں آج ایسی خوشی کی خبر سنانے والا ہوں کہ تم اچھل پڑوگی۔ نمرہ کو بھی بلاؤ۔"

"آپ کافی پی لیں میں اسے رنگ دیتی ہوں آجائے گی۔"

کافی پینے کے بعد اس نے ثمرہ اور نمرہ سے پوچھا۔

"تم دونوں کو اپنی امی یاد آتی ہیں؟"

"ہاں مگر شرمین امی کی وجہ سے ہمیں کمی محسوس نہیں ہوتی۔"

"اور تمہارے ابو جمال۔"

"انہیں تو ہم نے دیکھا ہی نہیں کیا معلوم وہ کہاں ہیں؟ زندہ بھی ہیں یا......؟"

"وہ زندہ ہیں اور میں ان سے ملا ہوں۔ تمہارے ابو ایک نفیس انسان ہیں تم لوگوں کے علاوہ ان کی کوئی اور اولاد نہیں تمہاری ایک چھوٹی امی بھی ہیں۔"

"مگر رمیز بھائی ہمارے ابو کو آپ نے کیسے ڈھونڈا؟"

"پچھلے دنوں میں لاہور اسی سلسلے میں گیا تھا۔ وہ ایک بہت بڑے بزنس مین ہیں۔ مجھ سے بہت اچھی طرح ملے۔"

"رمیز آپ لاہور میرے ابو سے ملنے گئے تھے مجھ سے جھوٹ بولا۔" ثمرہ ناراض ہوئی۔

"بھئی تمہیں کیسے بتاتا کیا پتہ وہ کیسے ہوتے۔ تم لوگوں سے ملنا بھی چاہتے یا نہیں۔"

"مگر آپ رمیز بھائی اتنے دنوں سے سچ چھپائے ہوئے تھے۔"

"ہاں تمہارے ابو نے کہا تھا کہ بچیوں کے امتحان ہو جائیں پھر بتانا کہیں تم لوگ امتحانات میں ڈسٹرب نہ ہو جاؤ۔"

"ہمارے پاس بھی ایک خوش خبری ہے۔" نمرہ نے رمیز سے کہا۔

"وہ کیا؟"

"ہماری امی کو ایک اچھے جیون ساتھی مل رہے ہیں۔ انہوں نے امی کو پرپوز کیا ہے اور امی نے ہم سے منظوری مانگی تو ہم دونوں نے انہیں منظوری دے دی۔"

"تم لوگوں کو کوئی اعتراض تو نہیں کہ تمہاری امی اس گھر سے چلی جائیں گی۔"

"نہیں ہم خودغرض نہیں ان کی اپنی لائف بھی ہونا چاہیے۔ اپنا گھر ہونا چاہیے نجم صاحب کے دو پیارے پیارے بچے ہیں ہمیں بھائی اور بہن ملیں گے۔" ثمرہ نے رمیز کو بتایا۔

"یہ سب میری وجہ سے ہوا...... آپی ضد میں آکر اس گھر سے جارہی ہیں۔"

"ضد میں آکر۔"

"ہاں آپی کے دل میں یہ خوف آگیا کہ جمال ابو تم لوگوں کو ان سے چھین لیں گے۔"

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔" نمرہ نے کہا۔

"بس ان کے دل میں خوف سا بیٹھ گیا مگر ہمیں آپی کو سمجھانا چاہیے۔"

"ہمیں ہماری مرضی کے بغیر کوئی نہیں لے جاسکتا۔" نمرہ نے کہا اور ثمرہ بھی بولی۔

"وہ باپ جو ہمیں بچپن میں چھوڑ کر چلے گئے تھے وہ اب ہم پر اپنا اتنا زیادہ حق کیسے جتا سکتے ہیں۔ انہوں نے ہمارے لیے کیا

ہی کیا ہے۔"
"انہوں نے تمہارے لیے اپنی زندگی کی سب سے بڑی قربانی دی ہے ثمرہ...... اگر وہ اس وقت شمع آپی کی زندگی سے الگ نہیں ہوتے تو تم دونوں کے وجود کا بھی پتہ نہیں ہوتا...... شمع باجی ان کے گھر والوں کے ظلم سہتی رہتیں اور تم دونوں کا وجود ہوتا ہی نہیں۔"
"ہمارے دادا دادی اتنے ظالم تھے وہ ظالم تھے جو ہمارے ماں باپ کو جدا ہونا پڑا۔" ثمرہ سسکی۔
"تم دونوں نے اپنی مما کی ڈائری پڑھی ہے اس میں ان کی زندگی کی ہر سچائی ہے پیسہ دنیا میں ایک ایسی چیز ہے کہ انسان انسان نہیں رہتا' وہ دولت کے حصول کے لیے حیوان بن جاتا ہے۔"
"نفرت ہے مجھے ایسے لوگوں سے۔" ثمرہ نے کہا۔
"ہاں تم نفرت کرسکتی ہو پر اب تمہارے دادا دادی کوئی بھی دنیا میں نہیں' تمہارے ایک ماموں تھے وہ بھی ظلم سہہ سہہ کر فوت ہوگئے۔"
"مگر میں خوش ہوں کہ امی نے اپنی زندگی کا ایک بڑا اہم فیصلہ کیا۔" ثمرہ نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔
"اور میں بھی بہت خوش ہوں۔" نمرہ خوشی سے بولی۔
"اور میں شرمندہ ہوں اپنے اس عمل سے کہ دور رشتوں کے ملاپ کے لیے ہمارے ہاتھ سے دوسرا رشتہ چھوٹ رہا ہے۔" رمیز افسوس سے بولے۔
"نہیں رمیز آپ اپنے آپ کو قصوروار نہ سمجھیں ہماری امی گریٹ ہیں انہوں نے جس پیار سے ہمیں پالا' ہماری زندگی سنواری انہیں بھی حق ہے اب اپنی زندگی کے فیصلے کرنے کا...... اور ہمیں کوئی حق نہیں ہے رمیز کہ ہم اس میں حائل ہوں۔" ثمرہ نے رمیز کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
"ہاں رمیز بھائی آپ اداس نہ ہوں آپ اپنے اندر شرمندگی پیدا نہ کریں۔ آپ حق پر ہیں۔" نمرہ نے بھی رمیز کو سمجھایا۔
"میں نے جمال ابو اور چھوٹی امی کو اگلے ہفتے بلایا ہے۔"
"ٹھیک ہے۔ ہم ضرور ملیں گے ان سے۔"

❀ ...... ⌘ ...... ❀

نجم سہراب اپنی والدہ مسز سہراب کے ساتھ آئے...... مسز سہراب نے کھانے وغیرہ سے فارغ ہوکر گل سے کہا۔
"آپ لوگوں نے بڑی اچھی دعوت کی۔ میں آپ کی بیٹی شرمین کا ہاتھ اپنے بیٹے نجم سہراب کے لیے مانگنا چاہتی ہوں۔"
"ہاں شرمین نے ذکر کیا تھا' مگر بہن شرمین کا اصرار ہے کہ سب کچھ سادگی سے ہو اور نکاح کے بعد صرف کچھ جاننے والوں کے لیے دعوت ہوگی۔"
"ہمیں منظور ہے تو پھر آنے والے جمعے کو ہم نکاح کردیتے ہیں۔"
"جیسا آپ چاہیں' اب شرمین اور نجم سمجھدار ہیں' وہ جو فیصلہ کریں ہمیں منظور ہے۔ ہم رخصتی بھی کردیں گے۔" گل نے جواب دیا۔
"تو پھر ٹھیک ہے ہم اسی جمعہ نکاح کرلیں گے ان شاءاللہ۔"
"اسی جمعہ" رمیز ایک دم بولا تو گل نے کہا۔
"ہاں رمیز بیٹا نیک کام میں دیر کیوں؟" وہ خاموش ہوگیا۔
"نکاح گھر میں ہوگا؟ ہم یہیں آئیں۔"
"جی گھر میں ہوگا اور ہم رخصتی بھی اسی وقت دے دیں گے۔ پھر Reception ہوتا رہے گا۔"
"ہمیں منظور ہے۔"

❀ ...... ⌘ ...... ❀

سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ رمیز سمجھ ہی نہ سکا۔
"امی اب ایسی بھی کیا جلدی تھی کہ چٹ منگنی اور پٹ بیاہ۔"
"چٹ منگنی پٹ بیاہ نہیں چٹ نکاح اور جھٹ پٹ رخصتی۔" گل نے کہا۔ "یہ سب میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ شرمین چاہتی تھی کہ میں ایسا ہی کروں۔"
"آپی کی مرضی تھی۔" رمیز کو حیرت ہوئی۔
"ہاں اور میں مجبور تھی۔" رمیز اسی رات شرمین کے کمرے میں آیا۔
"آپی آپ اتنی جلدی کیوں جانا چاہتی ہیں۔"
"مجھے ویسے بھی تین سال پہلے یہ رشتہ منظور کرلینا چاہیے تھا۔" وہ بے اعتنائی سے بولیں۔
"آپی آپ نے مجھے معاف نہیں کیا؟"
"معاف...... کس بات کے لیے رمیز۔"
"یہی کہ میں نے جمال صاحب کو ثمرہ اور نمرہ سے ملوانے کے لیے اقدام اٹھایا۔"
"تم ایک نیک کام کرنے جارہے ہو اور پھر رمیز تم یہ کیوں بھول گئے کہ میں بھی ایک عورت ہوں' میرا بھی اپنا ایک گھر ہونا چاہیے۔ نجم بہت اچھے انسان ہیں۔ میں انہیں چار سال سے

پرکھ رہی ہوں۔ مجھے پرپوز کرنے کے باوجود کبھی کوئی نازیبا حرکت نہیں کی۔" رمیز آپی کی گود میں سر رکھ کر رو دیا۔
"آپی میں بھی تو آپ کے بیٹے کی طرح ہوں۔ آپ سے دس سال چھوٹا..... آپ نے مجھے گود میں کھلایا ہے۔"
"رمیز میرے بھائی تم میرے بیٹے کی طرح ہو۔ میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں امی کا خیال رکھنا..... اور دمت..... میں بھی ایک لڑکی کی طرح چلی جاؤں گی اپنے گھر..... ان شاءاللہ۔"
"مگر آپ کے بغیر یہ گھر کیسے چلے گا..... ہمیں آپ کی عادت ہوگئی ہے۔"
"ثمرہ ہے نہ..... وہ میری بیٹی ہے سب سنبھال لے گی۔ میں نے اسے سب سکھایا ہے۔"
"آپی آپ میرے بچے کی پیدائش سے پہلے جارہی ہیں۔"
"جب وہ وقت آئے گا تو مجھے اور نجم کو ساتھ کھڑا پاؤ گے۔"
شرمین نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر کہا۔
"میرے اس پگلے بھائی کو رونا بھی آتا ہے۔ مگر رمیز میں نے تمہیں معاف کردیا..... دیکھو مجھے تمہارے نمرہ اور ثمرہ کے ساتھ ڈھیر ساری شاپنگ کرنی ہے۔"
"شاپنگ.....؟"
"ہاں تو کیا میں شادی کا جوڑا بھی نہ لوں..... نجم نے کہا ہے کہ میں جوڑا پسند کرلوں..... وہ جہیز لینے کے لیے بالکل تیار نہیں ہیں مگر میں نے اصرار کرکے اپنی پسند کا بیڈروم فرنیچر آرڈر کردیا ہے تم خوشی خوشی اپنی آپی کو رخصت کرنا اور دعا کرنا کہ میں اس گھر جا کے خوش رہوں۔"
"ان شاءاللہ آپی۔"
"مجھے اپنا وہی نٹ کھٹ پیارا سا بھائی چاہیے رونے والا نہیں اور ہاں جمال صاحب کو بلا لینا۔ وہ بھی میرے نکاح میں شرکت کریں گے۔"
"ٹھیک ہے میں جمال ابو کو کہہ دوں گا۔"
"نہیں آج ہی فون کرو میں ان سے شادی سے پہلے ملنا چاہتی ہوں۔"
"وہ بدھ کو ہمارے ساتھ ان شاءاللہ لنچ کریں گے آپی۔"
"ٹھیک ہے مجھے بہت کام ہے رمیز ثمرہ اور نمرہ کو کل صبح بینک لے کر جانا ہے اور گارمنٹ شاپ سے الگ ہونا ہے۔ اب وہ بالغ ہیں سب کچھ سنبھال سکتی ہیں۔ تم جاؤ انہیں میرے پاس لے کر آؤ۔"

"رات کا ایک بجا ہے۔"
"کوئی بات نہیں ان بچیوں نے پڑھائی کے لیے کئی راتیں جاگ کر گزاری ہیں ایک رات اپنی امی کے ساتھ بھی گزار لیں گی۔"
"مما آپ نے ہمیں بلایا۔" ثمرہ اور نمرہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔
"میں نے تم دونوں سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"
"جی مما۔"
"دراصل تم لوگ جانتے ہو کہ اب میں اس گھر سے جارہی ہوں تو میں چاہتی ہوں کہ جو کام شمع باجی نے مجھے سونپا تھا وہ ہوجائے تم لوگ پڑھ لکھ گئیں ماشاءاللہ..... اب ڈاکٹر بھی بن جاؤ گی۔ بچیوں میں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اب میں گارمنٹ شاپ سے آزادی چاہتی ہوں۔"
"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں مما؟" وہ دونوں حیران ہوئیں۔
"میں سچ کہہ رہی ہوں اپنی مما کو آزادی سے اس گھر سے جانے دو۔" شرمین نے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔
"میں تم دونوں سے بے حد پیار کرتی ہوں مگر بیٹیوں اب مجھے جانا ہوگا وہ کاغذ کی کشتی تھی جس پر میں سوار ہوئی تھی وہ تم دونوں کا بچپن اور میری جوانی وقت نے احساس ہونے نہیں دیا کہ وہ کب دبے پاؤں آکر نکل گیا۔ تم دونوں جوان ہوگئیں اور میں بھی عمر کے اس حصے میں پہنچ گئی جہاں جوانی ختم ہوتی ہے اور بڑھاپا دستک دیتا ہے اور آج میں نے زندگی کا اہم فیصلہ کیا ہے۔"
"ہمیں کب چلنا ہے آپ کے ساتھ۔"
"ہم کل صبح نو بجے بینک چلیں گے۔"
"مما آپ ہمیں بھول تو نہیں جائیں گی۔" نمرہ آبدیدہ ہوئی۔
"نہیں..... تم میری بیٹیاں ہو اور ہاں اپنے جمال ابو کو دکھ نہ دینا تم لوگوں کی زندگیاں بنانے کے لیے ان کا بہت بڑا تیاگ ہے۔ اور اپنی چھوٹی ماں کو بھی ماں ہی سمجھنا۔ ان کی کوئی اولاد نہیں ہے اور تم دونوں ان کی اولادیں ہو اس سچائی کو میں تم یا کوئی اور بھی نہیں جھٹلا سکتا۔"
"مما مگر آپ ہماری امی ہیں۔ وہ کیسے ہوسکتی ہیں۔"
"بیٹا حالات سے سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے سگے والد کے رشتے کو تم دونوں نے ہی قبول کرنا ہوگا۔ میری تربیت کو کوئی گالی نہ دلوانا..... میں کبھی نہ سنوں کہ تم نے اپنے ماں بابا سے بھی

بدتمیزی کی ہے۔"
"مما..... ایسا کبھی نہیں ہوگا..... آپ بالکل پریشان نہ ہوں..... بٹ مما وی لو یو۔"
"میں جانتی ہوں اور ہاں تم دونوں کو میرے بغیر بھی رہنے کی عادت ڈالنا ہوگی۔ اب یہ کاغذ کی کشتی بارش کے پانی کے بہاؤ سے دور جارہی ہے اور تم دونوں نے اپنی مما کو جانے دینا ہے۔" شرمین بھی سسک پڑی اور انہیں گلے لگالیا۔
"مما وعدہ کریں آپ بھی اب کبھی نہیں روئیں گی۔ اس ایڈوانس ٹیکنالوجی کی بدولت ہم واٹس اپ اسکائپ ای موسب پر بات کرسکتے ہیں۔"
"بالکل کریں گے باتیں اور میں تم لوگوں سے ملنے بھی آؤں گی۔ مگر مجھے نجم کے بچوں کو وقت دینا ہوگا اور وہ اب میرے بھی بچے ہوں گے۔"
"اچھا اب تم لوگ سوجاؤ اور آج کے بعد سے ہم سب کا رونا دھونا بند ہر کام خوشی خوشی ہوگا۔" ثمرہ نمرہ دونوں انہیں اپنے کمرے میں لے آئی اور پھر دونوں بہت روئیں۔
"اب تم دونوں روکر مجھے کمزور نہ کرو۔"
"رمیز بھائی ہم مما کے بغیر کیسے رہیں گے۔"
"رہنا تو پڑے گا..... چلو اب تم جاکر سوجاؤ صبح بہت کام ہیں۔ نو رونا۔" نمرہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور ثمرہ بھی چپ چاپ لیٹ گئی۔

❀ ..... ⌘ ..... ❀

گل نے قانونی طور پر بھی بچیوں کی جائیداد کی وابستگی سے اپنا نام الگ کروادیا سب پیسے دونوں بہنوں میں برابر برابر اکاؤنٹ میں آگئے۔ اور سب روپے پیسے کا حساب کتاب انہیں سونپ دیا۔
"تم دونوں کی چیک بکس آجائیں گی پر یہ وہ چیک ہیں جو پیسہ میں نے تم دونوں کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کردیا ہے اور اب یہ تمام ذمہ داری تم دونوں کی ہے کہ اپنے روپے پیسے کو سنبھال کر رکھو..... یہ سارا پیسہ تمہارے نانا کی محنت کی کمائی کا پیسہ ہے جو تمہارے رشتہ داروں سے بچا کر شمع باجی اور تمہارے جمال ابو نے رکھا تھا۔"
"ہمارے ابو نے..... "ثمرہ بولی۔
"ہاں تمہارے ابو نے کبھی بھی شمع سے پیسے چھیننے کی کوشش نہیں کی وہ خود اپنے گھر والوں کے لالچ سے تنگ آکر کنارہ کش ہوگئے تھے۔ انہیں تمہارے نانا ابو کی یہ احسان مندی تھی کہ انہوں نے انہیں اعلیٰ تعلیم دلوائی اور اسی وجہ سے آج تمہارے جمال ابو ایک مشہور اور کامیاب بزنس مین ہیں۔" شرمین نے انہیں سمجھایا۔
"کیا ہمارے سگے دادا کچھ نہیں کرتے تھے؟"
"وہ تمہارے نانا ابو کے سگے چھوٹے بھائی تھے مگر نکمے اور کام چور اور تمہاری خالہ کی شادی ان سے ہوئی تھی وہ بھی پھر ویسی ہی لالچی ہوگئیں۔"
"ان لوگوں سے میں نفرت کرتی ہوں۔" نمرہ حقارت سے بولی۔
"اب وہ لوگ حیات نہیں ہیں۔" شرمین نے جواب دیا اور تھوڑی دیر بعد بولی۔
"اب ہم چلیں..... تم لوگوں کو گھر چھوڑ کر مجھے دوسرے کاموں سے جانا ہے۔"
"ہاں ٹھیک ہے مما..... آپ ہمیں گھر چھوڑ دیں۔ ویسے بھی ثمرہ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔"
"کیوں گڑیا کیا ہوا؟"
"وہ مما میں نے کچھ کھایا نہیں صبح سے اب عجیب سی کیفیت ہورہی ہے۔"
"تو گڑیا کھانا چاہیے۔"
"نمرہ بوا کو بولو ثمرہ کے لیے ناشتہ تیار رکھے۔"
"میں نے نانی ماں کو میسج کردیا ہے مما۔" وہ لوگ ذرا ہی دیر میں اپارٹمنٹ پہنچ گئے۔
"نمرہ تم ثمرہ کو لے کر چلو میں کار پارک کرکے آتی ہوں۔"
"جی مما اسے تو پسینے آرہے ہیں۔" وہ لفٹ سے اوپر آئیں اور نمرہ نے نانی ماں کے کمرے میں ثمرہ کو لٹادیا۔
"نانی ماں میں جلدی سے بی پی چیک کرتی ہوں۔" اتنے بھی ناشتہ بھی آگیا۔
"لو پہلے یہ شربت پیو جان میں جان آئے پھر ناشتا کرو۔ باجی تمہارا بی پی لو ہے کچھ کھاؤ گی تو ٹھیک ہوجائے گا۔" شرمین بھی کمرے میں آچکی تھی۔
"تم کھاپی لو میں اسی لیے آگئی اگر طبیعت نہیں سنبھلتی تو ہم ہسپتال چلیں گے۔" شربت پینے کے بعد ثمرہ کی جان میں جان آئی۔
"نانی ماں میں اب بہتر محسوس کررہی ہوں۔"

"تو بیٹی تم بغیر کھائے پیے اس حالت میں کیسے گھر سے باہر نکلیں۔"
"بس نانی ماں غلطی ہوگئی۔"

❀ ...... ⌘ ...... ❀

شرمین رمیز کے ساتھ اپنی شادی کے مختلف کاموں میں مصروف رہی۔ صرف چار دن ہی تو بچے تھے شادی کے لیے۔
"آپی فرنیچر تو بہت خوب صورت بنوالیا ہے آپ نے۔"
"ہاں خاصا اچھا لگا مجھے کاش زندگی بھی اتنی ہی خوب صورت ہوتی۔"
"بے فکر رہیں نجم بھائی اچھے ہی ہوں گے۔"
"رمیز میرے بھائی کم عمری سے دکھوں کو جھیلا ہے ماں نہ بننے کی کمی کی وجہ سے پہلا گھر ٹوٹا...... اور اب جو سہارا ملا ہے وہاں دو پیارے پیارے بچے ہیں جو مجھے ماں کہیں گے...... ثمرہ اور نمرہ بھی میری بیٹیاں ہیں اور میں ان سے بے حد پیار کرتی ہوں۔"
"وہ آپ کی بیٹیاں تھیں اور رہیں گی اور میں آپ کا پیارا سا بھائی بھی ہوں۔"
"ہاں میں تم سے بے حد پیار کرتی ہوں رمیز عمیر نے تو ہم لوگوں کو بھلا دیا ہے لگتا ہے یاد کرتا ہے مگر تم مما کا خیال رکھنا...... اور ان کے کینسر کا چیک اپ کراتے رہنا۔"
"آپی آپ بے فکر رہیں امی کا ہم خاص خیال رکھیں گے۔"
"میں نے ثمرہ اور نمرہ کا آج بینک کا سارا کام کروادیا ہے۔ اب ان کا روپیہ پیسہ ان کے اپنے نام ہے شمع باجی کی وصیت کے مطابق...... پیسہ آدھا آدھا کردیا۔"

❀ ...... ⌘ ...... ❀

دوسری صبح شرمین نے آفس جاکر نجم سے کہا۔
"کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں یہ نوکری کروں یا چھوڑ دوں۔"
"تم جو مناسب سمجھو کرو۔"
"میاں بیوی ایک جگہ کام کریں مجھے پسند نہیں...... اس لیے یہ میرا استعفیٰ ہے۔"
"میں منظور کرتا ہوں۔ اور ہاں اگر زندگی میں کبھی جاب کرنے کو دل چاہے تو ضرور کرنا...... تم اتنی قابل اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو...... میں تمہیں کبھی نہیں روکوں گا۔"
"نجم میں اب تھک گئی ہوں۔ دو ننھے بچوں کی پرورش کرنا ہے آفس کو وقت نہیں دے سکتی۔"
"شرمین تم بہت اچھی ہو میں خوش ہوں کہ تم میری زندگی میں آرہی ہو۔"
"کل نجم ہماری ملاقات نہیں ہوگی رمیز فرنیچر والے کے ساتھ آئے گا آپ سیٹ کروالیجیے گا۔ وہ پردے والا ناپ لے گیا تھا پردوں کا؟"
"ہاں وہ ناپ لے گیا ہے اور تم نے جو رومن بلائنڈ کا پردہ پسند کیا تھا وہ اسی کپڑے کا بنارہا ہے۔ وہ بھی کل آئے گا۔"
"کل اصل میں ثمرہ اور نمرہ کے ابو آرہے ہیں میں شادی سے پہلے ان سے ملنا چاہتی تھی تاکہ وہ شادی میں شرکت کرسکیں۔"
"ٹھیک ہے میں بھی مصروف رہوں گا۔" اور شرمین چلی گئی۔

❀ ...... ⌘ ...... ❀

جمال صاحب اور ان کی بیگم صبیحہ گل کے گھر آئے۔ اور جب جمال صاحب نے ثمرہ اور نمرہ کو دیکھا تو پدری محبت جاگ اٹھی۔ مگر ثمرہ اور نمرہ بالکل خاموش تھیں۔ بے تحاشہ خاموشی دیکھ کر شرمین نے کہا۔
"میں شمع باجی کو اپنی بڑی بہن کی طرح سمجھتی تھی اور اسی جذبے کے تحت میں نے اور میری ماں نے ثمرہ اور نمرہ کو ماں کا پیار دیا۔ میں نے اپنی ذمہ داری نبھائی مجھے نہیں معلوم کہ کہاں تک......"
"ارے شرمین آپ مجھے شرمندہ کررہی ہیں میں تو ان بچیوں سے نظریں ملانے کے لائق بھی نہیں...... انہیں سینے سے بھی نہیں لگا سکتا۔"
"آپ ان کو گلے بالکل لگائیں گے۔ ثمرہ اور نمرہ یہ آپ کے والد ہیں...... چلیں ان کے گلے لگیں۔" ثمرہ اور نمرہ اپنے بابا کے گلے لگیں اور اپنے سینے سے لگا کر جمال صاحب کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔
"بابا آپ نے ہمیں own کیوں نہیں کیا؟" نمرہ کا سوال ہتھوڑا بن کر باپ کے سر پر گرا۔ ان کی بہتی آنکھوں اور کپکپاتے ہونٹوں سے نکلا۔
"میں تمہیں اگر own کرتا تو تم دونوں آج اس دنیا میں نہ ہوتیں...... شمع کی جان بچانے کے لیے میں نے یہ فیصلہ لیا۔"

"مگر آپ نے مما کی موت پر بھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔"
"شمع اور میں نے جدا ہوتے وقت ایک دوسرے سے وعدہ کیا تھا کہ ہم کبھی نہیں ملیں گے۔ وہ اکثر اپنی بیماری کا مجھے بتاتی تھی اور تم دونوں کے بارے میں بھی بتایا کہ تم دونوں گل نانی کے ساتھ ہو اور شمع نے مجھے قسم دی تھی کہ میں تم لوگوں سے کبھی رابطہ نہیں کروں تاکہ تم لوگوں کی پرورش اچھی ہو سکے..... اور پڑھائی ڈسٹرب نہ ہو۔ میں شمع سے کیے وعدے کو نہیں توڑ سکا۔"
"پر بابا ہماری یاد نہیں آئی کبھی۔"
"آتی تھی..... مگر پھر شمع نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ اس نے میرے پتے سمیت سب کچھ ڈائری میں لکھ دیا ہے اور تم لوگ چاہو گے تو مجھ سے رابطہ کرو گے ورنہ نہیں۔"
"اور عجیب اتفاق ہے میں نے شمع باجی کی ڈائری پڑھی اور آپ کے پاس پہنچ گیا۔"
"ہاں رمیز بیٹا وہ پل ہماری زندگی کا خوب صورت ترین تھا جب تم لاہور آئے تھے۔"
"ہاں میں بھی آپ لوگوں سے مل کر بہت خوش ہوا تھا۔" گل بہت دیر سے خاموش بیٹھی تھیں۔
"جمال دراصل میں اپنی بیٹی شرمین کا نکاح جمعہ کو کر رہی ہوں آپ اور صبیحہ کی شرکت ضروری ہے۔"
"آپ لوگ حیران نہ ہوں، جمال بھائی صاحب دراصل میں کبھی ماں نہیں بن سکتی تو یہ معلوم ہونے کے بعد میں نے خود اپنے پہلے شوہر سے الگ ہونے کا فیصلہ کیا پھر اپنی نوکری چاکری میں لگی رہی۔"
"ہاں پھر میری آپی کی زندگی میں ثمرہ اور نمرہ آ گئیں تو یہ سب کچھ بھول گئیں، مگر اب ایک اچھا رشتہ آیا ہے ابو..... تو آپی اپنا گھر بسانا چاہتی ہیں۔"
"ہاں جمال بھائی، ثمرہ تو میری بیٹی بھی ہے اور بھائی بھی پر نمرہ وہ تو دور جائے گی اس کا رشتہ بھی طے ہے، میرے لیے وہ لمحہ برداشت ہوتا۔"
"شرمین تم میری چھوٹی بہن کی طرح ہو..... یہ تمہاری بیٹیاں تھیں اور رہیں گی..... ہم انہیں تم سے کبھی نہیں چھینیں گے۔ ہم تو عادی ہیں اکیلے رہنے کے۔"
"نہیں بھائی صاحب، یہ بات نہیں بس نجم کے دو معصوم بچے ہیں ان کے ساتھ نکاح کے بعد وہ میرے بچے بھی کہلائیں گے۔"
"ہاں تم ان کی ماں ہو گی شرمین، میری ساری دعائیں اپنی پیاری سی بہن کے لیے ہیں جو بے لوث محبت اور سب کے لیے درد رکھتی ہے۔"
"بھائی صاحب جب خود کسی کو درد ملے اور وہ سہتا ہے تو پھر وہ سب کے درد سمیٹ لیتا ہے۔"
"تم میری بیٹی کے نکاح پر آؤ گے جمال۔"
"جی گل آنٹی ہم ضرور آئیں گے۔"
"میں چاہتی ہوں تم ایک بڑے بھائی کی طرح میری بیٹی کو رخصت کرو۔" اور پھر ایسا ہی ہوا۔

❀ ...... ⌘ ...... ❀

جمعہ کا دن آیا نجم بارات لے کر آئے اور شرمین کو نکاح کے بعد ان کے ساتھ رخصت کر دیا گیا۔ ثمرہ اور نمرہ شرمین کے گلے لگ کر بے حد روئیں، مگر شرمین نے کہا۔
"دعا کرو میں اپنے گھر میں خوش رہوں۔ میرا پیار تم دونوں کے لیے کبھی کم نہیں ہوگا۔ کبھی نہیں۔" اور پھر شرمین چلی گئی اور جب رمیز، ثمرہ اور نمرہ نیچے سے اوپر لیونگ روم میں آئے تو جمال اور صبیحہ بھی تھیں، گھر سونا سونا سا لگ رہا تھا۔
"بابا ہماری مما ایک بار پھر چلی گئیں۔" ثمرہ جمال کے گلے لگ گئی۔
"وہ فرشتہ تھی تم لوگوں کے لیے انسان کے روپ میں اپنا کام پورا کر کے وہ اب دوسری نیکی کرنے چلی گئی۔"
"رمیز ہم مما کے بغیر کیسے رہیں گے؟" ثمرہ رمیز کے سینے سے لگی بلک رہی تھی۔
"تمہارے بابا درست کہتے ہیں میری آپی ایک فرشتہ صفت خاتون تھیں، ہمیں ان کی خوشی میں خوش ہونا چاہیے اور ہاں اگلے ہفتہ تمہاری مما کی شادی کا Reception ہے اور تم دونوں کو اچھے اچھے کپڑے بنانا ہیں۔"
"ثمرہ بیٹی جو ہوا بہت اچھا ہوا تمہیں اس گھر کو سنبھالنا ہے۔ میں بھی جلتا بجھتا چراغ ہوں کیا پتہ کب گل ہو جائے۔"
"نہیں نانی ماں ایسا نہیں ہوگا..... آپ ہمارے درمیان بہت دن رہیں گی۔" ثمرہ چیخ پڑی اور گل نے اسے گلے سے لگا لیا۔
"اچھا اچھا تم اتنی ٹینشن مت لو..... میرا آنے والا پوتا پریشان ہو جائے گا۔"
"ہاں ثمرہ میری اولاد کا کچھ تو خیال کرو..... جو تم روتی رہو گی تو بے بی بھی بسورتا ہوا پیدا ہوگا۔" ثمرہ ہنس پڑی۔

"گل آنٹی میں اب چلوں گا۔ کل صبح ہماری فلائٹ ہے۔"
"تو جمال تم شرمین کے ولیمے پر آؤ گے۔"
"ہاں آنٹی ہم ضرور آئیں گے دراصل مجھے آفس کا بہت کام ہے۔"
"ٹھیک ہے رمیز تمہیں اطلاع کردے گا۔"
"جی بالکل۔"
"اچھا میری پیاری پیاری بیٹیوں اب بابا جائیں۔"
"پھر کب آئیں گے بابا۔"
"آتا جاتا رہوں گا اپنے نواسے کی پیدائش پر آؤں گا ان شاء اللہ۔" جمال کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بچیوں کو اپنے ساتھ چلنے کو کہیں مگر وہ جانتے تھے کہ ثمرہ اور نمرہ سالوں ان سے دور رہنے کے بعد ایک دم ان کے ساتھ نہیں آسکتی تھیں وہ دل میں خواہش لیے چلے گئے۔ گل کے علاوہ سارے لوگ انہیں کار پارک تک چھوڑنے آئے۔
"بابا میں آپ کو آپی کی دعوت کا فون کردوں گا۔"
"تم لوگ ہم سے بات چیت کرتی رہنا۔"
"ہاں بابا ہم آپ سے ضرور بات کریں گے۔" ثمرہ نے جواب دیا اور پھر وہ چلے گئے۔

❀ ...... ❀ ...... ❀
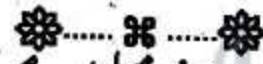
"رمیز میں سوجاؤں۔" ثمرہ مسلسل بھاگ دوڑ اور ٹینشن سے خاصی تھک گئی تھی۔
"ہاں تم خاصی تھکی ہوئی لگ رہی ہو ڈریس بدل لو۔ فریش ہوکر سوجاؤ۔" اور ثمرہ واقعی فریش ہونے کے بعد سوگئی۔ رمیز نے دیکھا ثمرہ بھی سونے لیٹی تھی وہ گل کے کمرے میں آیا۔
"امی آپ آپی کے لیے رو رہی ہیں۔"
"ہاں رمیز وہ میری بہادر بیٹی تھی آج اس کے جانے سے ایک عہد ختم ہوگیا اب سب کی زندگیوں کے نئے عہد چلیں گے۔ نئے رشتے بنیں گے اور زندگی یونہی چلتی رہے گی۔ جمال نے درست کہا میری بیٹی میرا غرور رہی جو ذمہ داری میں نے اس کے سر پر ڈالی تھی وہ نبھا گئی اور اچھی زندگی گزارنا اور اپنا گھر بسانا اس کا حق تھا یہ خوشی کے آنسو ہیں میں نے اور شرمین نے شمع سے کیا وعدہ پورا کردیا۔"
"امی کیا میرا کوئی قصور ہے آپی اس گھر سے گئیں۔"
"نہیں تم نے بھی ایک نیک کام کیا سائرہ کی نواسیوں کو ان کے باپ سے ملوادیا ہم کوئی نہیں ہوتے بیٹا کہ کسی کے رشتوں کی سچائی نہ سمجھ سکیں جمال بہت اچھے انسان ہیں۔ وہ تو دل پر لگی چوٹ دکھا بھی سکتے تھے کہ ان کے اپنے ہی ان کے بچوں کے دشمن تھے۔ صرف دولت کے لیے انسان کتنا گر جاتا ہے جمال نے ایک باپ ہوتے ہوئے جو فیصلہ کیا تھا وہی ٹھیک تھا۔ اللہ تعالیٰ ایک در بند کرتا ہے دوسرا کھول دیتا ہے۔ شمع کی زندگی نے وفا نہ کی اور ہم لوگ ان بچیوں کی زندگی میں آگئے اور اب یہ ہمیں بے حد پیاری ہیں۔ سائرہ کی نواسی میری بہو ہے مجھے خوشی ہے۔"
"اچھا امی میں بھی آرام کروں آپ بھی تھک گئی ہیں آرام کریں۔"
"ہاں بیٹا میں بھی آرام کروں گی شب بخیر۔"
"شب بخیر مما۔" رمیز اپنے کمرے میں آیا اور بستر پر لیٹ گیا مما سچ کہتی ہیں ایک عہد ختم ہوگیا۔
اس نے غزل لگائی اور سننے لگا۔

یہ دولت بھی لے لو
یہ شہرت بھی لے لو
بھلے چھین لو مجھ سے میری جوانی
مگر مجھ کو لوٹا دو بچپن کا ساون
وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی!!!

اور رمیز نیند کی آغوش میں یہ سوچتے سوچتے چلا گیا کہ اس غزل کا ایک ایک لفظ کتنا سچا ہے...... دولت سے کچھ خریدا نہیں جاسکتا...... نہ رشتے نہ پیار اور نہ ہی خلوص......!!
دولت تو ادھر آئی اور ادھر گئی...... اور لالچ وہ تو انسانوں سے ان کے سگے رشتے بھی چھین لیتی ہے۔ گل نے ٹھیک کہا کہ ایک عہد شرمین کی رخصتی کے ساتھ ہی ختم ہوگیا اور دوسرا عہد اب شروع ہوگا۔ زندگی یونہی رواں دواں رہے گی۔ گل بھی اپنے بستر پر خاموش لیٹی یہی سب سوچ رہی تھیں کہ نیند کی آغوش میں چلی گئیں اور خواب میں وہ اپنی دوست سائرہ اور شمع سے مل رہی تھی سفید لباس میں ملبوس وہ خاموش کھڑی تھیں...... شاید روحوں کا انداز یہی ہوتا ہے...... شکریہ ہی شکریہ اور پیار ہی پیار تھا ان کی خاموش نظروں میں......!!!

تیرے عشق نچایا
نگہت عبداللہ
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

خیر و شر کی خبر کو مانتے تو سب ہی ہیں
کس کو ہوش رہتا ہے جبر اور ضرورت میں
دونوں درد دیتی ہیں آہ سرد دیتی ہیں
فرق کچھ نہیں ایسا نفرت و محبت میں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

تانیہ احسن کے وطن واپس لوٹنے پر بے حد خوشی محسوس کرتی ہے جب کہ دوسری طرف احسن کے دل میں اس کے لیے کوئی خاص جذبات نہیں۔ اسی لیے وہ تانیہ سے فرار حاصل کرنا چاہتا ہے جبکہ تانیہ اس سے محبت کی دعوی دار ہے تانیہ اپنے مقصد کی خاطر نشا کی مدد سے احسن کے دل تک رسائی حاصل کرنا چاہتی ہے اور نشا بھی اس کی مدد کرنے کی حامی بھر لیتی ہے۔ وہ احسن کو اپنی محبت کا واسطہ دے کر تانیہ کے لیے تیار کر لیتی ہے جب ہی ساجدہ بیگم اور نشا باقاعدہ طور پر تانیہ کی ماں زبیدہ بیگم سے ملتی ہیں۔ نشا تمام حالات سے سمجھوتہ کر کے محسن کے ساتھ خوشگوار زندگی گزارنے کا سوچ کر اپنے تمام سابقہ رویوں میں بدلاؤ لا کے محسن سے معافی مانگ لیتی ہے جبکہ محسن اس کے اس طرز عمل پر حیران رہ جاتا ہے۔ دوسری طرف محسن کے رویے میں بدلاؤ پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے اسے نشا کی محبت پر شک ہونے لگتا ہے جب کہ محسن کی یہ بے اعتمادی نشا کو توڑ کر رکھ دیتی ہے۔ صبا کے لیے آصف جاہ کا وجود دن بدن پریشانیاں لے کر آتا ہے وہ ایسے خان جنید اور اس کی عمروں کا تفاوت کا احساس دلا کر کمتری کے احساسات میں مبتلا کر دیتا ہے آصف جاہ خود بھی صبا کی جانب محبت و دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے آصف جاہ کے اس رویے پر صبا کو خود بھی اپنی زندگی کے خالی پن کا احساس ہونے لگتا ہے۔ دوسری طرف خان جنید زندگی کے سفر میں صبا کے ہم قدم چلنے میں ناکام رہتے ہیں۔ خان جنید کی طبیعت خراب ہونے پر صبا ایک اور حقیقت سے آگاہ ہوتی ہے کہ خان جنید ہارٹ ٹربل میں مبتلا ہیں لیکن کسی طور پر بائی پاس کرانے کے لیے تیار نہیں۔ دوسری طرف نشا کے لیے محسن کا تلخ رویہ بہت سی مشکلات لے کر آتا ہے جب ہی اسے صبا کے فون کے ذریعے خان جنید کے ہارٹ اٹیک کی اطلاع ملتی ہے۔ جس پر وہ مزید الجھن کا شکار ہو جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁......❁......❁......❁

خان جنید آئی سی یو میں تھے اور کسی کو ان سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ آصف جاہ چاہتا تھا کہ صبا گھر چلی جائے کیونکہ وہ بہت پریشان اور اب نڈھال بھی لگ رہی تھی۔ اس نے صبح سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں تھا۔ اس لیے وہ بار بار اسے گھر جانے پر زور دیے رہا تھا لیکن وہ مان کر نہیں دی۔ الٹا آصف جاہ پر بگڑ گئی تھی۔ جس پر وہ دور جا بیٹھا۔ لیکن دھیان اسی کی طرف تھا۔ وہ بھی بیٹھتی کبھی ٹہلنے لگتی۔ پھر نشا کے آنے پر وہ ایک دم ڈھے سی گئی تھی۔

"نشا...... "خان کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی پلکوں سے دو آنسو ٹوٹ کر گرے تھے۔

"ان شاء اللہ کچھ نہیں ہوگا۔" نشا نے اسے گلے لگا کر تسلی دی پھر پوچھنے لگی۔ "امی کہاں ہیں؟"

"امی کو میں نے نہیں بتایا۔ تم بھی مت بتانا"۔ صبا نے کہہ کر محسن کو دیکھا تو وہ پوچھنے لگا۔

"ابھی کہاں ہیں خان صاحب؟" صبا نے آئی سی یو کی طرف اشارہ کردیا۔ "کیا بتایا ڈاکٹر نے؟" محسن نے اشارے کی سمت دیکھ کر پوچھا تو وہ بےبسی سے بولی۔

"مجھے کچھ نہیں بتا رہے ڈاکٹر......"

"اچھا آپ پریشان نہ ہوں میں نے احسن بھائی کو فون کردیا ہے وہ آنے والے ہوں گے۔" محسن نے کہتے ہوئے نشا کو اشارہ کیا تو وہ سمجھ کر بولی۔

"ہاں صبا تم پریشان مت ہو ادھر بیٹھو۔" کچھ دیر بعد احسن آگئے اور موقع ایسا تھا کہ صبا سے سرسری مل کر ڈاکٹر کے پاس چلے گئے۔ کیونکہ وہ خود ڈاکٹر تھے اس لیے ساری رپورٹ لے کر آئے تھے۔

"آپ کے جنید خطرے سے نکل آئے ہیں صبا۔ ہاں اگر انھوں نے آپ کو اس حال میں دیکھ لیا تو انہیں دوبارہ خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔" احسن اس کی پریشانی دیکھ کر بولے تھے۔ "بی ریلیکس۔ زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ آپ گھر جا کر آرام کریں اور فریش ہو کر آئیں۔"

"احسن بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں صبا۔ تمہیں آرام کرنا چاہیے۔" نشا نے کہا تو وہ اس کا ہاتھ تھپک کر بولی۔

"میں ٹھیک ہوں اور جب تک خان روم میں نہیں آجاتے میں کہیں نہیں جاؤں گی۔" پھر احسن اور محسن کو دیکھ کر بولی۔ "میں نے آپ سب کو پریشان کردیا۔"

"اب ہم پر رحم کریں اپنا خیال رکھیں ورنہ آپ کے خان صاحب ہمیں کہیں چھوڑیں گے۔" احسن نے ہلکا پھلکا انداز اختیار کرکے اسے ٹینشن سے نکالنے کی کوشش کی تو محسن نے ان کی کوشش کو رائیگاں نہیں جانے دیا۔

"ہاں خان صاحب کہیں گے سالو اپنی بہن کا خیال نہیں کیا۔" صبا کی بےساختہ ہنسی پر دور بیٹھے آصف جاہ نے چونکنے کے ساتھ گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

❀......❀......❀......❀
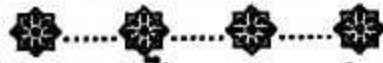
وہ یقیناً ان لڑکیوں میں سے تھی جنہیں زندگی میں خواہش کے برعکس کچھ ملے تو وہ اسے نصیب کا لکھا سمجھ کر قبول کرلیتی ہیں۔ گو کہ اپنے ساتھ ہونے والے تقدیر کے مذاق پر وہ آزردہ ضرور ہوئی تھی لیکن خان جنید سے پھر بھی متنفر نہیں ہوئی نہ ہی ان کے لیے غلط انداز سے سوچا تھا۔ انہیں تو ایجاب وقبول کے مراحل سے گزرتے ہی اس نے اپنا سب کچھ مان لیا تھا۔ جب ہی اس کے دل سے ہر دم ایسی ہی صدائیں نکلتی تھیں کہ......

"اللہ نہ کرے جو خان کو کچھ ہو۔" پھر جس دن خان جنید ڈسچارج ہوکر گھر آئے تب اس تمام عرصے میں پہلی بار وہ بےاختیار ان کے سینے میں منہ چھپا کر رو پڑی۔

"ارے کیا ہوا بھئی......؟" وہ قدرے حیرت سے پوچھنے لگے۔

"خان میں آپ کی طرف سے بہت پریشان تھی۔" اس نے کہا تو وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر بولے۔

"کم آن گرل اب تو میں ٹھیک ہوں۔"

"ہاں اللہ کا شکر ہے۔" وہ آنسو پونچھ کر انہیں دیکھنے لگی۔ چہرے کی رنگت زردی مائل ہورہی تھی اور کمزور بھی لگ رہے تھے۔ وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بےساختہ بولی۔

"اللہ آپ کو میری عمر بھی لگادے۔"

"ارے......" خان جنید ہنسے پھر بغور اسے دیکھنے لگے۔ ان کی نظر میں وہ عام سی لڑکی جس میں متاثر کرنے والی کوئی بات نہیں تھی یا پھر خان جنید عمر کے اس حصے میں تھے جہاں صنف مخالف میں کشش محسوس ہوتی بھی ہے تو دل بےاختیار نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی طرف لپکتا ہے اور وہ تو ان کی نظر میں عام سی لڑکی تھی۔ جس سے شادی بھی انہوں نے محض بنٹی کی وجہ سے کی تھی وہ لاکھ انکار کرتے لیکن حقیقت یہی تھی۔ کیونکہ بنٹی بہت تنہائی محسوس کرتا تھا اور کوئی گورنس اس کے پاس زیادہ دن ٹک کر نہیں رہتی تھی یوں وہ بیوی لا کر قدرے مطمئن ہوگئے تھے کہ کم از کم وہ گورنس کی طرح چھوڑ کر جائے گی تو نہیں اور اب وہ حیران ہونے کے ساتھ دل ہی دل میں پشیمان بھی ہورہے تھے کہ جسے انھوں نے عام سی لڑکی سمجھا تھا وہ کتنے خلوص سے

انہیں اپنی زندگی کی دعا دے رہی تھی۔
"آپ کیا سوچنے لگے خان؟" اس نے ایک ٹک انہیں اپنی طرف دیکھتا پا کر پوچھا تو وہ چونکے۔
"یہ بتاؤ تم نے میرے لیے کتنی دعائیں مانگیں؟"
"بے شمار نہ صرف دعائیں بلکہ منتیں بھی جواب میں پوری کروں گی۔"
"کیوں؟ آئی مین تمہیں میری زندگی سے کیا فائدہ ہے؟" بالآخر بزنس مین تھے جو سود و زیاں کی بات ضرور کرتا ہے۔
"فائدہ......" وہ حیران ہوئی۔ "میں کسی فائدے نقصان کو نہیں جانتی خان۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ میرا سائبان ہیں۔ اور ہمارا معاشرہ بے سائبان عورت کو کوئی مقام نہیں دیتا۔"
"تم اس انداز سے سوچتی ہو؟" وہ اس سے زیادہ حیران ہوئے۔
"جناب اب آپ پلیز آرام کریں۔ باقی باتیں بعد میں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ خان جنید نے آہستگی سے اس کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا کر چھوڑ دیا تو وہ انہیں سونے کی تاکید کرتے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔ پھر سیٹنگ روم میں آ کر اس نے ثریا کو فون کیا تو وہ جیسے اسی کے فون کے انتظار میں تھی۔ چھوٹتے ہی پوچھنے لگی۔
"صبا تم اسی شہر میں ہی ہو یا کہیں اور؟" وہ سمجھ گئی اتنے دنوں کی غیر حاضری جتائی جا رہی ہے۔
"اسی شہر میں ہوں امی۔"
"پھر اتنے دنوں سے آئی کیوں نہیں؟" ثریا نے فوراً ٹوکا۔
"بس وہ خان صاحب ریسٹ کے موڈ میں تھے۔ آفس نہیں جا رہے تھے اس لیے میں بھی گھر پر ہی رہی۔ خیر آپ سنائیں سب ٹھیک ہے ناں......" اس نے سہولت سے بات بنا کر پوچھا۔
"ہاں بیٹا سب ٹھیک ہے۔ بس تم دونوں بہنوں کا انتظار رہتا ہے۔" ثریا نے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔
"نشا بھی نہیں آ رہی؟"
"ایک دن آئی تھی بس تھوڑی دیر کے لیے۔ اصل میں وہ احسن کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہے۔" ثریا نے بتایا تو اس کی نظروں میں احسن کا وجیہہ سراپا آن سمایا۔
"ہاں امی میری احسن بھائی سے ملاقات ہوئی تھی۔"
"کہاں؟" ثریا نے پوچھا تو وہ سٹپٹا گئی۔
"وہ شاپنگ مال میں نشا اور محسن کے ساتھ تھے۔ بس اب مجھے ابو سے ملنا ہے دیکھیں کب جانا ہوتا ہے۔" اس نے بات گھمائی پھر ثریا کی خاموشی محسوس کر کے جلدی سے بولی۔
"ٹھیک ہے امی پھر میں جلدی آؤں گی۔ اللہ حافظ۔" فون رکھ کر اس نے گہری سانس کھینچی۔
پھر ڈاکٹر یونس کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے وہ خان جنید کو مکمل ریسٹ دے رہی تھی۔ یہاں تک کہ ان کا پی اے آفس کی کوئی انتہائی ضروری فائل لے کر بھی آتا کہ اس پر خان جنید کے سائن کروانے ہیں تو وہ اسے باہر ہی سے لوٹا دیتی۔ وہ جانتی تھی کہ فائل ہاتھ میں لیتے ہی خان جنید کو بہت سارے کام یاد آ جائیں گے اور اگر وہ خود نہ بھی گئے تو اس ٹینشن میں ضرور مبتلا ہو جائیں گے کہ پتا نہیں ان کا وہ کام ہوا کہ نہیں اور کسی بھی قسم کی ٹینشن ان کے لیے سخت نقصان دہ تھی۔ وہ انہیں بالکل بچوں کی طرح ٹریٹ کر رہی تھی کہ بعض اوقات تو وہ جھنجلا جاتے اور شائستہ قسم کی گالیوں سے بھی نواز دیتے۔ وہ سب کچھ سن لیتی۔ پتا نہیں اس کے اندر کوئی خوف کنڈلی مارے بیٹھا تھا کہ اسے اپنا ہوش ہی نہیں تھا۔

❁......❁......❁......❁

نشا احسن کی شادی کے لیے اپنی شاپنگ محسن کے ساتھ کرنا چاہتی تھی۔ حالانکہ جانتی بھی تھی کہ یہ ایک تھکا دینے والا کام ہے لیکن وہ بضد تھی اور محسن جو پہلے اس کی ہر بات بلا چوں، چرا مان لیتا تھا اب جانے کیوں اکھڑا اکھڑا سا رہنے لگا تھا۔ اس کی ذرا سی کوتاہی پر آپے سے باہر ہو جاتا۔ سخت سست کہتا اور نشا کو اس کی کوئی بات بری نہیں

لگتی تھی وہ سوچتی۔
"ٹھیک تو ہے میں اسی قابل ہوں۔ کتنا ستایا میں نے مونی کو۔ اس کی محبت کی قدر نہیں کی۔" بہر حال اس نے بڑی منتوں سے محسن کو شاپنگ کے لیے منا ہی لیا اور اپنی ہر شے میں اس کی پسند ترجیح دیتے ہوئے وہ بہت خوش تھی۔ پھر محسن کی شاپنگ وہ اپنی پسند اور بہت شوق سے کر رہی تھی کہ اچانک محسن کی طبیعت بگڑ گئی۔
"بس نشا اب اور نہیں......" اس نے رک رک کر کہا تو نشا ایک دم پریشان ہوگئی۔
"کیا؟ مونی...... آپ...... اچھا چلیں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی مردانہ شرٹ پھینک دی اور محسن کا ہاتھ پکڑ کر دکان سے باہر نکل آئی۔ پھر اسے یہی سمجھ میں آیا کہ محسن کو فوڈ کارنر پر بٹھا کر پانی کی بوتل لے آئی۔
"لیں مونی پانی پی لیں۔" محسن نے اس کے ہاتھ سے بوتل لے لی اور پانی کا ایک گھونٹ لے کر دوسری طرف دیکھنے لگا، وہ اپنے آپ میں بہت عجیب سا محسوس کر رہا تھا اسے لگ رہا تھا جیسے سب لوگ اسے ہی دیکھ رہے ہوں۔
"کیا فیل کر رہے ہیں مونی؟" پریشانی نشا کے چہرے اور آواز سے ہی ظاہر تھی۔
"تماشا بنا دیا ہے تم نے مجھے۔" اس کے لہجے میں افسوس میں دکھ بھی شامل تھا۔ پھر اطراف میں نظر ڈال کر کہنے لگا۔ "لوگوں کی نظریں دیکھ رہی ہو۔ ان میں میرے لیے نہیں تمہارے لیے ترس جھلک رہا ہے اور یہیں تک نہیں گھر جا کر بھی یہ لوگ افسوس کرتے رہیں گے کہ اتنی خوب صورت لڑکی اور اس کا شوہر......"
"بس کریں مونی چلیں۔" وہ غصے سے ٹوک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"تمہاری شاپنگ؟"
"ہوگئی شاپنگ چلیں اٹھیں۔" محسن اس کے غصے سے سرخ پڑتے چہرے سے نظریں ہٹا کر اٹھ کھڑا ہوا۔
گھر آتے ہی دونوں سیدھے اپنے کمرے میں

آ گئے۔ نشا نے شاپنگ بیگز ایک طرف ڈالے اور آدھے گلاس پانی میں دوا ملا کر محسن کے پاس آن کھڑی ہوئی۔

"یہ دوا پی لیں۔"

"رہنے دو میں ٹھیک ہوں۔" محسن کی بے زاری پر وہ ضبط سے بولی۔

"کہاں ٹھیک ہیں۔ اتنے نڈھال لگ رہے ہیں۔"

"لگ رہا ہوں۔" وہ یک دم مشتعل ہوگیا۔ "لگ رہا ہوں سے مطلب۔ میں ہوں ہی نڈھال۔ ٹوٹا ہوا بے بس آدمی۔ بس اب یہ سارے جتن چھوڑ دو۔ ڈھے جانے دو مجھے۔ جان چھوٹ جائے گی تمہاری بھی۔ بوجھ بنا ہوا ہوں نا تم پر۔"

"ہاں بنے ہوئے ہیں بوجھ۔" اس کا ضبط بھی جواب دے گیا۔ ہاتھ میں پکڑا گلاس پٹخ کر چیخی تھی۔ "صرف مجھ پر نہیں سب پر۔ پاگل ہیں ہم سب جو آپ سے محبت کرتے ہیں۔ آپ جسمانی ہی نہیں ذہنی بیمار بھی ہیں۔ سب کو اپنے لیے پریشان دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"تو مت ہوا کرو میرے لیے پریشان۔ چھوڑ دو مجھے میرے حال پر۔"

"یہی تو نہیں کرسکتے ہم۔" اس کی آواز یک لخت بھرا گئی تو تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

احسن اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے نشا اور محسن کے لڑنے کی آواز سن کر رک گئے تھے اور تشویش سے ان کے کمرے کی طرف دیکھ رہے تھے کہ نشا کو غصے میں کمرے سے نکل کر جاتے دیکھ کر وہ مزید پریشان ہوگئے۔ سمجھ میں نہیں آیا کیا کریں۔ کبھی کمرے کی طرف دیکھتے کبھی نشا کو۔ پھر کچھ سوچ کر نشا کے پیچھے آئے تھے۔ نشا پچھلے برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی رو رہی تھی۔ انہیں بے حد تکلیف ہوئی بمشکل خود پر قابو پا کر بولے۔

"ارے تم رو رہی ہو..... کیا ہوا؟" نشا نے جواب نہیں دیا تو اس کے سامنے آکر نرمی سے پوچھنے لگے۔ "کیا بات ہے نشا۔ ایسے کیوں رو رہی ہو۔ مونی نے کچھ کہا ہے؟" نشا اپنی ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑنے لگی۔ ناک سے شوں شوں کی آواز نکل رہی تھی۔ "بے وقوف..... مونی کی باتوں کا برا مانتی ہو وہ تو....."

"کیا وہ تو....." وہ چیخ گئی۔ "عاجز کردیا ہے انہوں نے مجھے۔ بات بات پر غصہ کرنے لگے ہیں۔ دوا نہیں لیتے۔ پھینک دیتے ہیں۔"

"کیا..... مونی دوا پھینک دیتا ہے کیوں؟" انہیں جھٹکا لگا۔

"بتاؤ نشا مونی دوا کیوں نہیں لے رہا اور کب سے نہیں لے رہا؟"

"مجھے نہیں پتا۔ آپ ان ہی سے پوچھ لیں۔" وہ مسلسل آنسو صاف کرنے میں لگی ہوئی تھی۔

"تمہیں یہ تو پتا ہوگا مونی ایسا کیوں کررہا ہے؟" انہیں اب اسی ایک بات کی فکر نے گھیر لیا تھا۔

"نہیں..... میں نے کہا ناں مجھے کچھ نہیں پتا۔" وہ تنگ آگئی۔

"اچھا تم رومت۔ میں پوچھتا ہوں اس سے۔" وہ کہہ کر تیز قدموں سے محسن کے کمرے میں آئے تھے۔ اور فوراً ہی سرزنشی انداز میں کہنے لگے۔

"یہ تم کیا کررہے ہو مونی۔ نشا بتا رہی ہے تم دوا نہیں لے رہے۔ پھینک دیتے ہو۔ کیوں؟" ان کی سوالیہ نظروں کے جواب میں محسن نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔

"بس بھائی اب جی اچاٹ ہوگیا ہے۔ ہر شے سے پھر یہ طے ہے ناں کہ جتنی میری زندگی ہے وہ میں دواؤں کے بغیر بھی جی لوں گا۔"

"بہت لمبی زندگی ہے تمہاری۔" وہ فوراً گویا ہوئے۔

"اور یہ دوائیں تمہیں زندگی کے لیے نہیں فٹ رہنے کے لیے دی جاتی ہیں۔ تمہیں اندازہ ہے تمہاری اس حرکت سے نشا کتنی پریشان ہے۔ ابھی بھی بیٹھی رو رہی ہے۔" انہوں نے رک کر اسے احساس دلانا چاہا۔

"کیوں..... ابھی تو میں زندہ ہوں۔ اس سے کہیں آنسو سنبھال رکھے میرے مرنے پر کام آئیں گے۔" محسن کی سنگ دلی نے انہیں مشتعل کردیا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا مونی۔ میری محبتوں میری محنتوں پر پانی پھیر دینا چاہتے ہو تم۔ خود کو بھلا دیا میں نے تمہارے لیے..... احساس ہے تمہیں کہ نہیں؟"

"یہی احساس تو مارے ڈال رہا ہے بھائی' خود کو ہی نہیں سب کچھ بھلا دیا آپ نے۔" محسن کے لہجے کا دکھ انہیں تڑپا گیا۔

"پاگل ہو تم۔ احساس کرنا ہے تو صرف ہماری محبتوں کا احساس کرو۔ اور دیکھو اب جب کہ میری شادی ہونے والی ہے تم کیوں ایسی باتیں کر کے اپنے ساتھ مجھے بھی......"

"سوری......" وہ بول پڑا۔ "سوری بھائی مجھے آپ کی خوشی کا خیال کرنا چاہیے۔"

"تو وعدہ کرو اب تم دوا پابندی سے لو گے۔" انہوں نے فوراً موقع سے فائدہ اٹھایا۔ "نشا کو تنگ نہیں کرو گے' خیال کرو گے اس کا۔"

"وہ میرا خیال کرتی ہے۔" ہمیشہ کی کہی بات میں اب ہمیشہ والا مان نہیں تھا۔ یہ بات احسن نے شدت سے محسوس کی اور پھر رک نہیں سکے۔ آہستگی سے اس کا کندھا تھپک کر وہاں سے نکل آئے۔

اور پھر اسی نہج پر سوچ کر فوری شادی کا فیصلہ کرتے ہوئے وہ اس وقت ساجدہ بیگم کے پاس آن بیٹھے اور بغیر کسی تمہید کے انہیں مخاطب کر کے بولے۔

"امی آپ میری شادی طے کر دیں اسی ہفتے۔"

"اسی ہفتے......" ساجدہ بیگم نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"جی امی' میں نے چھٹی اپلائی کی تھی جو منظور ہوگئی ہے۔ پھر بعد میں مجھے ایک تو چھٹی نہیں ملے گی دوسرا ہو سکتا ہے ڈاکٹرز کونشن کے سلسلے میں مجھے کینیڈا جانا پڑے۔ پھر بہت دیر ہو جائے گی امی۔" وہ بہت سوچ کر آئے تھے۔

"نہیں...... بہت دیر تو میں بھی نہیں چاہتی۔" ساجدہ بیگم فوراً بولی۔ "تم نے تو مجھے بوکھلا دیا ہے۔ جمعہ تو سر پر کھڑا ہے اور تیاری۔" ساجدہ بیگم واقعی بوکھلا گئی تھیں۔

"تیاری کی فکر نہ کریں آپ۔ سارے انتظام ہو جائیں گے۔" وہ ہر بات کو ایزی لے رہے تھے۔

"اور بیٹا! تانیہ کی امی۔ انہوں نے اگر جمعہ کی تاریخ نہ دی تو۔" ساجدہ بیگم کو نئی فکر لگ گئی۔

"کیوں نہیں دیں گی۔ آپ بتایئے گا انہیں کہ پھر مجھے ڈاکٹرز کونشن میں کینیڈا جانا ہے اور میں تانیہ کو بھی ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔"

"تو یوں کہو۔" ساجدہ بیگم مسکرائیں تو وہ جھینپ گئے۔

❁......❁......❁......❁

ڈاکٹر نے خان جنید کو فوری بائی پاس کا مشورہ دیا تھا۔ جسے وہ کوئی اہمیت نہیں دے رہے تھے۔ جس سے صبا بہت پریشان تھی اور مسلسل انہیں آمادہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر وہ آمادہ ہوئے بھی تو اس پر کہ یہاں نہیں لندن سے بائی پاس کرائیں گے۔ پتا نہیں وہ سنجیدہ تھے یا ٹالنے کی غرض سے کہا تھا بہر حال صبا کچھ مطمئن ہوگئی تھی۔ تب اسے ثریا کا خیال آیا جس سے ملے ہوئے اسے قریباً مہینہ ہونے والا تھا۔ فون پر تو بات ہو جاتی تھی لیکن وہ جا نہیں پائی تھی۔ اب خان جنید کی طرف سے اطمینان ہوا تو وہ جانے کو تیار ہوگئی لیکن پھر راستے میں جانے کیا خیال آیا کہ اس نے گاڑی دوسری سمت موڑ دی۔ اور تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ بلال احمد کے بنگلے پر تھی۔ جن کی کمی اس نے اپنی زندگی میں اکثر محسوس کی تھی اور جن سے ملنے کو اس کا دل تڑپتا تھا لیکن جب پتا چلا کہ انہوں نے نشا کو نظر انداز کر دیا تھا تب اس کے سارے جذبے اپنی موت آپ مر گئے۔

پھر بھی ابھی وہ پورے استحقاق سے ان کے گھر میں داخل ہوئی اور پہلے مقام پر ہی وہ نظر آ گئے صوفے پر قدرے تکلف سے بیٹھے بریف کیس میں کچھ تلاش کر رہے تھے۔

"صبا...... میں صبا ہوں۔" اس نے یوں تعارف کرایا جیسے پوری دنیا میں ایک صرف اس کا نام صبا ہے۔

"صبا......" ان کے چہرے پر ہلکی سی سوچ ابھری پھر پہچان کی منزلیں طے کرتے ہوئے اٹھ کر اس کی طرف باہیں پھیلا دیں تو وہ کسی طرح خود کو روک نہیں سکی۔ ایک

ہی جست میں ان کی بانہوں میں سما گئی۔ البتہ آنسوؤں کو چھلکنے نہیں دیا تھا۔
"کیسی ہے میری بیٹی؟" بلال احمد نے اس کا چہرہ دیکھ کر پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"بیٹھو بیٹا۔" وہ اسے بٹھا کر کہنے لگے۔ "مجھے نشا نے بتایا تھا اور میں خود تمہارے پاس آنا چاہ رہا تھا۔ تمہاری ماں کیسی ہے؟"
"ٹھیک ہیں۔" اسے ان کا سرسری انداز بری طرح کھلا تھا۔
"کہاں رہ رہی ہیں وہیں اپنے باپ بھائی کے گھر؟" انہوں نے پوچھا تو اس کا دل چاہا کہے انہیں باپ بھائی کے گھر بٹھانے والے آپ ہی تھے لیکن ضبط سے فقط اتنا کہا۔
"نہیں۔"
"اچھا میری بیٹی کیا کھائے پئے گی۔" انہوں نے ملازم کو آواز دے ڈالی۔ غالباً انہیں ثریا کے بارے میں جاننے سے دلچسپی نہیں تھی۔ اسے دکھ ہوا اور حیرت بھی کہ قدرت نے اس شخص کی قسمت میں کوئی ٹھوکر نہیں لکھی تھی جو اسے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کرتی۔
"ہاں بیٹا۔" ملازم کے آنے پر بلال احمد نے اسے دیکھا تو وہ ایک دم اٹھ گئی۔
"کچھ نہیں ابو۔ ابھی تو میں یہاں سے گزرتے ہوئے آپ سے ملنے چلی آئی۔ پھر کبھی فرصت سے آؤں گی تو کچھ کھا پی لوں گی۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تیزی سے باہر نکل آئی۔ پھر اس وقت اس نے ثریا کے پاس جانا ملتوی کر دیا اور سیدھی گھر آ گئی۔ کچھ تو تھا اس کے چہرے پر کہ خان جنید دیکھتے ہی پوچھنے لگے۔
"کیا بات ہے تم کچھ پریشان ہو؟"
"نہیں......" اس نے بمشکل خود کو گہری سانس کھینچنے سے روکا تھا۔
"ادھر دیکھو میری طرف۔" اس نے سر اونچا کر کے دیکھا تو کہنے لگے۔ "اب بتاؤ کیا بات ہے۔ لگتا ہے میری تیمارداری نے تھکا دیا ہے تمہیں۔"
"ایسی بات نہیں ہے خان۔ بس ابھی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔ عجیب گھبراہٹ سی ہو رہی ہے۔"
"چلو تمہارا چیک اپ کرا دوں۔ ہری اپ۔" خان جنید فوراً کھڑے ہوئے۔ وہ نہ نہ کرتی رہ گئی لیکن وہ زبردستی اسے ڈاکٹر کے پاس لے آئے۔ پھر چیک اپ کے دوران ڈاکٹر نے مختلف سوالات کیے اور جب بچوں کی بابت پوچھا تو وہ جواب دینے کی بجائے دزدیدہ نظروں سے خان جنید کو دیکھنے لگی۔ وہ بہت مطمئن تھے اسی بے پروائی سے بولے۔
"چائلڈ از نو پرابلم۔"
ان کے لیے تو واقعی نو پرابلم لیکن انہیں اس کی کوکھ خالی رکھنے کا بھی کوئی حق نہیں جب ہی ان کا جواب سنتے ہی وہ ڈاکٹر کے کمرے سے نکل آئی اور بغیر کہیں رکے گاڑی میں آ بیٹھی۔ کچھ دیر بعد خان جنید آئے تو ایک نظر اس پر ڈال کر تنبیہی لہجے میں بولے۔
"یہ کیا حرکت تھی۔" وہ کچھ نہیں بولی اور چہرہ دوسری طرف موڑ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔

❁......❁......❁......❁

اسے لگ رہا تھا جیسے اب اس کی قسمت میں قدم قدم پر درد سہنا ہی لکھا گیا ہے۔ بلال احمد کے سرد رویے سے سنبھلی نہیں تھی کہ خان جنید کا "چائلڈ از نو پرابلم۔" حالانکہ پہلے بھی انہوں نے اسے اندھیرے میں نہیں رکھا تھا۔ صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اس کی یہ خواہش پوری نہیں کر سکتے اور اس نے کسی طور خود کو بہلا بھی لیا تھا لیکن کل پھر ایسی بات سن کر اسے نئے سرے سے دھچکا لگا تھا اور وہ کسی طرح اپنا دھیان نہیں بٹا پا رہی تھی۔
اس وقت وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر آن بیٹھی تھی۔ ٹھنڈا فرش، ٹھنڈا ستون جس کے ساتھ اپنا کندھا لگایا تو پورے وجود میں سرد لہر دوڑ گئی پھر بھی وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ دور آسمان پر ابھی کوئی ستارہ نہیں چمکا تھا نہ پرندوں کے جھنڈ نظر

آ ئے۔اس کی نظریں جانے کس چیز کی تلاش میں بھٹک رہی تھی پتا نہیں چلا کب آصف جاہ آیا۔غالباً سیدھا اندر جارہا تھا۔اس پر نظر پڑی تو ٹھٹکا اور کچھ تعجب کچھ تشویش سے پوچھنے لگا۔

"آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟" اور اس کے اندر کا غبار جسے خان جنید باہر نکلنے کا موقع ہی نہیں دیتے تھے اچانک ابل پڑا۔

"تمہیں اس سے کیا میں کہیں بھی بیٹھوں۔میرا گھر ہے۔تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے" وہ جو سیڑھی پر پاؤں رکھے قدرے اسی کی طرف جھکا ہوا تھا سیدھا کھڑا ہوگیا۔

"میں کوئی بھی نہیں ہوں۔پھر بھی آپ کو یہاں نہیں بیٹھنے دوں گا اندر چلیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ فضا میں خنکی بڑھ رہی ہے اور آپ نے کوئی گرم کپڑا بھی نہیں پہنا۔" وہ حتی الامکان لہجے پر قابو پا کر دھیرج سے بولا اور وہ اسی قدر خودسری پر آمادہ ہوکر بولی۔

"تمہیں کیا زیادہ سے زیادہ بیمار پڑوں گی یا مرجاؤں گی تمہارا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔"

"نقصان تو جو ہونا تھا ہوگیا۔" آصف جاہ نے کہتے ہوئے سر اونچا کرکے شفاف آسمان کو دور تک دیکھا پھر گہری سانس سینے کے اندر دبا کر پوچھنے لگا۔"خان انکل کہاں ہیں؟" وہ اس کی پہلی بات سے کچھ سناٹے میں تھی۔اس لیے جواب نہیں دے سکی۔

"آئیے اندر چلیں۔" آصف جاہ نے یوں اس کی طرف ہاتھ بڑھایا جسے وہ تھام کر اٹھے گی اور وہ بہت خاموشی سے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ کو دیکھنے لگی۔

"کبھی کبھی ہم جیسوں کا ہاتھ تھام لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔"اس نے چونک کر دیکھا مذاق میں کہی بات کو جانے کیوں اس نے انا کا مسئلہ بنالیا تھا۔توہین چیلنج یا پھر کوئی اور بات۔اس کی سمجھ میں نہیں آیا تو ستون کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی اور اس کی طرف دیکھے بغیر سیدھی اپنے کمرے میں آگئی۔

اس رات وہ ایک پل کے لیے بھی نہیں سوسکی۔اس کی زندگی کی ناؤ طوفانوں کی زد میں آگئی تھی اور تمام رات وہ ان طوفانوں سے لڑتی رہی۔فجر کی اذانیں ہونے لگیں تب بھی اس کی کشتی بیچ بھنور میں تھی اور وہ لڑتے لڑتے تھک گئی تھی اس سے پہلے کہ بالکل ہار جاتی اس نے اٹھ کر وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑی ہوگئی آنسو اس کی پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے اور جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ہتھیلیاں تر ہوگئیں۔

"میرے رب! مجھے وہ راستہ دکھا جو تو میرے لیے پسند کرتا ہے۔" اور اپنا معاملہ اپنے پیدا کرنے والے پر چھوڑ کر وہ اطمینان سے سوگئی۔پتا نہیں آفس جاتے ہوئے خان جنید نے اسے اٹھایا کہ نہیں اسے کچھ خبر نہیں۔رات بھر کی جاگی ہوئی تھی سارا دن سوتی رہی۔

چار بجے کہیں جاکر آنکھ کھلی تو پہلے گرم پانی سے غسل کیا پھر آکر کھانا کھایا اس کے بعد چائے لے کر لاؤنج میں آبیٹھی۔رات کی سوچوں سے اسے چھٹکارہ تو نہیں ملا تھا لیکن وہ کشاکش بھی نہیں تھی۔بلکہ طوفانوں سے نکل کر اب اس کی کشتی بہت سہولت سے اپنا راستہ تلاش کررہی تھی۔

تب ہی آصف جاہ آگیا۔بس سلام کرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جارہا تھا کہ اس نے بے اختیار پکارا۔

"سنو آصف۔" وہ رکا لیکن پلٹ کر نہیں دیکھا تو اس نے چائے کا سپ لینے کے بعد کہا۔

"ایسا کرو تم اپنا ٹھکانا کہیں اور کرلو۔"

"جی......" وہ ایک دم اس کی طرف پلٹا۔

"ہاں میں چاہتی ہوں تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"کیوں آپ ایسا کیوں چاہتی ہیں۔" وہ اسے نظروں کی گرفت میں لے کر پوچھنے لگا۔

"کوئی خاص وجہ نہیں۔" جانے کیسے اس کے اندر اتنا سکون آگیا تھا جیسے کل وہ دھیرج سے بات کررہا تھا اور وہ تلملا رہی تھی اب اس کی جگہ وہ تھا۔

"وجہ ہے اور اگر آپ ایمان داری سے اعتراف کرلیں تو میں اسی وقت چلا جاؤں گا......ورنہ نہیں۔"

”کیسا اعتراف؟“ اس نے پیشانی پر بل ڈال کر اسے دیکھا تو وہ اس کی طرف آتے ہوئے بولا۔
”آپ کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ خان جنید انکل سے پہلے میرے جیسا کوئی آپ کی زندگی میں آیا ہوتا تو آپ اسے نظر انداز نہیں کرسکتی تھیں۔“
”کرچکی ہوں تمہارے جیسے کتنوں کو نظر انداز کرچکی ہوں۔ سمجھے۔ اب تم جاؤ۔“ وہ سختی سے کہتے ہوئے اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی اور وہ پتا نہیں گیا کہ نہیں۔ البتہ رات کے کھانے پر نظر نہیں آیا تھا۔

❁......❁......❁......❁
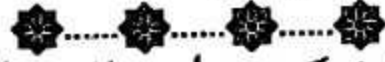
ساجدہ بیگم کے کہنے پر نشا دلہن تانیہ کو اس کے کمرے میں لے آئی۔ جسے اس نے محسن کے ساتھ مل کر بہت خوب صورتی سے سجایا تھا۔ تانیہ کو بٹھا کر اس نے اس کا دوپٹہ ٹھیک کیا پھر کھانے پینے کی چیزوں کا جائزہ لے کر شوخی سے بولی۔
”اچھا جناب! اس سے پہلے کہ احسن بھائی آ کر مجھے کمرے سے نکل جانے کو کہیں میں جارہی ہوں۔“ تانیہ کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تو وہ اسے شب بخیر کہہ کر کمرے سے نکل آئی۔ سامنے سے احسن آرہے تھے اس نے جلدی سے اپنے کمرے میں داخل ہوکر دروازہ بند کرلیا۔ محسن کھڑکی کے قریب کھڑا لان میں جلتے بجھتے قمقموں کو دیکھ رہا تھا۔
”اچھی رہی نا شادی مزہ آیا۔“ اس نے اپنے کانوں سے جھمکے اتارتے ہوئے کہا۔
”ہاں تم نے حساب بھی تو برابر کردیا۔“ محسن کی نظریں ہنوز کھڑکی سے باہر بھٹک رہی تھیں۔ وہ سمجھی نہیں۔
”کیسا حساب؟“
”ارے......“ وہ اس کی طرف پلٹ کر طنزیہ ہنسی کے ساتھ کہنے لگا۔ ”اتنی جلدی بھول گئیں لیکن نہیں تم کیسے بھول سکتی ہو۔ بہت زیادہ وقت تو نہیں گزرا۔“
”آپ کیا کہہ رہے ہیں مونی۔ میں کچھ نہیں سمجھ رہی۔“ اس کے الجھنے پر وہ ہنسنے لگا۔ ہنستا چلا گیا۔ تو وہ ٹھٹک کر خائف ہوگئی۔
”مونی۔“
”ہاں نشا۔“ محسن نے ایک دم اسے دونوں بازوؤں سے تھام لیا۔ ”میں اکیلا نہیں ہوں۔ میں اکیلا نہیں ہوں نشا جسے محبت خیرات میں ملی۔ تانیہ بھی ہے۔ میری طرح جانے کب تک خوش فہم رہے گی اور جب اسے معلوم ہوگا کہ تم نے اپنی محبت کا واسطہ دے کر احسن بھائی کو اس سے شادی پر مجبور کیا تھا تو اس پر بھی وہی بیتے گی جو مجھ پر بیت رہی ہے۔“
”مونی......!“ وہ سناٹے میں آکر نفی میں سر ہلانے لگی۔
”جھٹلانا مت نشا۔ میں خود سب سن چکا ہوں۔ مجھے بس اتنا بتادو تم نے مجھ پر یہ ظلم کیوں کیا۔ احسن بھائی نے تمہیں اپنی محبت کا واسطہ دے کر مجھ سے شادی پر مجبور کیا اور تم مان گئیں۔ تمہیں مجھے بتانا چاہئے تھا۔ اتنی انڈر اسٹینڈنگ تو تھی ہمارے درمیان۔ کیا ہم دکھ سکھ شیئر نہیں کرتے تھے۔“
”ہاں لیکن۔“ آواز اس کے حلق میں پھنس گئی۔
”بہت غلط کیا تم نے ظلم کیا مجھ پر۔ میں اپنی نظروں میں گرگیا......ارے میں تو پہلے ہی ٹوٹا ہوا بے بس انسان تھا تم لوگوں نے اور......“ محسن کی آواز بوجھل ہوکر ٹوٹ گئی تو اس کی طرف سے رخ موڑ گیا۔ نشا کے آنسو روانی سے چھلک پڑے۔
”مم......میں آپ کو جھٹلاؤں گی نہیں مونی۔ لیکن سچ یہ ہے کہ وہ میرا ماضی تھا جسے وقت کی گرد نے دھندلا دیا......اب میرا سب کچھ آپ ہیں۔“
”بس......“ محسن جھٹکے سے اس کی طرف پلٹا تھا۔
”بس نشا اب مجھے مزید فریب مت دو۔ میں سہہ نہیں پاؤں گا۔ سچ یہ ہے سرخرو ہوگئی تم۔ سرخرو ہوگئے احسن بھائی۔ کتنے عظیم ہو تم لوگ۔ سلام کرتا ہوں تمہاری عظمت کو۔ سلام کرتا ہوں۔“ وہ آپے میں نہیں رہا تھا۔ دونوں بازو پھیلا کر اس کی عظمت کو سراہتے ہوئے یک دم اسے کھانسی

کا دورہ پڑا تھا۔
"مونی...... مونی پلیز' مجھ پر نہیں تو اپنے آپ پر رحم کریں۔" وہ اسے اپنے دونوں بازوؤں میں جکڑ کر سنبھالنے کی سعی میں خود بھی ڈھے گئی۔
"مونی...... مونی اٹھیں ناں۔" اس نے اوندھے منہ گرے محسن کو جھنجوڑا پھر ایک دم اٹھ کر بھاگتے ہوئے کمرے سے نکلی اور احسن کا دروازہ پیٹ ڈالا۔
"احسن بھائی۔" اور احسن تانیہ کا ہاتھ تھامے اس کی انگلی میں رونمائی کی انگوٹھی ڈالتے ہوئے گھبرا کر اٹھے تھے۔ فوراً دروازہ کھولا تو نشا انتہائی پریشان نظر آئی۔
"احسن بھائی مونی...... دیکھیں ان کی طبیعت......"
احسن اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اس کے کمرے کی طرف بھاگے تھے۔ پیچھے وہ بھی۔
اور سیج پر بیٹھی دلہن کی نظریں رونمائی کی انگوٹھی پر جا ٹھہریں جو ابھی پوری اس کی انگلی میں نہیں سمائی تھی۔

❁......❁......❁......❁

تانیہ نے احسن سے شادی نہ کرنے کی وجہ پوچھی تھی تو انہوں نے کہا تھا۔
"میرا بھائی...... میں اس کی طرف سے غافل نہیں ہوسکتا۔ شادی کرلوں گا تو فطری بات ہے میری توجہ بٹ جائے گی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میری بیوی کو میرا اپنے بھائی کے ساتھ اٹیچ ہونا پسند نہ آئے۔" اور اس وقت تانیہ نے کہا تھا۔
"تم ایسا کیوں سوچتے ہو یہ کیوں نہیں سوچتے کہ تمہاری بیوی تمہارا ساتھ بھی دے سکتی ہے۔"
اور یہ نہیں تھا کہ تانیہ اپنی بات بھول گئی تھی یا اپنی بات کا پاس نہیں رکھنا چاہتی تھی وہ اس شخص کے ساتھ قدم ملا کر چلنا چاہتی تھی لیکن یہ تو اس نے تصور ہی نہیں کیا تھا کہ وصل کے اولین لمحوں میں وہ یوں اس کا ہاتھ چھوڑ کر چلا جائے گا۔ کتنی دیر وہ گم صم بیٹھی باہر سے آتی آوازیں سنتی رہی۔ پھر ایمبولینس کا سائرن اس کے بعد ایک دم خاموشی چھا گئی۔ تب اس نے اٹھ کر ڈریسنگ روم کا رخ کیا۔ چینج کر کے نکلی تو ساجدہ بیگم کو دیکھ کر اس کی نظریں جھک گئیں۔
"وہ بیٹا مونی......" ساجدہ بیگم اپنی جگہ عجیب سا محسوس کررہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آیا اس سے کیا کہیں تب وہ آگے بڑھ آئی۔
"میں جانتی ہوں آنٹی آپ پریشان نہ ہوں۔"
"پریشان کیسے نہ ہوں۔ اچانک پتا نہیں کیا ہوجاتا ہے اسے۔" ساجدہ بیگم کی آواز بھرا گئی۔
"ٹھیک ہوجائے گا۔ آپ بیٹھیں۔ میں آپ کے لیے گلوکوز لاتی ہوں۔" وہ ڈاکٹر تھی اسی حساب سے انہیں ٹریٹ کررہی تھی۔
"تم بھی کیا سوچتی ہوگی۔" ساجدہ بیگم نے اس کا چہرہ دیکھا تو وہ مسکرائی۔
"میں کچھ نہیں سوچ رہی اور ہاں نشا کہاں ہے؟" اس نے اچانک خیال آنے پر نشا کا پوچھا۔
"وہ ساتھ گئی ہے میں تو منع کررہی تھی لیکن وہ......"
"اور انکل......" اس نے جلال احمد کا پوچھا۔
"وہ ابھی گئے ہیں تم فون کرو احسن کو۔" ساجدہ بیگم نے بتا کر کہا تو اپنا سیل فون اٹھاتے ہوئے اس کی نظر احسن کے موبائل پر پڑی۔
"احسن کا موبائل تو یہیں رکھا ہے۔ خیر وہ خود فون کرلیں گے' آپ آرام سے بیٹھ جائیں آنٹی۔ میں آپ کے لیے......"
"نہیں بیٹا۔ مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں۔ تم آرام کرو۔" ساجدہ بیگم پیار سے اس کا گال تھپک کر چلی گئیں۔ تو وہ اپنے پیچھے صوفہ دیکھ کر وہیں بیٹھ گئی۔ وسط دسمبر کی سرد رات بہت دھیرے دھیرے سرک رہی تھی۔ جانے صبح کیا پیغام لانے والی تھی۔ اس نے صوفے کی بیک پر سر رکھ کر پلکیں موندلیں۔
وہ خوابوں میں رہنے والی لڑکی نہیں تھی۔ پھر بھی کچھ خواب تھے اور وہ ان سے دستبردار نہیں ہوسکتی تھی۔

❁......❁......❁......❁

وہ ایمرجنسی روم کے بند دروازے پر نظریں جمائے

بالکل ساکت بیٹھی تھی جبکہ اس کے ذہن میں جھکڑ چل رہے تھے۔ محسن کے بدلتے رویے سے وہ پریشان ضرور ہوتی تھی اور یہ بھی سوچتی کہ اسے کیا ہوگیا ہے لیکن یہ تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس کی احسن کے ساتھ گفتگو سن کر بدگمان ہوگیا ہے اور جانے اب وہ اس کا یقین کرے گا کہ نہیں۔

"محبت میں بڑی طاقت ہے مردوں کو زندہ کردیتی ہے۔" اب وہ خود کو یقین دلا رہی تھی کہ احسن کے پکارنے پر چونکنے کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔

"کیسے ہیں محسن ٹھیک ہیں ناں؟" انداز میں حد درجہ بے قراری تھی۔ احسن ہلکے سے اثبات میں سر ہلا کر بولے۔

"ٹھیک ہوجائے گا۔"

"ابھی...... ابھی کیسے ہیں۔ مجھے لے چلیں ان کے پاس۔" وہ مچل گئی۔

"ریلکس۔" احسن نے اس کے کندھے پر دباؤ ڈال کر بٹھایا۔ پھر ساتھ بیٹھ کر پوچھنے لگے۔ "کیا ہوا تھا مونی کو شام تک تو ٹھیک تھا۔ کوئی بات ہوئی تھی؟"

"نہیں۔" وہ نظریں چرا کر اپنے ناخن دیکھنے لگی۔

"دیکھو نشا۔ مجھ سے کچھ مت چھپاؤ۔" انہوں نے کہا تو وہ اپنے آپ میں الجھ کر بولی۔

"کیا چھپاؤں گی میں آپ سے۔ اپنی شادی کے دن بھی مونی کا یہی حال تھا اور اب آپ کی۔" وہ رکی پھر ایک دم انہیں دیکھ کر بولی۔ "آپ یہاں کیا کررہے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ سمجھے نہیں۔

"مطلب آپ کی شادی...... وہ تانیہ...... آپ کو گھر جانا چاہئے۔" وہ بے ربط تھی۔ احسن کچھ نہیں بولے۔

"احسن بھائی...... تانیہ بھابی کیا سوچیں گی۔ پلیز آپ جائیں۔" اب کہ اس نے منت سے کہا۔ وہ اسے تسلی دینا چاہتے تھے لیکن جلال احمد کو آتے دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کیسا ہے مونی...... کہاں ہے؟" جلال احمد نے پریشانی سے پوچھا۔

"اسے روم میں منتقل کیا جارہا ہے۔ میڈیسن کے زیر اثر ہے صبح تک ہوش میں آئے گا۔" انہوں نے بتایا تو جلال احمد نشا پر نظر ڈال کر کہنے لگے۔

"ٹھیک ہے۔ میں رکتا ہوں مونی کے پاس۔ تم نشا کو لے کر گھر چلے جاؤ۔"

"نہیں تایا ابو" وہ فوراً بول پڑی۔ "میں نہیں جاؤں گی۔ میں مونی کے پاس رہوں گی۔"

"بیٹا۔"

"تایا ابو پلیز۔" وہ رو پڑی۔ جلال احمد احسن کو دیکھنے لگے۔

"کوئی خطرے کی بات نہیں ہے ابو۔ صبح تک مونی ٹھیک ہوگا آپ جا کر آرام کریں۔ صبح ہم مونی کو گھر لے آئیں گے۔" احسن نے گویا اسے رکنے کا اشارا دیا تھا۔

"احسن بھائی آپ کو بھی جانا چاہئے۔" اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ وہ ان سنی کرکے جلال احمد کے ساتھ چل پڑے اور کچھ ہی دیر میں انہیں رخصت کرکے واپس آئے تو وہ پوچھنے لگی۔

"آپ نہیں گئے؟"

"شٹ اپ۔ چلو مونی کے پاس اور خبردار رونا دھونا نہیں۔" وہ دبے لہجے میں اسے ڈانٹ کر وارن کرتے ہوئے محسن کے روم میں لے آئے تو پھر ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی بیڈ سے کچھ فاصلے پر رک گئی۔ محسن کے چہرے پر آکسیجن ماسک چڑھا تھا۔ جس سے اس کی سانسوں کی آمدورفت واضح محسوس ہورہی تھی۔

"تم نے کبھی بجھتے ہوئے دیئے کو دیکھا ہے۔ جسے کچھ دیر اور روشن رکھنے کی خاطر ہتھیلی کی اوٹ میں لے لیا جاتا ہے۔ میں اسی دیئے کی مانند ہوں۔" اس کی سماعتوں پر دستک ہونے لگی۔ ایک کے بعد ایک۔

"میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ نشا کہ کبھی میری زندگی میں بھی بہار آسکتی ہے۔ لیکن تمہاری محبت نے تو

اچانک ایسے پھول کھلائے ہیں کہ میں صرف چند برس نہیں بلکہ برسہابرس جینے کی تمنا کرنے لگاہوں۔"

"مونی....." اس کی آنکھوں میں ٹوٹ کے ساون اترا تھا۔تب ہی عقب سے احسن نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ ان کے سینے میں منہ چھپا کر سسک پڑی۔

"احسن بھائی...... مونی کو کچھ ہوا تو میں زندہ نہیں رہوں گی۔" احسن نے اس کا سر تھپک کر تسلی دی۔ پھر اسے دوسرے بیڈ پر لٹا کر کمبل اوڑھایا اور سونے کی تاکید کرتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

❀......❀......❀......❀

گو کہ آصف جاہ کے جانے سے گھر سونا ہو گیا تھا پھر بھی وہ خود کو باور کراتی کہ اس کا جانا ہی بہتر تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں گیا ہے نہ اس نے کسی سے پوچھنا مناسب سمجھا تھا۔ وہ اس سے لاتعلق رہنا چاہتی تھی تو لاتعلقی ظاہر بھی کر رہی تھی۔ اس وقت بنٹی فون پر شاید آصف جاہ سے ہی بات کر رہا تھا۔ اس نے سننے کی کوشش نہیں کی اور برآمدے میں نکل آئی۔ فضا میں عجیب سی سوگواریت محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے دور تک پہلے آسمان کو دیکھا پھر اندر جانے لگی تھی کہ خان جنید کی گاڑی گیٹ سے داخل ہوتے دیکھ کر رک گئی۔ اسے اچنبھا ہوا ابھی کچھ دیر پہلے تو وہ آفس گئے تھے اتنی جلدی واپسی۔

"ہیلو۔" خان جنید نے قریب آ کر اس کی سراسیمگی کو توڑا تو وہ چونک کر بولی۔

"خیریت؟"

"سب خیریت......" انہوں نے بریف کیس کے ساتھ ایک لفافہ اسے تھمایا تو وہ ان کے ساتھ اندر آتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"اس لفافے میں کیا ہے۔"

"دیکھ لو۔" وہ بے نیازی سے بولے۔ اس نے بریف کیس رکھ کر لفافہ کھولا۔ اس کے اور خان جنید کے پاسپورٹ کے ساتھ لندن کے ٹکٹس تھے۔ وہ انہیں دیکھنے لگی۔

"بھئی تم ہی چاہتی ہو کہ میں بائی پاس کرالوں۔" انہوں نے کہا تو وہ اطمینان سے بولی۔

"بالکل چاہتی ہوں کب جانا ہے؟"

"کل۔"

"اتنی جلدی۔ میرا مطلب ہے آپ کو پہلے بتانا چاہیے تھا۔" وہ تیاری کا سوچ کر بوکھلا گئی۔

"کیا پرابلم ہے تمہیں اپنی مدر سے ملنا ہے۔ بہن سے ملنا ہے تو جاؤ مل آؤ پھر آ کر ایک سوٹ کیس تیار کر دینا۔" ان کے لیے واقعی کوئی پرابلم نہیں تھی۔ وہ خاموش ہو گئی۔ پھر پہلے امی کے پاس جانے کا سوچ کر وہ تیار ہو کر نکلی تھی کہ راستے میں احسن کا فون آ گیا۔ نشا کے نمبر سے کال کر رہے تھے۔ انہوں نے زیادہ کچھ نہیں بتایا بس یہی کہا کہ وہ نشا کے پاس ہاسپٹل چلی جائے۔ وہ پوچھتی رہ گئی کیا ہوا...... نشا کو لیکن ادھر سے سلسلہ منقطع ہو گیا تھا بلکہ کر دیا گیا۔ اس کی پریشانی فطری تھی۔ آندھی طوفان کی طرح ہاسپٹل پہنچی اور نشا کو دیکھ کر ابھی کچھ سمجھ نہیں پائی تھی کہ نشا اس کے گلے لگ کر رو پڑی۔

"نشا......" وہ مزید پریشان ہوئی۔

"کیا ہوا ہے...... کون ہے یہاں؟"

"مونی...... میرا محسن۔" نشا کی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔

"کیا ہوا محسن کو؟" اس نے جھٹکے سے نشا کو خود سے الگ کیا۔

"وہ بس پتا نہیں۔ اچانک انہیں کیا ہو جاتا ہے۔" یہ تفصیل میں جانے کا وقت نہیں تھا۔ یوں بھی نشا نے پہلے کچھ نہیں بتایا تھا۔ یہ سوچ کر کہ وہ اپنی طرف سے اپنی ماں کو کوئی دکھ نہیں دے گی اور اب تو وہ پور پور محسن کی محبت میں ڈوب چکی تھی کیسے کہہ دیتی کہ وہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہے۔

"ہے کہاں؟" صبا نے پوچھا تو نشا اس کا ہاتھ تھام کر روم میں لے آئی۔ جہاں محسن آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ اس کی پلکوں کی لرزش دیکھ کر ہی نشا نے پکارا تھا۔

"مونی...... صبا آئی ہے۔" محسن نے صبا کا سن کر

آنکھیں کھولی تھی۔

"کیا ہوا ہے آپ کو؟" صبا نے آگے بڑھ کر پوچھا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"بس دل چاہ رہا تھا سب کو اپنے لیے پریشان کروں۔"

"کچھ زیادہ ہی پریشان کردیا ہے آپ نے۔ نشا کی حالت دیکھ رہے ہیں مجھے تو آپ سے زیادہ یہ بیمار لگ رہی ہے۔" صبا نے نشا کی سرخ آنکھوں اور چہرے کی طرف اشارا کرکے کہا تو وہ ایک نظر نشا پر ڈال کر بولا۔

"آپ اسے گھر لے جائیں۔"

"نہیں آپ کے ساتھ ہی جاؤں گی۔" نشا فوراً بولی۔

"کہاں میرا مطلب ہے میرا تو فی الحال گھر جانے کا کوئی پروگرام نہیں۔ کچھ دن بلکہ بہت سارے دن یہیں آرام کروں گا۔" وہ غالباً صبا کی وجہ سے ہلکے پھلکے انداز میں بولتے ہوئے مسکرا بھی رہا تھا۔

"دن کیا چاہے مہینوں میں بھی یہیں رہوں گی۔" نشا ضد سے بولی تو صبا ہنس پڑی۔

"یہ تم دونوں کیا فضول باتیں کررہے ہو۔ محسن آپ شام تک بالکل فٹ فاٹ ہوکر گھر جائیں پھر کل آپ دونوں نے ہمیں سی آف کرنے آنا ہے۔" اس نے ٹوک کر کہا تو محسن پوچھنے لگا۔

"کہاں جارہی ہیں آپ؟"

"لندن...... خان صاحب کا بائی پاس ہے۔" اس نے بتایا تو نشا پریشانی سے اسے دیکھنے لگی جب کہ محسن نے او کے انداز میں ہونٹ سکیڑ لیے تھے۔

"بہرحال تم لوگ دعا کرنا۔ مجھے ابھی امی سے ملنا ہے اور تیاری بھی کرنی ہے۔ ٹھیک ہے پھر ان شاءاللہ ملاقات ہوگی اور ہاں محسن سب کو پریشان کرنا ٹھیک نہیں۔" آخر میں اس نے محسن کو سرزنش کی پھر نشا سے گلے مل کر اسے ڈھیروں تسلی دے کر وہاں سے نکل آئی۔ پھر ثریا کے پاس وہ زیادہ دیر نہیں رکی تھی۔ بس چائے پینے تک بیٹھی اس دوران ثریا کو تسلی بھی دیتی رہی اور بار بار دعا کے لیے بھی کہتی رہی تھی۔ گو کہ اس کے پاس کرنے کو بہت ساری باتیں تھیں لیکن ابھی اسے تیاری بھی کرنی تھی اس لیے بہت عجلت میں ثریا سے مل کر گھر آئی تو اپنے کمرے سے آتی آواز سن کر ٹھٹک گئی۔ کوئی بہت اونچا اونچا بول رہا تھا اسے اندر جانا ٹھیک نہیں لگا نہ ہی اس نے سننے کی کوشش کی۔ واپس پلٹ کر بنٹی کے کمرے میں جارہی تھی کہ ملازم کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"سنو صاحب کے کمرے میں کون ہے؟"

"جمشید صاحب اور فریحہ بی بی آئی ہیں۔" ملازم نے بتایا تو اس نے یونہی سر ہلا کر پوچھا۔

"اور بنٹی کہاں ہے؟"

"وہ بھی وہیں صاحب کے کمرے میں ہیں بیگم صاحبہ۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ ملازم کو بھیج کر لاؤنج میں آبیٹھی۔ گو کہ خان جنید کی اولادوں کا آنا کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ اب جب کہ وہ بائی پاس کے لیے جارہے تھے تو انہیں آنا ہی تھا اس میں کوئی پریشانی کی بات نہیں تھی پھر بھی اس کا اندر جانے کیوں بے چین تھا بار بار اپنے کمرے کے بند دروازے کو دیکھتی جس کے اس طرف ماحول یقیناً سازگار نہیں تھا۔

کتنی دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور پہلے بنٹی اپنی چیئر دھکیلتے ہوئے نکل کر سیدھا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ وہ اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر کچھ اخذ کرنے لگی تھی کہ خان جمشید اور فریحہ کو نکلتے دیکھ کر بلا ارادہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی لیکن وہ دونوں اسے یکسر نظر انداز کرتے ہوئے باہر نکلتے چلے گئے تھے۔

"یا اللہ......" اس کی کچھ سمجھ نہیں آیا تو بھاگ کر کمرے میں آئی۔ خان جنید فون پر بات کررہے تھے۔

"صبح نو بجے تم عبدالرحمن کو لے کر میرے آفس پہنچنا۔ دیر نہیں ہونی چاہیے۔"

"ٹھیک......" انہوں نے فون رکھ کر اسے دیکھا وہ پریشان کھڑی تھی۔

"کیا ہوا خان؟"

"کچھ نہیں تم تیاری کرو۔" انہوں نے کہہ کر اپنا بریف کیس کھولا۔ تو وہ مزید کچھ پوچھنے کا ارادہ ملتوی کرکے وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی۔

❁......❁......❁......❁

احسن نے پوری رات ہاسپٹل میں جاگ کر کاٹی تھی۔ صبح دس بجے وہ گھر آتے ہی سو گئے تھے۔ دوپہر میں ساجدہ بیگم جلال احمد کے ساتھ ہاسپٹل چلی گئیں اور وہ ایک رات کی دلہن سارے گھر میں چکرائی پھر رہی تھی۔ کبھی کمرے میں آ کر احسن کو دیکھنے لگتی جن کے چہرے پر کچھ پالینے کا شائبہ تک نہیں تھا۔ نہ اولین شب کے ضائع کا ملال۔ بلکہ نیند میں بھی یوں لگ رہا تھا جیسے ان کا دھیان محسن کی طرف ہو اور یہ تو وہ جانتی تھی کہ محسن کے معاملے میں وہ کچھ حساس ہیں اور انہوں نے اسے باور بھی کرادیا تھا پھر بھی اپنا یوں نظر انداز ہونا اسے بری طرح کھل رہا تھا۔ اس وقت وہ کتنی دیر سے ان کے چہرے پر نظریں جمائے کھڑی تھی جب کروٹ بدلتے ہوئے انہوں نے ذرا سی آنکھیں کھولیں اور پھر ایک دم بیدار ہوگئے۔

"چائے لاؤں......" انہیں پوری آنکھیں کھولتے دیکھ کر تانیہ نے چونک کر پوچھا تو جواباً انہوں نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اپنا ایک بازو اس کی طرف بڑھایا۔ وہ جھکی پھر ان کے پاس بیٹھ کر بولی۔

"چار بج رہے ہیں۔"

"ارے......" وہ فوراً اٹھ بیٹھے۔ "میں اتنی دیر تک سوتا رہا، تم نے اٹھایا کیوں نہیں۔"

"سوچا تو تھا پھر اس خیال سے رک گئی کہ پتا نہیں اتنی گہری نیند سے اٹھائے جانے پر تمہارا کیا ردعمل ہو۔" اس نے صاف گوئی سے کہا تو وہ بظاہر سنجیدگی سے پوچھنے لگے۔

"ردعمل جاننا چاہتی ہو؟" تانیہ نے اثبات میں سر ہلایا کہ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ ارے ارے کرتی رہ گئی۔

پھر ساجدہ بیگم اور جلال احمد ہاسپٹل سے لوٹے تو وہ احسن کے ساتھ جانے کو تیار ہوگئی۔ احسن کا خیال تھا وہ اسے اس کی امی کے پاس چھوڑ دیں گے لیکن وہ نہیں مانی۔ پہلے مقام پر ہی اس نے اپنی حیثیت کا تعین کردیا تھا پھر وہ کوئی ٹین ایج لڑکی نہیں تھی کہ ناز نخرے دکھا کر شوہر کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کرتی اسے احسن کے ساتھ چلنا تھا۔

جب وہ احسن کے ساتھ روم میں داخل ہوئی محسن جانے کس بات پر نشا کو سخت سست کہہ رہا تھا۔ نشا کا انداز ضدی روٹھے بچے جیسا تھا۔

"ارے ارے مونی...... اتنا غصہ کیا ہوگیا ہے یار۔ کیوں اس بے چاری کو ڈانٹ رہے ہو۔" احسن نے فوراً بڑھ کر محسن کا ہاتھ تھام کر ٹوکا، تو وہ ناراضگی سے بولا۔

"آپ کی اس بے چاری نے مجھے عاجز کردیا ہے۔" محسن کے آپ کی کہنے پر نشا گھبرا کر کمرے سے نکل گئی تو تانیہ بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔

"بے وقوف رو کیوں رہی ہو۔" اس نے نشا کو ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے دیکھ کر پیار سے ٹوکا پھر کہنے لگی۔

"تمہیں اس کی باتوں کا برا نہیں ماننا چاہیے۔ اصل میں وہ اپنی طبیعت سے پریشان ہے پھر شاید غلطی بھی فیل کرتا ہوگا کہ خوشی کے موقع پر وہ سب کے لیے پرابلم بن جاتا ہے۔"

"مونی میرے لیے پرابلم نہیں ہیں تانیہ بھابی۔ میں تو عادی ہوں بلکہ ہم سب عادی ہیں۔" نشا نے کہا۔

"اچھا تم پریشان مت ہو یہ بتاؤ ابھی ڈاکٹر کیا کہہ رہے ہیں؟" تانیہ نے تسلی دے کر پوچھا۔

"یہ تو احسن بھائی کو پتا ہوگا۔ ڈاکٹر سے ان کی بات ہوتی ہے۔" نشا نے کہا تب ہی احسن آ کر کہنے لگے۔

"مونی تمہارے لیے پریشان ہے نشا۔ تم اس کی بات کیوں نہیں مانتی۔"

"کون سی بات؟" نشا حیران ہوئی۔

"اس کا کہنا ہے کہ تمہیں گھر جا کر آرام کرنا چاہیے ورنہ

بیمار پڑ جاؤ گی اور وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" احسن نے بتانے کے ساتھ محسن کی تائید بھی کی۔

"تو یہاں مونی کے پاس کون رہے گا؟" نشا نے بے اختیار پوچھا تو احسن اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"میں جو ہوں۔"

"نہیں آپ جائیں۔ میں مونی کے ساتھ ہی گھر جاؤں گی۔" نشا کہہ کر روم میں چلی گئی تو اس کے پیچھے دیکھتے ہوئے انہوں نے کندھے اچکائے پھر تانیہ کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"اب کیا پروگرام ہے۔"

"امی کے گھر چلیں۔" تانیہ نے کہا پھر ان کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھنے لگی۔ "محسن کب ڈسچارج ہوگا۔"

"کل ان شاء اللہ۔"

"ایک بات پوچھوں احسن؟" جب احسن گاڑی مین روڈ پر لے آئے تب وہ بولی۔

"ہوں؟"

"کیا ان دونوں کی لو میرج ہے؟"

"کن دونوں کی؟" احسن کا دھیان جانے کہاں تھا۔

"میں نشا اور محسن کی بات کر رہی ہوں۔" تانیہ نے زور دے کر کہا تو اپنے آپ میں گلٹی فیل کرتے ہوئے احسن صرف سر ہلا سکے۔

"میرا ابھی یہی خیال تھا ورنہ......" وہ جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ ایک دم خاموش ہو گئی پھر کنکھیوں سے احسن کو دیکھا۔ انہوں نے شاید سنا نہیں تھا جس پر اس نے شکر کیا تھا۔

❁......❁......❁......❁......❁

کچھ ہی دیر میں لندن جانے والی فلائٹ کا اعلان ہونے والا تھا۔ وہ خان جنید سے ایکس کیوز کر کے ایک طرف آ کھڑی ہوئی اور جلدی سے اپنا سیل فون نکال کر نشا کو کال ملائی۔

"سوری صبا...... ہم تمہیں سی آف کرنے نہیں آ سکے۔ اصل میں مونی ابھی......" نشا کال ریسو کرتے ہوئے معذرت کے ساتھ مجبوری بیان کرنے لگی تھی کہ وہ ٹوک کر بولی۔

"کم آن نشا جانتی ہوں تم پریشان مت ہو اور میرے لیے بہت دعا کرنا۔"

"تم گھبرا رہی ہو صبا۔" نشا نے جانے کیسے محسوس کر لیا تھا۔

"ہاں...... مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے نشا...... پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں بالکل اکیلی ہوں میرے آس پاس کوئی نہیں۔" صاف گوئی سے اعتراف کرتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی تھی ادھر نشا پریشان ہو گئی۔

"صبا...... جنید بھائی کہاں ہیں؟"

"میرے ساتھ ہیں۔" اس نے قدرے فاصلے پر بیٹھے خان جنید کو دیکھ کر کہا۔

"پھر کیوں گھبرا رہی ہو اور اب تو یار ہوائی سفر عام سی بات ہو گئی ہے۔" نشا اسے تسلی دے رہی تھی۔ ادھر فلائٹ کا اعلان ہو گیا تو اس نے عجلت میں خدا حافظ کہہ کر سیل آف کر دیا۔ پھر خان صاحب کے ہاتھ سے بریف کیس لے کر ان کا بازو تھام لیا۔

اس کی زندگی کا یہ پہلا ہوائی سفر تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ خوش ہوتی انجوائے کرتی اب جانے کیوں خائف سی تھی۔ عجیب سے واہموں میں گھر کر بار بار خان جنید کا چہرہ دیکھتی۔ وہ بہت پرسکون نظر آ رہے تھے اور بہت دیر سے اسے نوٹس کر رہے تھے پھر وہ یہی سمجھے کہ وہ ہوائی سفر سے خوف زدہ ہے جب ہی اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں اور بے دھیانی سے سنتے ہوئے اچانک وہ پوری جان سے متوجہ ہوئی تھی۔ خان جنید کہہ رہے تھے۔

"میری نظر میں تم عام سی لڑکی تھیں۔ مسائل میں گھری ہوئی مجبور لڑکی اور میں بنٹی کی طرف سے پریشان تھا جب میں نے دیکھا کہ بنٹی تم سے مانوس ہو گیا ہے تب میں نے اپنی پریشانی کا تمہاری مجبوری سے سودا کر لیا۔ کھانے کا

سودا نہیں تھا۔ میں اطمینان سے ہوگیا کہ بنٹی کو فل ٹائم کمپنی مل گئی۔ تمہارے بارے میں تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ تم کیا چاہتی ہو۔ نہ تمہارے جذبات واحساسات جاننے کی ضرورت سمجھی۔ شاید اسی لیے کہ جس طرح میں اپنی پریشانی کا حل ڈھونڈ کر اطمینان سے ہوگیا تھا اسی طرح میرا خیال تھا کہ تم بھی مسائل سے نکل کر مطمئن ہوگئی ہوگی لیکن یہ میری بھول تھی اور اس کا احساس مجھے اس وقت ہوا جب تمہیں اپنے لیے پریشان دیکھا اور اس وقت تو میں بے پناہ پشیمانیوں میں گھر گیا جب تم نے مجھے اپنی عمر لگ جانے کی دعا دے کر کہا تھا۔ ''میں کسی فائدے نقصان کو نہیں جانتی۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ میرا سائبان ہیں اور ہمارا معاشرہ بے سائبان عورت کو کوئی مقام نہیں دیتا۔'' وہ اس کی بات دہرا کر کہنے لگے۔ ''تم کبھی بے سائبان نہیں ہوگی صبا میں رہوں یا نہ رہوں۔''

''خان......'' اس نے تڑپ کر ان کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھا۔ خان جنید نے اس کا ہاتھ اپنی مٹھی میں دبا کر آنکھیں بند کرلیں۔ ان کی سرخی مائل رنگت میں زردیاں گھلتی دیکھ کر وہ پریشان ہوگئی۔ تب ہی ایتھنز ایئرپورٹ پر لینڈنگ کا اعلان ہونے لگا۔

''خان آپ ٹھیک ہیں ناں۔'' اس نے پکار کر پوچھا۔

''ہوں......'' ان کی پلکوں میں حرکت ضرور ہوئی لیکن انہوں نے آنکھیں نہیں کھولیں۔

''خان بس اب ہم لینڈ کر رہے ہیں۔ سیدھے ہاسپٹل جائیں گے ناں۔ آپ کا بریف کیس۔ ہاں یہ میں پکڑ لیتی ہوں۔'' وہ خود نہیں سمجھ پارہی تھی وہ کیا کہہ رہی ہے کیا کررہی ہے۔ پھر جانے زمین سے ناتا جڑنے پر پلین کو جھٹکا لگا تھا یا خان جنید کو۔

''خان......'' اس کے منہ سے چیخ نکل گئی اور پھر اس نے چیخ کر ہوسٹس کو بلایا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے حواسوں میں نہیں رہی تھی۔ اسے نہیں پتا وہ پلین سے کیسے نکلی پھر وہ خان جنید کے اسٹریچر کے پیچھے بھاگ رہی تھی اس کا پیر سلپ ہوا اور وہ اوندھے منہ گری اس سے پہلے کہ کوئی اسے اٹھاتا وہ خود ہی اٹھ کر بھاگی تھی لیکن خان جنید تک نہیں پہنچ سکی کیونکہ وہاں انسانی زندگی بہت قیمتی تھی اس کا انتظار نہیں کیا گیا خان جنید کو فوراً ہوائی سروس کے ذریعے ہاسپٹل روانہ کردیا گیا۔ وہ جب ایئرپورٹ سے نکلی اسے وہ اسٹریچر کہیں نظر نہیں آیا۔

''خان......'' وہ ان کا بریف کیس دونوں بازوؤں میں جکڑے ڈھے جانے کو تھی کہ کسی نے اسے تصدیقی انداز میں پکارا تھا۔

''مسز خان۔''

''ہاں......'' وہ فوراً پلٹی۔ ''خان کہاں ہیں؟''

''انہیں ہاسپٹل روانہ کردیا گیا ہے۔ آپ کہاں جائیں گی ہاسپٹل یا اپنی رہائش پر۔'' اس نے پوچھا تو وہ فوراً بولی۔

''ہاسپٹل خان کے پاس۔''

''آیئے......'' اس نے گاڑی کی طرف اشارا کیا تو وہ اس کے ساتھ چلتے چلتے ایک دم رک گئی۔

''آپ کون ہیں؟''

''اعزاز احمد......شاید خان صاحب کے منہ سے آپ نے میرا نام سنا ہو۔ میں یہاں ان کے آفس میں ہوتا ہوں۔ انہوں نے وہاں سے روانگی کے وقت مجھے فون کردیا تھا اور میں آپ لوگوں کو ریسو کرنے ہی آیا تھا۔'' اس نے اپنے بارے میں تفصیل سے بتایا تب وہ اس کے ساتھ چل پڑی۔

اور اتنی کوئیک سروس کے باوجود خان جنید زندگی ہار گئے۔ اپنے گھر اپنے وطن سے دور وہ تنہا ہوگئی۔ اجنبی دیس اجنبی لوگوں میں کوئی ایسا نہیں تھا جو اس کے لرزتے وجود کو سہارا دیتا۔ اپنے ہونٹوں پر سختی سے ہاتھ جمائے وہ ابلنے کو بے تاب چیخوں کو دبائے کھڑی تھی جب کہ آنکھوں میں اترے سیلاب نے سارے بند توڑ دیئے تھے۔

''کیا کرنا ہے میم؟'' اعزاز احمد اس سے پوچھ رہا تھا جسے اپنا ہوش نہیں تھا۔

❁......❁......❁......❁

اعزاز احمد اسے اپارٹمنٹ میں چھوڑ کر چلا گیا اور وہ

پچھلے ایک گھنٹے سے گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ اب تو آنسو بھی خشک ہو گئے تھے پھر دھیرے دھیرے اس نے سوچنا شروع کیا تب بھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔ گھٹنوں سے سر اٹھایا تو سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔

"یا اللہ......" دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر اس نے مدد کے لیے اللہ کو پکارا تھا۔ تب ہی اس کی نظر خان جنید کے بریف کیس پر پڑی۔ اس نے فوراً بریف کیس کھولا اور ان کا سیل فون نکال کر آن کرتے ہی پہلے نمبرز چیک کیے پھر خان جمشید کا نمبر پش کر دیا۔ تیسری بیل کے بعد خان جمشید کی آواز آئی تھی۔

"یس ڈیڈ۔"

"میں صبا بات کر رہی ہوں۔ آپ کے ڈیڈ چلے گئے۔" اس کے آنسو پھر رواں ہو گئے۔

"واٹ؟" خان جمشید کی چنگھاڑ ہوئی آواز تھی۔

"ہاں......وہ دنیا سے چلے گئے۔ اب بتائیں میں کیا کروں؟" اس نے روتے ہوئے پوچھا تو ادھر سے وہ دھاڑ کر بولا تھا۔

"تم بھی وہیں مر جاؤ اور انہیں بھی وہیں دفن کر دو۔"

"ہاں......" اس کی سانس حلق میں اٹک گئی۔ ادھر سے سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ وہ کتنی دیر دھندلائی آنکھوں سے سیل فون کو دیکھتی رہی پھر دوبارہ نمبرز چیک کرتے ہوئے اس نے آصف جاہ کا نمبر پش کیا کیونکہ خان جنید کا سیل فون تھا اس لیے خان جمشید کی طرح آصف جاہ بھی انہیں ہی سمجھا تھا۔

"یس سر۔"

"میں صبا......" وہ دقتوں سے اسی قدر کہہ پائی۔

"جی صبا کیسی ہیں آپ اور آپ کے خان ٹھیک ہیں ناں؟" وہ اپنا نہیں تھا لیکن اپنائیت سے پوچھ رہا تھا وہ یوں ٹوٹ کے روئی کہ ہچکی بندھ گئی۔

"صبا......صبا......" وہ پکارے جا رہا تھا۔

"پلیز صبا آپ روئیں نہیں۔ مجھے بتائیں کیا ہوا ہے۔ خان ٹھیک ہیں ناں۔" اس کی پریشانی آواز سے لہجے سے ظاہر ہو رہی تھی۔

"نہیں......خان چلے گئے۔ مجھے اکیلا چھوڑ کر دنیا سے چلے گئے۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں آصف۔ خان جمشید کہتے ہیں انہیں یہیں دفن کر دوں اور میں بھی یہیں مروں......" وہ ہچکیوں میں رک رک کر بول رہی تھی۔

"اچھا آپ......آپ پلیز ہمت کریں۔" آصف جاہ خود چکرا گیا تھا۔

"آپ روئیں نہیں......میں......میں آ رہا ہوں۔ پہلی فلائٹ سے آ رہا ہوں۔ آپ پلیز خود کو سنبھالیں۔ میں اعزاز کو فون کرتا ہوں وہ خان انکل کو یہاں لانے کا فوری اقدام کرے۔ ہیلو صبا......آپ سن رہی ہیں ناں۔" اور وہ سن کر کیا کرتی اس کی تو دنیا اجڑ گئی تھی۔

اپنے ہم سفر کے ساتھ پہلے سفر میں ہی اس کی زندگی کا سفر تمام ہو گیا تھا یوں کہ اس کے سارے احساسات منجمد ہو گئے تھے اس کی کھلی آنکھوں نے سب کچھ دیکھا ضرور لیکن سارے منظر لاشعور میں کہیں گم ہوتے چلے گئے تھے۔ آصف جاہ کی آمد، تیسرے دن خان جنید کے جسد خاکی کے ساتھ واپسی کا سفر، ان کی آخری رسومات اور سوئم میں بھی وہ گم صم بیٹھی تھی۔ اطراف میں سب اس کے اپنے تھے سب کو اس کا غم رلا رہا تھا اور اس کی آنکھیں صحرا ہو گئی تھیں۔

اس کے دائیں بائیں ثریا اور ساجدہ بیگم بیٹھی تھیں۔ قدرے فاصلے پر راحیلہ خاتون جو وقفے وقفے سے لمبی آہ کھینچ کر اس کی جوانی پر ترس کھاتیں۔ عقب سے نشاء اسے دونوں کندھوں سے تھام کر اس کے ساتھ گویا خود کو بھی سہارا دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر ایک ایک کر کے سب رخصت ہو گئے تب ثریا اسے وہاں سے اٹھا کر کمرے میں لے جانے لگی تھی کہ خان جمشید، فریحہ کے ساتھ سامنے آن کھڑا ہوا اور کرخت لہجے میں بولا۔

"بس اب تمہارا کام ختم۔ اپنا بوریا بستر سمیٹو اور تم بھی جاؤ یہاں سے۔" اس کی سماعتوں پر کاری ضرب پڑی تھی

ایک چھناکے سے سناٹے چور چور ہو گئے اس نے بنٹی کی تلاش میں نظروں کا زاویہ بدلا تو دور کونے میں آصف جاہ کھڑا نظر آیا وہ فون پر جانے کس سے بات کر رہا تھا انداز خاصا جارحانہ تھا پھر وہ وہیں سے باہر کی طرف بھاگا تھا۔

"سنا نہیں تم نے......" خان جمشید پھر دھاڑا۔

"بیٹا......" ثریا نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس نے فوراً ان کا ہاتھ دبا کر خاموش کر دیا پھر یوں اثبات میں سر ہلایا جیسے اپنے جانے کا اشارہ دیا ہو اور ثریا کا ہاتھ تھامے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی۔

"آپ بیٹھ جائیں امی۔ میں اپنی کچھ ضروری چیزیں لے لوں۔" وہ کہہ کر الماری کی طرف بڑھ گئی۔ ثریا صدمے کی حالت میں اسے دیکھے گی اور وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر خان جنید کی کچھ نشانیاں اور کچھ تحائف جو انہوں نے اسے دیے تھے بیگ میں رکھنے لگی اس کام سے فارغ ہوئی تو اسے بنٹی کا خیال آیا۔

"دو منٹ امی۔ میں بنٹی سے مل کر آتی ہوں۔" وہ بہت ضبط کر رہی تھی جب ہی ثریا کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے کمرے سے نکل آئی اور سیدھی بنٹی کے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ کسی نے اسے پکارا تھا۔

"مسز خان......" اس نے رک کر دیکھا لاؤنج میں خان جمشید اور فریحہ کے ساتھ وہ تیسرا ادھیڑ عمر شخص جانے کون تھا جو غالباً اس کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"یہاں تشریف لایے مسز خان۔" اس شخص نے اسے مخاطب کیا تو اس نے پہلے وزدیدہ نظروں سے خان جمشید اور فریحہ کو دیکھا پھر قریب جا کر سوالیہ انداز میں بولی۔

"جی؟"

"میرا نام عبدالرحمٰن ہے میں خان جنید صاحب کا لیگل ایڈوائزر ہوں اور میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ خان صاحب کی وصیت کے مطابق جو کچھ آپ کا ہے اس سے آپ کو آگاہ کر سکوں۔ آپ پلیز تشریف رکھیں۔" عبدالرحمٰن صاحب نے اپنا تعارف کرانے کے ساتھ پھر اسے بیٹھنے کو کہا تو فریحہ کی کھا جانے والی نظروں سے خائف ہو کر بیٹھ گئی۔

"خان صاحب نے یہ بنگلہ آپ کے نام کیا ہے۔" اس کے بیٹھتے ہی عبدالرحمٰن صاحب بتانے لگے۔ "ان کی وصیت کے مطابق یہاں سے کوئی آپ کو بے دخل نہیں کر سکتا۔ مزید بزنس میں آپ کا جتنا حصہ انہوں نے رکھا ہے وہ ہر مہینے آپ کو کیش کی صورت ملتا رہے گا اور انہوں نے آپ سے ریکویسٹ کی ہے کہ آپ بنٹی کا خیال رکھیں۔ باقی خان جمشید صاحب اور فریحہ بی بی کے لیے خان صاحب نے جو وصیت کی تھی وہ میں نے ان کے حوالے کر دی ہے آپ بھی اپنی امانت سنبھالیں۔"

"نہیں......" وہ جو بہت غور سے سن رہی تھی ایک دم بول پڑی۔ "میرا مطلب ہے آپ اسی طرح ہمارے لیگل ایڈوائزر رہیں گے جیسے خان صاحب کی زندگی میں تھے۔ اس لیے یہ تمام پیپرز آپ اپنے پاس رکھیں۔ البتہ ان کی ایک کاپی مجھے پہنچا دیجیے گا۔"

"جی بہتر۔" عبدالرحمٰن صاحب تمام پیپرز واپس بریف کیس میں بند کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ "مجھے اجازت دیجیے اور ہاں یہ میرا کارڈ رکھ لیجیے۔ جب بھی آپ کال کریں گی میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

"تھینک یو۔" وہ ان کے ہاتھ سے کارڈ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی پھر ان کے جاتے ہی چاہا کہ خان جمشید اور فریحہ کو یکسر نظر انداز کر کے اپنے کمرے میں چلی جائے کہ عقب سے بنٹی چلایا۔

"اب آپ لوگ بھی جائیں۔ میری مما یہیں رہیں گی۔" وہ فوراً بنٹی کی طرف گھومی وہ انتہائی غصے سے خان جمشید اور فریحہ کو دیکھ رہا تھا۔

"بنٹی...... یہ تمہاری مما نہیں ہے۔ اس نے ہمارے ڈیڈ کو مارا ہے۔" فریحہ نے کہا تو بنٹی اور زور سے چلایا۔

"ڈیڈ کو انہوں نے نہیں آپ نے مارا ہے۔ آپ جائیں یہاں سے۔ آئی ہیٹ یو۔"

"یہ پاگل ہو گیا ہے تم چلو فریحہ۔" خان جمشید غصے سے کہتا فریحہ کو لے کر چلا گیا تو اس نے بنٹی کے سامنے گھٹنے

ٹیک دیئے وہ رونا نہیں چاہتی تھی لیکن سماعتوں پر ہونے والی دستک نے رلا دیا تھا۔

"تم کبھی بے سائبان نہیں ہوگی صبا۔ میں رہوں یا نہ رہوں۔"

❁......❁......❁......❁
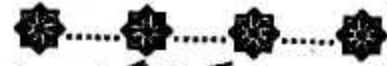
محسن کو مسلسل یہ احساس کچوکے لگاتا کہ وہ احسن اور نشا کی محبت کا مجرم ہے۔ لاکھ نشا نے قسمیں کھائیں کہ اس کے لیے گزری باتوں کی کوئی اہمیت نہیں اور یہ نہیں تھا کہ وہ نشا کا یقین نہیں کر رہا تھا یقین کرنے کے باوجود اس کے اندر سے احساس جرم جاتا نہیں تھا۔ شاید اس لیے کہ ایک تو وہ بہت حساس تھا دوسرے نشا سے اس کی محبت عشق کی انتہاؤں کو چھونے لگی تھی وہ جو ٹوٹا ہوا اور خود سے عاجز انسان تھا محبت کا احساس ملتے ہی برسہا برس جینے کی تمنا کرنے لگا تھا اسے یہی بتایا گیا تھا کہ نشا اس سے محبت کرتی ہے اور اب وہ یہ سوچتا کہ آخر اس کے پیچھے کیا راز ہے کیوں اس سے غلط بیانی کی گئی اور اس کا سارا نزلہ نشا پر گرتا تھا کہ اس نے اسے اس وقت آگاہ کیوں نہیں کیا جب اس کے ساتھ زبردستی ہوئی یا اسے مجبور کیا گیا تھا۔ وہ مجبوراً اس کی زندگی میں آئی اور اسے خبر تک نہیں ہوئی الٹا خود فہم ہو گیا اور اس خوش فہمی نے اسے کہیں کا نہیں رکھا تھا۔ محبت کا روگ ہی ایسا تھا جس نے اسے شکی بنا دیا تھا۔

نشا کہاں ہے۔ کیا کر رہی ہے اور خصوصاً احسن سے بات کرتے ہوئے اس کا چہرہ کیا بتاتا ہے۔ وہ انہی باتوں میں الجھ کر خود اذیتی کا شکار ہو گیا تھا۔ نشا کو ٹارچر کرتا اور اس کے بعد خود بھی چین سے نہیں رہتا تھا۔ اس کی پریشانیاں خود ساختہ تھیں اور وہ ان سے فرار کی سوچنے لگا تھا کہ اچانک صبا کے ساتھ ہونے والے سانحے نے سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ کچھ بھی تھا وہ اس خاندان کی بیٹی تھی جسے تقدیر نے بیوگی کی چادر اوڑھا کر ٹوٹی کڑیاں پھر سے ملا دی تھیں۔ ان دنوں سب اپنا آپ بھولے ہوئے تھے وہ بھی سب بھلا کر نشا کے ساتھ صرف صبا کی باتیں کرتا اور روزانہ اسے صبا کے گھر لے جاتا پھر جیسا کہ وقت بڑا مرہم ہے زخم بھرے

نہیں تو کھرنڈ ضرور جم گئی۔ ایک ٹھہراؤ سا آتے ہی وہ پھر اپنی باتوں میں الجھ کر ساجدہ بیگم کے پاس آ بیٹھا تھا۔

"امی آپ تو ماں ہیں۔ ضرور جانتی ہوں گی کہ احسن بھائی اور نشا ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے پھر شادی کے لیے آپ نے میرا پیغام کیوں دیا تھا۔" ساجدہ بیگم ایک دم سناٹے میں آ گئیں غالباً توقع نہیں تھی کہ وہ براہ راست ان سے سوال کرے گا۔

"بتائیں نا امی؟" اس نے ان کا بازو ہلا کر اصرار کیا تو وہ چونک کر بولیں۔

"یہ...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو بیٹا۔"

"آپ اچھی طرح سمجھ رہی ہیں میں کیا کہہ رہا ہوں۔" وہ بہت سادہ تھا۔ ساجدہ بیگم نظریں چرا گئیں۔

"تم سے نشا نے کچھ کہا؟"

"نہیں...... نشا نے اس زیادتی پر پہلے آواز نہیں اٹھائی تھی تو اب کیا کہے گی۔" وہ پھر نشا کا دفاع کر رہا تھا۔

"پھر تم کیوں......"

"کیونکہ مجھے اب پتا چلا ہے۔" وہ فوراً بولا۔ "مجھ سے جھوٹ بولا گیا تھا کہ نشا مجھے پسند کرتی ہے جب کہ وہ مجھ سے شادی پر راضی ہی نہیں تھی۔"

"راضی نہ ہوتی تو تمہاری دلہن کیسے بنی اور اب جب احسن بھی بیوی والا ہو گیا ہے تم کیوں ایسی باتیں کر رہے ہو۔ اگر ثانیہ کو بھنک پڑ گئی تو اپنے ساتھ تم احسن کا گھر بھی خراب کرو گے۔" ساجدہ بیگم نے ناراضگی سے ٹوک کر کہا۔

"نہیں کروں گا میں ایسی باتیں اگر آپ مجھے سچ بتا دیں۔" وہ دل گرفتہ سا قدرے ضد سے بولا۔

"کیسا سچ؟" ساجدہ بیگم اندر سے خائف سہی لیکن پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔

"نشا کے ساتھ زیادتی کیوں کی گئی؟"

"کوئی زیادتی نہیں ہوئی وہ خوش ہے تمہارے ساتھ۔ تم خوامخواہ اس کی طرف سے دل برا مت کرو۔ پھر خود سوچو ہم کیسے اس کے ساتھ زیادتی کر سکتے ہیں وہ

کوئی غیر نہیں میری آغوش میں پلی بڑھی ہے کسی طرح مجھے اپنی اولاد سے کم عزیز نہیں۔" ساجدہ بیگم کسی طرح ماننے کو تیار نہیں تھیں۔

"یہی تو دکھ ہے آپ نے اپنی اولاد کے ساتھ......" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ساجدہ بیگم اس کا ہاتھ کھینچ کر بولیں۔

"کیا...... کیا اولاد کے ساتھ بھلائی ہی سوچی تھی۔"

"ہاں اپنی اولاد کی بھلائی سوچتے ہوئے نشا کو نظر انداز کر گئیں۔ اس خود غرضی پر آپ کا ضمیر آپ کو ملامت نہیں کرتا؟" وہ تاسف سے پوچھ رہا تھا۔ ساجدہ بیگم کو غصہ آ گیا۔

"تم حد سے بڑھ رہے ہو مونی۔ ہم نے کچھ ایسا غلط نہیں کیا جس کے لیے تم آپے سے باہر ہو رہے ہو اور یہ ساری باتیں تمہیں اب کیوں سوجھ رہی ہیں کہ نشا کے ساتھ زبردستی ہوئی یا ہم نے اس کے ساتھ زیادتی کی۔ بلاؤ نشا کو میں اس سے پوچھتی ہوں۔"

"نشا سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔" وہ کہہ کر تیز قدموں سے باہر نکل آ گیا۔ اسے نہیں پتا تھا وہ کہاں جا رہا ہے بس چلتا چلا جا رہا تھا۔ پھر روڈ کراس کرتے ہوئے بھی اسے اپنا ہوش نہیں تھا جب اس کے قریب گاڑی کے بریک چرچرائے تب اس کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے۔

"ارے ادھر جاؤ یا ادھر یا سیدھے اوپر جانا ہے۔" شیشے میں سے سر نکال کر ایک لڑکی اس سے مخاطب تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آیا نہ ہی وہ اپنی جگہ سے ہل سکا۔ تب وہ لڑکی گاڑی سے اتر کر اس کے پاس آئی۔ سر تا پاؤں اسے دیکھا اور جانے کیا سمجھی اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے گاڑی میں لا بٹھایا پھر ڈرائیونگ پر آ کر بیٹھی اور گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے کہنے لگی۔

"میرا نام کندن ہے۔ سنا ہے سونا آگ میں تپ کر کندن بنتا ہے۔ لیکن مجھے آگ سے بہت ڈر لگتا ہے کیا تم بتا سکتے ہو کہ میں آگ سے گزرے بنا کندن کیسے بن سکتی ہوں۔" وہ خاک سمجھتا' سنتا تو سمجھتا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے وہ تو اپنی آگ میں جل رہا تھا۔

"ویسے مزے کی بات بتاؤں مجھے پتا ہی نہیں کہ کندن ہے کیا بلا۔ بس اس محاورے سے کہ سونا آگ میں تپ کر کندن بنتا ہے میں نے سمجھ لیا کہ یہ کوئی دھات ہے جو سونے سے زیادہ قیمتی ہوگی۔" وہ کہہ کر خود ہی ہنسی۔ پھر اسے دیکھ کر بولی۔

"ارے میں نے تمہارا نام تو پوچھا ہی نہیں۔ کیا نام ہے تمہارا؟" وہ جو اس کی ہنسی سے متوجہ ہوا تھا بے اختیار بولا۔

"محسن۔"

"محسن اچھا نام ہے۔ تمہارے گھر والے تمہیں پیار سے مونی پکارتے ہوں گے۔" وہ پتا نہیں باتونی تھی یا اس وقت موڈ میں تھی محسن نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"واہ۔" اپنے درست قیاس پر میں خود کو شاباش دیتی ہوں اس نے خود ہی اپنا کندھا تھپکا پھر پوچھنے لگی۔

"مزید قیاس کروں؟" وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگا تو کندھے اچکا کر بولی۔

"چلو پھر سہی ابھی تو گھر آ گیا۔" اس نے ہارن بجایا اور گیٹ کھلنے پر گاڑی اندر لے جا کر روکی تب وہ ادھر ادھر دیکھ کر حیرت سے بولا۔

"یہ...... یہ آپ مجھے کہاں لے آئیں؟"

"اپنے گھر۔ چلو اترو۔ چائے پئیں گے۔ تھوڑی باتیں کریں گے پھر کہو گے تو میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں گی۔" وہ کہہ کر اتر گئی تو ناچار وہ بھی اتر کر اس کے پیچھے چل پڑا۔

❁......❁......❁......❁

"ہائے بچی کی کتنی سی شکل نکل آئی ہے۔ بیٹا اللہ کی مرضی۔ بندہ تو بے بس ہے تم صبر کرو۔ اب صبر کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔" راحیلہ خاتون بار بار صبا کا منہ پکڑ کر ایسی ہی باتیں کیے جا رہی تھیں۔

"اتنا بڑا گھر کیسے بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔ ساس نندیں بھی ہوتیں تو کچھ سہارا ہو جاتا۔ اب اکیلی کیسے

رہے گی۔ ثریا تم تو اب اس کے پاس رہو گی ناں؟" راحیلہ خاتون نے آخر میں ثریا کو مخاطب کر کے پوچھا تو وہ جز بز ہو کر بولی۔
"اس کی عدت ختم ہونے تک تو مجھے اس کے پاس رہنا ہی پڑے گا بھابی۔ پھر اپنے ساتھ لے جاؤں گی؟" راحیلہ خاتون جانے کس کھوج میں تھیں صبا اٹھ کر چلی گئی ثریا نے اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر کہنے لگی۔
"میں تو کہتی ہوں صبا سے کہ وہ میرے ساتھ چلے مجھے بیٹی کے گھر رہنا اچھا نہیں لگتا لیکن وہ نہیں مانتی۔"
"تو یہاں اکیلی کیسے رہے گی۔ خان جنید کی بڑی اولادیں بھی تو ہیں۔ وہ اعتراض نہیں کریں گی کیا؟"
"نہیں ان کا یہاں کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ بنگلہ بھی صبا کے نام ہے۔" ثریا سادگی میں بتا رہی تھی۔ "خان جنید وصیت کر گئے ہیں کہ صبا کو یہاں سے کوئی بے دخل نہیں کر سکتا۔"
"اچھا......" راحیلہ خاتون کی آنکھیں پھٹ گئیں۔
"اور کیا کچھ صبا کے نام کر گئے ہیں؟"
"پتا نہیں بھابی۔ میں نے پوچھا نہیں۔"
"چلو سر چھپانے کا ٹھکانا تو دے گئے ہیں یہ بھی بہت ہے اور ہاں ان کا ایک معذور لڑکا بھی تو تھا وہ کہاں گیا؟" راحیلہ خاتون کو اچانک بنٹی یاد آیا۔
"وہ یہیں ہے صبا کے ساتھ۔ اس کی وجہ سے بھی صبا یہاں سے جانا نہیں چاہتی۔" ثریا نے بتایا تو راحیلہ خاتون ناگواری سے بولیں۔
"تو...... وہ کوئی چھوٹا بچہ تو نہیں ہے۔ پھر اس کے اپنے بہن بھائی موجود ہیں ان کے پاس جا رہے۔ صبا کیوں یہ مصیبت اپنے گلے میں ڈال رہی ہے۔"
"ایسا نہ کہیں بھابی۔ بنٹی صبا سے بہت مانوس ہے۔ بیچارے کی پہلے ماں نہیں تھی اور اب تو باپ بھی نہیں رہا۔ بڑے بہن بھائی اپنے بال بچوں والے ہیں اس کا کیا خیال کریں گے۔" ثریا کی خدا ترسی دیکھتے ہوئے راحیلہ خاتون نے اس وقت مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ پھر قدرے توقف سے کہنے لگیں۔
"میں نے نگار کی شادی طے کر دی ہے اب سوچ رہی ہوں تاریخ آگے بڑھا دوں۔"
"کیوں؟" ثریا کے منہ سے بلا ارادہ ہی نکلا۔
"صبا جو عدت میں بیٹھی ہے۔ اب اچھا تو نہیں لگتا یہاں اتنا بڑا سانحہ ہو گیا اور ہم خوشیاں منائیں۔ اللہ صبا کو صبر دے میں تو گھر میں بھی ہر وقت اس کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں۔ ابھی بچی کی عمر ہی کیا ہے آگے پہاڑ سی زندگی اللہ ایسا وقت کسی کو نہ دکھائے۔" راحیلہ خاتون رقت سے بول رہی تھیں۔ ثریا کے آنسو چھلک گئے۔
"تمہاری بھی کیا قسمت ہے ثریا شوہر کے ہوتے ہوئے اس کا ساتھ نصیب نہ ہوا اور بیٹی کو اللہ نے محروم کر دیا۔ بس اللہ کے کام وہی جانے۔" راحیلہ خاتون مزید ثریا کو محرومی کا احساس دلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"اللہ تم ماں بیٹی کو ہمت حوصلہ دے۔ کبھی کسی کام کے لیے ضرورت پڑے تو بلا جھجک کہہ دینا۔ اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں میں تو جاذب سے کہتی رہتی ہوں کہ تمہارے پاس چکر لگا لیا کرے ابھی پتا نہیں کس کام میں پھنسا ہے میں نے کہا بھی تھا مجھے لینے آ جائے لیکن......"
"تو آپ کیسے جائیں گی بھابی؟" ثریا نے احساس کر کے پوچھا۔
"چلی جاؤں گی رکشہ سے۔"
"ارے نہیں بھابی۔ چلیں میں ڈرائیور سے کہتی ہوں آپ کو چھوڑ آئے گا۔" ثریا ان کے ساتھ باہر تک آئی۔ راحیلہ خاتون نے مروتاً بھی منع نہیں کیا دھڑلے سے گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں۔ پھر تمام راستہ ان کے ذہن میں کھچڑی پکتی رہی اور گھر آتے ہی جاذب پر چڑھ دوڑیں۔
"تم یہیں بیٹھے ماتم کرتے رہو۔ یہ نہیں کہ جا کر اس کا غم بٹاؤ۔ بے چاری بالکل نڈھال ہو گئی ہے۔ ارے یہی تو وقت ہوتا ہے بندے کو سہارا چاہیے ہوتا ہے۔ یہاں تو بہت پھوپو کے آگے پیچھے پھرتے تھے اب تمہیں کوئی خیال نہیں۔ بیٹی کے غم نے ادھورا کر دیا ہے اسے۔" جاذب

حیرت اور غیر یقینی سے ماں کو دیکھے جا رہا تھا۔
"نگار کو بھی ساتھ لے جانا۔ صبا کا دل بہل جائے گا۔" راحیلہ خاتون مزید آرڈر جاری کر کے کمرے سے نکل گئیں۔

❁......❁......❁......❁

نشا نے رات کا کھانا پکایا پھر اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی تھی۔
"مونی چلیں کھانا لگ رہا ہے۔" محسن کمرے میں نہیں تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا واش روم چیک کیا پھر ساجدہ بیگم کے پاس آ کر پوچھنے لگی۔
"تائی امی محسن کہاں ہیں؟"
"ابھی تو یہیں تھا کمرے میں ہوگا۔" ساجدہ بیگم نے سرسری انداز میں جواب دیا۔
"کمرے میں تو نہیں ہیں۔" وہ کہتے ہوئے واپس پلٹی اور سارے گھر میں دیکھنے کے بعد اپنے کمرے میں آ کر سیل فون اٹھایا اور محسن کو کال ملائی تو سائیڈ کارنر پر رکھا محسن کا سیل فون بجنے لگا۔
"موبائل تو یہیں ہے۔" زیر لب بڑبڑاتے ہوئے وہ سیل فون رکھ کر کمرے سے نکلی تو احسن اور تانیہ کو ڈائننگ کی طرف جاتے دیکھ کر تقریباً بھاگتے ہوئے ان کے پاس آئی۔
"احسن بھائی...... مونی کو دیکھا ہے آپ نے میرا مطلب ہے وہ پتا نہیں کہاں گئے ہیں۔ بتا کر بھی نہیں گئے۔"
"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے کہیں بھی گیا ہے آ جائے گا۔" احسن نے دھیرج سے رک کر کہا۔
"تم اسے فون کرلو۔" تانیہ نے کہا تو وہ روہانسی ہو کر بولی۔
"ان کا سیل فون یہیں رکھا ہے۔"
"ارے تم تو رونے لگیں۔ بے وقوف مونی کوئی بچہ ہے جو کھو جائے گا۔" احسن نے ہلکے پھلکے انداز میں اس کا مذاق اڑایا پھر تانیہ کو اشارا کیا تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈائننگ

روم میں لے آئی۔ جہاں ساجدہ بیگم اور جلال احمد ان کے انتظار میں بیٹھے تھے۔

''آؤ بچو...... کھانے کو انتظار نہیں کرواتے۔'' جلال احمد نے کہتے ہوئے سالن کی ڈش اٹھائی۔ اپنی پلیٹ میں سالن نکالا پھر سب کو دیکھتے ہوئے محسن نظر نہیں آیا تو پوچھنے لگے۔

''مونی کہاں ہے کھانا نہیں کھائے گا؟''

''مونی کہیں باہر گیا ہے ابو۔'' احسن نے بتایا تو وہ نشا کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔

''باہر کہاں؟''

''پتا نہیں' تایا ابو! مجھے بتا کر نہیں گئے۔ ان کا سیل فون بھی کمرے میں رکھا ہے۔'' اس کی پریشانی بجا تھی کیونکہ محسن بتائے بغیر کبھی کہیں نہیں گیا تھا۔

''تو یہیں کہیں قریب گیا ہوگا آجائے گا۔ تم کھانا کھاؤ۔'' جلال احمد نے کہہ کر باقی سب کو کھانے کی طرف متوجہ کیا اور خود کھانا شروع کردیا۔ نشا نے ایک نظر سب کو دیکھا پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں محسن کے ساتھ کھاؤں گی۔'' وہ کہہ کر ڈائننگ روم سے نکل کر اپنے کمرے میں آگئی اور بے مقصد کبھی الماری کھولتی کبھی درازوں کی تلاشی لیتی۔ خود اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا تلاش کررہی ہے۔ پھر وہ محسن کا سیل فون چیک کررہی تھی کہ دروازے پر دستک دے کر احسن اندر آگئے۔

''احسن بھائی مونی کو بتا کر جانا چاہیے تھا۔'' وہ انہیں دیکھتے ہی بولی۔

''ہوں......'' ان کا انداز سوچتا ہوا تھا پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔ ''کوئی بات ہوئی تھی آئی مین لڑائی جھگڑا۔''

''جھگڑتے تو روز ہی ہیں وہ لیکن ناراض نہیں ہوتے اور آج تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔'' وہ ابھی بھی رو دینے کو ہورہی تھی۔

''جب کوئی بات نہیں ہوئی تو تم کیوں محسوس کررہی ہو۔ میرے خیال میں تو یہ اچھی بات ہے کی مونی کہیں آنے جانے لگا ہے اس معاملے میں تمہیں اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے نہ کہ پریشان ہوجاؤ۔'' احسن نے سمجھایا تو وہ جز بز ہوکر بولی۔

''آپ کو نہیں پتا۔''

''کیا نہیں پتا بتاؤ مجھے کیا نہیں پتا؟'' ان کے ٹوکنے پر وہ کوئی بات بتانا چاہتی تھی کہ تانیہ چائے لے کر آگئی اور ٹرے اس کے سامنے رکھ کر کہنے لگی۔

''تم ناحق پریشان ہورہی ہو ابھی امی بتارہی ہیں کہ مونی ان سے کہہ کر گیا تھا کہ کسی دوست کے ہاں جارہا ہے دیر سے آئے گا۔''

''کیا......'' وہ حیران ہوئی۔ تائی امی نے مجھے تو نہیں بتایا۔

''بھول گئی تھیں ابھی انہیں یاد آیا۔ چلو تم چائے پیو یا پہلے کھانا کھاؤ گی تو لے آؤں؟'' تانیہ نے اس کی حیرت کو یکسر نظر انداز کیا۔

''نہیں......'' اس نے چائے کا کپ اٹھالیا۔ اس کا ذہن الجھ گیا تھا۔

احسن اور تانیہ چائے پینے تک اس کے پاس بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے پھر اپنے کمرے میں چلے گئے تو کچھ دیر کو جو اس کا دھیان بٹ گیا تھا تنہا ہوتے ہی پھر محسن کو سوچتے ہوئے اس کی نظریں کلاک پر جاٹھہریں۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

کیا ہے پیش نظر نہیں کھلتا
ہم پہ خود اپنا ڈر نہیں کھلتا
عمر پہ کتنے ماہ و سال کھلے
لمحہ خیر و شر نہیں کھلتا

"کیا کہا..... سارے پیسے اماں کو دے دیئے؟" سجاد نے حلق پھاڑ کر چلاتے ہوئے اپنی نئی نویلی دلہن کو دیکھا جو موتی ستاروں سے اٹے شوخ جوڑے میں ملبوس سر جھکائے اپنی سانولی نازک سی انگلیاں مسل رہی تھی۔

"جاہل عورت! سارے پیسے اماں کو دے دیئے اور مجھ سے پوچھنا تک گوارا نہ کیا تم نے۔" سجاد دانت پیستے ہوئے غرایا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کے دلہناپے کی پروا کیے بغیر اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کی خاطر تواضع کر ڈالے۔

"چاچی نے مجھ سے مانگے تو میں نے انہیں دے دیئے۔" سہمی سہمی نظروں سے سجاد کو دیکھتے ہوئے اس نے وضاحت دینے کی کوشش کی تھی۔ سجاد کا غضب ناک روپ اس کے حلق کو خشک کیے دے رہا تھا۔ وہ کہاں عادی تھی ان چیختے چلاتے لہجوں اور سخت نوکیلے الفاظ کی۔

"ہاہ..... میں تو خوش ہو رہا تھا کہ شہر کی پڑھی لکھی سمجھ دار عورت مجھے ملی ہے۔ میری تو زندگی سنور جائے گی مگر کم بخت تجھ جیسی کم عقل اور نادان عورت نصیب میں لکھی تھی۔ وہ پیسے میرے تھے' مجھ پر ان کا حق تھا۔" سجاد جس تولیے سے منہ خشک کر رہا تھا' غصے سے بولتے ہوئے وہی تولیہ اس کے منہ پر مار کر باہر چلا گیا۔ وہ کچھ دیر یونہی ساکت کھڑی رہی پھر بے جان گرنے والے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گئی۔

سجاد ابھی اس سے سلامی کے پیسوں پر جھگڑ کر گیا تھا جو اسے شادی پر تمام رشتہ داروں اور دوست احباب سے ملی تھی۔ آج اسے اس دیہاتی' پسماندہ اور غیر تہذیب یافتہ ماحول کا مستقل حصہ بنے ایک ہفتہ ہو رہا تھا۔ سجاد اس کا چچا زاد تھا جس سے وہ بچپن ہی سے منسوب تھی۔

"رامین میرے سجاد کی دلہن بنے گی۔" بچپن میں اسے چاچا نذیر احمد نے گود میں پیار سے بھرتے ہوئے کہا تھا تو اس کے ابو لئیق احمد نے بڑے بھائی کی خواہش و فیصلہ پر بصد احترام سر جھکا دیا تھا۔ بچپن سے جوانی کی حدوں تک آتے آتے وہ سجاد کا نام اپنے نام کے ساتھ سنتی آئی تھی۔ سجاد مڈل پاس بھاری تن و توش کا مالک اور سانولی رنگت کا حامل تھا جس کا ذریعہ معاش ٹھیکے پر زمین لے کر

موسم کی سبزیاں اور فصلیں کاشت کرنا جو زندگی میں صرف ایک دو ماہ شہر ان کے گھر آیا تھا۔ ایک بار چاچی کلثوم کا شناختی کارڈ بنوانا تھا تو دوسری بار بہن صدف کو کسی اسکن اسپیشلسٹ کو دکھانے۔ گہری سرخ آنکھوں میں کسی خاص جذبے کی قندیل دمکتی نہ دکھائی دی تھی اسے ٹانگیں کھول کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے دیکھتے ہی دیکھتے کھانے کے تمام لوازمات چٹ کر لیے تھے۔ وہ چاہ کر بھی سجاد کے نام پر اپنے دل کو نہ دھڑکا سکی تھی۔ آنکھوں میں ویرانی کے رنگ اتر آئے تھے جنہیں دیکھتے ہوئے صبیحہ نے لئیق احمد سے کہا تھا۔

''ہم نے رامین کا بچپن میں سجاد سے رشتہ کر کے کہیں بہت بڑی غلطی تو نہیں کر دی۔ ہماری بیٹی ایف اے پاس' سلجھی ہوئی' دھیمے مزاج کی اور سجاد پکا دیہاتی اور اجڈ نوجوان...... میرا دل پتا نہیں کیوں بہت فکر مند ہو رہا ہے۔''

''تم خوامخواہ وہم نہ کرو' سجاد میرا بھتیجا ہے۔ میرا اپنا خون' ہاں کم تعلیم یافتہ ضرور ہے' محنتی ہے حق حلال کا کھاتا ہے۔ نکما پوستی نہیں' ہماری رامین کو اچھے پڑھے لکھے رشتے ضرور مل جائیں گے۔ مگر یہ بھی دیکھو کہ وہ غیر ہوں گے اور کسی اجنبی اور ناشناسا لوگوں کی جانچ پرکھ کی ہمت میرے اندر نہیں ہے۔ ویسے بھی یہ نسبت مرحوم بھائی کی طے کردہ ہے اگر اسے توڑ دوں تو خاندان والوں کی باتیں کون سہے گا؟'' لئیق احمد نے اپنی طرف سے بات مکمل کر دی تھی۔ صبیحہ بھی خاموش ہو گئیں اور ان کی یہی خاموشی رامین کی زندگی میں سناٹوں اور ویرانیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی تھی۔

سجاد نہ صرف اجڈ' گنوار بلکہ بیوی کو جوتی برابر سمجھنے والا مرد تھا جس کے نزدیک عورت صرف مرد کی دل بستگی اور نفسیاتی تسکین کا سامان ہوتی ہے اور بس۔

''کلثوم پڑھی لکھی شہر سے نوں (بہو) لا رہی ہے۔'' سارے گاؤں میں کب سے یہ چرچا تھا اس لیے رامین کے دلہن بن کر اس گھر میں قدم دھرتے ہی ساری عورتیں اسے دیکھنے کی جمع ہو گئی تھیں۔ ان کے دیکھنے میں وہ اشتیاق اور دلچسپی ہوتی تھی جو کسی چڑیا گھر میں آنے والے نئے جانور کو دیکھنے والوں کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔ رامین کو ان کھوجتی' ٹوہ لیتی نگاہوں سے سخت الجھن ہوتی تھی۔ اوپر سے ان دیہاتی عورتوں کا اسے دیکھتے ہوئے آپس میں سرگوشیوں میں کچھ کہتے ہوئے قہقہہ مار کر ہنسنا اسے کوفت میں مبتلا کر دیتا تھا۔ ہفتہ ہونے کو آ رہا تھا' ابھی تک ان خواتین کا سلسلہ جاری تھا اور جاتے ہوئے پچاس' سو روپے اس کی حنائی' ہتھیلی پر سلامی کے طور پر رکھ جاتی تھیں۔ ایک ہفتے میں اس کے پاس بھورے اور سرخ نوٹ کافی تعداد میں جمع ہو گئے تھے جو کل کی ڈھلتی شام میں کلثوم نے آ کر اس سے لے لیے۔

''اپنی ساری سلامی مجھے دو' جہاں سے تیری بری کا سامان خریدا تھا وہاں کچھ ادھار چکانا ہے اور یہ جو ساری دے گئی ہیں کسی چھوٹے بڑے موقع پر ان سب کو مجھے لوٹانا ہوگا۔ کیا کروں سارے اخراجات جو مجھ پر ہیں۔''

اس نے چپ چاپ گنے بغیر پورا پرس کلثوم کو تھما دیا تھا جس پر سجاد اتنا تیخ پا ہو رہا تھا۔ اس کے خیال میں ان پیسوں پر اسے تصرف حاصل ہے۔ وہی رامین کا شوہر ہے تو اس کے پیسے وہی رکھ سکتا ہے جنہیں ناسمجھی سے رامین ساس کو دے بیٹھی تھی۔ اس حماقت پر سجاد اسے خوب برا بھلا کہہ کر جا چکا تھا۔

شام اپنا سنہری آنچل دھیرے دھیرے پھیلا رہی تھی' رات ہونے میں تھوڑی ہی دیر باقی تھی۔ رات کو سجاد گھر واپس آ جاتا تھا' اس نے ڈوبتے دل کے ساتھ اپنے بیڈ کو دیکھا اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور روز کی طرح رات کا سوچ کر اس کا بدن بے جان ہونے لگا تھا۔

❀......❀......❀

کالج کے بڑے سے گیٹ سے بہت بڑی تعداد میں لڑکیاں برآمد ہو رہی تھیں۔ سفید یونیفارم میں ملبوس' ہنستی خوش گپیاں کرتی ہوئی گروپ کی صورت میں۔ بائیکس' رکشوں اور ہمہ قسم گاڑیوں کا کان پھاڑ شور مچا ہوا تھا۔ شہروز

کب سے بائیک پر بیٹھا منتظر لگا ہوں سے گیٹ کی سمت دیکھ رہا تھا گاہے بگاہے نظر رسٹ واچ پر بھی پڑ جاتی تھی۔ اتنے میں شاہین آتی دکھائی دی۔

"کیا ہے یار ذرا جلدی نہیں نکل سکتیں کب سے کھڑا سوکھ رہا ہوں۔" بائیک کو کک لگاتے ہوئے اس نے روز کا شکوہ کیا تھا۔

"ہاں تو کس نے سوکھنے کو کہا ہے تم نہ آؤ میں رکشہ رکھ سکتی ہوں۔" ایک ہاتھ اس کے کندھے اور دوسرے سے بیگ کو مضبوطی سے اپنے کندھے پر رکھتے ہوئے وہ ہر روز کی طرح اس کے شکوے پر آرام سے بولی۔

"جناب! اپنی پریکٹس کے لیے آجاتا ہوں فیوچر میں بھی یہی ڈیوٹی دینی ہے تو ابھی سے عادی ہو جاؤں۔" شہروز دھیمی شوخ آواز میں بولا تو اس کا دل بے ساختہ دھڑک اٹھا۔

"ویسے تم سی نادان میں نے کبھی نہیں دیکھی اتنے ہینڈسم اور ڈیشنگ منگیتر کو کب سے گیٹ پر کھڑا کر رکھا ہے۔ پتا بھی ہے ایک سے ایک طرح دار خوب صورت اور دلکش حسینہ ماہ جبینہ گیٹ سے برآمد ہو رہی ہے۔ کوئی دل پذیری بات ہو جائے تو تمہاری قسمت کا کباڑہ ہو جانا ہے ذرا عقل سے کام لیتے ہوئے جلدی نکلنے کی کوشش کیا کرو۔" اپنے مخصوص موڈ میں آتے شہروز اسے چھیڑ رہا تھا۔ کالج سے گھر تک کا طویل فاصلہ وہ ایسی ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ میں طے کیا کرتے تھے۔

"منہ دھو رکھو کوئی حسینہ وسینہ تمہیں لفٹ نہیں کروائے گی ایسے کوئی حمزہ علی عباسی نہیں ہو تم اور اگر بالفرض ایسا کوئی قابل ذکر حادثہ ہو بھی جائے تو اسے سوائے قسمت کے لکھے کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔" شہروز کی چھیڑ کا اثر لیے بغیر شاہین مصنوعی ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔

"یعنی تم اپنا کھونٹا مضبوط بنانے کی بجائے سارا قصور قسمت کے کھاتے میں ڈال دو گی؟ چچ چچ......" شہروز کو اس کی بات سن کر جیسے صدمہ سا ہوا تھا۔ "اتنا ہینڈسم ٹال اور خوش شکل کزن جس کے سامنے تمہارا یہ حمزہ عباسی بھی پانی بھرتا نظر آئے کبھی آ کر دیکھا کرو۔ ان مہ وشوں کی نظروں میں مجھے دیکھتے ہوئے کتنی ستائش کتنی حسرت اور محرومی ہوتی ہے۔" شہروز جیسے ابھی تک صدمے سے نہیں نکل پایا تھا شاہین کی بے نیازی اسے تڑپا گئی تھی۔

"شہروز! یہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟" اسے انجانے راستے پر جاتے ہوئے شاہین نے پوچھا۔

"آج مجھے تنخواہ ملی ہے چلو تمہیں لنچ کرواؤں۔" بائیک ایک ریسٹورنٹ کے سامنے رک گئی تھی۔

"مجھے کوئی لنچ نہیں کرنا چلو گھر چلتے ہیں خوامخواہ پیسے ضائع ہوں گے۔" بائیک سے اترتے ہوئے وہ بے حد خفا ہوئی۔

شہروز یونیورسٹی میں بی اے کا طالب علم ہونے کے ساتھ ساتھ شام کے اوقات میں کسی کوچنگ سینٹر میں پڑھا بھی رہا تھا۔ جہاں سے اسے اچھی خاصی سیلری مل جاتی تھی۔

"تمہاری اپنی اتنی فیس ہوتی ہے پیٹرول کپڑوں کا خرچہ اور پھر امی ابو کو بھی کچھ دیتے ہو ان سب میں ایسی عیاشیوں کی گنجائش نہیں نکلتی۔" ٹیبل پر بیگ اور فائل رکھتے ہوئے شاہین ناصحانہ انداز میں بولی۔

"او میڈم! ایسے کسی کنگلے کے پلے تم نہیں بندھیں کہ مہینوں بعد کی ہوٹلنگ عیاشی میں شمار ہونے لگے۔" شہروز اس کے ناصحانہ انداز پر قدرے تپ کر بولا۔

"مجھے ایسے یونیفارم میں آ کر ہوٹلنگ کرنا اچھا نہیں لگ رہا۔" شاہین کو ارد گرد بیٹھے لوگوں کی نظروں میں اپنے لیے نجانے کیوں شکوک نظر آ رہے تھے۔

"کیا کریں مجبوری ہے جب تک تمہارا گریجویشن مکمل نہیں ہوتا اور میری جاب نہیں لگتی اس وقت تک تو اسی حیثیت سے ہوٹلنگ کرنی ہوگی۔" شوارمہ کا بائٹ لیتے ہوئے شہروز اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا اس کی بات پر شاہین سرخ پڑ گئی تھی۔ "تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے فرسٹ ٹائم میرے ساتھ باہر آئی ہو۔ کتنی بار شاپنگ چاند رات پر ہم گھومے پھرے ہیں۔"

"ہاں اور یہ بھی ذہن میں رکھو کہ اس وقت رامین باجی بھی ہمارے ساتھ ہوتی تھیں میں اکیلی نہیں ہوتی تھی تمہارے ساتھ۔" وہ اسے جتا کر بولی۔

"ہاں رامین باجی کا اکلوتا بھائی جو ہوتا تھا تو ساتھ لازمی جانا تھا۔" وہ ہنس کر بولا۔

"ویسے سچ بتاؤ' اگر واقعی میں مجھے کوئی بیوٹی کوئین لے اڑی تو تم ایسے آرام سے اسے قسمت کا لکھا جان لوگی؟" واپسی پر شہروز پھر اس کی بات کو لے بیٹھا تھا۔ شامین کچھ دیر خاموش رہی تھی پھر کچھ دیر بعد تحمل سے بولی۔

"شہروز! یہ سامنے سے آتا ٹرک دیکھ رہے ہو ناں؟ میں ہینڈلز پر رکھے تمہارے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر بائیک کا رخ موڑ دوں گی اور سیدھا ٹرک میں دے ماروں گی اگر تم نے دوبارہ یہ بات کی تو......؟" آخر میں اس کے لہجے سے نمی جھلکی آئی تھی۔ اس کی بات پر شہروز سرشاری ہنسی ہنس دیا تھا۔

❀ ❀ ❀

"رامین! میری بچی۔" صبیحہ کا دل رامین کر دیکھ کر دھک سے رہ گیا تھا۔ صحت مند دلکش حسین کی گندمی رنگت دمکتی تھی۔ یہ تو اس رامین کا سایہ تھا کمزور سراپا' سانولا چہرہ' زرد آنکھیں' الجھے بکھرے بال وہ نویں مہینے سے حمل میں تھی' سجاد اسے ڈلیوری تک کے لیے چھوڑ گیا تھا۔

"مگر ایسے خالی ہاتھ چلی جاؤں' کچھ خرچہ تو دیں بچے کا۔" میکے آنے کے لیے بیگ تیار کرتے ہوئے اس نے آس بھری نظروں سے سجاد کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"دیکھ نہیں رہی ژالہ باری سے کنک (گندم) کی بار اچھی نہیں ہوئی۔ صدف کا کالج کا کتنا خرچہ ہے اور چاچا چاچی اتنے کنگلے تو نہیں کہ ایک بیٹی کی زچگی کا خرچ برداشت نہ کرسکیں۔ کما تو رہا ہے ناں ان کا منہ بولا بیٹا بلکہ گھر داماد شہروز! اس کی ساری کمائی تمہارے ماں باپ نہیں لے رہے تو اور کون لے رہا ہے۔" کٹیلے انداز میں بولتے ہوئے سجاد کا آخر میں لہجہ طنزیہ ہو گیا تھا۔ اس نے بغیر کچھ کہے زور سے زپ بند کی' لیڈی ڈاکٹر نے اس کی کمزوری کی وجہ ناکافی خوراک' آرام کی کمی' ڈپریشن اور جسمانی مشقت کو قرار دیا تھا جس کی وجہ سے ڈلیوری میں پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی تھیں۔

"رامین! کلثوم بھابی تمہارا خیال نہیں رکھتی تھیں؟" خدشات میں ڈولتے ابھرتے ہوئے صبیحہ نے اس سے پوچھا۔ وہ جواب میں خاموش رہی' کیا کرتی ان نو مہینوں کی مکمل روداد سناتی جس میں اسے اپنے لیے خیال یا اس سے ملتا جلتا احساس توجہ' ہمدردی اور محبت نظر نہ آئی تھی۔

گاؤں کی محنتی اور جفاکش زندگی کی عادی کلثوم نے اس سے تقریباً سارے وہی کام لیے تھے جو وہ خود کرتی تھی مثلاً جانوروں کا چارہ بھوسہ کرنا' بکریوں کے ریوڑ میں ہر بچے کو اس کی ماں کے تھن لبوں سے لگوا کر ان کا پیٹ بھروانا۔ مرغیوں کی بیٹ بھرے دو کنال کے طویل صحن کی روزانہ صفائی کرنا' اُپلے تھاپنا' یہ سارے کام دوسرے دن ہی سے کلثوم نے اس سے لینے شروع کردیئے تھے۔

"ارے اب تو ہی اس گھر کی اصل مالک ہے' تجھے طور طریقے سمجھا دوں تا کہ میرے بعد کل کو تجھے کوئی پریشانی نہ ہو۔" کلثوم کمال ہمدردی سے اسے اُپلوں سے آگ جلانا سکھاتی رہی۔ وہ خاموش طبع اور معصوم فطرت تھی' تابع داری سے سارے کام کرتے ہوئے صرف اتنا سوچتی کہ اگر اس احساس و مروت سے عاری زہریلے گھٹے ہوئے ماحول میں اگر نرمی' شائستگی اور محبت کے سائے کہیں نظر آجائیں تو وہ ان کے تلے ذرا دیر کو ستا لے۔

پریگنسی کی حالت میں چکی چلاتے ہوئے وہ اپنی اکلوتی نند اور کزن صدف کو مدد کے لیے پکارنے کا سوچ ہی رہی ہوتی کہ سجاد کی تمسخرانہ آواز اس کے کانوں میں آتی۔

"اماں! خیر سے تو پڑھی لکھی شہری بہو تو لے آئی ہے مگر دھیان رہے اپنی تعلیم کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تجھے دیوار سے لگا کے خود پورے گھر پر نہ قابض ہو جائے۔ اس کے پھرتی سے کام کرتے انداز کو دیکھ کر میں تو یہی سمجھا ہوں۔" خیر خواہی کا بھرپور انداز۔

"ہاں سجو! تو کہتا ٹھیک ہے میں ان پڑھ کو کوئی بھی "جھ" سکتا ہے مگر کیا کروں تو میرا اکوا ک پتر ہے۔ تیری بیوی کو سارے ہنر اس لیے دے رہی ہوں کہ کل کلاں کو میری ساہ (سانس) بند ہو جائے تو اسے گھر سنبھالنے میں مشکل نہ ہو۔" ماں کے لہجے میں بیٹے سے بھی زیادہ خیر خواہی اور خلوص چھلکا تھا اور وہ بھی ان دنوں میں اپنے اندر اتنی ہمت نہ لا سکی کہ......

"چاچی تو میرے لیے اتنی فکر مند اور ہمدرد ہے مگر اپنی اکلوتی بیٹی صدف سے چکی چلوانا تو دور کی بات کبھی ایک کٹورہ تک نہیں دھلوایا تھا۔ کاش تھوڑے سے اپنے طور طریقے اس صدف کو بھی سکھا دیں جو ملتان یونیورسٹی میں پڑھتے ہوئے اس دھول مٹی والے ماحول میں آ کر بیمار پڑ جاتی ہے۔"

"اُف! یہ ڈسٹ...... میرا بس چلے تو چھٹیاں بھی وہیں ہاسٹل میں گزار دوں مگر اماں مجھے صرف آپ کی یاد ایسے گندے میلے ماحول میں کھینچ لاتی ہے۔" صدف لاڈ سے ماں کے گرد بازو ڈالتے ہوئے کہتی۔

"میری شہزادی تُو پڑھ لکھ کر خود کو کوئی اونچی چیز سمجھ بیٹھی ہے۔ نہ بھول کہ تو اسی گندے ماحول کی پیداوار ہے' تیرا باپ یہیں پیدا ہوا اور مرا۔ تیری ماں نے اُپلے تھاپ کر اور جلا کر تم لوگوں کو کھانے کھلائے۔ تیرا باپ کسان تھا' تیرا بھائی کسان اور تجھے ساگ' شلجم کا سالن اچھا نہیں لگتا' شاباش ہے میری دھی۔" کلثوم نے ہنستے ہوئے صدف کی بات سے جیسے لطف لیا تھا۔

"تو کیا لازم ہے کہ میں اس گاؤں میں پیدا ہوئی تو باقی زندگی سمجھوتہ کرتے ہوئے یہیں ساری عمر گزار دوں۔ میرا مستقبل آپ لوگوں سے مختلف ہوگا' بے حد خوب صورت' روشن' صاف ستھرا اور مہذب......" کہتے کہتے کوئی خواب سا صدف کی آنکھوں میں اتر آتا۔

صدف قبول صورت نقوش کی حامل تھی' خود پر توجہ دینے' بہترین تراش خراش کے کپڑے زیب تن کرنے اور اوپر سے تعلیم کی دی ہوئی خود اعتمادی اور وقار اسے حقیقتاً اس ماحول سے مختلف ثابت کرتے تھے۔ تعلیم کے سلسلے میں وہ ملتان ہاسٹل میں مقیم تھی' کلثوم ہر ماہ خرچے کے لیے اسے اچھی خاصی رقم بھیجتی تھی۔ اکلوتی بیٹی کی ہر خواہش چاہ اور خواب اس کے سر آنکھوں پر اور ایسے میں کلثوم اور سجاد کے رویوں کا یہ تضاد رامین کی جان کو خوب گھلاتا۔

"بہو پڑھی لکھی ہو تو سو عیب اور اگر بیٹی پڑھی لکھی ہو تو احساس تفاخر۔" رات کو دکھتے بدن کے ساتھ جونہی سونے کے لیے لیٹی تو پرانی عادت کے مطابق ایک پرانا ڈائجسٹ اٹھا کر پڑھنا شروع کر دیا۔ ڈائجسٹ کو ہاتھ میں لیتے ہی بیتے دنوں کے کتنے ہی سنہری پل اس کی آنکھوں میں روشن ہوئے تھے۔ سنہرے چمکیلے روشن دن جن میں وہ شاہمین اور شہروز ہوتے تھے۔ ہر ہفتے کہیں نہ کہیں آؤٹنگ کا پروگرام بنتا' کبھی شاپنگ تو کبھی کسی فوڈ فیسٹول کا وزٹ۔ ساتھ لیٹے ہوئے سجاد نے اس کی آنکھوں میں اتری چمک سے کچھ فلمی تصور کیا اور جھپٹ کر رسالہ چھینتے ہوئے دور پھینک دیا۔

"یہ واہیات فلمی کہانیاں پڑھنے سے بہتر ہے تم میرے جسم کی مالش کرو۔" اور اس تندرست توانا' دیو ہیکل مرد کی ٹانگوں' بازوؤں اور کمر کی مالش کرتے کرتے آدھی رات بیت گئی تھی۔

❁......❁......❁

"اُف یہ کتنا خوب صورت اور پیارا ہے' بالکل مجھ پر گیا ہے۔" شاہمین کو ٹوٹ کے نوزائیدہ بھانجے پر پیار آ رہا تھا' اسی ہفتے رامین نے ایک کمزور بچہ جنم دیا تھا۔ ڈاکٹر نے ماں اور بیٹے دونوں کی صحت غیر تسلی بخش قرار دی تھی اس لیے صبیحہ اور لئیق احمد بے حد فکر مندی اور توجہ سے رامین کی صحت پر فوکس کیے ہوئے تھے۔ ہر پانچ منٹ بعد وہ رامین کو جوس' دودھ اور سوپ کچھ نہ کچھ کھلاتے پلاتے کہ ماں صحت مند ہوگی تو بچہ خود بخود صحت مند ہوگا۔ اس وقت بھی صبیحہ رامین کو سوپ پلا رہی تھی' ننھا ریان شاہمین کی گود میں تھا۔

"بالکل میرے جیسی گولڈن آنکھیں' مڑی ہوئی پلکیں'

وائٹ اسکین۔" شاہین ننھے اعضاء کو چھوتے ہوئے فخر سے بتارہی تھی۔

"یہ تم بچے کا حلیہ بتارہی ہو یا اپنی تعریف کررہی ہو۔" شہروز اندرآتے ہوئے بولا۔

"دونوں سمجھ لو۔" شاہین شوخ لہجے میں ہوئے بولی۔

"امی! میرے بھائی کی کب شادی کررہی ہیں؟" رامین نے مسکرا کر شہروز کو دیکھتے ہوئے صبیحہ سے پوچھا۔

"بس بیٹا! شہروز کی جاب لگتے ہی اپنا آخری فرض پورا کرتے ہیں۔" ماں کی بات پر شاہین خوامخواہ ادھر اُدھر دیکھنے لگی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے مامی جی مگر آپ کی اکلوتی بہو اور رامین باجی کی بھابی کو کچھ آنا تو چاہیے۔ خالی خولی شکل سے تو کام نہیں چلے گا۔" وہ اب شاہین کو فوکس کیے بظاہر سنجیدگی سے بولا مگر اس کی مسکراتی آنکھیں اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ شہروز کی بات پر شاہین نے سر اٹھایا اور تڑخ کر بولی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا میں پھوہڑ اور نکمی ہوں۔ یہ جو آکر رات کا کھانا ٹھونستے ہو وہ روز میں ہی بناتی ہوں۔ تمہارے استری شدہ کپڑے، جوتوں پر پالش اور بات کررہے ہو خالی خولی شکل کی۔" بے حد خفگی سے سر جھٹکا۔

"دیکھا باجی! یہ ایسے کٹ کھنی بلی کی طرح میرے پیچھے پڑجاتی ہے اگر بعد میں ایسے کرے گی تو...... شکر ہے ماموں، مامی میری سائیڈ پر ہوتے ہیں۔" کان کی لو مسلتے ہوئے وہ مسکینی سے کہہ رہا تھا۔

"ہاں تو امی سے کہہ رہی ہوں ناں کہ اب ان کی شادی کردیں، دوستی ہوجائے گی۔" رامین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ایک بیٹے کی ماں بن کر اس کے اندر توانائی سی در آئی تھی، بہترین خوراک اور آرام کی بدولت دنوں میں اس کا پرانا رنگ بحال ہورہا تھا۔ اگلے ہفتے کلثوم اسے لینے آپہنچی معہ مٹھائی کے ڈبوں کے ساتھ۔

"بھابی! رامین اور بچہ کم از کم دو ماہ تو ہمارے ہاں رہیں، ڈاکٹر نے کہا ہے کہ رامین کی صحت فی الحال بہتر نہیں ہے۔" لئیق احمد نے مناسب لفظوں میں کلثوم پر واضح کیا تھا کہ وہ ابھی رامین کو نہیں جانے دے سکتے۔

"کمال کرتے ہو لئیق! سجاد بیٹے کو دیکھنے کو تاؤلا ہورہا ہے۔ روز عورتیں میرا پوتا دیکھنے کی خاطر آتی ہیں، میرے گھر کی خوشی اتنے دن مجھ سے دور رہے؟" کلثوم جذباتی انداز میں دوٹوک بولی تھی، صبیحہ اور لئیق ایک گہری سانس بھر کر رہ گئے تھے۔

❀......❀......❀

"دیکھ صدف! تو اب کوئی فیصلہ کرہی لے زیادہ تاخیر مناسب نہیں۔" کلثوم اب کے کافی سنجیدگی سے صدف سے مخاطب ہوئی تھی۔

"اماں! تو بھی کمال کرتی ہے، میں ماسٹرز ان انگلش...... یہ گاؤں کے اجڈ اور گنوار لوگوں میں رہ کر اپنی زندگی گنوادوں۔ تو کیسی ماں ہے؟" صدف کو حقیقتاً ماں کی بات سن کر دھچکا لگا تھا۔

صدف کے لیے کسی تگڑے زمین دار کا رشتہ آیا تھا جو کلثوم کے دل کو بہت پسند آیا تھا۔ پورے خاندان کے کئی نوجوان یوں تو صدف کے خواستگار تھے جنہیں کلثوم نے بڑی سہولت سے انکار کردیا تھا کہ واقعی اس کی پڑھی لکھی سوہنی بیٹی ان اَن پڑھ اور ڈھور ڈنگر چرانے والوں کے قابل نہ تھی مگر زمین دار اکبر علی کا رشتہ اسے سوچنے پر مجبور کررہا تھا۔ کئی مربع زمینیں، ہزاروں کی تعداد میں گائیں بھینسیں، بڑی ساری حویلی، کلثوم نے کافی متاثر زدہ انداز میں صدف کے سامنے پرپوزل اور اپنا ارادہ پیش کیا تھا جسے اس نے نخوت سے رد کردیا۔

"زمینوں کا مالک ہے تو کیا ہوا کون سا مجھ سے موبائل پر چیٹ کرے گا۔ شرٹ جینز پہنے گا؟ رہے گا تو دیہاتی ہی پگڑ، کرتا اور گھیر دار شلوار پہننے والا۔" وہ ایک آئیڈیلسٹ لڑکی تھی جس نے خیالوں میں ایک پیکر تراش رکھا تھا خوبرو دراز قامت، تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ جاب ہولڈر۔ جس کے ساتھ چلتے ہوئے وہ فخر محسوس کرے، جس

کی ہمراہی میں وہ ساری زندگی کا سفر مکمل آسودگی اور چین سے کاٹ دے۔ وہ اپنے خوابوں پر ذرہ برابر بھی کمپرومائز کرنے کو تیار نہ تھی اور کلثوم اسے کہیں دور غیروں میں دینے پر انکاری تھی۔

"تو میری اکلوتی دھی ہے میرا جمائی یہیں کہیں کا ہو جسے اپنے چولہے پر بٹھا کر میں اس کی سو خاطریں کروں۔ ایسا نہ ہو کہ تجھے دیکھنے کو ترستے ہوئے میں دکھی غمگین تیری راہ تکتی رہوں اور اس بات پر خوش ہوتی رہوں کہ میری صدف کسی پڑھے لکھے کے ساتھ بیٹھی انگریزی میں گٹ پٹ کرتے ہوئے شہری کہلوا رہی ہے خود کو۔" رات کے بالن کے کے لیے خشک لکڑیوں کو توڑ توڑ کر ڈھیری بناتے ہوئے کلثوم دوٹوک انداز میں بولی تھی۔

"دور کیوں اماں؟ اور غیر کہاں بس تیری نزدیک کی نظر کمزور ہے اس لیے تو وہم کر رہی ہے۔" ٹانگوں کے گرد بازو لپیٹے وہ وہیں چارپائی پر بیٹھتے ہوئے معنی خیز انداز میں بولی تھی۔

"کیا مطلب ہے تیرا؟ میں سمجھی نہیں۔" کلثوم نے آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کر اسے دیکھا تھا۔ صدف کے چہرے پر محظوظ کن مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

"اماں! میں شہروز کریم کی بات کر رہی ہوں اپنے پھوپی زاد شہروز کی۔" صدف نے آرام سے ایک بم کلثوم کے سر پر پھوڑا تھا۔

❁......❁......❁

کریم نواز گاؤں کا رہائشی ہونے کی وجہ سے اپنا ذریعہ معاش کھیتی باڑی رکھتا تھا۔ وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی زمینوں کی وجہ سے وہ کافی خوش حال اور مطمئن زندگی بسر کر رہا تھا اس کی بیوی خدیجہ کے ہاں بچے کی آمد متوقع تھی۔ وہ جی جان سے بیوی کی خدمت کرتے ہوئے اپنے آنے والے بچے کی ڈھیروں باتیں بیوی سے کرتا تھا۔ بدقسمتی سے خدیجہ دوران زچگی ہونے والی پیچیدگی اور پھر گاؤں میں طبی سہولتوں کے فقدان کی بدولت ایک بیٹے کو جنم دے کر کریم نواز کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے گئی۔ کریم نواز کے لیے بیوی کی دائمی جدائی ایک گہرا صدمہ تھی مگر ایک سال میں ہی اس کی ماں بہنوں نے اس کے لیے ایک لڑکی پسند کرلی۔ سانولی، تیکھے نقوش کی حامل شاہدہ اپنی تیز اور شوخ و شنگ طبیعت کی وجہ سے دنوں میں ہی کریم نواز کے دل پر چھا گئی۔ شاہدہ کو کریم نواز کے بیٹے سے کافی چڑ تھی وہ اسے دیکھتے ہی تیوریاں چڑھا لیتی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اپنے تین بچے ہوئے تو اسے اپنے شوہر کا یہ بیٹا اور بھی ناقابل برداشت لگنے لگا تھا۔ آنے بہانے وہ اسے خوب پیٹتی، بھوکا رکھتی اس کی کتابیں جلا کر کریم نواز کے سامنے اس کی سچی جھوٹی شکایتیں لگا کر اسے خوب ڈانٹ پڑواتی۔ ایسے میں لئیق احمد کا برسوں بعد اپنی اکلوتی مرحومہ بہن کے گھر آنے کا اتفاق ہوا تو بھانجے کی حالت دیکھ کر وہ دکھی ہوگئے۔ سوتیلی ماں کے مظالم اس کے بند ہونٹوں کے باوجود اس کے سراپے سے صاف واضح ہو رہے تھے۔ لئیق احمد نے فوراً ایک فیصلہ کرتے ہوئے کریم نواز سے بھانجے کو اپنے ساتھ گھر لے جانے کی درخواست کی جو کریم نواز نے بخوشی قبول کرلی کیونکہ اس بیٹے کی موجودگی سے اس کی چہیتی بیوی اکثر اس سے ناراض ہوجایا کرتی تھی۔ لئیق احمد بھانجے کو لے کر گھر آگئے جہاں دو بیٹیوں کے ساتھ نرینہ اولاد کے لیے ترستی صبیحہ نے اسے آغوش میں بھر کر بھینچ لیا تھا۔ یوں شہروز کریم دس سال کی عمر میں لئیق صبیحہ اور ان کی دو بیٹیوں کے ساتھ ان کے گھر کا مستقل فرد بن گیا۔

❁......❁......❁

"صبیحہ برا نہ مانو میں نے بات پوری سولہ آنے کی کہی ہے۔" راحت نے گم سم بیٹھی صبیحہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے کہا تھا۔

"یہ بات صرف میں نے نہیں کی بلکہ پوری برادری کر رہی ہے۔"

"آپا! آپ اچھی طرح جانتی ہیں شہروز ہمارا بیٹا ہے آج اٹھائیس سال کا ہے دس سال کا تھا جب میں نے اسے اپنی زندگی میں شامل کیا تھا۔ آپ یہ بات اچھی طرح

جانتی ہیں اور باقی ساری برادری بھی ایسے میں ان سب باتوں کا مقصد؟" صبیحہ قدرے تلخی سے بولی تھی۔

راحت صبیحہ کی چچازاد بہن تھی جو شاہین کے لیے اپنے بیٹے فرجاد کا رشتہ لائی تھیں۔ خوش شکل، خوش اطوار، یونیورسٹی سے فارغ التحصیل فرجاد، صبیحہ کو ویسے بھی بہت پیارا تھا اور شاہین کے لیے رشتہ آیا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ خاندان، جاننے والے کتنے ہی گھر شاہین کے طلب گار تھے۔ صبیحہ نے نرمی و شائستگی سے سب کی طرح راحت کو بھی انکار کردیا۔

"آپا! آپ کی خواہش سر آنکھوں پر، مگر میرا اور لئیق کا ارادہ شہروز کے لیے اپنی شاہین کا ہے۔"

"یہ تو تم دونوں کی خواہش ہوئی، اصل بات تو کریم نواز کی ہے جس کا یہ بیٹا ہے اسے اپنے ارادے کی اطلاع دی ہے یا یونہی بالا ہی بالا سارا کچھ طے کرلیا ہے تم لوگوں نے۔ آخر کو ان کا بچہ ہے، زندگی کا فیصلہ وہی کریں تو بہتر ہے۔ لئیق نے بھانجا پال پوس کر بڑا کیا مگر پھر بھی اس کی شادی کا اختیار بہرحال اس کے باپ کے پاس ہے۔" صبیحہ کو سرتاپا طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے راحت مسکراتے ہوئے بولیں۔ صبیحہ کو ان کی بات بہت بُری لگی تھی تاہم تحمل سے بولیں۔

"جی ہاں! بھائی کریم کو اس رشتے کا علم ہے، ہمیں بھی علم ہے کہ وہ شہروز کے والد ہیں، جنہوں نے گزرے اٹھارہ برسوں میں کبھی بھول کر ہم سے نہیں پوچھا کہ بیٹے کی تعلیم و تربیت کے لیے ہمیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ کوئی روپیہ پیسہ، دلی ڈھارس، کبھی آ کر بیٹے کے سر پر دستِ شفقت نہیں رکھا، بس شادی کے وقت ہی ان کی پدرانہ محبتیں عود آئیں تو اور بات ہے۔" صبیحہ کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی جتاتا ہوگیا تھا۔ "اور سب سے بڑھ کر اہم بات کہ شہروز خود شاہین سے شادی کرنے کا خواہاں ہے، اس کی خواہش پر ہی تو ہم نے اپنی بیٹی اس کی ہمراہی میں سونپنے کا سوچا ہے۔"

"ہاں بھئی! جب دو جوان بالغ بچے ایک ہی گھر میں پروان چڑھیں تو ایسی محبتیں تو سر اٹھاتی ہی ہیں۔ تیلی اور پیٹرول کی قربت آخر کوئی نہ کوئی رنگ تو دکھاتی ہے ناں۔" راحت ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولیں تو صبیحہ کو ان کی بات سن کر بے حد غصہ آ گیا۔ دل چاہا کہ ابھی کھڑے کھڑے راحت کو گھر سے نکال دیں جنہوں نے اپنی پست ذہنیت سے ان کی تربیت کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی تھی تاہم بے حد ضبط سے خون کے گھونٹ بھرتے ہوئے کوئی تبصرہ کرنے کی بجائے بس اتنا بولیں۔

"یہ لیں آپا، چائے پئیں ٹھنڈی ہوگئی ہے۔"

❁......❁......❁

آج کا دن رامین کے لیے بے حد مشکل اور صبر آزما تھا، کلثوم اس سے گھر کا کونا کونا صاف کروا رہی تھی۔ جانوروں کا باڑہ، مرغیوں کے ڈربے، کمروں کی صفائی، ایک ایک چیز کی جھاڑ پونچھ، چار مہینے کی پریگنینسی کے ساتھ اتنے سارے کام سرانجام دینا اس کے لیے بے حد صبر آزما ثابت ہو رہا تھا۔ ایک سال کا نتھاریان، اوپر سے الٹیوں اور متلی نے حالت خراب کررکھی تھی ایسے میں مسلسل کام نے اس کی ذہنی و جسمانی حالت ابتر بنادی تھی۔

"چل...... اب چل کر کوئی خوب صورت جوڑا پہن لے دنداسہ مار کر سرخی بھی لگا بلکہ ہماری طرف کے سارے زیور پہن لے۔ خبردار جو کوئی میسنی گھنی شکل بنائی تو...... پتا چلنا چاہیے کہ تُو کلثوم کی بہو ہے۔" دن ڈھلتے ہی کلثوم نے اسے جا کر حلیہ ٹھیک کرنے کا کہا تھا۔ دھول مٹی سے اٹے کپڑوں اور بالوں کو جھاڑتی وہ اندر اپنے کمرے میں آ گئی۔

آج کریم نواز، شاہدہ اور اس کے پورے گھر والوں کی دعوت تھی۔ کلثوم نے دل کھول کر دعوت کے لیے اہتمام کیا ہوا تھا۔ سجاد نے اس سال کریم نواز کی زمین سالانہ ٹھیکے پر لی ہوئی تھی۔ مرحومہ خدیجہ کی بھابی ہونے کے ناتے کلثوم ویسے بھی شاہدہ سے اچھے تعلقات رکھے ہوئے تھی۔ اب تو زمین کی شراکت کی وجہ سے ان کے تعلقات ہر گزرتے دن کے ساتھ اچھے، بہتر اور مضبوط ہوتے جارہے تھے۔ کلثوم ان کی خدمت کرتی تو شاہدہ ان لوگوں کو سر آنکھوں پر بٹھاتی۔

رامین مہمانوں کی آمد تک ساس کی ہدایت کے مطابق تیار ہوچکی تھی زیورات و شوخ چمکیلے جوڑے کے ساتھ تیار تو

صدف بھی ہوئی تھی خوب دل لگا کر آف وائٹ اور میرون کلر کمبی نیشن کے ایمبرائیڈڈ جوڑے میں اس کا تازہ فیشل کیا ہوا چہرہ دمک رہا تھا اوپر سے سلیقے سے کیا گیا میک اپ۔

"اڈا کریم! خیر سے اپنے پتر شہروز کی خیر خبر لی ہے کبھی' لئیق اور صبیحہ قبضہ کر کے بیٹھ گئے ہیں اس پر۔" کھانے کے بعد سب ٹولیوں کی صورت میں اکٹھے بیٹھے باتیں کررہے تھے کلثوم نے حقے کا چلم تازہ کر کے چمٹے سے انگارہ پکڑ کر حقہ دہکایا اور کریم نواز کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"کیا خیر خبر لوں وہ نامراد خود ہی پیو کو کچھ نہیں سمجھتا' پڑھ لکھ کر وڈی شے بن گیا ہے بھول گیا ہے۔ ماں کے ساتھ وہ مجھے بھی قبر میں اتار بیٹھا ہے۔" حقے کی نے پگڑی کے سرے سے صاف کر کے منہ سے لگاتے ہوئے کریم نواز ناگواری سے بولا۔

"تو تو کیوں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا ہے واپس لے آ۔ تیری اپنی شے ہے' تیرا حق ہے سنا ہے لئیق اسے اپنی بیٹی دے رہا ہے۔ گھر داماد بنا کر ساری زندگی کے لیے اپنے پاس رکھ لے گا جوان اولاد ساری عمر کی کمائی ہوتی ہے اپنی کمائی تو خود سنبھال۔ تیرے میرے سر پر کیوں رہے اس کی شادی کا فرض تو خود ہی پورا کر۔" کلثوم نرم ہمدردی بھرے انداز میں کریم نواز سے دھیرے دھیرے کہہ رہی تھی۔

"ایسے کیسے لئیق اسے بیٹی دے سکتا ہے' میں مرگیا ہوں جو اکلا (اکیلا) اس کے فیصلے کررہا ہے۔" کریم نواز بھڑک کر بولا کہ حلق میں حقے کا دھواں پھنس گیا تھا ایسا کہ کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ کلثوم کو اس کی کمر سہلانا پڑی تھی۔

"تو اڈا کوئی جلد از جلد فیصلہ کر' شہروز کو واپس لا یا پھر اس کی شادی اپنے جیسے لوگوں میں کرا گر لئیق کے ہاں شادی کی تو چھو کرا ہمیشہ کے لیے تیرے ہاتھ سے نکل گیا۔ سنا ہے شہروز خود لئیق کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" رامین چائے بنانے کے لیے باورچی خانے کی طرف آ رہی تھی کہ باہر دروازے کے پاس چارپائی پر بیٹھی کلثوم کی آواز اسے سنائی دی تھی۔

"صبیحہ کی بیٹی بڑی چالاک اور گھنی ہے' کوئی مجھ سے پوچھے کہ یہ شہری بہوئیں کیا تارے دکھاتی ہیں۔ ان کی صورت اور باتوں پر نہ جاؤ' میرا صبر ہے جو لئیق کی بیٹی کے ساتھ گزارا کررہی ہوں تو بھی سنبھل جا' ابھی وقت ہے۔"

رامین کے قدم جیسے اپنی جگہ پر جم سے گئے تھے۔

"ارے بھرجائی! تو فکر کیوں کرتی ہے' میرا نام بھی کریم نواز ہے جس کا کاٹا پانی بھی نہیں مانگا کرتا۔ تو دیکھتی جا میں لئیق کے چنگل سے شہروز کو کیسے چھڑا لاتا ہوں۔" منہ سے دھواں چھوڑتے ہوئے کریم نواز پُرسوچ انداز میں بول رہا تھا اور ادھر لحہ بھر کے لیے رامین کو چکر سا آ گیا تھا۔

❁......❁......❁

"بیٹا! کیوں اپنا خیال نہیں رکھتی ہو' اپنے حال پر رحم کرو۔ ساتھ میں اپنے بچے پر بھی۔" صبیحہ رحم بھری نظروں سے رامین کو دیکھتے ہوئے بول رہی تھیں' ڈاکٹر نے اس دفعہ بھی اس کی ڈلیوری کو خالی از خطرہ قرار نہیں دیا تھا۔

"کمال ہے بچہ ابھی سال کا ہوا نہیں اور آپ نے ایکسپکٹ کرلیا' کم از کم دو سال کا وقفہ لیتیں' وہ بھی اس صورت میں جب آپ نہ پراپر ڈائٹ لیتی ہیں نہ ریسٹ۔ اتنی کمزوری کے ساتھ فیملی میں اضافہ میرے نزدیک تو خودکشی ہے۔" کاغذ پر تیزی سے قلم چلاتے ہوئے ڈاکٹر شہلا کا انداز فہمائشی تھا وہ اب ان سے کیا کہتی وقفہ سجاد کو گوارا نہ تھا اور خوراک کا یہ حال کہ جب صدف آ جاتی تو گوشت پک جاتا وہ بھی زیادہ گھی اور اچھے مصالحوں میں ورنہ تو سارا سال زمینوں سے آتی سبزیوں پر گزارا پڑتا۔ دودھ پیسوں کی خاطر کلثوم اڑوس پڑوس میں بیچ دیتی صرف ریان کو پیٹ بھر کر دودھ ملتا آخر کو کلثوم کا لاڈلہ پوتا تھا وہ ماں اور ڈاکٹر کی باتوں پر سوائے چپ رہنے کے اور کیا کرسکتی تھی۔

"خیر سے تمہاری ڈلیوری ہوجائے تو شہروز اور شاہین کی شادی کرتے ہیں۔ شہروز کو پرائیوٹ جاب مل گئی ہے۔" صبیحہ سیب کاٹ کاٹ کر اس کے سامنے پلیٹ میں رکھتی جارہی تھیں۔

جب سے آپا راحت ان کے گھر سے ہوکر گئی تھیں اسی وقت سے انہوں نے شہروز اور شاہین کی جلد از جلد شادی کا

پروگرام بنالیا تھا۔ آپا راحت کی باتوں نے انہیں سخت ذہنی صدمہ پہنچایا تھا' کھول کھول کر انہوں نے اپنا بی پی اس حد تک بڑھالیا تھا کہ روز شہروز کو انہیں ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لیے لے جانا پڑتا تھا۔ صرف راحت ہی نہیں بلکہ اور رشتہ داروں کی طرف سے بھی اسی طرح کی چہ مگوئیاں سننے کو ملی تھیں۔ اب رشتہ داروں کی زبان تو پکڑنے سے رہیں بس لئیق احمد کے بازو پر سر رکھ کر رو دیتی تھیں۔

"لئیق! یہ سب لوگ کیا کہہ رہے ہیں' شہروز میرا بیٹا ہے کیا ہوا جو میں نے اسے جنم نہیں دیا مگر پیار تو سگے بچوں والا دیا ہے۔"

"یہ کم عقل اور کم ظرف لوگ ہیں' تم کسی کی پروانہ کیا کرو بس یہ سمجھو کہ شہروز کی تربیت اور پرورش کا ذمہ ہمیں سونپ کے اللہ تعالیٰ نے کوئی بہت بڑی سعادت ہمارے نصیب میں لکھ دی ہے اور دیکھو ہماری نیکی ضائع نہیں گئی ایسا ہیرا صفت بچہ ہماری اپنی بیٹی کا نصیب بننے والا ہے۔" لئیق ہولے ہولے ان کا سر تھپک کر دلاسہ دیتے۔ غمگسار اور دلدار شریک سفر کا دلاسہ ان کے دل سے غم و تفکر کی دھند کو لمحہ بھر کے لیے بٹا دیتا تھا۔ تاہم اپنی فہم اور سمجھ داری کی بنیاد پر انہوں نے شہروز کا گھر بسانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"مگر امی! آپ نے چاچا کریم نواز سے مشورہ کیا ہے اس شادی کے بارے میں؟ یہ تو آپ کا اور ابو کا فیصلہ ہے اور سب سے بڑھ کر شہروز کی خواہش ہے۔ ہوسکتا ہے ان کی خواہش کچھ اور ہو؟" رامین سیب کھاتے ہوئے پُر سوچ انداز میں صبیحہ کو دیکھ رہی تھی جو اس کی بات سن کر ذرا سا مسکرا کر بولیں۔

"رامین بیٹا! تم بھی کمال کرتی ہو' شہروز ہمارا اپنا بیٹا ہے ہم ہی اس کے مستقبل کا فیصلہ کرسکتے ہیں۔ بھائی کریم نواز کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے' ویسے بھی اٹھارہ برسوں کا طویل وقت گزرا ہے' ان گزرے ایام میں کبھی وہ ہمارے گھر نہیں آئے یہ تک نہ پوچھا کہ بیٹا کس حال میں ہے' اس کی تعلیم و تربیت' صحت کسی بات کے بارے میں بھی سوال نہیں کیا پھر اب شادی کے سلسلے میں کیونکر وہ فیصلہ کرسکتے ہیں۔"

صبیحہ اپنی جگہ شاد اور مطمئن تھیں۔ رامین ماں کی بات سن کر ایک پل کے لیے خاموش گئی۔ کانوں میں کلثوم کی آواز گونجنے لگی تھی جو اس نے میکے کے لیے روانہ ہوتے وقت سنی تھی۔

"کان کھول کر سن لو جاتے ہی اپنے ماں باپ کو بتا دینا کہ بھائی کریم نواز اپنے شہروز کے لیے صدف کا رشتہ ڈال گئے ہیں۔ اپنی بیٹی کے لیے وہ کوئی اور بر دیکھیں شہروز میرا جوائی بنے گا اگر سیدھے طریقے سے بات نہ مانی تو مجھے اپنی بات منوانے کے لیے اور طریقے بھی آتے ہیں۔" دھمکاتا ہوا سنگین لہجہ' پتھر برساتی آواز...... رامین نے لمحہ بھر کے لیے آنکھیں بند کرلی تھیں۔

"زیور سارا میرا اپنا ہے' بس پالش کرانے کی ضرورت ہے باقی فرنیچر کے لیے تمہارے ابو کی کمیٹی کام آجائے گی۔" صبیحہ مسرور مطمئن انداز میں کہہ کر الماری کھولنے لگیں' ارادہ رامین کو اپنے زیور دکھانے کا تھا۔ رامین بس ڈبڈبائی آنکھوں سے ماں کی پشت کو دیکھتی رہی تھی۔

❁......❁......❁

رامین نے ایک بیٹی کو جنم دیا تھا' بیٹی بھی ریان کی طرح کمزور اور لاغر تھی۔

"کوئی بات نہیں' بھرپور توجہ اور اچھی خوراک سے ماں اور بچی کی صحت دنوں میں ٹھیک ہوجائے گی۔" شاہین نے بھانجی کو دیکھتے ہوئے اطمینان بھرے انداز میں تبصرہ کیا تھا۔ وہ آج کل جی جان سے اپنی صورت نکھارنے میں لگی رہتی تھی' کالج سے بھی آف لے لیا تھا۔ صبیحہ کی تاکید کے مطابق شہروز سے بھی سامنا نہ کرنے کی کوشش کرتی تھی مگر وہ بھی بلا کا ہوشیار تھا' نظر بچا کر موقع ڈھونڈ ہی لیتا۔

"کیا ہے یار! شفٹ میرے کمرے میں ہونا ہے اور چھپ بھی مجھ سے رہی ہو۔" وہ اس کے چمکتے چہرے کی خوب صورت ستواں ناک میں گڑی لونگ کو دیکھتے ہوئے شوخی سے بولا تھا۔

"پلیز شہروز! جاؤ یہاں سے اگر امی آگئیں تو تمہاری تو خیر ہے مجھ سے سخت باز پرس ہوگی۔" وہ گھبرائی ہوئی آواز

میں سیڑھیوں کی سمت دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ رات کو حسب معمول وہ چھت والا گیزر چلانے آئی تھی جہاں شہروز بھی اس کے پیچھے آ گیا تھا۔

"اچھا یہ بتاؤ' منہ دکھائی کے لیے تمہارے لیے کیا خریدوں؟" اب وہ دیوار سے پشت لگا کر ہلکے پھلکے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"جناب پوچھ تو ایسے رہے ہیں جیسے میری چوائس کا علم نہ ہو۔" وہ جیسے جل کر بولی۔

"اب مجھے کیا پتا' بچپن سے لے کر اب تک تمہیں ڈھیروں شاپنگ کروائی ہے۔ ہر عمر میں تمہاری چوائس یادگار ہے میرے لیے' کبھی پونیوں والی گڑیا تو کبھی کھوئے والی آئس کریم' کبھی ویڈیو گیم تو کبھی لالہ جی کے آلو چھولے ہنہہ......" وہ شرارت سے آنکھیں نچا کر پوچھ رہا تھا۔

"ایک چیز بھول رہے ہو مجھے ڈانسنگ والا بھالو بھی بہت پسند تھا جس کی ناک میں تمہاری ناک سے مشابہہ قرار دیتی تھی۔" اب کے وہ خاصی جل کر بولی تھی' شہروز کے حلق سے بے ساختہ قہقہہ نکلا تھا۔

❁......❁......❁
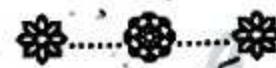
بہترین خوراک' مکمل آرام اور آسودہ ماحول کی وجہ سے ننھی رمیزہ دن بہ دن کھلتی جارہی تھی۔ پیدائش کے وقت کا سانولا پن اب گلابیوں میں گم ہوچکا تھا صرف تین ماہ کی تھی مگر قلقاریاں ایسی مارتی جیسے سال کی ہو مگر اس کے برعکس رامین ویسی کی ویسی ہی تھی۔ کمزور' سانولی' آنکھوں کے گرد حلقے' دن بہ دن سوکھ کر کانٹا ہوتی جارہی تھی۔ اچھی خوراک' آرام اور ماحول کا بالکل بھی اثر نہ ہو پا رہا تھا۔ ہوتا بھی کیسے چار ماہ ہونے کو آرہے تھے اسے یہاں قیام کیے ہوئے اتنے عرصے میں ایک بار بھی سجاد کی طرف سے اسے نہ کوئی کال موصول ہوئی تھی نہ وہ خود آیا اپنی بیٹی کو دیکھنے۔ صرف سجاد پر ہی کیا موقوف' گھر کے کسی فرد نے بھی پلٹ کر ان ماں' بچوں کی خبر نہ لی تھی۔ دن تیزی سے گزرتے جارہے تھے' اب تو لئیق اور صبیحہ کو بھی ہول اٹھنے لگے تھے۔

"الٰہی خیر! یہ بھائی ابھی تک پوتی کو ملنے کیوں نہیں آئیں' اطلاع بھی مل چکی ہے۔"

"حوصلہ رکھو صبیحہ! فصلوں کی کٹائی کا موسم ہے' ہوسکتا ہے باردانہ اٹھا کر آئیں۔" بے حد پریشان دل کے ساتھ لئیق احمد نے بظاہر آرام سے صبیحہ کو پرسکون رہنے کو کہا تھا۔

مگر دن پنکھ لگا کر اڑتے جارہے تھے ننھی رمیزہ اب بیٹھنے لگی تھی۔ گھر کا ہر فرد رامین کی گرتی ہوئی صحت کے بارے میں فکر مند تھا پھر اپریل کی ایک پُرتپش دوپہر میں کلثوم اور سجاد تو نہ آئے مگر کریم نواز ضرور آ گیا تھا۔

"چل پُتر شہروز! چل اپنے گھر' بہت رہ لیا اپنے مامے کے پاس' اب بڈھے پیو کی خدمت کر۔" شہروز تو کیا سبھی ان کی بات پر گم سم ہوگئے تھے۔

"مگر ابا جی! میری یہاں نوکری لگ گئی ہے' میں گاؤں کیسے چل سکتا ہوں۔" شہروز ورطۂ حیرت سے ابھرتے ہوئے بدقت مسکرا کر بولا۔

"نوکری لگ گئی ہے تو کیا ہوا آ جانا ڈیوٹی پر فی الحال تو گھر چل۔ تیرے ویاہ کی تیاریاں چل رہی ہیں' تیرے بڑے مامے منظور احمد کی کڑی صدف میں نے تیرے لیے چنی ہے بڑی سوہنی تے تابع دار چھوری ہے۔" پتلی مونچھوں کو سنوارتے ہوئے کریم نواز نے بڑے آرام سے سب کو جھٹکا دیا تھا' سبھی کے چہرے فق ہوگئے تھے۔

"مگر بھائی کریم! شہروز کا رشتہ تو ہم نے اپنی بیٹی شاہین سے کردیا ہے' ان شاء اللہ اگلے مہینے کی کسی تاریخ کو شادی رکھتے ہیں۔ میں اس سلسلے میں آپ کے پاس آنے ہی والا تھا۔" پریشانی کے بھنور میں ابھرتے' ڈوبتے دل کے ساتھ لئیق احمد بظاہر تحمل سے بولے تھے۔

"نہ تو کس کی مشاورت سے فیصلہ کرلیا اس کی شادی کا' میں اس کا سگا پیو زندہ موجود ہوں ایسے کلے کلے (اکیلے) اس کی جج کی دیگیں کھڑکا لوگے۔ میں نے بچہ ترس کھا کر دیا تھا کہ پُتر ذات کو نمانے ترس رہے ہیں مگر پکے کاغذ پر انگوٹھا تو نہیں لگایا تھا کہ اپنا جگر کا ٹوٹا تم لوگوں کو بخش دیا ہے کہ اب اس کی زندگی کے تم ہی وارث ہو۔" کریم نواز

جارحانہ تیوروں کے ساتھ اونچا اونچا بول رہا تھا۔ وہ اپنا ذہن بنا کر آیا تھا کہ بیٹے کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہوئے اسے لئیق احمد اپنے کیے گئے احسانات سنا کر خاموش کرسکتا ہے جب ننھا شہروز سوتیلی ماں کے ظلم وستم کا شکار اس کی خانگی زندگی کو خراب کرنے کا سبب بنا ہوا تھا اس لیے وہ حتی المقدور بگڑ کر بول رہا تھا۔ اپنی دھونس جما رہا تھا' خود کو درست ثابت کرنے کے لیے آنکھوں میں درشتی اور لہجے کو کٹیلا بنایا ہوا تھا۔

"مگر ابا جی! آپ نے انگوٹھا نہیں لگایا تھا تو ماموں نے بھی ایسی کوئی شرط نہیں رکھی تھی کہ پال پوس کر' پڑھا لکھا کر اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کے بعد وہ مجھے آپ کے حوالے کردیں گے۔" اب کے شہروز بے حد سنجیدگی سے باپ سے مخاطب تھا۔

"ان اٹھارہ برسوں میں میں سینکڑوں بار بیمار ہوا' مرنے کے قریب ہوا مجھے ماموں علاج کے لیے ہسپتال لیے پھرتے تھے۔ مامی ساری ساری رات میرے سرہانے جاگ کر میری صحت یابی کی دعائیں مانگا کرتی تھیں۔ میری ہر خواہش' ہر چاؤ ان لوگوں نے پورا کیا اور میں نے ان سے ہر وہ فرمائش کی جو ایک بچہ اپنے ماں باپ سے کرتا ہے۔" بولتے بولتے شہروز کا لہجہ بھیگ گیا تھا' صبیحہ کی آنکھیں بھی جھلملا اٹھی تھیں۔

"اپنی ضروریات کو مختصر کر کے مجھے اچھے اسکول میں پڑھایا' کبھی نہ کہا کہ شہروز تمہارا باپ ایک بڑا زمین دار ہے' جاؤ ان سے اپنا خرچہ لے آؤ ہمارا ہاتھ تنگ ہے ہمارے حالات ٹھیک نہیں اور نہ ہی آپ نے کبھی جھانک کر دیکھا کہ بیٹا کس حال میں جی رہا ہے۔ میرے ماموں' ممانی میرے ماں باپ اور محسن ہیں اور اپنے محسنوں کے احسانات میں مر کر بھی نہیں اتار سکتا ہاں البتہ ان کی محبتوں' عنایات اور اپنائیت کے بدلے انہیں اطمینان اور حق ضرور دے سکتا ہوں کہ میری زندگی کا سب سے اہم فیصلہ شادی یہ لوگ اپنی مرضی اور خوشی سے کریں چاہے ان کی اپنی بیٹی ہی ہو۔" لہجے کی کپکپاہٹ پر قابو پاتے ہوئے شہروز نے سرخ آنکھوں سے باپ کو دیکھا تھا جو لب بھینچے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ کمرے میں خاموشی در آئی تھی جس میں صبیحہ کی سسکیاں گاہے بگاہے ابھر رہی تھیں۔

"تو بیٹا جی! اتنی پڑھائی لکھائی کا یہ فائدہ ہوا کہ سگے باپ کا رتبہ ہی بھول گیا۔ تو میری خواہش کو رد کر کے اپنے ان محسنوں کی بات کو سر آنکھوں پر رکھ رہا ہے' سلام تیری پڑھائی پر۔" کریم نواز کا طنزیہ لہجہ شرمندہ کرنے والا تھا۔ شہروز نے سینے پر ہاتھ باندھے پیچھے صوفے سے پشت لگالی اور سامنے پڑے واز کو دیکھنے لگا۔ کریم نواز کی بات پر تبصرہ کرنے کو اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔

"بھائی صاحب! خدیجہ مرگئی مگر آپ اب بھی میرے لیے بڑے بھائی اور بہنوئی ہیں۔ آپ کا ہر فیصلہ میرے لیے مقدم ہے' اس رشتے میں شہروز کی اپنی چاہ شامل ہے۔ بچوں کے فیصلوں پر سر جھکانا ہی آج کی سب سے بڑی دانش مندی ہے۔ ہماری ہر خوشی آپ کی رضا کے بغیر نامکمل ہے' پلیز اپنا دل اور ظرف بڑا کریں اور شہروز کی خواہش کو تسلیم کرلیں۔" لئیق احمد اب کے خاصی لجاجت سے بولے تھے۔

"ہاں مجھے علم ہے کہ اس رشتے میں عشق عاشقی کا چکر ہے' شہر کی پڑھائیاں باپ کا ادب تو نہیں سکھاتیں مگر یہ نین مٹکا کرنا ضرور سکھا دیتی ہیں۔ چھوکری بھی گھر کی' چھوہارا بھی لے پالک..... لئیق احمد! چل تیرے تو مزے ہوگئے' گھر بیٹھے بیٹی کا بر مل گیا تجھے' زیادہ مشکل نہیں اٹھانی پڑی۔" کندھے پر رکھا صافہ جھٹکتے ہوئے کریم نواز کٹیلے انداز میں بولا تھا اس کی بات پر شہروز کا چہرہ ایک دم سے سرخ ہوا تھا۔

"ابا جی پلیز..... تہمت لگانے سے گریز کریں۔" اس کا دل چاہا کہ کاش یہ سامنے بیٹھا متکبرانہ انداز لیے شخص اس کا سگا باپ نہ ہوتا۔

"مکدی گل کو مکا' بھرجائی کلثوم بھی اس رشتے کے لیے بے حد جذباتی اور خوش ہے۔ مجھ سے سنجوگ جوڑنا اس کے لیے سب سے بڑی خوشی ہے اس کا کہنا ہے کہ لئیق احمد

اگر پیچھے نہ ہٹا تو اس کی وڈی بیٹی رامین ہمیشہ کے لیے اس کے در پر بیٹھی رہے گی۔ سجاد اسے طلاق دینے پر رضا مند ہو گیا ہے۔" جاتے جاتے کریم نواز ان سب کے پیروں کے نیچے سے زمین نکال کرتے گیا تھا۔

❀......❀......❀

آج آٹھ مارچ کا دن تھا' خواتین کا عالمی دن۔ عورت جو ماں' بہن' بیٹی اور بیوی ہر روپ میں قربانی ایثار' وفا' استقلال' جرأت اور بہادری کی لازوال داستانیں رقم کرتے ہوئے انسانیت کے ماتھے کا تاج ہے۔ تاریخ اس کی مہر و محبت کی مثالوں پر نازاں ہے اور انسانیت کو اس کی وفاداری' بلند کرداری اور زندگی کی سنگلاخ حقیقتوں میں قربانی اور دوستی کے پھولوں کی آبیاری کرنے پر ناز ہے۔ آج یہی عورت دنیا کے ہر خطے میں ہر روپ میں اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت اپنے وجود اور اپنی اہمیت کو منوا رہی ہے۔ کون ہے جو صاحب عقل و دانش اور اس کے جوہر گراں مایہ سے انکار کرے مگر اپنی لازوال اور بے مثال قربانیوں کے باوجود یہی صنف آج بے حد ظلم و ستم کا شکار ہے۔ کہیں پر کلہاڑیوں کے وار سے کٹ مر رہی ہے تو کبھی چولہا پھٹنا اس کے لیے پیام اجل بن جاتا ہے اس کے نرم و نازک نقوش سے سجے چہرے کو تیزاب سے جھلسا کر انسانیت کو اپنا چہرہ چھپانے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ کہیں یہ سر عام نیلام ہو رہی ہے تو کہیں اپنی بقا کے لیے اپنے ہر خونی رشتے کے آگے سر جھکانے پر مجبور ہے کیونکہ یہ بنت حوا ہے۔ اس کا خمیر ہی محبت' ایثار' قربانی سے اٹھا ہے اس کی سرشت میں خود غرضی' جفا' ظلم اور سفا کی ہے ہی نہیں۔

کلثوم' کریم نواز اور سجاد اپنی ضد پر ہنوز اڑے ہوئے تھے۔ ان کے ناخواندہ ذہن اور دیہاتی طبیعتیں شہروز اور شاہین کی شادی کو اپنی انا کے لیے سراسر قتل سمجھ رہی تھیں۔ اس لیے انہوں نے لئیق اور صبیحہ کو جھکانے کے لیے تیر بہدف نسخہ آزمایا تھا۔ بیٹیوں کے ماں باپ کو جھکانے کے لیے معاشرے میں ایک سے بڑھ کر ایک طریقہ موجود ہے۔

وہ شہروز کو صدف سے شادی کے لیے راضی کرلیں ورنہ

اپنی بیٹی رامین کے چہرے پر طلاق کی کالک ملنے کے لیے تیار ہوجائیں۔" سجاد نے سالانہ ٹھیکے پر کریم نواز کی زمین کاشت کے لیے لی ہوئی تھی جس میں معاہدے کے مطابق آدھی پیداوار کریم نواز کو دینی تھی مگر کلثوم کی سازشی اور عیار طبیعت نے کریم نواز کی عقل کو ایسا مٹھی میں لیا کہ کریم نے اپنے حصے کی پیداوار سجاد کو معاف کردی تھی اور سجاد جو بے حد گنوار بدفطرت ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد حریص اور خودغرض بھی تھا ماں کے کہنے پر اپنی بے حد شریف اور باوفا بیوی رامین کو طلاق دینے پر رضامند ہوگیا تھا۔

"دیکھو بھرا کریم! یہ ہوتی ہے ماں پیو کی تابع داری' میرا سجا اپنی دو بچوں کی ماں کو طلاق دینے پر راضی ہوگیا ہے اور تیرا پتر ابھی تک مامے کے گوڈے سے لگ کر بیٹھا ہے۔" آنکھیں نچاتے ہوئے کلثوم نے کریم نواز کے منفی جذبات کو ہوا دی تھی۔

اور ادھر سب کی دنیا ہی آنسوؤں میں ڈوب چکی تھی۔

"لئیق! خدا کے لیے کچھ کریں' میری رامین کو اس داغ سے بچائیں' وہ دو بچوں کے ساتھ کہاں جائے گی۔ معاشرہ اسے مطلقہ کے نام سے پکارے گا' اس کے بچوں کا مستقبل کیا ہوگا' یہ دیہاتی لوگ ہیں شعور اور سمجھداری سے بے بہرہ جو کہہ رہے ہیں وہ کر گزریں گے۔ میری بچی تو بے موت ماری جائے گی۔" صبیحہ بلک بلک کر روتے ہوئے لئیق احمد کا کندھا جھنجھوڑ رہی تھیں جو گم سم سوچوں میں مستغرق رہتے تھے جن کے پاس اس مسئلے کا کوئی حل نہ تھا وہ کہاں جائیں' کس کے پاس فریاد لے کر جائیں۔ گھر کے ہر فرد کی آنکھوں سے نیند روٹھی ہوئی تھی در و دیوار سے وحشت سی ٹپک رہی تھی۔ رامین لب بستہ روبوٹ کی مانند اپنے بچوں کو سنبھالنے میں لگی رہتی تھی۔ شہروز دن کا بیشتر حصہ گھر سے باہر گزارتا تھا' شامین کی روئی روئی صورت اسے درد کے کانٹوں پر دھکیل دیتی تھی۔

پھر خاندان والوں نے سنا کر رامین کا گھر اس کے اپنے گھر والوں کی خودغرضی اور انا بھی بلکہ کسی حد تک ہٹ دھرمی کی دولت ٹوٹ رہا ہے تو ہر فرد نے اپنی سمجھ اور استطاعت کے مطابق ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"لئیق اور صبیحہ! عقل کرو' ایک بیٹی کا گھر بسانے کے لیے دوسرا اپنا بنایا گھر توڑ رہے ہو کچھ تو خیال کرو اور ویسے بھی ساری زندگی ایک گھر میں پل کر جوان ہونے کے بعد شادی کی صورت میں لوگ شہروز اور شامین کے کردار پہ انگلیاں اٹھائیں گے۔" جملے تھے کہ سنسناتے ہوئے تیر جو چاروں طرف سے آ کر ان سب کے دلوں میں ترازو ہورہے تھے لہولہو دل کی سرخی آنکھوں سے چھلک آئی تھی۔

شہروز اس گھر میں بسنے والے سبھی افراد سے بے حد محبت کرتا تھا' اپنی وجہ سے انہیں دکھی دیکھنا اس کے لیے انگاروں پر چلنے کے مترادف ثابت ہورہا تھا۔ اس لیے اس نے گیلی آنکھوں کے آنسو پونچھتے ہوئے اپنا بیگ تیار کرنا شروع کردیا تھا' کل اسے گاؤں کے لیے روانہ ہونا تھا۔ رامین اور بچے بھی اس کے ساتھ جانے کو تیار تھے۔

اور ایک اندھیرے کمرے میں بے حس و حرکت بیٹھی خاموش آنسوؤں کے ساتھ روتی ہوئی شامین سوچ رہی تھی کہ آج آٹھ مارچ کا دن عورتوں کے حقوق اور ان پر کیے گئے مظالم کے حوالے سے ان کی دادرسی کا دن ہے۔ عورت جو ہر روپ میں مرد کے کسی نہ کسی روپ کی بربریت اور ستم کا شکار ہوجاتی ہے مگر وہ ظلم جو ایک عورت خود دوسری عورت پر روا رکھتی ہے جیسے صدف اور کلثوم کے بچھائے ہوئے سازشی جال نے اس کی معصوم محبت پر شب خون مارا تھا۔ اس کی اور شہروز کی خالص اور پاکیزہ محبت کو اپنی خودغرضی کی بھینٹ چڑھا ڈالا تھا۔ انہیں تاحیات نارسائی کی دہکتی آگ میں دھکیل دیا تھا اس ظلم کی تشہیر کون کرے؟ اس ظلم پر کون کسی کی شنوائی سنے؟ شامین کے دکھی دل سے یہ صدا نکل رہی تھی کہ عورت کے عورت پر ظلم کے حوالے سے بھی تو کوئی دن ہونا چاہیے۔ آٹھ مارچ کے علاوہ کوئی دن اور...... ہونا چاہیے ناں؟

✿

ٹوٹا ہوا تارا
سمیرا شریف طور
READING Section

قسط نمبر 40

> ہم عجب مسافر دشت تھے جو چلے تو چلتے چلے گئے
> کسی آب جو کی صدا پہ بھی کہیں راستے میں رکے نہیں
> کئی اور اہل طلب ملے مجھے راہ شوق میں ہم قدم
> جنہیں کر رہا تھا تلاش میں وہی لوگ مجھ کو ملے نہیں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

مصطفیٰ انتہائی طیش کے عالم میں ایاز کے ٹھکانے پر پہنچنے میں کامیاب ہوجاتا ہے اور امجد خان اور دیگر ساتھیوں کی مدد سے ایاز کی فرار کی تمام راہیں مسدود کردیتا ہے۔ ایاز شہوار پر تشدد کی انتہا کرتے اس کی کو وا جاڑ دیتا ہے۔ مصطفیٰ شہوار کی بگڑی حالت کے پیش نظر اسے اسپتال منتقل کرتا ہے جبکہ پیچھے پولیس ان کاؤنٹر میں ایاز اپنے آخری انجام کو پہنچتا ہے۔ ہمایوں نے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے سکندر کو اغوا کرلیتا ہے۔ ایسے میں لالہ رخ اسے چھڑانے کی خاطر جائیداد کے کاغذات لیے وہاں پہنچتی ہے لیکن ہمایوں اپنی بات سے منکر ہوجاتے ہے اور اسے بھی قید کرلیتا ہے۔ سکندر اور اس کی بیٹی رابعہ کو مار دینے کا حکم دے کر لالہ رخ کو نئے مقام پر منتقل کرکے پرسکون ہوجاتا ہے لیکن لالہ رخ ملازمہ کی مدد سے رات کے اندھیرے میں وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہوجاتی ہے یہ ناکامی ہمایوں کو مشتعل کردیتی ہے۔ جب ہی لالہ رخ کو مارنے کی خاطر اس کے گھر کو جلا دینے کا حکم صادر کرتا ہے۔ دوسری طرف اس گھر میں افشاں عائشہ کے ساتھ موجود تھی ان لوگوں کی باتیں سن کر وہ وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہوجاتی ہے جب ہی تیز رفتار گاڑی سے اس کی ٹکر ہوتی ہے اور وہ ہوش وخرد سے بے گانہ ہوجاتی ہے۔ دوسری طرف ضیاء گھر کو جلتے دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ بعد میں ایک عورت اور بچوں کی جلی ہوئی لاشیں دیکھ کر افشاں کی زندگی سے مایوس ہوکر وہ بیرون ملک شفٹ ہوجاتا ہے اور عیسیٰ کا نام ولید رکھ دیتا ہے اور یوں اس اذیت ناک حادثے کے بعد ماضی وقت کی دھول میں گم ہوجاتا ہے۔ ولید مصطفیٰ کی زبانی تمام حالات جان کر شاکڈ رہ جاتا ہے انا کی شکی طبیعت پر شدید خائف ہوتے وہ سارے معاملے کے متعلق انا سے باز پرس کرتا ہے اور شدید طیش کے عالم میں اس کا ہاتھ انا پر اٹھ جاتا ہے۔ کاشفہ سے مل کر انا کو دھمکیاں دینے کے حوالے سے سخت سست سناتا ہے جبکہ کاشفہ ولید کا یہ تحقیر آمیز انداز اور تھپڑ برداشت نہیں کرپاتی اور انتہائی خراب حالات میں گھر پہنچ کر ہوش وخرد سے بے گانہ ہوجاتی ہے۔ عادلہ ایک طرف کاشفہ کی ابتر حالت پر متفکر ہوتی ہے ایسے میں ایاز کی ڈیڈ باڈی دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہوجاتے ہیں جب ہی پولیس کے آدمی گھر کی تلاشی میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ مسز عبدالقیوم جوان بیٹے کی موت کے صدمے سے ڈھے جاتی ہیں جبکہ عبدالقیوم ملک سے باہر ہوا تا ہے۔ مصطفیٰ تابندہ بی کو تلاش میں کامیاب رہتا ہے اور انہیں اسپتال لے آتا ہے وہاں شہوار کی سیریس کنڈیشن دیکھ کر تابندہ بی

آبدیدہ ہوجاتی ہیں دیگر گھر والوں کے لیے بھی تابندہ بی کی موجودگی حیرت انگیز ہوتی ہے۔انا ایاز عبدالقیوم کی موت کی خبر پڑھ کر چونک جاتی ہے جب ہی باقی سب گھر والے بھی مصطفیٰ کے ساتھ گزرنے والے اذیت ناک حادثے سے آگاہ ہوتے ہیں ایسے میں صبوحی بیگم بھی انا کے ہمراہ اسپتال پہنچ جاتی ہیں اور وہاں تابندہ بی کے روپ میں افشاں کو دیکھ کر وہ شاکڈ رہ جاتی ہے ہیں۔

(اب آگے پڑھیں)

❁......❁......❁

نجانے کون سی قوت تھی جو اسے بھگارہی تھی۔وہ ذیلی سڑکوں سے نکل کر بڑی سڑک پرآ گئی تھی لیکن اس کی رفتار پھر بھی کم نہ ہوئی وہاں اکا دُکا گاڑیاں آجارہی تھیں۔اسے لگ رہا تھا کہ وہ لوگ اس کے تعاقب میں ہیں۔وہ اسے اور عائشہ کو بھی آگ میں دھکیل دیں گے تبھی اندھا دھند بھاگتے وہ بہت زور سے مخالف سمت سے آتی ایک تیز رفتار گاڑی سے ٹکرا گئی تھی۔عائشہ اس کے بازو سے نکل کر کہیں دور جاگری تھی۔وہ سخت پتھریلی زمین پر گرتے ہی رونے لگی جبکہ گاڑی اسے کچل کر تیزی سے آگے جا کر بے اختیار رکی تھی۔

❁......❁......❁

سکندر اور بچی کو لے کر وہ نہر کنارے چلے آئے تھے۔وہ تین لوگ تھے انہوں نے کھینچ کر گاڑی سے سکندر کو نکالا تھا' سکندر کا جسم بری طرح مجروح تھا جگہ جگہ زخم تھے یوں جیسے بہت بے دردی سے مارا گیا ہو۔وہ بے ہوش تھا' ایک آدمی نے روتی بلکتی بچی کو تھام رکھا تھا۔

"ان دونوں کو مار کر نہر میں پھینک دو' جلدی کرو۔" ان کے ایک ساتھی نے دوسرے سے کہا تھا۔

"یہ تو پہلے ہی مرا ہوا ہے اس کو اور کیا مارنا' ایسے ہی پھینک دیتے ہیں۔" ایک اور ساتھی نے کہا تھا۔

"باس سے شامت بلوانی ہے کیا جو ایسے ہی پھینک دیتے ہیں بچ گیا تو اور مصیبت ہوگی۔" دوسرے نے ڈانٹ کر پہلے کو کہا تھا۔

اس کے کہنے پر اس آدمی نے بے ہوش سکندر کو زمین پر ڈال دیا اور گولی اس کے وجود میں اتار دی تھی۔بندوق چلنے کی آواز دور دور تک سنائی دی تو اندھیرے میں جیسے ایک شور بلند ہوا تھا۔

"کون ہے......کون ہے ادھر؟" وہاں کیمپ میں لیٹے دو وجود ایک دم ڈر گئے تھے۔انہوں نے اطراف میں دیکھنا چاہا لیکن تاریکی میں کچھ بھی سجھائی نہ دیا البتہ جھاڑیوں میں کسی چیز کے ہلنے کا شور بلند ہوا ساتھ ہی درختوں کے جھنڈ میں ہلکی سی روشنی بھی ہوئی تھی' وہ سب بوکھلا گئے تھے۔

"جلدی کرو اس کو نہر میں پھینکو اور بھاگو کوئی دیکھ نہ لے۔لگتا ہے ادھر کوئی موجود ہے۔" ایک ساتھی چلایا تھا۔

انہوں نے جلدی سے سکندر کو اٹھایا اور نہر میں پھینک دیا اور بڑی تیزی سے جس گاڑی میں آئے تھے بیٹھ کر فوراً بھاگ گئے تھے۔

ننھی بچی وہیں سڑک پر پڑی حلق پھاڑ پھاڑ کر رو رہی تھی وہ شاید عجلت میں اس کو نہر میں پھینکنا بھول گئے تھے اور وہیں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔جھاڑیوں میں موجود وہ دونوں آدمی ایک دم نکل کر باہر آئے تھے۔ایک نے دوڑ کر روتی ہوئی بچی پر ٹارچ کی روشنی ڈالی تھی' ارد گرد اچھی طرح دیکھنے کے بعد اس نے بچی کو اٹھا لیا تھا۔

"میں نے ان آدمیوں کو کسی کو نہر میں پھینکتے دیکھا ہے۔" جس نے بچی کو اٹھایا تھا وہ دوسرے آدمی سے بولا تھا۔

"کوئی پولیس کیس ہی نہ بن جائے' نجانے کون لوگ تھے اور کیا کرتے آئے تھے؟"

"نہر میں پانی اتنا گہرا نہیں میں تیر سکتا ہوں آرام سے دیکھتا ہوں کیا مسئلہ ہے تم اس بچی کو سنبھالو۔" بچی کو دوسرے آدمی کے حوالے کرتے اپنی قمیص اتار کر وہ خود نہر میں کود گیا تھا۔ دوسرا آدمی دم سادھے گہری تاریکی میں صرف پانی کا شور سن رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس کو اپنے ساتھی کی آواز سنائی دی تھی وہ اس کو کنارے پر بلا رہا تھا وہ جلدی سے بچی کو اٹھائے آگے بڑھا اور کنارے کی طرف آیا تھا۔ روتی ہوئی بچی کو اس نے ایک طرف زمین پر بٹھایا اور خود اپنے ساتھی کی مدد کرنے لگا جو نہر میں سے ایک مردہ وجود کو کھینچ کر باہر نکال رہا تھا۔ دونوں نے اس کو باہر نکال کر زمین پر لٹا دیا تھا۔ اس نے اس وجود کی سانس چیک کرنا چاہی تو حیران ہوا۔

"یہ زندہ ہے ابھی۔" وہ چلایا تھا۔

"ہاں خون بہت بہہ رہا ہے۔"

"لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں نجانے کون ہے؟ کیا دشمنی تھی جو اسے مار کر یہاں پھینک گئے ہیں؟" پہلے والا خوف زدہ تھا۔

"جو بھی ہے لیکن اب تو اس کو بچانا ہی ہوگا۔"

"کوئی کیس نہ بن جائے ہم پر۔"

"اللہ مالک ہے گاؤں لے چلتے ہیں مولوی صاحب کے پاس وہی کچھ کر سکتے ہیں۔" دونوں آپس میں صلاح مشورہ کر رہے تھے اور پھر یہ طے پایا کہ وہ دونوں اسے گاؤں لے جاتے ہیں۔ وہ لوگ جس وقت سکندر اور بچی کو لے کر مولوی صاحب کے پاس پہنچے بہت رات بیت چکی تھی۔ مولوی صاحب ساری صورت حال دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے۔

وہ حکیم تھے اور ساتھ امام مسجد بھی انہوں نے فوراً سکندر پر اپنا ہنر آزمانا شروع کر دیا تھا جبکہ بچی کو گھر کے اندرونی حصے میں بھیج دیا گیا۔

"اجنبی کی حالت بہت تشویش ناک ہے۔" بہت دیر کوشش کرنے کے بعد بھی وہ مایوس تھے۔ "سواری کا بندوبست کرو اس کو شہر لے جانا پڑے گا اگر زندگی ہوئی تو بچ جائے گا ورنہ اللہ کی مرضی۔"

"میں بندوبست کرتا ہوں اڈے تک تو تانگے کا بندوبست ہو جائے گا وہاں سے گاڑی لینا ہوگی۔"

"وہاں اڈے پر ساجد مہر ہوتا ہے اس کی اپنی ٹرالی ہے اس سے کہتے ہیں وہ شہر تک لے چلے گا۔" مولوی صاحب نے کہا تو وہ تینوں چلنے کو تیار ہو گئے تھے۔

وہ لوگ سکندر کو تانگے پر اڈے تک لائے تھے مولوی صاحب نے ساجد سے بات کر لی تھی وہ مان گیا تھا۔ مولوی صاحب کسی ہسپتال میں لے جانے کے بجائے اپنے ایک شاگرد کے پاس لے آئے تھے۔ اس نے سکندر کو دیکھا اور پھر ایک کلینک میں لے آیا تھا۔ کلینک اس کے دوست کا تھا وہ بہت رازداری سے سکندر کا علاج کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ وہیں سکندر کا علاج شروع ہوا اور گولی نکال کر باقی علاج شروع کر دیا گیا تھا۔ شاید سکندر کی زندگی باقی تھی سو وہ موت کے منہ سے نکل آیا تھا لیکن بدقسمتی سے اس کا بازو اور ٹانگ ٹوٹ چکی تھی۔

مولوی صاحب کے ساتھ آنے والے وہ دونوں آدمی واپس چلے گئے تھے مولوی صاحب خود سکندر کے پاس رکے ہوئے تھے۔ تین چار دن بعد سکندر کو ہوش آیا تھا لیکن ابھی وہ اس قابل نہ تھا کہ اپنے بارے میں کچھ بتا پاتا۔ سکندر کا علاج مہینوں پر مبنی تھا۔ جیسے ہی وہ خطرے سے باہر ہوا تو مولوی صاحب کو بھی اس کی زندگی کی امید بندھ گئی تھی۔ دو تین

دن بعد سکندر نے اپنے بارے میں جو بتایا وہ سن کر مولوی صاحب کا دل ایک دم شدید غم کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ وہ اپنے شاگرد کو لے کر سکندر کے بتائے گئے ایڈریس پر گئے تھے لیکن وہاں جو داستان تھی وہ اور بھی زیادہ دل گداز تھی۔ سکندر کے گھر کو آگ لگ گئی تھی جس کی وجہ سے اس کے بیوی بچے سب جل کر راکھ کا ڈھیر بن چکے تھے۔
مولوی صاحب خوف خدا کے سبب سکندر کی زندگی بچانے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ وہ مزید مسائل میں نہیں الجھنا چاہتے تھے سو پولیس تک اس معاملے کی رپورٹ نہیں کروائی تھی اور کچھ دن بعد سکندر کو واپس اپنے گاؤں لے آئے تھے۔ سکندر چلنے پھرنے اور کھانے پینے سے قاصر تھا' وہ ہر وقت اس کی دیکھ بھال میں لگے رہتے تھے۔ ان کی بیٹی چند دن پہلے ہی بیوہ ہوئی تھی' سسرال والوں نے گھر سے نکال دیا تھا وہ باپ کے گھر میں ہی عدت کے دن گزار رہی تھی۔ بیوی وفات پا چکی تھیں صرف ایک بیٹی ہی تھی جس کا ایک بیٹا تھا۔
رابعہ کو ثریا نے بہت خوش دلی سے سنبھال لیا تھا۔ انہیں خوب صورت سی رابعہ بہت پسند آئی تھی۔ مولوی صاحب مسجد کی امامت اور بچوں کو پڑھانے کے علاوہ حکیمی بھی کرتے تھے ان کے پاس کوئی نہ کوئی مریض آتا رہتا تھا۔ سکندر کا بستر ان کے کمرے میں ہی لگا دیا گیا تھا۔ انہوں نے گاؤں والوں کو یہی بتایا تھا کہ وہ ان کا دور پرے کا بھتیجا ہے اور ایک ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گیا ہے۔ جس کے سبب وہ اسے اپنے پاس لے آئے ہیں اور اب وہ ان کے ساتھ ہی رہے گا۔ مولوی صاحب نے سکندر کو قطعی نہیں بتایا تھا کہ اس کی فیملی پر کیا غضب ڈھایا جا چکا ہے وہ ہر بار سکندر کے پوچھنے پر اسے تسلی دیتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ سکندر اچھی طرح صحت یاب ہو جائے' اپنے پیروں پر چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے تو پھر اس کو بتائیں گے۔
وہ دونوں آدمی جنہوں نے سکندر کو بچایا تھا وہ اکثر اس کی عیادت کو آتے رہتے تھے۔ وہ مولوی صاحب کے بہت مخلص دوست تھے اور شہد کے بیوپاری تھے۔ وہ مختلف جگہوں پر شہد کے مصنوعی چھتے لگاتے تھے اور شہد بنایا کرتے تھے۔ وہ اس مقصد کے لیے زیادہ تر نہر کے کنارے جہاں درختوں کے جھنڈ ہوتے تھے ان کا انتخاب کیا کرتے تھے۔ ان دنوں انہوں نے وہاں کیمپ لگا رکھا تھا اور وہیں کیمپ میں ہی رات گزارا کرتے تھے تاکہ کوئی رات کی تاریکی میں وہاں موجود شہد کے چھتوں کو چرا کر نہ لے جائے۔ اس رات بھی وہ اپنے کیمپ میں لیٹے ہوئے تھے وہاں گاڑی آ کر رکی تھی انہوں نے کوئی توجہ نہ دی تھی کیونکہ وہ اڈہ تھا وہاں اکثر کوئی نہ کوئی گاڑی کسی نہ کسی مسافر کو اتارنے کے لیے رکتی تھی لیکن وہ لوگ تب چونکے جب گولی چلنے کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ دونوں ٹارچ لے کر باہر نکلے تھے اور باہر جو کچھ دکھائی دیا وہ بڑا حیران کن تھا۔ وہ لوگ تو سکندر کو نہر میں ڈال کر رفوچکر ہو گئے تھے اور معصوم بچی کو وہیں سڑک پر چھوڑ گئے تھے لیکن وہ دونوں خوف خدا کے سبب بچی اور سکندر کو ان کے حال پر نہ چھوڑ سکتے تھے اسی لیے یہاں لے آئے تھے لیکن سکندر اپنے گھر والوں سے ملنے کو بے تاب تھا۔
اسی حالت میں بمشکل ایک ماہ گزرا تھا جب سکندر کے اصرار پر مولوی صاحب نے اسے سچ بتا دیا تھا اور سچ جان کر سکندر ایک دم سکتے میں آ گیا تھا۔ اس کا پورا گھر اجڑ چکا تھا بیوی بچے سب مر چکے تھے۔ سکندر کے اندر جیسے زندگی ختم ہو گئی تھی اور پھر اس دن مولوی صاحب اس کے پاس ننھی رابعہ کو لے آئے تھے اس سے پہلے مولوی صاحب نے سکندر کو رابعہ کے بارے میں نہیں بتایا تھا' سکندر رابعہ کو دیکھ کر ساکت ہوا تھا۔
"یہ تو میری بچی ہے رابعہ!" مولوی صاحب چونکے تھے۔
"اگر یہ تمہاری بچی ہے تو آگ میں تو تینوں بچے جل کر مرے تھے۔" سکندر بھی الجھ گیا تھا۔
"یہ وہاں تک کیسے پہنچی؟ ہمایوں نے تو صرف مجھ اکیلے کو اٹھایا تھا۔" سکندر پریشان ہو گیا تھا۔

"ہوسکتا ہے بعد میں بچی کو بھی اٹھالیا ہو۔" مولوی صاحب نے کہا تو سکندر گم صم سا ہوگیا۔
"تو پھر مرنے والا تیسرا بچہ کون تھا؟" سکندر کے اندر بہت دن تک یہ سوال کلبلاتا رہا تھا وہ آہستہ آہستہ روبہ صحت ہورہا تھا۔

سکندر کے اصرار پر مولوی صاحب ایک بار پھر سکندر کے بتائے گئے پتے پر گئے تھے اور اس بار وہ افشاں کی پھوپو والے گھر میں بھی گئے تھے لیکن وہاں تالا لگا ہوا تھا۔ مولوی صاحب نے اردگرد کے لوگوں سے معلومات حاصل کرنا چاہی تو معلوم ہوا کہ اس گھر میں رہنے والی خالہ بی اپنے جیٹھ کے گھر شفٹ ہوگئی ہے اور ضیاء باہر جاچکا ہے۔ مولوی صاحب نے سکندر کے بارے میں پوچھا تو کوئی معقول جواب نہ ملا تھا۔ وہ واپس لوٹ آئے تھے۔ مولوی صاحب کی فراہم کردہ معلومات ایسی تھیں کہ سکندر کے اندر مزید مایوسی کی فضا پیدا ہوتی چلی گئی تھی۔

لالہ رخ اور اس کے دونوں بچے اب اس دنیا میں نہیں تھے وہ کس کے لیے جیتا ایسے میں بس ننھی رابعہ کا وجود سکندر کے اندر زندہ رہنے کی لگن پیدا کرنے کا سبب بنا تھا۔ وہ صحت یاب ہوا تو خود اس جگہ گیا تھا لیکن ہمیشہ کی طرح خالہ بی کے گھر تالا لگا ہوا تھا اور اس کے اپنے گھر کی حالت دل کو خاک کرگئی تھی وہ گھر جو انہوں نے بہت محبت اور توجہ سے بنایا تھا وہ جل کر اپنی حالت پر ماتم کناں تھا' سکندر جو زندگی بھر کبھی حوصلہ نہ ہارا تھا۔ جس کی آنکھ سے کبھی آنسو کا قطرہ تک نہ ٹپکا تھا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا اس کا گھر تباہ ہوچکا تھا بیوی بچے سب جل کر راکھ کا ڈھیر بن چکے تھے۔ سکندر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کچھ کر بیٹھے۔ وہ پولیس اسٹیشن جانا چاہتا تھا اپنے بیوی بچے کی قبریں دیکھنا چاہتا تھا لیکن مولوی صاحب سکندر کی ناگفتہ بہ حالت دیکھتے ہوئے اسے زبردستی واپس لے آئے تھے۔ سکندر بہت دن تک مضمحل رہا ذہنی لحاظ سے وہ بہت بکھر چکا تھا۔ مولوی صاحب اس کا خاص خیال رکھتے اور اسے کبھی تنہا نہ ہونے دیتے تھے۔ وہ واپس شہر جانا چاہتا تھا لیکن مولوی صاحب چاہتے تھے کہ وہ سب کچھ بھول کر کچھ عرصہ کے لیے اس واقعہ کو فراموش کردے تاکہ ذہنی طور پر کچھ سنبھل جائے۔

دوسری طرف وہ ہمایوں کی طرف سے بھی خوف زدہ تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی کو علم ہو کہ سکندر اور اس کی بچی زندہ ہے وہ ہر وقت سکندر کو سمجھاتے رہتے تھے اور شاید ان کے سمجھانے کا اثر تھا کہ سکندر کا رجحان دین کی طرف ہوتا چلا گیا تھا' وہ مولوی صاحب کے پاس ہی سارا دن بیٹھا رہتا تھا۔ اس کے اندر سے انتقام' نفرت اور ہر چیز کا احساس مٹ گیا تھا۔ کچھ وقت یونہی بیتا اور پھر سکندر ایک دن گھر سے نکلا تو مولوی صاحب کو یہی لگا کہ وہ باہر کھیتوں کی طرف گیا ہوگا لیکن دن دوپہر اور دوپہر رات میں بدل گئی تو مولوی صاحب کی تشویش بڑھنے لگی۔ وہ ساری رات مولوی صاحب کی از حد پریشانی میں گزری تھی' دو تین دن لگاتار بیت گئے لیکن سکندر واپس نہ لوٹا تھا۔ مولوی صاحب خود شہر گئے لیکن وہاں کوئی خبر نہ مل سکی تھی۔ دن پر دن بیتتے گئے۔ پھر دن مہینوں اور مہینے سال میں بدل گئے اور سکندر لوٹ کر نہ آیا' مولوی صاحب بیمار رہنے لگے تھے۔ بیوی بیٹی کا دکھ اور سکندر کی گمشدگی وہ ہر وقت متفکر رہتے تھے۔

دوسری طرف ثریا کے سسرال والے بیٹے کو مانگ رہے تھے' مولوی صاحب چاہتے تھے کہ ثریا کی دوسری شادی کردیں لیکن ثریا اس بات پر رضامند نہ تھی۔ ثریا کے سسرال والوں کا اصرار بڑھنے لگا تو ثریا نے مولوی صاحب کو گاؤں چھوڑ کر شہر چلنے کا مشورہ دیا۔ مولوی صاحب کی گاؤں میں بہت عزت تھی لیکن بیٹی کی وجہ سے مجبور تھے اور پھر ایک دن شہر منتقل ہوگئے۔ یہ نئی آبادی تھی جمع پونجی کچھ بھی نہیں کرائے پر گھر مل سکا تھا۔ ثریا محلے کے بچوں کو قرآن اور ٹیوشن پڑھادیا کرتی تھی اور سلائی کا کام بھی کرلیتی تھی۔ گزر بسر اچھی ہونے لگی تھی۔ وقت کا کام ہے گزرتے جانا' رابعہ بڑی ہورہی تھی وہ ثریا کو سہیل کی دیکھا دیکھی امی کہنے لگی تھی۔ شہر میں رہتے ایک سال گزرا تھا جب ان کے پاس مولوی

صاحب کا ایک شاگرد گاؤں سے ایک خط لایا تھا' یہ خط کسی باہر کے ملک سے بھیجا گیا تھا۔ مولوی صاحب نے وہ خط دیکھا تو وہ سکندر کی طرف سے تھا۔

"السلام علیکم مولوی صاحب! مجھے علم ہے آپ میری طرف سے بہت پریشان ہوں گے' میں نے جب گاؤں چھوڑا اس وقت میرے ذہن میں صرف اور صرف ہمایوں سے بدلہ لینے کا خیال تھا۔ میں شہر آیا اور یہاں ایک دوست کے پاس چلا آیا وہ مجھے دیکھ کر حیران ہوا تھا میری کہانی سن کر اس نے میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار بھی کیا تھا۔ یہ شخص میرا کاروباری دوست تھا' اس کے پاس میری کچھ رقم واجب الادا بھی اس نے میرا بہت ساتھ دیا۔ اسی نے مجھے بتایا کہ میرے بیوی بچوں اور گھر کو جلانے کے سلسلے میں پولیس میرے بارے میں بھی مشکوک ہے اور میری تلاش میں ہے۔ میرے دوست نے مجھے واپس گاؤں جانے اور نئی زندگی شروع کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن میرا دل ودماغ کسی بھی چیز کو قبول نہیں کررہا تھا سوائے اس کے کہ میں ہمایوں سے بدلہ لوں۔ میں نے ہمایوں کا پتا کروایا تو معلوم ہوا کہ جن دنوں مجھے قتل کروایا گیا تھا اور میرے گھر کو آگ لگائی گئی تھی اس سے تیسرے دن بعد ہمایوں اپنے خاندان سمیت ملک سے باہر بھاگ گیا تھا۔ اب میرے پاس سوائے صبر کرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ میں اپنے دوست کے ساتھ مل کر دوسرے شہر چلا گیا تھا' جہاں ہمارا کام چل نکلا۔ اب میرے پاس اتنی رقم تھی کہ میں باہر جاسکتا تھا اور امریکہ میں میری کچھ جائیداد بھی تھی میں سکندر کے نام کو استعمال نہیں کرسکتا تھا میں نے فیضان کے نام سے اپنے کاغذات تیار کروائے تھے اور پھر میں باہر آ گیا لیکن میری بدقسمتی نے ابھی میرا ساتھ نہ چھوڑا تھا۔ میں جیسے ہی یہاں آیا یہاں ایک اور کیس منتظر تھا' ضیاء اور وقار دونوں اپنی فیملی سمیت یہاں سے بھاگ گئے تھے وہ یہاں کی پولیس کو مطلوب تھے۔ میری پراپرٹی میں ایک شاپ جس آدمی کے پاس تھی اس سے وقار اور پھر ضیاء کا جھگڑا ہوا تھا۔ ضیاء سے گولی چلی تھی وہ آدمی کچھ دن ہسپتال میں رہا تھا لیکن پھر بعد میں کسی اور حادثے کے سبب مر گیا تھا' اس کی اولاد یہ کیس ضیاء اور وقار پر ڈال رہی تھی اور جب میں واپس گیا تو پولیس نے مجھے گرفتار کرلیا تھا۔ میری تمام پراپرٹی پر لوگوں کا قبضہ تھا' مجھے جیل میں ڈال دیا گیا اور مجھ پر وقار اور ضیاء کا ساتھی ہونے کے سبب کئی کیس ڈال دیئے گئے تھے۔ میں دونوں ہاتھوں سے خالی تھا اپنے دفاع میں کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ میں یہاں کئی ماہ جیل میں بند رہا' یہاں کی پولیس میرے بارے میں کچھ بھی ثابت نہ کرسکی تو مجھے رہا کردیا گیا۔ سکندر کے نام کی پراپرٹی پر فیضان کا کوئی حق نہ بنتا تھا' میرا یہ نیا نام مجھے جیل سے نکلنے کا سبب بنا لیکن میری پراپرٹی میرے کسی کام نہ آسکی تھی۔ میں یہاں اب مزدور کی سی زندگی گزار رہا ہوں اور وقار اور ضیاء کی تلاش میں بھی لگا ہوا ہوں لیکن کسی کا بھی کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ میری بیٹی کا خاص خیال رکھیے گا' مجھے نہیں علم کہ میں واپس آؤں گا بھی کہ نہیں اس لیے آپا ثریا سے کہیے گا کہ اسے اپنی بیٹی بنا کر پرورش کریں۔ اگر زندگی نے مہلت دی اور یہاں سے واپسی ممکن ہوسکی تو میں ایک دن ضرور لوٹ کر آؤں گا۔ میری زندگی میں آپ لوگوں اور اپنی بیٹی کے سوا اب اور کوئی رشتہ باقی نہ رہا' میری بیٹی آپ کے پاس میری امانت ہے اس کا خیال رکھیے گا۔

فقط

فیضان علی"

خط ایسا تھا کہ مولوی صاحب کئی دن تک غم زدہ رہے تھے۔ رابعہ کو ثریا نے واقعی بیٹی کی طرح پالا تھا اور کبھی اُف تک نہ کی تھی۔ زندگی اپنے مزاج میں چلتی جارہی تھی فیضان نے اس کے بعد کوئی رابطہ نہ کیا تو مولوی صاحب ناامید ہوتے چلے گئے تھے۔ رابعہ کو ثریا نے کبھی نہیں بتایا تھا کہ وہ اس کی بیٹی نہیں ہے' رابعہ اسکول جانے لگی تھی۔ رابعہ کی ولدیت سے متعلق ان کے پاس کوئی کاغذات نہ تھے اسکول انتظامیہ نے والدین کے شناختی کارڈ اور پیدائش کا اندراج فارم طلب

کیا تھا بصورت دیگر اسکول میں داخلہ ممکن نہ تھا تو مجبوراً ثریا کو سہیل کے والد صاحب کے کوائف جمع کروانا پڑے تھے اور جعلی پیدائش اندراج فارم بنوا کر انتظامیہ کے حوالے کرنا پڑا تھا۔ یہ ایریا کا ایک اچھا اسکول تھا جس میں سہیل اور رابعہ دونوں جاتے تھے۔ وقت تیزی سے گزرنے لگا تھا اس ایک خط کے بعد فیضان کی طرف سے کوئی اطلاع نہ آئی تھی۔

مولوی صاحب مزید ضعیف اور بیمار ہوگئے تھے۔ سہیل نے میٹرک کرلیا تھا اور وہ اب کالج میں داخلہ لینا چاہتا تھا جبکہ رابعہ پانچویں میں تھی جب ایک شام بالکل اچانک اپنے سازوسامان سمیت فیضان نے گھر کے دروازے پر دستک دی تھی۔ دروازہ مولوی صاحب نے کھولا تھا وہ اپنے سامنے کھڑے آدمی کو دیکھ کر چونک گئے تھے فیضان ان کے گلے لگ گیا تھا' وہ الجھے ہوئے تھے جیسے اجنبی کو پہچان نہ پائے ہوں۔

"تم کون ہو بیٹا؟"

"میں سکندر ہوں مولوی صاحب فیضان علی۔" اور مولوی صاحب نے بغور دیکھا اس نے چہرے پر داڑھی رکھ لی تھی۔ قد کاٹھ اور صحت کے اعتبار سے بھی کافی اچھا ہوگیا تھا' انہوں نے بے اختیار فیضان کو گلے سے لگالیا تھا۔

فیضان نے بتایا کہ وہ کچھ دن پہلے پاکستان آیا تھا ایک جاننے والے کے پاس ٹھہرا ہوا تھا اور پھر آج صبح وہ گاؤں گیا تھا تو وہاں سے علم ہوا کہ مولوی صاحب کئی سالوں سے شہر شفٹ ہوچکے ہیں۔ گاؤں والوں سے ہی یہاں کا ایڈریس لیا اور ان کو ڈھونڈتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ فیضان سہیل سے ملا تھا وہ جب گیا تھا تو وہ نو دس سال کا بچہ تھا اور اب جوان تھا۔

"فیضان پہچانو تو یہ کون ہے؟" ثریا ایک شرماتی جھجکتی بچی کو ہاتھ سے تھامے اس کے سامنے آئی تو فیضان نے چونک کر بچی کو دیکھا۔ بچی لالہ رخ جیسی نہیں تھی لیکن اس کے نقش و نگار میں لالہ رخ کی جھلک ضرور تھی۔

"رابعہ۔" فیضان بے اختیار رابعہ کی طرف بڑھا تھا۔ اسے بازوؤں میں لے کر بہت محبت سے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

عرصہ بعد کسی اپنے کے لمس نے چھوا تو فیضان کی آنکھوں میں نمی آتی چلی گئی تھی اور پھر فیضان نے اس نمی کو بہنے دیا تھا۔ رابعہ اس گرم جوشی پر خوف زدہ ہوگئی تھی وہ رات بڑی عجیب سی تھی۔ فیضان باہر گزرے دنوں کا احوال سناتا رہا اور یہ لوگ یہاں گزرے دنوں کا' دو دن گزرے تو فیضان نے اجازت چاہی تھی۔

"میں رابعہ کو لینے آیا تھا اب جانا چاہوں گا۔"

"کہاں؟" مولوی صاحب حیران ہوئے تھے۔

"میں نے اپنے دوست کو ایک کرائے کے گھر کا بندوبست کرنے کو کہا ہے میرے پاس کچھ رقم ہے پھر اپنا گھر لوں گا۔"

"لیکن رابعہ کہیں نہیں جائے گی۔" ثریا ایک دم اندر آئی تھیں' مولوی صاحب اور فیضان دونوں نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"میں نے اسے ماں باپ سب بن کر پالا ہے' وہ بچی مجھے اپنی ماں سمجھتی ہے وہ کہیں نہیں جائے گی۔"

"لیکن میں آپ دونوں پر مزید بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔"

"بوجھ تو تم تبھی ڈال کر چلے گئے تھے جب ہمارا گھر چھوڑا تھا' تم نے جہاں جانا ہے بے شک جاسکتے ہو لیکن رابعہ کے بارے میں کوئی دعویٰ نہیں کرنا رابعہ کو جب تم چھوڑ کر گئے تھے تب ہمارے پاس اس کے متعلق کوئی ثبوت نہ تھا پھر مجھے اسے اپنی بیٹی ظاہر کرنے کے لیے معاشرے میں ایک مقام دلانا پڑا تھا۔" ثریا نے کہا تو فیضان نے چونک کر مولوی صاحب کو دیکھا انہوں نے آہستگی سے ساری بات سمجھائی تو فیضان الجھا۔

”یہ کیسے ممکن ہے وہ میری بیٹی ہے۔“
”تم جس طرح اپنی بچی سے غافل رہے‘ کبھی پلٹ کر پوچھا تک نہیں سوائے اس ایک خط کے ہم کیسے یقین کر لیتے کہ تم پلٹ کر آؤ گے؟ اور فرض کرو تم پلٹ کر نہ آتے تو سوچو اس معاشرے میں اس بچی کا کیا مقام ہوتا۔ لوگ اس کو کس نام سے پکارتے‘ میں مجبور تھی میں نے جو بھی کیا رابعہ کے بہتر مستقبل کے لیے کیا تھا۔“ فیضان کا سر جھک گیا تھا۔
”آپ کو بتایا تو ہے میں نے جیل سے نکل کر کیسی مشقت بھری زندگی گزاری تھی۔ میں وہاں کی پولیس کے حراست میں تھا واپس بھی نہیں آسکتا تھا‘ اور پھر میں خالی ہاتھ نہیں آنا چاہتا تھا سو مجھے وہاں کچھ عرصہ رکنا پڑا تب جا کر میں اس قابل ہوا کہ میں واپس لوٹ سکوں۔“ فیضان کا انداز شکستہ تھا‘ مولوی صاحب نے کندھے پر ہاتھ رکھتے ڈھارس دی۔
”جو بھی ہے لیکن رابعہ یہاں سے نہیں جائے گی۔“ ثریا کا انداز اٹل تھا۔ مجبوراً فیضان کو چند دن کے لیے اکیلے ہی جانا پڑا تھا کچھ دن بعد وہ پھر لوٹا تو ثریا کا وہی جواب تھا۔
”ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی لیکن میری بھی ایک شرط ہوگی پھر۔“ ثریا نے فیضان کو دیکھا تھا۔
”میں نے ایک گھر لیا ہے آپ لوگوں کو یہ گھر چھوڑ کر وہاں آنا ہوگا میرے ساتھ اس طرح میں بھی اس گھر میں رہا کروں گا۔ گھر دو منزلہ ہے ایک حصے پر آپ لوگ رہائش اختیار کرلیں اور ایک پر میں۔“
”لیکن یہ کیسے ممکن ہے بیٹا!“ مولوی صاحب نے کہا تو فیضان نے ثریا آپا کو دیکھا وہ شش و پنج میں تھیں۔
”یا تو رابعہ کو میرے ساتھ روانہ کریں یا سب میرے ساتھ چلیں میں کل آؤں گا پھر۔“ فیضان کہہ کر چلا گیا تھا۔
وہ ساری رات ثریا اور مولوی صاحب سوچتے رہے تھے اور پھر اگلے دن ان کو فیضان کے ساتھ جانا پڑا تھا۔ فیضان اوپر والے حصے میں رہتا تھا نیچے یہ لوگ تھے فیضان نے یہاں ٹیوشن کا سلسلہ شروع کرلیا تھا۔ بیٹھک کا کمرہ مولوی صاحب کے لیے مخصوص تھا‘ فیضان اور اس کے اسٹوڈنٹس بھی وہاں بیٹھ جاتے تو مولوی صاحب سارا دن اس رونق میں لگے رہتے۔ اس کے بعد مولوی صاحب صرف ایک سال جیے تھے اور پھر دنیا سے رخصت ہوگئے تو گھر کی ساری ذمہ داریاں فیضان پر آپڑی تھیں اور فیضان نے پوری جانفشانی کے ساتھ ان کو نبھایا بھی تھا۔ سہیل کی تعلیم کے بعد اس کے باہر جانے کا بندوبست کیا وہ واپس آیا تو اس کی شادی کی وہ پھر باہر چلا گیا تھا رابعہ کے تمام تعلیمی اخراجات اور گھر کے اخراجات خود اٹھا رکھے تھے۔
وقت کے ساتھ ساتھ ثریا بیگم کے سسرالی رشتہ داروں نے بھی ان کو ڈھونڈ نکالا تھا‘ وہ اب ان سے روابط میں رہتے تھے لیکن ثریا کو ان سے ایسے زخم ملے تھے کہ وہ چاہ کر بھی کسی سے روابط نہ بڑھا سکی تھیں۔
سہیل کو شروع سے ہی علم تھا کہ رابعہ اس کی بہن نہیں ہے لیکن رابعہ ابھی تک بے خبر تھی لیکن فیضان صاحب اور ثریا بیگم جانتے تھے کہ یہ بے خبری اب ختم کرنا تھی۔ جب سے ابوبکر سے نکاح کا سلسلہ شروع ہوا تھا وہ دونوں اسی ادھیڑ بن میں رہتے تھے کہ رابعہ کو کیسے بتائیں پھر ابوبکر سے نکاح کا سلسلہ ختم ہوا تو یہ عباس کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ فیضان صاحب جانتے تھے کہ عباس کون ہے؟ ان کے لیے رابعہ کی عباس سے شادی کرنا مسئلہ نہیں تھا لیکن عباس کے خاندان میں شادی کرنا مسئلہ تھا۔ انہوں نے ثریا اور سہیل کو بھی اپنی خاندانی حیثیت سے آگاہ کردیا تھا وہ دونوں تو اس رشتے کے حق میں تھے لیکن فیضان صاحب چاہ کر بھی ان لوگوں سے ملنے پر خود کو آمادہ نہیں کر پا رہے تھے۔ وہ جب بھی ان لوگوں کے بارے میں سوچتے تھے ان کو اپنی بے رنگ تلخیوں اور مصیبتوں سے بھری زندگی یاد آجاتی تھی اور دل چاہتا تھا کہ وہ سب کچھ ختم کردے لیکن اب جذباتیت کا دور نہ تھا اب ہر فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنے والا تھا۔
اب ان کی بیٹی کے مستقبل کا سوال تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ جو سود و زیاں وہ اٹھا چکے تھے ویسی ہی زندگی ان کی

بیٹی کا مقدر بن جائے' عباس کو ہاں کرنے پر مجبور ہوگئے تھے لیکن چاہ کر بھی عباس کے والدین سے ملنے پر خود کو آمادہ نہیں کر پائے تھے۔

❀......❀......❀
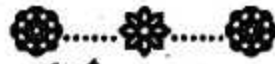
گاڑی رکی اور اس میں موجود لوگ فوراً نکلے تھے مہر النساء بھاگ کر روتی ہوئی بچی کو اٹھالیا۔ بچی کو چوٹ نہیں لگی تھی لیکن افشاں لہولہان ہوچکی تھی۔

"مائی گاڈ! اس کی حالت بہت خراب ہے۔" شاہزیب نے افشاں کو دیکھ کر کہا تھا۔

"صاحب میرا کوئی قصور نہیں یہ عورت خود آ کے آئی تھی۔" ڈرائیور ایک دم پریشان ہوگیا تھا۔

"وقت ضائع مت کرو اس کو فوراً ہسپتال لے چلتے ہیں۔" بابا صاحب بھی باہر آچکے تھے' افشاں کی حالت دیکھ کر انہوں نے کہا تھا اور پھر وہ سب اس کو ہسپتال لے آئے تھے۔

یہ لوگ شہر میں ایک تقریب میں مدعو تھے رات کے اس پہر تقریب اٹینڈ کر کے شہر والی کوٹھی کی طرف جارہے تھے کہ راستے میں یہ ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا مہر النساء نے بچی کو سنبھال لیا تھا افشاں کی حالت بڑی تشویش ناک تھی' وہ آئی سی یو میں تھی۔ اگلے دن تک افشاں کی حالت نہ سنبھل پائی تھی' ڈاکٹرز پوری کوشش کررہے تھے مہر النساء اور بابا صاحب بچی کو لے کر کوٹھی چلے گئے تھے اور شاہزیب ابھی بھی وہیں تھے۔ دو دن مزید گزر چکے تھے لیکن افشاں کو ہوش نہیں آرہا تھا۔

ڈاکٹرز کے بقول اس کے دماغ پر شدید چوٹ لگی ہے جس سے وہ کوما میں بھی جاسکتی ہے یا پھر ایکسپائر بھی ہوسکتی ہے۔ افشاں کی باقی جسمانی توڑ پھوڑ کا علاج جاری تھا لیکن ذہنی چوٹ ایسی تھی کہ کوئی کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ ایک ہفتہ اسی کشمکش میں گزر گیا تھا اور پھر ڈاکٹرز نے مریضہ کے کوما میں چلے جانے کی خبر سنائی تو شاہزیب سمیت پوری فیملی ہی پریشان ہوگئی تھی۔ شاہزیب نے پولیس ڈیپارٹمنٹ اور ہر جگہ خبر نشر کروادی تھی ایکسیڈنٹ کی نوعیت اور عورت کا حلیہ بھی درج کروادیا تھا امید تھی کہ شاید ورثاء میں سے کوئی رابطہ کرے لیکن اس دوران کسی نے بھی رابطہ نہیں کیا تھا' افشاں کوما میں اور ننھی عائشہ مہر النساء کی گود میں تھی۔

عائشہ صبا کی ہم عمر تھی مہر النساء کو عائشہ کو سنبھالنے میں کوئی مسئلہ نہ ہوا تھا۔ گھر میں ملازموں کی بہتات تھی اور بچی کا خاص خیال رکھا جارہا تھا۔ مہینہ بعد افشاں کو ہوش آیا لیکن وہ بولنے سے قاصر تھی' اس کے علاوہ اس کی جسمانی چوٹیں ایسی تھیں کہ وہ اپنے سہارے پر چل بھی نہیں سکتی تھی۔ یہ لوگ اس سے اس کا نام پتا؟ وغیرہ پوچھتے تو وہ ٹکر ٹکر سب کو دیکھتی رہتی۔ شاہزیب اور بابا صاحب اس کے علاج میں کوئی کمی نہیں آنے دے رہے تھے۔ وہ ہسپتال سے ڈسچارج ہوئی تو وہیل چیئر پر بٹھا کر وہ لوگ اسے اپنی کوٹھی میں لے آئے تھے۔ مہر النساء ویسے تو حویلی میں رہتی تھیں لیکن افشاں کی وجہ سے انہیں مجبوراً کوٹھی میں رہنا پڑ رہا تھا۔ شاہزیب کی کسی اور ڈسٹرکٹ میں جاب تھی وہ ایکسیڈنٹ کے ایک ہفتے بعد ہی چلے گئے تھے۔ افشاں کا خیال مہر النساء خود رکھ رہی تھیں اس کے علاوہ ڈاکٹر اور نرس کا انتظام بھی تھا۔

افشاں کا حال یہ تھا کہ وہ کسی سے بھی بات نہیں کرتی تھی' جہاں بٹھایا جاتا وہ گم صم بیٹھی رہتی تھی جبکہ ڈاکٹرز کی رپورٹس کے مطابق افشاں میں سننے اور بولنے کی صلاحیت ابھی بھی کام کررہی ہے لیکن کوما کے سبب وقت کے ساتھ ساتھ وہ پھر سے بولنے لگے گی۔ افشاں کی فزیشن روزانہ آ کر اس کی فزیوتھراپی کرواتی تھی لیکن مزید ایک ماہ گزرنے کے بعد بھی اس کی حالت جوں کی توں تھی البتہ فزیکلی اس میں کافی بہتری آئی تھی۔ مہر النساء بہت دن تک حویلی کے معاملات سے دور نہیں رہ سکتی تھیں سو وہ افشاں اور عائشہ سمیت حویلی آگئی تھیں۔

حویلی میں بھی افشاں کا علاج جاری تھا' وہ اب فزیکلی بالکل فٹ تھی لیکن کسی سے بات چیت پھر بھی نہیں کرتی تھی'

ایک دو بار شہر لے جا کر اس کے ٹیسٹ بھی کروائے جا چکے تھے اس کو اب کوئی مسئلہ نہ تھا۔ مہر النساء نے نوٹ کیا کہ اب کچھ دن سے افشاں اکثر بیٹھے بٹھائے رونے لگتی ہے اور پھر ایک دن بڑی عجیب سی بات ہوئی تھی افشاں بابا صاحب کو دیکھ کر چیخنے چلانے لگی تھی۔ بابا صاحب بھی پریشان ہو گئے تھے بڑی مشکل سے ملازمین نے افشاں کو کنٹرول کیا تھا۔

"میرا خیال ہے اس بار اس کو کوئی ذہنی مسئلہ ہوا ہے ایک دفعہ اس کو شہر لے جا کر چیک اپ کروالینا چاہیے۔" بابا کا انداز بڑا پرسوچ تھا۔

"ہاں میں نے بھی شاہزیب صاحب سے بات کی ہے وہ مجھے کہہ رہے تھے کہ کل اس کو لے کر شہر آجاؤں۔" بابا صاحب نے سر ہلا دیا تھا۔

اگلے دن وہ لوگ شہر چلے گئے تھے ایک بار پھر افشاں کے سب ٹیسٹ ہوئے تھے۔ ڈاکٹرز کے بقول یہ پریشانی کی بات نہیں ہے وہ اپنے شعور میں واپس آرہی ہے اور ماضی کو یاد کررہی ہے جلد ہی وہ بولنے کی کوشش بھی کرے گی۔"

مہر النساء رپورٹ سن کر خوش ہوئی تھیں وہ اسے لے کر کوٹھی آگئی تھیں۔

ان کو اگلے دن واپس حویلی جانا تھا مہر النساء نے نوٹ کیا تھا کہ افشاں کو پھول بہت پسند تھے حویلی میں بھی وہ زیادہ تر باغیچے میں بیٹھی رہتی تھی۔ وہ اسے باغیچے میں لے آئی تھیں افشاں ایک طرف سنگی بنچ پر بیٹھ گئی تھی۔ مہر النساء کی کال آئی تو وہ کال سننے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

ان کے ذہن سے بالکل نکل گیا کہ وہ افشاں کو لان میں چھوڑ کر گئی ہیں مغرب سے پہلے وہ کمرے سے نکلیں تو ملازمین سے افشاں کے بارے میں پوچھا وہ پریشان ہو گئی تھیں کچھ دیر میں ہی ملازمین سارا گھر چھان مارا تھا۔ نجانے افشاں کہاں چلی گئی تھی۔ چوکیدار نے بتایا کہ وہ نماز پڑھنے اپنے کوارٹر میں گیا تھا واپس آیا تو ذیلی گیٹ کھلا ہوا تھا وہ سمجھا کہ شاید کوئی باہر گیا ہے اس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ چوکیدار کی بات سن کر مہر النساء مزید پریشان ہوگئی تھیں۔

اب تو اس بات میں کوئی شک نہ تھا کہ افشاں گھر سے نکل گئی ہے۔ انہوں نے شاہزیب کو کال کی تھی رات تک وہ بھی پہنچ گئے تھے پھر انہوں نے ہر جگہ پتا کروایا لیکن کہیں بھی افشاں کی خبر نہ مل پائی تھی۔ عائشہ ان کے پاس تھی وہ رات ان لوگوں پر بہت بھاری تھی۔

❁.......❁.......❁

صبوحی بیگم آنکھوں میں آنسو لیے تابندہ بی کو دیکھ رہی تھیں اور تابندہ بی وہ بھی کانپتے ہونٹوں سے صبوحی کو دیکھ رہی تھیں۔ انا اور روشی رکے بغیر کمرے میں چلی گئی تھیں۔ ولید ویٹنگ لاؤنج میں مصطفیٰ کے پاس رک گیا تھا جبکہ اس وقت دروازے کے باہر وہ دونوں ہی کھڑی تھیں۔

"افشاں بھابی!"

"صبوحی......" دونوں ایک دوسرے کے گلے لگی تھیں۔ صبوحی بیگم کو تو کسی بھی بات کا اب ہوش نہ تھا جبکہ تابندہ بی کو خیال تھا کہ وہ اس وقت کہاں کھڑے ہیں جب ہی الگ ہوتے صبوحی بیگم کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"یہاں کچھ بھی کہنا مناسب نہیں میرے ساتھ آئیں۔" وہ ان کا ہاتھ پکڑے کاریڈور میں چلتے ایک طرف رکھی چیئر پر آبیٹھی تھیں۔

"آپ کہاں تھیں؟ آپ کو نہیں علم ضیاء بھائی نے آپ کو کتنا ڈھونڈا کہاں کہاں ہم نے آپ کو تلاش نہیں کیا۔ ہم تو سمجھے تھے کہ خدانخواستہ ان جلنے والوں میں آپ بھی......" صبوحی بیگم اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر ایک دم رو پڑی تھیں۔ تابندہ بی نے ڈبڈباتی آنکھوں سے صبوحی بیگم کو دیکھا تھا۔

"میں نے اتنے خط لکھے..... آپ لوگوں کو آپ میں سے کسی نے بھی کوئی جواب نہ دیا۔ میں تو سالوں سے انتظار میں تھی کہ شاید کوئی پلٹ کر آتا ہے کوئی تو خبر لے گا..... شاید کوئی......" صبوحی بیگم نے شاک کیفیت میں دیکھا تھا۔

"کس ایڈریس پر خط لکھے تھے؟"

"وہی امریکہ کا ایڈریس جہاں ہم رہتے تھے میرے پاس وہی ایڈریس تھا بس۔" صبوحی بیگم کے دونوں ہاتھ اپنے پہلو میں بڑے بے بسی کے انداز میں گرے تھے۔

"وہ گھر تو ہم بھائی کے واپس جانے کے ایک ماہ بعد چھوڑ چکے تھے۔ سکندر بھائی کی دکان جس کرائے دار کے پاس تھی وقار کا اس سے لین دین کے معاملے میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ ادھر سکندر بھائی کا گھر جل چکا تھا ان کا ان کے بیوی بچوں کا کچھ علم نہ تھا۔ ضیاء بھائی پاگلوں کی طرح آپ کو ڈھونڈتے رہے اور ادھر میں اکیلی اجنبیوں کے دیس میں لوگوں سے لڑتی رہی کیونکہ وقار کو پولیس پکڑ کر لے گئی تھی۔ ضیاء بھائی بہت پریشان تھے ادھر گوروں کے دیس میں نہ عزت محفوظ تھی اور نہ ہی جان ضیاء بھائی نے آپ کو بہت تلاش کیا بھی کہتے تھے جلنے والوں میں آپ بھی شامل ہیں پھر وہ میری وجہ سے امریکہ چلے گئے وہاں جا کر وقار تو باہر آ گئے لیکن معاملات زیادہ بگڑ گئے اس بار ضیاء بھائی کا اس آدمی سے جھگڑا ہوا تھا۔ ضیاء بھائی سے گولی چلی اب بچاؤ کی کوئی امید نہ تھی ضیاء بھائی ہمیں فوراً وہ جگہ چھوڑ دینے کا کہہ کر وہاں سے بھاگ گئے اور ہم نے بھی وہ جگہ چھوڑ دی۔ کسی اور جگہ کچھ عرصہ رکے اور پھر وہ شہر ہی چھوڑ دیا۔ ہم لوگوں نے بڑی مشکل زندگی گزاری تھی۔ ضیاء بھائی تو کئی سالوں تک گھر سے باہر نہ نکل سکے تھے ہم تو وہ ملک ہی چھوڑ آئے تھے پھر ہمیں بھلا آپ کے خطوط کیسے ملتے؟" صبوحی بیگم کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تھی۔ تابندہ بی گم صم انداز میں سب دیکھے گئی تھیں۔

"آہ...... میں نے ایک طویل سفر انتظار کی سولی پر لٹکتے گزار دیا۔ میرے دل میں نجانے کیا کیا وسوسے جنم لیتے رہے اور میں ہر بار بے قرار ہو کر خط لکھتی رہی۔" صبوحی بیگم نے بے اختیار تابندہ بی کو سینے سے لگالیا۔

"کاش ہمیں علم ہوتا آپ زندہ ہیں ہم آپ کو خود تلاش کر لیتے۔"

"یہاں کس کے پاس آئی ہیں؟" کچھ دیر سنبھلنے کے بعد تابندہ بی نے پوچھا۔

"شہوار کے بارے میں علم ہوا تھا تو میں آئی تھی۔" تابندہ چونکی۔

"شہوار کیا لگتی ہے آپ لوگوں کی؟"

"میری بیٹی انا کی دوست ہے۔" صبوحی بیگم نے آنکھیں صاف کرتے کہا تو تابندہ بی شدید حیران ہوئیں۔

"یہ...... یہ انا جو شہوار کی دوست ہے وہ آپ کی بیٹی ہے؟" وہ بے یقین تھیں صبوحی نے سر ہلایا۔

"میرے اللہ......" وہ ایک دم پھر رو پڑی۔

"انا ایک عرصے سے شہوار کی دوست تھی کاش مجھے علم ہو جاتا۔ میں ادھر اُدھر بھٹکتی رہی اور میرے اپنے میرے پاس آ کر بھی دور رہے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی اور رو تو صبوحی بیگم بھی رہی تھیں۔

"میری بیٹی روشانے کہاں ہے؟" تابندہ کے لہجے میں صدیوں کی سی پیاس تھی۔

"وہ بھی ہمارے ساتھ آئی ہے انا کے ساتھ شہوار کے پاس گئی ہیں وہ دونوں، میں تو آپ کو دیکھ کر رک گئی تھی۔" تابندہ بی نے ایک دم اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔

"وہ روشی تھی میری بیٹی......" وہ بے قرار ہو کر کھڑی ہوئی تھیں۔

انہوں نے دونوں لڑکیوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی تھی بلکہ اپنے ہی خیالوں میں باہر نکلی تھیں وہ تو صبوحی بیگم کی پکار پر

ٹھنک کر رکی اور وہ دونوں لڑکیاں اندر چلی گئی تھیں۔

"ہاں.....روشانے میرے احسن کی دلہن بھی ہے۔"

"مجھے روشانے سے ملنا ہے۔" وہ بے قرار ہو کر آگے بڑھی اور پھر نجانے کیا ہوا کہ رک گئی۔

"اور ضیاء کیسے ہیں؟" لہجے میں صدیوں کی تھکان تھی۔

"آپ کی جدائی نے انہیں وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا ہے اکثر بیمار رہتے ہیں۔" تابندہ بی پھر بے اختیار رو پڑی۔

"آپ کا شہوار اور مصطفیٰ لوگوں سے کیا تعلق ہے آپ ادھر کیوں ہیں؟" صبوحی بیگم کے اندر جو سوال کلبلا رہا تھا اس نے فوراً پوچھا۔

"شہوار میری بیٹی ہے۔" تابندہ بی نے بتایا تو صبوحی بیگم نے الجھ کر دیکھا۔

"سکندر اور لالہ رخ کی سب سے چھوٹی بیٹی عائشہ ہی اصل میں شہوار ہے۔" صبوحی بیگم کے اندر عجیب سی حیرتوں نے سر اٹھایا۔

"عائشہ زندہ ہے۔" تابندہ بی نے سر ہلایا۔

"لیکن وہ تو مر چکی تھی بلکہ اس گھر میں ایک عورت ایک بچہ اور دو بچیوں کی لاشیں ملی تھیں۔"

"پتا نہیں کیا حقیقت ہے مرنے والی لالہ رخ تھی یا کوئی اور؟ مجھے تو بس اتنا پتا ہے کہ میرے پاس عائشہ تھی اور میں اس رات اس گھر میں اکیلی تھی اور جب ان لوگوں نے گھر کو گھیرا تھا میں بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگی تھی عائشہ میرے ساتھ تھی۔"

"اوہ....." صبوحی بیگم کا حیرت سے برا حال تھا۔ "آپ مجھے ساری کہانی سنائیں اس رات آپ کے ساتھ کیا ہوا تھا اور آپ یہاں کس طرح پہنچیں۔" تابندہ بی سر ہلا کر ایک بار پھر صبوحی بیگم کے ہمراہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

تابندہ بی کے چہرے پر صدیوں کی تھکن دکھ اور غم کی کیفیت رقم تھی وہ خود پر بیتنے والی قیامت کا ایک ایک حرف بتانے لگیں اور صبوحی بیگم بہت توجہ سے ان کی ہر بات سن رہی تھیں۔

❀......❀......❀
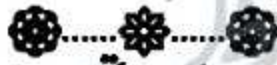
افشاں جب وہاں پہنچی اس وقت اس کی عجیب سی کیفیت تھی۔ وہ خود فراموشی کے عالم میں تھی افشاں نے گھر کے دروازہ پہ ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا تھا۔ یہ وہی گھر تھا جو اس کی پھوپو کی ملکیت تھا اور پھوپو نے مرنے سے پہلے اس کے نام کر دیا تھا جہاں اس نے زندگی کے کئی ماہ و سال گزارے تھے جہاں سکندر اور لالہ رخ کی زندگی نے نئی کروٹ لی تھی۔ افشاں خود فراموشی کی کیفیت میں چلتے ہوئے صحن میں آ کھڑی ہوئی۔ وہ اسی کیفیت میں کھڑی تھی جب خالہ بی کا بیٹا سامنے والے کمرے سے نکلا تھا۔

"افشاں باجی......" وہ چیخا تھا۔

"اماں دیکھیں افشاں باجی آئی ہیں۔" اس نے اندر منہ کر کے زور سے کہا تھا۔ خالی بی بھاگ کر آ گئی تھیں انہوں نے افشاں کو دیکھا تھا۔ عجیب سا حلیہ اور عجیب سی کیفیت تھی وہ افشاں کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لے گئی تھیں۔ وہ دونوں ماں بیٹا افشاں سے کئی سوال کر رہے تھے لیکن وہ گم صم تھی۔

"افشاں بولو...... کچھ کہو...... چپ کیوں ہو؟" انہوں نے اسے ہلایا جلایا تو وہ چونکی۔ افشاں نے بولنے کی کوشش کرنا چاہی تو حلق سے عجیب عجیب سی آوازیں نکلی تھیں۔

"تم کہاں تھی؟ لالہ رخ اور اس کے بچے اس دن گھر میں آگ لگ جانے سے سب مر گئے تھے۔ ضیاء پاگلوں کی

طرح تمہیں تلاش کرتا رہا، پولیس کہتی تھی وہ مرنے والی عورت تم ہو مجھے تو بہت بعد میں علم ہوا تھا پھر ضیاء واپس چلا گیا تھا۔" ضیاء کے نام پر افشاں نے سر ہلایا تھا۔ افشاں نے پھر بولنے کی کوشش کی تھی اور اس بار اس کے حلق سے عجیب و غریب آوازوں کے ساتھ کچھ صاف آوازیں بھی نکلی تھیں جن سے خالہ بی کو بس یہی سمجھ آئی تھی۔

"میں بچ گئی تھی خالہ...... میرا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔" شام تک وہ خالہ بی کے ساتھ اپنی عجیب سی آواز میں بہت ساری باتیں کرتی رہی تھی۔ خالہ بی اپنے سسرال میں رہ رہی تھیں ان کے جیٹھ، جٹھانی اور بچوں کی وفات کے بعد ان کی صرف ایک بچی زندہ بچی تھی جس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری خالہ بی پر تھی وہ مسلسل ادھر ہی رہ رہی تھیں آج بھی کچھ ساز و سامان لینے آئی تھیں۔ اب اتفاقاً افشاں بھی آ گئی تھی۔

افشاں اوپر والے حصے میں آ گئی تھی۔ لالہ رخ کا بہت سارا سامان شفٹ ہو چکا تھا لیکن کچھ پرانی چیزیں ابھی ادھر ہی تھیں جن میں کچھ تصاویر تھیں افشاں ان سب چیزوں کو دیکھ دیکھ کر روتی رہی تھی۔ وہ چھوٹے سے پرس میں چیزوں کو اکٹھا کرتی رہی تھی اس نے خالہ بی کو اپنے اوپر بیتنے والی قیامت سے بھی آگاہ کیا تھا۔ خالہ بی کا کہنا تھا کہ وہ ان کے ساتھ چلے لیکن افشاں کو عائشہ یاد آ رہی تھی جس کے وجود کو ابھی تک ان مہربان لوگوں نے سنبھال رکھا تھا وہ عائشہ کو چھوڑ کر ان کے ساتھ نہیں جا سکتی تھی۔ خالہ بی کو رات کو واپس جانا تھا وہاں بچی اکیلی تھی لیکن وہ اس کے بارے میں بھی پریشان تھیں۔ افشاں واپس خالہ بی کے ساتھ شاہزیب کی کوٹھی میں چلی آئی تھی خالہ بی اسے باہر سے ہی چھوڑ کر چلی گئی تھیں اور افشاں خود اندر آ گئی تھی۔ اندر بھی لوگ پریشان تھے۔ افشاں کو ہر جگہ تلاش کیا جا رہا تھا اور اسے واپس آتے دیکھ کر بھی چونکے تھے۔

"تم کہاں تھیں...... کہاں چلی گئی تھیں تم؟" مہر النساء نے بے اختیار آگے بڑھ کر افشاں کو کندھے سے تھاما تھا۔ افشاں نے بغل میں ایک چھوٹا سا پرس چھپا رکھا تھا وہ ڈر کر پیچھے ہٹی تھی۔ شاہزیب نے مہر النساء کو سمجھایا تھا کہ وہ اس وقت پریشان ہے اسے کمرے میں لے جائیں، مہر النساء اسے کمرے میں لے آئی تھی۔ افشاں ابھی بھی گم صم تھی، مہر النساء نے اس سے زیادہ باز پرس نہیں کی اور اسے سونے کا کہہ کر چلی گئی تھیں۔ افشاں کی وہ ساری رات عجیب سی کشمکش میں گزری تھی، خالہ بی نے اسے اپنے جیٹھ کے گھر کا ایڈریس دے دیا تھا۔ وہ ساری رات سوچتی رہی کہ اب آگے کیا کرنا ہے؟

اگلے دن مہر النساء واپس حویلی آ گئی تھیں، عائشہ اور افشاں بھی ساتھ تھیں وہاں آ کر وہ بابا صاحب کو دیکھ کر ایک بار چونکی تھیں۔ وہ بابا صاحب کو کئی بار اپنے گھر میں دیکھ چکی تھیں، سکندر کے والد کے روپ میں۔ بابا صاحب کا نام خاندانی حیثیت ہر چیز واضح تھی کہ وہ اجنبی لوگوں میں نہیں ہے افشاں کا ذہن عجیب سے دوراہے پر تھا۔ ایک دل کرتا تھا کہ عائشہ کو یہاں چھوڑ کر خود یہاں سے چپ چاپ چلی جائے لیکن وہ کہاں جاتی؟ خالہ بی کے سسرالی لوگ نجانے کیسے ہوتے؟ اور اس کا اپنا گھر وہ بھلا اکیلی وہاں جا کر کیا کرتی؟ اب صرف ایک صورت بچی تھی کہ وہ ضیاء سے رابطہ کرتی اور اس کو بتاتی کہ وہ زندہ ہے اور ضیاء اس کو آ کر لے جائے اور یہ آخری سوچ تھی جو دل و دماغ سے چمٹ کر رہ گئی تھی۔

اب صرف یہی حل تھا کہ وہ خاموشی سے یہاں رہ کر حالات کا انتظار کرتی۔ وہ بول سکتی تھی لیکن بولنے کی کوشش نہ کی، سارا وقت گم صم پڑی رہتی پھر انہوں نے ایک خط لکھا تھا اور وہ خط پوسٹ کرنے کا انہیں موقع بھی مل گیا تھا۔ حویلی میں اس دن کوئی نہ تھا ملازمین سے نظر بچا کر وہ حویلی سے نکل آئی تھیں۔ گاؤں سے باہر پوسٹ آفس تھا خط ڈال کر وہ واپس آ گئی تھیں اور خط کے جواب کا انتظار کرنے لگی تھیں لیکن جواب تھا کہ آ کے ہی نہیں دے رہا تھا۔ وہ اب اپنی چپ سے خود بھی پریشان ہو چکی تھیں۔ ان دنوں ایک بار پھر شہر جانے کا اتفاق ہوا تھا مہر النساء نے تنذ کے ہاں جانا تھا ان کو بھی

ساتھ لے آئی تھیں۔ وہ موقع دیکھ کر خالہ بی کے دیئے گئے سسرالی ایڈریس پر چلی آئی تھیں۔

خالہ بی سے بھی کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں ملا تھا۔ خالہ بی نے بہت کہا تھا کہ وہ ان کے پاس آجائے لیکن وہ بہت مایوس ہو چکی تھیں وہ واپس آئیں تو عجیب نڈھال سا انداز تھا۔ مہر النساء ابھی گھر نہیں لوٹی تھیں' وہ لوٹیں تو علم ہوا کہ افشاں آج پھر گھر سے غائب رہی تھیں' وہ اس کے پاس آئی تھیں افشاں سے پوچھا تو وہ خالی نظروں سے ان کو دیکھے گئیں' مہر النساء کو افشاں پر بہت دکھ ہوا۔

"تم ہمیں بتاؤ گی تو ہمیں تمہارے گھر والوں اور رشتہ داروں کو تلاش کرنا آسان ہوگا۔ ڈاکٹرز کہتے ہیں تم بول سکتی ہو لیکن حادثے کی وجہ سے تمہاری گویائی کا مسئلہ ہوا ہے جب تم اکیلی باہر نکلتی ہو تو مجھے ٹینشن ہونے لگتی ہے کہ کہیں خدانخواستہ تمہارے ساتھ کوئی مسئلہ نہ ہو جائے۔" افشاں نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

"میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔" بہت عجیب سی آوازوں میں الجھے افشاں کے یہ الفاظ ایسے تھے کہ مہر النساء حیران رہ گئی تھیں' افشاں کے حلق سے آواز گھٹ گھٹ کے آ رہی تھی۔

"یہ بچی تمہاری بیٹی ہے۔" افشاں نے محض سر ہلایا تھا۔

"تم بول سکتی ہونا' مجھے بتاؤ تم کون ہو کہاں سے ہو؟" محبت سے مہر النساء نے مزید پوچھا تھا۔

اور تب افشاں کے دل میں جو آیا وہ کہہ گئی۔ افشاں نے عائشہ کا نام شہوار بتایا تھا اور اپنا نام تابندہ۔ شہوار کے باپ کا نام سکندر' اس نے سکندر کے والد سبحان احمد کا ایڈریس بھی دے دیا تھا۔

مہر النساء نے شاہزیب کو ساری معلومات دے دی تھیں اور شاہزیب صاحب نے معلومات کی تصدیق کروائی تو سکندر واقعی سبحان احمد کا بیٹا تھا لیکن بعد کی باتیں ایسی تھیں کہ جس سے معلوم نہ ہو سکا تھا کہ والدین کی وفات کے بعد سکندر نے کس سے شادی کی تھی وہ کب مرا؟ اور تابندہ کے سسرال والوں نے اسے کیوں گھر سے نکالا؟ افشاں کا خیال تھا کہ وہ وقتی طور پر اس گھر میں رہ لیں گی جب بھی اضیاء کی طرف سے کوئی رابطہ ہوا وہ ان لوگوں کو سچ بتا دیں گی لیکن ان کا انتظار انتظار ہی رہا اور کبھی کسی نے پلٹ کر ان کے خط کا کوئی جواب تک نہ دیا تھا آہستہ آہستہ خالہ بی سے روابط بھی ختم ہوتے گئے اس نے خالہ بی کو خود سے رابطہ کرنے سے منع کر رکھا تھا وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔

مسلسل تھراپی سے وہ اب روانی سے بولنے کے قابل ہو چکی تھیں۔ حویلی والوں نے انہیں عزت دی تھی اپنے گھر رکھا تھا' پناہ دی تھی وہ بھی ان کے ساتھ رہنے لگی تھیں ان کے معاملات کو اپنے معاملات سمجھنے لگی تھیں۔ وقت مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلنے لگے تو تابندہ کا انتظار بھی مرنے لگا تھا اس کی جھوٹی کہانی ہی اب اس کی شناخت بنتی جا رہی تھی۔ ان کے پرس میں لائی گئی چیزوں میں کچھ تصاویر کے علاوہ ایک چھوٹا سا شناختی کارڈ ایسا تھا جو جھوٹ نہ تھا جو شہوار کے مستقبل کا تعین کر سکتا تھا۔ شہوار بڑی ہو رہی تھی اور انہیں اپنی بیٹی روشنی یاد آتی تھی اور پھر انہوں نے اپنی ذات کو پس پشت ڈالتے صرف اور صرف شہوار کی ذات پر توجہ مرکوز کر دی تھی۔ کبھی کبھار خالہ بی سے بھی رابطہ کیا تھا وہ اب اس پرانے گھر میں منتقل ہو گئی تھیں۔ انہوں نے شہوار کو جنم نہیں دیا تھا لیکن انہوں نے شہوار کی تربیت ماں بن کر کی تھی۔

شہوار کے سوالات کے وہ جوابات نہیں دے سکتی تھیں لیکن انہوں نے طے کر لیا تھا کہ سکندر جس خاندان کا حصہ نہیں بن سکا اس خاندان میں شہوار کو ضرور پہچان دلوائیں گی اور پھر وقت نے ثابت کر دیا کہ ان دونوں کے لیے یہ خاندان کس قدر مہربان ہے شہوار مصطفیٰ سے شادی کے خلاف تھی وہ اپنا ماضی جاننا چاہتی تھی لیکن انہوں نے اس کی تمام تر مخالفت کے باوجود مصطفیٰ سے اس کی شادی کر دی تھی اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے حویلی چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ انہوں نے ایک بار پھر پرانے رشتوں کو کھوجنے اور تلاش کرنے کی کوشش کی تھی لیکن سب لاحاصل تھا۔

اور پھر ایک دن عجیب سا واقعہ ہوا تھا' وہ شاپنگ کے لیے گئی تھیں لیکن واپسی پر ایک چہرہ دکھائی دیا تھا اس چہرے پر انہیں سکندر کا گمان ہوا تھا لیکن پھر کچھ معلوم نہ ہوسکا تھا۔ وہ کئی دن تک اپنے وہم کی تردید کرتی رہی تھیں اور پھر انہوں نے ان رشتوں' کو تلاش کرنے کی کوشش شروع کردی تھی اور اب اچانک مصطفیٰ ان کے پاس آکر ان کو لے آیا تھا اور اب صبوحی سے سامنا ہونا' وہ جیسے ہل کر رہ گئی تھیں۔

❁......❁......❁

وہ دونوں شہوار کے پاس تھیں' روشی خود ماں بن رہی تھی وہ جانتی تھیں یہ کیسی اذیت ہوتی ہے وہ شہوار کی تکلیف سمجھ سکتی تھیں۔ دونوں بڑی دلجمعی سے اس کو بہلا رہی تھیں' شہوار کے آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے انا اور روشانے متواتر اس کی تسلی و تشفی کررہی تھیں۔

''ماما کہاں رہ گئی ہیں......؟'' کچھ دیر بعد شہوار سنبھلی تو انا کو بھی اردگرد کا خیال آیا تھا اس وقت کمرے میں عائشہ' مہرالنساء بیگم' شہوار' روشی اور انا موجود تھیں' صبوحی بیگم کہیں بھی نہ تھیں۔

''کمرے تک تو ہمارے ساتھ ہی تھیں۔'' روشی کو بھی خیال آیا۔

''میں دیکھتی ہوں' ہوسکتا ہے باہر ہی رک گئی ہوں۔'' انا کہہ کر کمرے سے نکل آئی تھی۔ ''شاید ویٹنگ روم میں نہ چلی گئی ہوں۔'' وہ سوچتے ہوئے اس جانب آئی لیکن وہاں صرف مرد حضرات تھے وہ کہیں نہ تھیں۔ ''نہ جانے کہاں رہ گئی ہیں۔'' وہ واپس پلٹ آئی تھی۔ کمرے میں واپس جانے سے پہلے اس نے دوسری طرف جاتی راہداری کو دیکھا۔ ''کہیں ادھر تو نہیں نکل آئیں غلطی سے۔'' وہ اس جانب چل دی۔ راہداری کے اختتام پر برآمدہ تھا جہاں کرسیاں رکھ کر بیٹھنے کا انتظام تھا' وہاں پہنچ کر انا چونکی تھیں' صبوحی بیگم اور تابندہ بی دونوں وہاں موجود تھیں۔ تابندہ بی سے وہ خصوصی طور پر بھی نہ مل پائی تھی بس شہوار کے نکاح اور پھر رخصتی پر ان سے سلام دعا ہوئی تھی۔

''ماما......'' وہ قریب آئی تو دونوں چونکیں۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے دونوں نے ٹھٹک کر اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

''السلام علیکم!'' قریب آکر انا نے تابندہ بی کو سلام کیا۔ وہ کھڑی ہوگئی تھیں صبوحی بیگم بھی ساتھ کھڑی ہوگئی تھیں۔

''یہ میری بیٹی انا ہے جب آپ نے اسے آخری بار دیکھا تھا یہ چھوٹی سی تھی اور اب اتنی بڑی ہوگئی ہے۔'' صبوحی بیگم نے نمناک لہجے میں کہا' تابندہ بی نے آگے بڑھ کر محبت سے اسے گلے لگالیا۔

''دیکھو دوبار ہمارا سامنا ہوا شہوار کے نکاح اور رخصتی پر اور میں اسے قطعی نہ پہچان پائی۔'' تابندہ بی نے محبت سے پیشانی چومی جبکہ انا نا سمجھی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''سب قسمت کا ہیر پھیر ہے بھابی! ورنہ اتنا کچھ ہوتا ہی کیوں؟''

''ہاں میری قسمت نے مجھے سب سے دور کردیا شاید یہی سب لکھا تھا۔'' دونوں نے اپنی آنکھیں صاف کی جبکہ انا پریشان ہوکر ان کی باتیں سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔

''روشی کہاں ہے؟'' صبوحی بیگم نے پوچھا۔

''کمرے میں شہوار کے پاس ہے۔''

''آئیں وہیں چلتے ہیں۔'' صبوحی بیگم نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو تابندہ بی کی آنکھیں ایک بار پھر چھلک پڑی۔

''میں اپنی بیٹی کا سامنا کیسے کرپاؤں گی اور اتنے لوگ ہیں کس کس کے سوالوں کے جواب دوں گی اور شہوار

وہ تو پہلے ہی اتنے بڑے صدمے سے گزر رہی ہے اسے جب حقیقت کا علم ہوگا وہ تو جیتے جی مر جائے گی۔"
صبوحی بیگم نے سر ہلایا۔
"جاؤ انا! روشی کو لے کر ادھر ہی آجاؤ ابھی شہوار کسی اور صدمے کی متحمل نہیں ہوسکتی۔" نجانے کیا باتیں ہو رہی تھیں۔ شہوار کی والدہ اور ماما کا آپس میں نجانے کیا تعلق تھا جو وہ دونوں ایسا کہہ رہی تھیں۔
"جی ماما!" انا چلی گئی اور پھر کچھ دیر بعد روشی کے ساتھ آئی تھی۔ تابندہ بی روشی کو دیکھ کر ایک دم ساکت ہوئی تھیں۔ ساری عمر جس انتظار میں گزاری تھی آج وہ انتظار ختم بھی ہوا تو کیسے۔ وہ بے اختیار روشی کی طرف بڑھی اور بڑی شدت سے روشانے کو گلے لگالیا تھا۔ روشانے اور انا دونوں حیرت زدہ تھیں جبکہ صبوحی بیگم کی آنکھوں سے مسلسل آنسو گر رہے تھے۔
"میری بیٹی میری جان......" تابندہ بی صرف یہی الفاظ دہرا رہی تھیں جبکہ روشی کو لگ رہا تھا کہ جیسے کسی نے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی ہو۔ وہ والہانہ انداز میں روشی کا چہرہ چوم رہی تھیں۔ ہاتھوں کا بوسہ لے رہی تھیں ان کی شدت اور تڑپ دیکھنے والی تھی۔
"ماما...... یہ سب کیا ہے؟" انا گم صم تھی اس نے صبوحی بیگم کا کندھا ہلایا تو انہوں نے بہتی آنکھوں سے حیران و پریشان سی انا کو دیکھا۔
"یہ میری بھابی ہیں روشانے کی والدہ ضیاء بھائی کی بیگم اور تمہاری ممانی افشاں بھابی!" انا ایک دم ساکت ہوئی تھی دوسری طرف روشی بھی تھم سی گئی تھی۔
"لیکن یہ تو شہوار کی والدہ ہیں۔" انا بے یقین تھی۔
"نہیں یہ شہوار کی والدہ نہیں ہیں شہوار کی ماں لالہ رخ تھی جو مر چکی ہیں۔"
آج کیسے کیسے انکشافات کا دن تھا انا نے بے یقینی سے سب کو دیکھا۔ بے یقین تو روشی بھی تھی وہ حیرت سے گنگ کبھی تابندہ کو دیکھتی تھی اور کبھی صبوحی بیگم کو۔
"صبوحی میری بدقسمتی دیکھوں روشنی سے دو بار میرا سامنا ہوا انا کے ساتھ یہ بھی شہوار کے نکاح میں اور رخصتی میں شریک ہوئی تھی میں پھر بھی اس کا نا پہچان پائی اور پہچانتی بھی کیسے یہ تو ماشاء اللہ سے اتنی بڑی ہوگی ہے اور مجھے ضیاء صاحب اور وقار بھائی سے ملنا ہے صبوحی۔" روشی کو محبت سے بازو کے حصار میں لیتے ہوئے کہا تو صبوحی بیگم نے سر ہلایا اور روشانے عجیب سی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی۔
"ہمارے ساتھ سکندر بھائی کا بیٹا عیسٰی بھی ہے وہ نجانے کیا سوچے ابھی سب کو بہت تحمل سے سب کچھ بتانے کی ضرورت ہے۔ میں شہوار سے مل کر گھر جاتی ہوں سب کو ساتھ لے کر آتی ہوں۔"
"عیسٰی وہ زندہ ہے۔" تابندہ بی نے اپنی کہانی تو سنادی تھی لیکن ابھی صبوحی بیگم نے بہت سی باتوں سے پردہ نہیں اٹھایا تھا۔
"جی ضیاء بھائی اسے اپنے ساتھ باہر لے گئے تھے۔"
"اوہ...... تو پھر وہ مرنے والے کون لوگ تھے؟ وہ بچہ وہ عورت وہ دو بچیاں...... مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی میں تو سمجھی تھی کہ عائشہ میرے پاس ہے لالہ رخ واپس آگئی ہوں گی رابعہ کے ساتھ اور ہوسکتا ہے ضیاء نے عیسٰی کو وہاں ان کے پاس چھوڑ دیا ہو۔"
"یہ تو وہ معمہ ہے جو کوئی بھی حل نہیں کرپایا نجانے کون معصوم بچے لقمہ اجل بنے ہوں گے۔" تابندہ بی الجھی تھی۔

”ہم تو عیسیٰ کی زندگی کے تحفظ کے لیے پھر دوبارہ کہیں گئے ہی نہیں نہ اس پرانے گھر اور نہ ہی لالہ رخ کے نئے گھر میں۔ سنا ہے راکھ کا ڈھیر بن گیا تھا وہ گھر‘ حتیٰ کہ ہر رشتے دار سے تعلق ختم کرلیا ہم نے۔“ تابندہ بی بڑے نڈھال انداز میں کرسی پر گری تھیں۔ نجانے کس کس نے کہاں کہاں کیا کیا قربانیاں دی تھیں۔

”سکندر آ کر دیکھو آج تمہاری اولاد کو تحفظ دیتے دیتے ہم سب نے کیا کچھ جھیلا ہے۔ کاش تم دیکھتے کون کون تمہاری اولاد کے لیے کیا کیا قربان کرگیا ہے۔“ ان کی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے تھے۔

صبوحی بیگم ان کو تسلی اور دلاسہ دیتے خود شہوار کے پاس چلی آئی تھیں جبکہ روشی اور وہ گم صم سی ان کو دیکھ رہی تھی۔

”ایسے کیوں دیکھ رہی ہو تم دونوں؟“ انہوں نے پوچھا تو دونوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

”مجھے کسی بھی بات کی سمجھ نہیں آرہی۔“ روشی نے الجھ کر کہا۔

”سب سمجھ آجائے گا بس تھوڑا سا انتظار کرلو۔“ ان کا انداز بڑا کمزور سا تھا۔ وہ صدمات سہتے سہتے نڈھال سی ہوگئی تھیں‘ دونوں نے خاموشی سے ان کو دیکھا۔

کچھ دیر بعد صبوحی بیگم واپس آئی تھیں‘ انہوں نے دونوں سے کچھ کہا تو وہ دونوں شہوار سے ملنے چل دی تھیں۔ ان سے مل کر وہ واپس آئیں تو صبوحی بیگم اور تابندہ بی باتیں کررہی تھیں۔

”ہم سب آج شام مصطفیٰ کی طرف چکر لگاتے ہیں آپ ادھر ہی رکیے گا کہیں اور نہیں جانا پلیز۔“ تابندہ بی نے محض سر ہلایا۔

وہ تینوں تابندہ بی سے مل کر ویٹنگ روم کی طرف آگئی تھیں جہاں سے ولید کو ساتھ لے کر ان کو واپس جانا تھا۔

❁.......❁.......❁

تابندہ بی کی طبیعت ہسپتال میں بہت خراب ہوگئی تھی۔ وہ کھڑے کھڑے گرگئی تھیں ان کی بے ہوشی پر سبھی پریشان ہوگئے تھے۔ ڈاکٹر نے کمزوری کا بتا کر آرام کرنے کو کہا تھا تو عباس بھائی ان کو گھر چھوڑ گئے تھے باقی لوگ ہسپتال آجارہے تھے تابندہ بی کے ساتھ مہر النساء بیگم بھی گھر آگئی تھیں۔ تابندہ بی گھر آئیں تو بابا صاحب نے ان کو بلوا بھیجا تھا۔ وہ بڑے مجرمانہ انداز میں ان کے سامنے بیٹھی تھیں۔

سلام دعا اور حال چال کے بعد دونوں طرف خاموشی چھارہی تھی۔ تابندہ بی کو اپنی وہ کال یاد آنے لگی جو انہوں نے کچھ ماہ پہلے بابا صاحب کو کی تھی۔

”کیا آپ جانتے ہیں بابا صاحب کہ شہوار کون ہے؟“ اپنی کال کے اختتام پر انہوں نے کہا تھا۔

”کون ہے وہ؟“

”آپ کو اپنے دوست سبحان احمد اور اس کی بیوی حاجرہ کا تو علم ہوگا نا بابا صاحب؟“

”سبحان احمد......“ وہ چونکے تھے۔

”سبحان احمد نے ایک بیٹا لے کر پالا تھا کیوں کہ سبحان احمد کی اپنی کوئی سگی اولاد نہ تھی۔“ دوسری طرف جیسے خاموشی چھاگئی تھی۔

”شہوار کا باپ سکندر اسی سبحان احمد کا لے پالک بیٹا ہے۔“ اور دوسری طرف بابا صاحب کا وجود جیسے ایک دم شدید طوفان کی زد میں آگیا تھا۔

”سکندر نے اپنے باپ کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا اور قسمت کا کھیل دیکھیں سکندر کی بیٹی نے اپنے دادا کی حویلی میں پرورش پائی اور اپنے چچا کے بیٹے کا نصیب بن گئی۔“

"تم کون ہو؟" بابا صاحب نے خوف زدہ ہو کر پوچھا تھا۔
"میں اسی سکندر کی وہ خالہ زاد ہوں جس کی ماں کا نام مہر النساء تھا' بابا صاحب! میں بہت شرمندہ ہوں ایک عرصہ تک آپ کے درمیان رہی آپ کے درد کو محسوس کرتی رہی لیکن آپ کے لیے کچھ نہ کرسکی۔ میں نے بہت حقائق چھپائے ہیں لیکن میں مجبور تھی کبھی زندگی رہی اور جس کے لیے میں دوبارہ حویلی سے نکلی ہوں وہ سب مجھے دوبارہ میسر آ گیا تو میں لوٹ کر آؤں گی اور آپ کے سب سوالوں کے جواب دوں گی۔"
اور آج اسے وہ تمام کھوئے ہوئے رشتے مل گئے تھے اور آج وہ بابا صاحب کے سامنے تھیں' بابا صاحب نے کسی کو بھی اندر آنے سے منع کر رکھا تھا اور تابندہ بی مجرمانہ انداز میں سر جھکائے ان کے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں۔
"میں کوئی سوال نہیں کروں گا' مصطفیٰ مجھے بہت کچھ بتا چکا ہے میں مزید صبر نہیں کرسکتا تم جو کچھ جانتی ہو آج سب کہہ دو۔ مجھ بوڑھے کی اذیت اور تکلیف سے تم بے خبر نہیں' آج میں اس اذیت اور تکلیف سے آزاد ہونا چاہتا ہوں۔"
بابا صاحب نے بہت دیر بعد لب کشائی کی اور تابندہ بی ان کے رکے آنسو ایک بار پھر بہہ نکلے تھے۔
تابندہ بی نے وہ سب کہہ دیا جو کچھ وہ جانتی تھی۔ سکندر کی زندگی سے لے کر لالہ رخ کی ذات تک اور پھر ہمایوں جیسے کرپٹ انسان کی ذلالت سے لے کر خود کے تابندہ بننے تک کی ساری کہانی اور بابا صاحب وہ بہتی آنکھوں سے سب سن رہے تھے اور روتے رہے تھے۔
"کتنا بدنصیب باپ ہوں جو بیٹے پر بیتنے والی مصیبتوں میں سے کسی ایک کا بھی ازالہ نہ کرسکا بیٹے کی محبت میں' میں جب بھی اس کے گھر آیا خود غرضی میں' میں نے کسی پر توجہ ہی نہیں دی اس وجہ سے ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے میں تمہیں کبھی پہچان نہیں پایا اور میری پوتی میرے سامنے رہی اور میں پہچان نہ سکا۔" وہ بے اختیار رو دیے تھے۔ تابندہ بی بس سر جھکائے ان کے سامنے بیٹھی رہی تھیں۔
"میرے فیضان کا بیٹا زندہ ہے؟" انہوں نے کچھ توقف کے بعد پوچھا تھا۔
"جی! صبوحی نے یہی بتایا ہے مجھے۔"
"وہ بچہ اس وقت کہاں ہے؟" انہوں نے پھر پوچھا۔
"اس بارے میں صبوحی نے مجھے کچھ نہیں بتایا وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ سب شام میں چکر لگائیں گے ہوسکتا ہے عیسیٰ بھی ساتھ ہو۔" بابا صاحب نے محض سر ہلایا۔
"جب ہمیں ہمارے ملازم نے اطلاع دی تھی کہ سکندر کی کوئی خبر نہیں اور اس کا سارا خاندان گھر میں آگ لگنے سے مر چکا ہے تو ہم بہت اذیت میں رہے تھے۔ اسی شب تم ہمیں ملی تھیں' ہم اپنا دکھ کسی سے کہہ بھی نہیں سکتے تھے۔ ملازم سے جو کچھ ہوسکا اس نے کیا لیکن ہمیں کوئی اطلاع نہ مل سکی اور ہم ساری عمر گناہ کا احساس لیے اپنے ضمیر کی عدالت میں تڑپتے' جلتے اور مرتے رہے۔" تابندہ بی کا دل ان کے غم سے سسکنے لگا تھا۔
"کاش کوئی ہمیں بتا جاتا کہ میرے سکندر کی اولاد ابھی زندہ ہے تو شاید میں کفارے کی کوشش کرتا' کوئی سدباب کرتا۔ کتنی اذیت اور بے بسی کی بات ہے میری پوتی میری آنکھوں کے سامنے رہی اور میں بے خبر رہا۔ اس کے خاندان پر لوگ انگلیاں اٹھاتے رہے اور میں خاموش رہا۔" تابندہ بی نے گہرا سانس لیا تھا۔
"آپ کی دوسری شادی اور اولاد کے متعلق آپ کا پورا خاندان بے خبر تھا پھر بھلا میں کیسے اس راز کو عیاں کر دیتی۔"
"کاش میرے اختیار میں ہو' میں وقت کا پہیہ الٹ سکوں تو اپنے بیٹے کے ہر دکھ درد کا مداوا کر دوں۔" ان کا احساس زیاں ان کو ندامت کے آنسو رلا رہا تھا اور تابندہ بی بے بسی سے ان کو دیکھ رہی تھیں۔

ایاز کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ مل گئی تھی‘ مصطفیٰ کو تھوڑی دیر کے لیے آفس آنا پڑا تھا وہاں اور بھی بہت سے امور تھے جو توجہ طلب تھے۔ امجد خان کو بھی بلا بھیجا تھا۔

”ہاں کیا رپورٹ ہے؟“

”عبدالقیوم کے گھر کا مکمل طور پر محاصرہ کیا جاچکا ہے‘ اس کی بیوی اور دونوں لڑکیاں ہماری نگاہ میں ہیں۔ عبدالقیوم کے متعلق ہمیں ایک کلیو ملا ہے۔“

”کیسا کلیو؟“ مصطفیٰ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”جیسا کہ ان کے گھر کا فون مسلسل ٹیپ کیا جارہا ہے اور اس پر دو دن پہلے اسلام آباد کے نمبر سے ایک کال آئی تھی۔ دو دن پہلے عبدالقیوم پاکستان پہنچا ہے لیکن گھر والوں کو قطعی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے وہ جو فون کال آئی تھی وہ ائیر پورٹ سے تھی۔ اس کے بعد عبدالقیوم کی طرف سے مسلسل خاموشی ہے۔ کال عادلہ نے ریسیو کی تھی جو عبدالقیوم کی بڑی بیٹی ہے اس نے بتایا ہے کہ عبدالقیوم کسی کام کے سلسلے میں پاکستان میں ہے باقی کسی کو خبر نہیں ہے۔ اس وقت وہ کہاں ہے یہ بھی عادلہ کو علم نہیں کیونکہ عبدالقیوم نے کہا تھا کہ بعد میں کال کرے گا اور گھر والوں کو موجودہ پتے کا بتائے گا۔“

”اوہ...... ان لوگوں پر نظر رکھو‘ اسلام آباد کی پولیس کو انفارم کردو کہ یہ شخص مطلوب ہے اور کہیں بھی بھاگنے نہ پائے۔ ہر جگہ تلاشی لی جائے‘ ائیر پورٹ پر ہر جگہ انفارم کردو سیکیورٹی سخت کردو۔ لڑکیوں کے موبائل بھی اپنی تحویل میں لے لو جو بھی کال آئے فوراً ریکارڈ کی جائے۔“

”یس سر۔“ امجد خان نے فوراً سر ہلایا۔

”اور ہاں یہ لالہ رخ والا کیس کہاں تک پہنچا؟“ مصطفیٰ نے مزید پوچھا۔

”سارا کچھ آپ کے سامنے ہے سر! ہر بات کلیئر ہوچکی ہے بس یہ عبدالقیوم ہاتھ لگ جائے ایک بار۔“ مصطفیٰ نے سر ہلایا۔

”وہ گھر جب جلا تھا پوسٹ مارٹم رپورٹس تو ہوں گی پرانا ریکارڈ سارا نکلواؤ اور ان لاشوں کی پوسٹ مارٹم رپورٹس مجھے چاہیے اب یہ رپورٹس ہی فیصلہ کریں گی کہ مرنے والے کون تھے۔“

”یس سر! میں ریکارڈ نکلواتا ہوں۔“ امجد خان نے فوراً کہا۔

”مجھے ایک دو دن میں یہ کیس فائنل کرنا ہے ہر ممکن طریقے سے عبدالقیوم کو سرچ کرنے کی کوشش کرنا ہوگی۔ بہت ڈھیل مل چکی اس فیملی کو اب اس فیملی کا ایک ایک فرد پکڑا جائے گا۔“ مصطفیٰ کا انداز ٹھوس اور اٹل تھا‘ امجد خان نے فوراً سر ہلایا۔

مصطفیٰ امجد خان کو کچھ اور بریفنگ دیتا رہا تھا جس کے بعد امجد خان وہاں سے چلا گیا تھا جبکہ مصطفیٰ پر سوچ انداز میں اپنے سامنے ایک فائل کھول کر اس کو دیکھنے لگا تھا۔

❁......❁......❁

وہ سب گھر آئیں تو صبوحی بیگم نے کال کرکے وقار صاحب‘ احسن سب کو بلا لیا تھا۔ ضیا صاحب پہلے ہی موجود تھے ولید بھی اس صورت حال میں وہاں موجود تھا۔ صبوحی بیگم نے سب کو دیکھا اور پھر روشی کو‘ انا اور روشی دونوں عجیب سی کیفیت کا شکار تھیں دونوں کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھیں۔

”کیا بات ہے صبوحی کیوں اس طرح ایمرجنسی میں سب کو بلایا ہے تم نے؟“ ضیاء صاحب صبوحی بیگم کے انداز دیکھ

کر ٹھٹکے تھے۔
''میں آج افشاں بھابی سے ملی ہوں۔'' وہاں موجود ہر فرد چونکا تھا۔
''افشاں سے......'' ضیاء صاحب کو لگا کہ جیسے ان کے سینے میں شدید درد نے انگڑائی لی ہو۔
''ہاں افشاں بھابی سے۔'' صبوحی بیگم کی آواز رندھی۔
''کیسی باتیں کررہی ہو صبوحی! وہ تو مر......'' وقار صاحب نے کچھ کہنا چاہا تھا جب کہ صبوحی بیگم نے ان کی بات کاٹ دی تھی۔
''وہ مری نہیں بلکہ زندہ ہیں' میں خود ان سے ملی ہوں بلکہ روشی اور انا بھی ان سے ملی ہیں۔'' انہوں نے ضیاء صاحب کے پاس بیٹھ کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا' سبھی الجھے ہوئے تھے جبکہ روشی کی چہرے پر آنسو کی ہلکی لکیریں بننے لگی تھیں۔ ولید کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا' اسے لگ رہا تھا کہ برسوں بعد وہی انکشاف ہونے والا تھا۔
''افشاں......!'' یہ نام وہ کبھی نہیں بھول سکتا تھا' وہ تو برسوں سے اس نام کی گونج محسوس کرتا رہا تھا' ولید نے لب بھینچ لیے تھے۔
''شہوار جو انا کی دوست ہے اس کی جو ماں ہے وہی تو ہماری افشاں بھابی ہیں۔'' وقار صاحب اور ضیاء صاحب بے یقین تھے۔
''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' ضیاء صاحب کی آواز ڈوبنے لگی تھی۔
''میں خود اس کو دیکھ کر مل کر اور باتیں کر کے نہ آئی ہوتی تو میں بھی یہی کہتی کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے لیکن یہ سچ ہے' افشاں بھابی زندہ ہیں۔'' صبوحی بیگم نے بھائی کا ہاتھ تھاما تھا۔
''اور پتا ہے شہوار کون ہے؟'' احسن حیرت زدہ جبکہ وقار صاحب اور ضیاء صاحب گم صم۔
''عیسیٰ کی چھوٹی بہن عائشہ ہی شہوار ہے۔'' صبوحی بیگم نے ولید کو دیکھا' ولید کا چہرہ خطرناک حد تک سنجیدہ ہو گیا تھا۔
''لالہ رخ اور سکندر بھائی کی بیٹی...... ہمارے ولید کی بہن......'' ولید نے مٹھیاں بھینچ لی تھیں جبکہ روشی اور انا نے بے یقین نظروں سے پہلے صبوحی بیگم اور پھر ولید کو دیکھا تھا۔
''کیا کہہ رہی ہو تم' کہاں ہیں افشاں بھابی تم ان سے ملی ہو تو ان کو ساتھ کیوں نہیں لائیں۔'' وقار صاحب کا ضبط جواب دے گیا تھا' انہوں نے کہا تو صبوحی بیگم نے سر ہلایا۔
''ولید کسی بھی بات سے باخبر نہیں تھا اس طرح شہوار بھی' میں نے سوچا پہلے ولید کو بتا دوں اس کے بعد سب شام میں ان کی طرف چلتے ہیں۔ افشاں بھابی مصطفیٰ کی طرف ہیں وہ تو خود سب سے ملنے کو بے چین ہیں۔''
''میں سب جانتا ہوں۔'' صبوحی بیگم کی بات کے جواب میں ولید نے کہا تو سبھی ایک پل کو ساکت ہو گئے تھے۔
''ولید......'' احسن نے اس کے کندھے پر بے اختیار ہاتھ رکھا۔
''جب ہمارا گھر جلا تھا میں اس وقت عمر کے جس دور میں تھا وہاں ایسے واقعات کبھی نہیں بھولتے' کسی بھیانک خواب کی طرح' ساری عمر ذہن کی سلیٹ پر چسپاں ہو جاتے ہیں۔ بابا نے جس طرح حالات سے سروائیو کرتے مجھے یہاں سے نکالا اور باہر لے گئے میں کسی بھی بات سے بے خبر نہ تھا۔'' ولید نے بہت حوصلے اور ضبط سے کہا۔
''ولید......'' صبوحی بیگم بے اختیار رو پڑی تھیں۔
''نہ میں اپنے باپ کی شکل بھول پایا ہوں اور نہ ہی اپنی ماں کی لیکن مجھے نہیں علم تھا کہ شہوار ہی میری بہن ہے۔ بابا

میں سبھی مر چکے ہیں' میری دونوں بہنیں' میری ماں اور افشاں
کی طرح میں نے بھی یقین کرلیا تھا کہ ان مرنے والوں
مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔
آنٹی بھی۔" ولید کا ضبط کمال کا تھا۔ احسن نے اس کا ہاتھ
کیسے فراموش کردیتا لیکن میرا سارا بچپن عجیب
"بابا نے مجھے بیٹے سے بڑھ کر چاہا اور پالا میں بھلا ان کی محبتوں کو
اپنے گھر کو شعلوں میں لپٹے دیکھتا تھا اور پھر میں نے
سے خوف میں گزرا تھا' مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی تھی میں ہر وقت
آنے کے بعد ایک بار پھر وہ سب یاد آنے لگا اور پھر ایک
ان سب کو جان بوجھ کر بھلانا شروع کردیا' لیکن یہاں پاکستان
جیسا کہ میرے بچپن میں پرانے گھر میں گھس کر میری ماں کو
دن میں نے اس شخص کو دیکھا تھا وہ شخص بالکل ویسا ہی تھا
پہچان لیا تھا۔ میرا حافظہ چہروں کو یاد رکھنے کے معاملے میں
دھمکاتا تھا۔ عبدالقیوم وہ نام بدل چکا تھا لیکن میں نے اسے
تک نہیں بھولے یہ تو میرے اپنے تھے ان کو بھلا کیسے بھول
بہت شارپ ہے مجھے بچپن کے بہت سے چہرے ابھی
موجود ہر بات کہہ ڈالی سبھی گم صم اور افسردہ تھے۔
جاتا۔" ولید نے سر جھکائے دل میں
انہوں نے محبت سے ساتھ لگا کر پیشانی
"ولید ادھر آؤ۔" ضیاء صاحب نے پکارا تو وہ اٹھ کر ان کے پاس جا بیٹھا'
چومی' ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔
سر ہلایا اس کے بعد صبوحی بیگم نے وہ سب کہہ ڈالا جو
"تم میرے بیٹے ہو یہ بات کبھی مت بولنا۔" اور ولید نے محض
صبوحی بیگم کو سن رہے تھے ولید نے ضبط سے لب دانتوں تلے دبا
تابندہ بی نے بتایا تھا ہر بات ہر لفظ' ہر چیز...... سبھی گم صم
احسن' انا سبھی حیرت زدہ تھے اور روشی اس کے
رکھے تھے۔ ضیاء صاحب کے دل کا درد بڑھتا جا رہا تھا' وقار صاحب'
چہرے پر محض آنسو تھے۔

❁......❁......❁

بابا صاحب مصطفیٰ سے ملنا چاہتے تھے
بابا صاحب کی طبیعت کچھ ناساز تھی مہرالنساء بیگم نے ڈاکٹر کو بلالیا تھا۔
بابا صاحب اپنے کمرے میں لیٹے ہوئے تھے اور
مہرالنساء بیگم نے مصطفیٰ کو کال کردی تھی۔ کچھ دیر بعد مصطفیٰ آ گیا تھا'
کچھ پل لگے تھے اس نے ایک ناراض سی نگاہ تابندہ
تابندہ بی ان کے پاس تھیں۔ مصطفیٰ کو ساری صورت حال سمجھنے میں
بی پر ڈالی تھی۔
"ادھر آؤ۔" بابا صاحب نے پاس بلالیا' مہرالنساء بیگم بھی وہیں تھیں۔
"تم جانتے تھے کہ تابندہ کہاں ہے؟" بابا صاحب نے پوچھا تو مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔
"جی بابا صاحب!"
مہرالنساء بیگم نے الجھ کر دیکھا یعنی تابندہ بی خود نہیں
"تو پھر مجھے کیوں نہیں بتایا؟" انہوں نے نحیف آواز میں پوچھا۔
آئی تھیں مصطفیٰ کہیں سے لے کر آیا تھا۔
"یہ جب غائب ہوئی تھیں تب میں شہوار کے قادر کے آئی ڈی کارڈ پر موجود ایڈریس پر گیا تھا۔ وہ لوگ باہر
شفٹ ہو چکے تھے' ان کے کچھ رشتہ داروں کا ایڈریس ملا تھا' ان سے ملاقات ہوئی تو علم ہوا کہ سکندر صاحب تو
سبحان احمد کے حقیقی بیٹے تھے ہی نہیں سبحان اور ان کی بیوی کی وفات کے بعد خاندان والوں نے سکندر کو نکال دیا
تھا اور سکندر کہیں چلا گیا تھا اس کا کسی کو بھی علم نہیں۔" مصطفیٰ نے تابندہ بی کو دیکھا تھا انہوں نے گہرا سانس لیا جبکہ
مہرالنساء بیگم الجھی ہوئی تھیں۔
"تب مجھے یہ کہانی بڑی عجیب سی لگی پھر ایک بار بواجی نے شہوار کو کال کی تھی۔ وہ پی سی او کا نمبر تھا اس ایریا سے
متعلق میں نے معلومات لینا شروع کردی اس کے بعد ان کی دوسری غلطی یہ رہی کہ انہوں نے آپ کو کال کر کے وہ

سب کہا جو آپ نے مجھے بتایا تھا۔" بابا صاحب چپ تھے جبکہ تابندہ بی سنجیدہ۔
"گاؤں کے اس نمبر پر آنے والی کال کا ریکارڈ حاصل کرنا مشکل نہ تھا اور پھر لوکیشن ٹریس کرتے میں جلد ہی اس گھر تک پہنچ گیا جہاں یہ موجود تھیں اس سلسلے میں میں نے اپنے ڈیپارٹمنٹ کی بہت ہی لائق خاتون انسپکٹر شہناز کی مدد لی تھی اور پھر مجھے علم ہوگیا تھا کہ سکندر صاحب کی خالہ زاد یہاں موجود ہیں۔" تابندہ بی نے بہت کرب سے ایک گہرا سانس لیا۔
"میں چاہتا تو ان تک پہنچ سکتا تھا لیکن میں سب کچھ جاننا چاہتا تھا کہ انہوں نے وہ سب کیوں چھپایا اور یہ سب کیوں کیا؟" تابندہ بی ابھی بھی خاموش تھیں۔" ان دنوں میں ایک اور پرانے کیس پر کام کررہا تھا اور اتفاقاً ایک دن اس کیس کی فائل اسٹڈی کرتے اس میں موجود کچھ نام ایک دو تصویریں ایسی تھیں کہ مجھے لگا کہ اس کیس کا تعلق تابندہ بوا سے ہے۔ تابندہ بوا یعنی سکندر صاحب سے اور پھر میں نے اس کیس پر کام کرنا شروع کردیا اور پھر مجھ پر بہت سے انکشافات ہوتے چلے گئے تھے۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے تابندہ بی کو دیکھا تھا' بابا صاحب بھی افسردہ تھے۔ کہانی کتنی الجھی ہوئی تھی لیکن بالآخر مصطفیٰ اس اصل سرے تک پہنچ ہی گیا تھا لیکن وہ کچھ اسرار ابھی بھی باقی تھے جن سے وہ بے خبر تھا۔
"شام کو کچھ لوگ آرہے ہیں مصطفیٰ بیٹا! تم گھر پر رہنا یوں سمجھ لو تمہارے اس کیس میں موجود کچھ اور کڑیاں بھی ہیں جن سے تمہیں متعارف کروانا ہے۔" تابندہ بی نے کہا تو مصطفیٰ نے چونک کر دیکھا۔
"کیسی کڑیاں......کون لوگ ہیں وہ؟"
"شام تک انتظار کرلو خود بخود علم ہوجائے گا اور بابا صاحب میں جانتی ہوں میں نے بہت کچھ چھپایا اور بہت سی باتوں میں غلط بیانی کی تھی لیکن شہوار کے باپ کے معاملے میں جھوٹ نہیں بولا تھا وہ آپ کا خون تھی اور آپ کے خاندان میں ہی رہنے دیا اسے' اب آپ کا فرض بنتا ہے ساری اولاد کے سامنے اسے قبول کرکے اسے اس گالی سے بچالیں جو آپ کا سارا خاندان اسے لاوارث اور بے شناخت کہہ کر دیتا رہتا تھا۔" مصطفیٰ خاموش تھا جبکہ مہرالنساء بیگم حیرت زدہ تھیں۔
"کوئی مجھے بھی بتائے گا کہ یہ سب کیا ہورہا ہے...... کس کی بات کررہے ہیں آپ سب؟" انہوں نے سبھی کو دیکھا جبکہ تابندہ بی گہرا سانس لیے کھڑی ہوگئی تھیں۔
"میں بہت تھک چکی ہوں کچھ دیر آرام کروں گی شام میں مہمان آئیں تو مجھے بلا لیجیے گا۔" تابندہ بی کہہ کر چلی گئی جبکہ مہرالنساء بیگم نے الجھی نظروں سے مصطفیٰ اور پھر بابا صاحب کو دیکھا تھا۔
"صبر کرو بیٹا! شام میں تمہیں سب پتا چل جائے گا۔" بابا صاحب کہہ کر آنکھیں موند گئے جبکہ مصطفیٰ کسی گہری سوچ میں غرق نجانے اب کون سی گتھی سلجھا رہا تھا' مہرالنساء بیگم نے الجھ کر اسے دیکھا تھا۔

❁......❁......❁
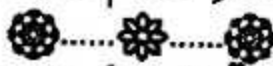
ضیاء صاحب کی حالت بڑی عجیب سی ہورہی تھی' بی پی ہائی ہوگیا تھا اناتے نے ان کو میڈیسن دی تھی۔ آج کا دن ہی عجیب سا تھا' انکشافات پر انکشاف ہورہے تھے۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ولید اس کا کزن نہیں ہوگا اور شہوار اس کی کہانی اور عجیب تھی عجیب تر تھی۔
مغرب کے وقت وہ سبھی تیار تھے ایک گاڑی میں احسن' روشی اور انا تھے جبکہ دوسری میں ولید' وقار صاحب' صبوحی بیگم اور ضیاء صاحب تھے۔ مغرب کی نماز ہوچکی تھی جب وہ لوگ وہاں پہنچے تھے۔

عائشہ اور عباس شہوار کے پاس ہسپتال میں تھے جبکہ باقی سبھی گھر میں تھے شام سے پہلے صبا اور سجاد بھی لائبہ کو ڈسچارج کروا کر گھر لے آئے تھے۔ اس وقت زاہد کی بھی مکمل فیملی وہاں آچکی تھیں۔

تابندہ بی الجھی ہوئی تھیں اور بابا صاحب گم صم، مصطفیٰ بھی آنے والوں کا منتظر تھا لیکن جب ولید اور اس کے گھر والوں کو آتے دیکھا تو چونکا وہ لوگ تو کچھ مہمانوں کے منتظر تھے لیکن یہ تو اس کے دوست کی فیملی تھی۔ وہ سمجھا کہ یہ لوگ عیادت کو آئے ہیں لیکن اس وقت چونکا جب سب ایک دوسرے کے گلے ملے تھے اور تابندہ بوا ولید کے والد ضیاء صاحب کے سامنے جا کر ٹھہر گئی تھیں بڑا عجیب سا ماحول تھا۔

"بھائی دیکھا نا میں سچ کہہ رہی تھی کہ یہ افشاں بھابی ہی ہیں۔" صبوحی بیگم کی آواز نے وہاں موجود مہمانوں کو ساکت کر دیا تھا۔ سبھی رو رہے تھے مصطفیٰ چونکا۔

"تو کیا وہ یہی مہمان تھے جن کا بوا نے آنے کا ذکر کیا تھا۔"

"میں نے پاگلوں کی طرح تمہیں تلاش کیا تھا افشاں!" ضیاء صاحب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"اور میں نے بھی خطوط لکھ کر ان کے جواب کا انتظار کیا تھا۔" جواباً تابندہ بی نے کہا۔

"لیکن تم نہ ملیں۔" ضیاء صاحب نے ایک آہ بھری۔

"اور آپ نے کسی خط کا جواب نہ دیا۔"

"میں سمجھتا رہا تم بھی جل کر مر جانے والوں میں شامل تھیں۔" ضیاء صاحب نے تابندہ بی کے ہاتھ تھام لیے۔

"اور میں سمجھتی رہی آپ مجھے فراموش کر گئے ہیں۔"

"ہماری قسمت نے ہمارے مقدر میں امتحان لکھ دیا تھا۔" ضیاء صاحب کے آنسو بے اختیار تھے۔

"یہ امتحان ہماری ساری زندگی کھا گیا۔" تابندہ بی کی ہچکیاں بے اختیار تھیں۔ روشی اور صبوحی بیگم نے تابندہ بی کو تھام لیا تھا۔ وہ روشی کے گلے لگ کر شدت سے رو دی تھیں۔ مصطفیٰ حیرت سے گنگ تھا تو احسن نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"افشاں بوا ہماری ممانی ہیں اور ولید شہوار کا بھائی یعنی سکندر صاحب کا بیٹا۔" مصطفیٰ نے بے یقینی سے دیکھا تو احسن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"لیکن وہ تو مر چکا تھا۔" مصطفیٰ نے جو فائل اسٹڈی کی تھی اس کے مطابق تو وہ بچہ مر چکا تھا۔

"لیکن ولید زندہ ہے کیا تمہیں نہیں لگتا ولید کی شکل سکندر صاحب سے بہت ملتی ہے۔ ماما نے پرانی تصویریں دکھائی ہیں ولید اپنے باپ کی کاپی ہے۔" مصطفیٰ چونکا۔ ولید نے ضیاء صاحب کو کندھوں سے تھام رکھا تھا۔

"یہ عیسیٰ ہے، سکندر کا بیٹا۔" ضیاء صاحب تابندہ بی سے اس کا تعارف کرا رہے تھے اور ولید نے آگے بڑھ کر تابندہ بی کے سامنے سر جھکا دیا اور تابندہ بی وہ بے اختیار ولید سے لپٹ گئی تھیں۔

مصطفیٰ کچھ نہ سمجھ کر بھی فوراً سنبھل گیا تھا۔ اس نے ایک طرف آنسو بہاتے صوفے پر بیٹھے بابا صاحب کو دیکھا تھا وہ یک ٹک ولید کو دیکھ رہے تھے۔ مصطفیٰ کو یاد آیا بابا صاحب ولید کو جب بھی دیکھتے تھے تو چونک جاتے تھے تو کیا وہ چونکنا اس کشش کے سبب تھا۔ صبوحی بیگم سب کچھ بتا کر لائی تھیں اب تو صرف ملنے کا دن تھا۔ تابندہ بی سے مل کر ولید بابا صاحب کے سامنے جا رکا تھا۔

"کیسے ہیں بابا صاحب۔" بابا صاحب لاٹھی ٹیکتے کھڑے ہوئے تھے لیکن لڑکھڑا گئے تھے مصطفیٰ فوراً آگے بڑھا جبکہ ولید نے ان کو تھام لیا تھا۔

پیار کے ایسے پھول چنیں

آؤ جاناں پیار کے ایسے پھول چنیں
کہ ہر سو خوشبو بکھر جائے
دیں ایک دوسرے کو اتنی خوشیاں
کہ مایوس چہرے نکھر جائیں
باندھ لیں مل کر عہد وفا
ساری عمر اسی موقف پہ ٹھہر جائیں
میں اور تم ہم بن کر جاناں
اس بے وفا دنیا سے بچھڑ جائیں

عائشہ علی، مصطفیٰ نگر..... فیصل آباد

مصطفیٰ نے دوسری طرف سے آ کر کندھوں سے تھاما تو ولید نے مصطفیٰ کو دیکھا ولید کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں، ضبط سے اس نے ہونٹ بھینچ رکھے تھے۔ شاہزیب صاحب جو بہت خاموشی سے سب دیکھ رہے تھے وہ بھی قریب آ رکے تھے۔

"میں سکندر کا بیٹا ہوں شہوار کا بھائی اور آپ کا پوتا۔" کچھ توقف کے بعد ولید نے کہا تو وہاں موجود کچھ لوگوں کے علاوہ ہر ذی نفس چونکا تھا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم ولید؟" شاہزیب صاحب نے ناگواری سے کہا۔

"یہ سچ ہے بے شک بابا صاحب سے پوچھ لیں۔" ولید کا ضبط کمال کا تھا۔

"میرا فیضان۔" بابا صاحب نے بلکتے ہوئے ولید کو اپنے ناتواں بازوؤں میں بھر لیا اور وہاں موجود بابا صاحب کے خاندان کا ہر فرد گم صم ہو گیا تھا۔

بابا صاحب شدت سے روئے اور پھر روتے روتے وہ ولید کے بازوؤں میں گرے تو سبھی خوف زدہ ہو گئے تھے۔ ولید نے فوراً ان کو بازوؤں میں سنبھالا تھا۔ مصطفیٰ بھی ساتھ تھا۔ ولید نے فوراً انہیں صوفے پر لٹا دیا۔

"انا بابا صاحب کو دیکھو کیا ہوا ہے۔" احسن نے کہا تو انا فوراً قریب آئی تھی۔ اس نے بابا صاحب کو دیکھا ہلایا جلایا۔

"مجھے لگتا ہے صدمے سے بے ہوش ہو گئے ہیں۔"

"میں ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔" شاہزیب صاحب نے فوراً موبائل نکالا تھا۔

مصطفیٰ بابا صاحب کو ان کے کمرے میں لے آیا تھا۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر صاحب آ گئے تھے۔ آتے ہی انہوں نے ٹریٹمنٹ کیا۔ سبھی لاؤنج میں پریشانی سے ٹہل رہے تھے۔ مختلف باتیں اور مختلف سوالات تھے۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے اطمینان دلاتے ان سب کو ریلیکس ہونے کا کہا بابا صاحب صدمے سے نڈھال ہو کر بے ہوش ہوئے تھے۔ بابا صاحب ہوش میں آ گئے تھے لیکن ان کی طبیعت اس قابل نہ تھی۔ کہ کسی سے بات کرتے ڈاکٹر نے سکون کا انجیکشن لگا دیا تھا۔

"ان کا ذہن اس وقت صدمے میں ہے یہ کچھ دیر آرام کر لیں بھرپور نیند لے کر ریلیکس فیل کر لیں تب ان سے ملیے گا۔" ڈاکٹر صاحب یہ کہہ کر چلے گئے تھے۔

مہر النساء بیگم اور زہرہ پھوپو صبوحی بیگم اور تابندہ بی کو گھیر چکی تھیں اور پھر جو کچھ سننے کو ملا تھا وہ ایسا تھا کہ سبھی بے یقین

تھیں۔ مردوں کو بھی ساری کہانی کا علم ہو چکا تھا تابندہ بی نے کچھ بھی نہ چھپایا اب چھپانے کا کوئی فائدہ ہی نہ تھا۔ بابا صاحب جس شرعی رشتے کو گناہ کی طرح چھپاتے رہے تھے وہ آخرکار آج بے نقاب ہو گیا تھا ان کی ساری اولاد اس تیے انکشاف پر گم صم تھی۔

"تو بابا صاحب کے ان خوابوں کا یہ راز تھا۔" شاہ زیب صاحب کا دل بوجھل ہوا۔

مصطفیٰ تو ولید اور شہوار کے اس نئے رشتے کا جان کر خوش بھی تھا اور حیرت زدہ بھی۔ دنیا کتنی عجیب سی ہے کیا کچھ ہوتا ہے یہاں اور بالآخر سچ کبھی چھپ نہیں پاتا۔ ولید وہاں بہت دیر تک رکا رہا۔ رات گئے وہ لوگ وہاں سے واپسی کے لیے اٹھے تھے تو صبوحی بیگم نے تابندہ بی کو بھی ساتھ چلنے کا کہا تھا۔ تابندہ بی نے مصطفیٰ کو دیکھا تھا وہی انہیں یہاں دوبارہ لایا تھا۔

"یہ آپ کے حقیقی رشتے ہیں میں بھلا کیسے روک سکتا ہوں۔" ان کی نظروں کا مفہوم سمجھتے مصطفیٰ نے کہا۔

"کل اسپتال ضرور چکر لگا لیجیے گا شہوار آج آپ کا بار بار پوچھ رہی تھی وہ نہیں جانتی کہ آپ اس کی حقیقی ماں نہیں ہیں۔" مہرالنساء بیگم نے بھی کہا۔

"ایسا مت کہیں بھلے میں اس کی ماں نہیں ہوں لیکن میں نے اسے حقیقی ماں کی طرح پالا ہے اور اس بات کی سب سے بڑی گواہ آپ ہی ہیں۔" تابندہ بی رو پڑی تھیں مہرالنساء بیگم نے انہیں گلے سے لگا لیا۔

"کل ملاقات ہوتی ہے پھر ولید اگر رکنا چاہے تو ویلکم۔" ضیاء صاحب نے مصطفیٰ کے ساتھ کھڑے ولید کو دیکھ کر کہا تو ولید خود بھی ابھی کچھ دیر مصطفیٰ کے پاس رکنا چاہتا تھا۔ اس نے مصطفیٰ کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں آج رات ادھر ہی رکوں گا۔" وہ لوگ سب سے مل کر رخصت ہو گئے اور یہ رات مصطفیٰ کے سارے خاندان پر بہت بھاری تھی۔ اس رات کوئی بھی نہ سو سکا تھا۔

❀......❀......❀

گھر آنے کے بعد بھی سب عجیب سی کیفیت سے دوچار تھے۔ رات بہت بیت چکی تھی انا نے سب کو چائے بنا کر پلائی تھی۔ روشی کتنی دیر تک ماں سے چپٹی بیٹھی رہی تھی۔ ضیاء صاحب گومگو کیفیت میں تھے کچھ دیر بعد سبھی سونے کے لیے اٹھ گئے تو روشی افشاں کو اس کمرے میں لے آئی تھی جہاں ضیاء صاحب بھی موجود تھے۔ روشی کچھ دیر ٹھہر کر چلی گئی تھی جبکہ کمرے میں ضیاء صاحب اور افشاں دونوں موجود تھے۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہا قسمت کی اس ستم ظریفی کو کیا نام دوں، جب ہم جدا ہوئے تو ہمارے پاس روشی ایک ننھی سی بچی تھی اور جذبات جوان تھے اور آج میری روشی خود ایک اور زندگی کو جنم دینے والی ہے۔" ضیاء صاحب افشاں کے پاس بیٹھ گئے تھے۔ لہجے میں آزردگی گھلی ہوئی تھی افشاں نے سر ہلایا تھا۔

"میں نے زندگی کے ہر لمحے میں آپ سب کو بہت مس کیا شاید ہی کوئی لمحہ ایسا ہو جس میں آپ اور اپنی بیٹی کو نہ یاد کر سکی ہوں شہوار کی صورت میں مجھے روشی ملی تھی لیکن میری ممتا پھر بھی تشنہ لب رہی۔" آزردگی تو افشاں کے لہجے میں بھی تھی۔

"کاش وہ تمام خطوط مجھے مل جاتے تو یہ جو دوریاں برسوں حائل رہیں یہ کب کی مٹ چکی ہوتیں۔" ضیاء صاحب گزرے وقت پر پچھتا رہے تھے افشاں نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"اگر وہ وقت درمیان میں نہ آتا تو ہمیں کیسے علم ہوتا کہ ہم ایک دوسرے کے لیے کس قدر اہم ہیں شاید قسمت کا یہی فیصلہ تھا اور قدرت کو ان دونوں بچوں کی زندگی مقصود تھی جو ہم دونوں کو تنہا کرتے ان کا وسیلہ بنا دیا۔"

اک شمع فروزاں ہے

گردش ایام گردش میں ہے اور صفحۂ ہستی کے اوراق تیزی سے پلٹتے جارہے ہیں۔ 1978ء میں آنچل کے نام سے ہماری عزیزی مدیرہ اور مشتاق قریشی کی کاوشوں سے جو اک شمع فروزاں کی گئی تھی آج ہر قلب ونگاہ میں نہ صرف اپنی منفرد پہچان بنا چکی ہے بلکہ علم وہدایت کی اس شمع سے ہزاروں دیے جگمگا اُٹھے۔ آنچل کے فسوں خیز حسن بیاں نے حجاب کی صورت ایک اور شمع روشن کردی اور علم وادب سے شغف رکھنے والے مثل پروانہ اس کے گرد جمع ہو کر علم کی پیاس بجھانے لگے۔ آج آنچل کا 444واں شمارہ اپنی جگمگاہٹوں سے سب کے دل اُجال رہا ہے گویا ہمارا اور آپ کا ساتھ پچھلے 37 برسوں پر محیط ہے۔ ان طویل مسافتوں نے ہمیں اور آپ کو اُلفت ومحبت کی مضبوط لڑی میں پرو دیا ہے۔ آپ کے اسی ساتھ نے جہاں رہبری و رہنمائی کی وہیں تشکر آمیز کلمات نے ہمارے شوق ولگن کو مہمیز عطا کی اور ہم آپ کے لیے خوب سے خوب تر کی جستجو میں گامزن ہیں۔ آج اس گلشن کی بہار آپ کی مرہونِ منت ہے لیکن سفر ابھی جاری ہے کہتے ہیں ناں کہ ''ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں'' ابھی آنچل وحجاب کی اس روشنی کو مثل نجوم اور ہمسر ماہتاب کرنا ہے اور جس طرح ہمیں اپنے قارئین اور رائٹرز کا پہلے بھرپور تعاون حاصل رہا امید ہے آئندہ بھی یہ ساتھ قائم ودائم رہے گا۔ آنچل کی سالگرہ کے موقع پر اس بار بھی آپ کے لیے خصوصی سروے کا اہتمام کیا گیا ہے سوالات مندرجہ ذیل ہیں۔

OOO

:۱۔ سال گزشتہ میں آنچل کے کس ٹائٹل کو آپ نے بے حد سراہا اور کیوں؟

:۲۔ کس کہانی کے کردار میں آپ کو اپنے آئیڈیل کی جھلک دکھائی دی نیز وہ کس کہانی کا کون سا کردار تھا؟

:۳۔ عموماً کہا جاتا ہے کہ رسائل پڑھنے والی لڑکیاں حقیقت پسند ہونے کے بجائے تخیلاتی دنیا میں رہتی ہیں آپ کی اپنے متعلق کیا رائے ہے؟

:۴۔ رسائل کے مطالعہ کے دوران گھر والوں میں سے کس کی جانب سے تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

:۵۔ آنچل کی نئی مصنفین نے آپ کو کس حد تک متاثر کیا اور کس مصنفہ کو آپ بار بار پڑھنا پسند کریں گی؟

:۶۔ آنچل کی کوئی ایسی تحریر جس نے آپ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی ہو؟

:۷۔ آپ کے نزدیک آنچل کا سب سے پسندیدہ سلسلہ کون سا ہے اور کیوں؟

ان سوالات کے جوابات مختصراً تحریر کرکے ہمیں 8 مارچ تک ارسال یا ای میل کریں۔

Info@aanchal.com.pk

"بے شک اللہ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے اس کی حکمت بھی پتا چل جائے گی۔" افشاں مسکرائی اور ضیاء صاحب کے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا۔ یوں جیسے برسوں کی مسافت کے بعد آج کوئی گھنا سایہ میسر آیا ہو۔
افشاں نے آنکھیں موند لی تھیں اور ضیا صاحب نے بہت نرمی سے ان کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر دبایا تھا۔

❁......❁......❁
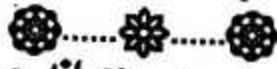
اس گھر میں کوئی بھی نہیں سویا تھا۔ گیسٹ روم میں ولید اور مصطفیٰ دونوں جاگ رہے تھے رات بیتی جا رہی تھی دونوں نے ایک ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ مصطفیٰ کو چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی وہ کمرے سے باہر نکلا تو صبا اپنی بیٹی کو گود میں لیے کمرے سے نکل رہی تھی۔
"فارغ ہو تو دو کپ اسٹرانگ سی چائے بنا کر بھیج دو۔"
"جی بھائی میں ابھی بناتی ہوں۔"
"گیسٹ روم میں بھیج دینا۔" وہ واپس اس کمرے میں آ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد صبا خود ٹرے اٹھائے چلی آئی تھی۔
"تم کسی ملازم کو بھیج دیتی۔"
"سبھی اپنے کوارٹرز میں ہیں۔" صبا چائے کی ٹرے تھما کر چلی گئی۔ مصطفیٰ نے چائے کا مگ ولید کو تھمایا تو اس نے خاموشی سے تھام لیا۔
"مجھے اپنا بچپن کبھی نہیں بھولا ایک ایک بات ہر لفظ یاد تھا لیکن مجھے یہ گمان تک نہ تھا کہ میرا تم لوگوں سے اتنا قریبی تعلق ہوگا۔"
"بابا صاحب نے مجھے جب وہ ساری حقیقت بتائی تو میرا دل ان کے اس ان دیکھے بیٹے فیضان کے لیے دکھا تھا اور پھر جب انہوں نے بتایا کہ وہ اس دنیا میں نہیں ہے تو اور بھی دکھ ہوا تھا لیکن کہانی کے اس رخ سے مجھے بھی انہوں نے آگاہ نہیں کیا تھا انہوں نے سب کچھ بتایا تھا لیکن فیضان چچا کی موت کس طرح واقع ہوئی اس کے متعلق کچھ نہ کہا تھا اور نہ ہی فیضان چچا کی اولاد کے بارے میں بتایا تھا۔ اب یہ کیس میرے پاس ہے اس کے مجرموں کو میں ہر حال میں کیفر کردار تک پہنچا کر رہوں گا کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گا جو جو ملوث رہا ہے سب کو کورٹ میں گھسیٹوں گا اب کسی کو بھی معافی نہیں ہوگی۔" مصطفیٰ کا انداز اٹل تھا۔
"اپنے گھر کو جلتے ہوئے شعلوں میں گھرے دیکھنا اور پھر اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں کو ہمیشہ کے لیے کھو دینا کتنا اذیت و دردناک ہوتا ہے اس کا اندازہ کوئی کبھی بھی نہیں کر سکتا۔ بابا نے مجھے بہت محبت دی میرے لیے اتنا کچھ کیا۔ اپنا نام دیا میرے تحفظ کے لیے ہر قربانی دی اور پھر مجھے خاندان میں اپنے بیٹے کی حیثیت سے متعارف کرایا ان کے مجھ پر اس قدر احسانات ہیں کہ میں عمر بھر نہیں بھول پاؤں گا۔ چند سال کے بچے کو وہ انگلی تھام کر اس مقام تک لائے اور میرے لیے والدین سے بڑھ کر تھے اور رہیں گے۔" ولید نے چائے کے سپ لیتے ہوئے کہا۔
"اور تم نے اپنے بارے میں کبھی ایک لفظ تک نہ کہا ہم ایک طویل عرصہ ساتھ رہے، کبھی بھی اپنے دکھ سے آگاہ نہ کیا۔"
"میں نے تو کبھی بابا کو بھی احساس نہ ہونے دیا تھا کہ میں سب جانتا ہوں میں نے اپنے بچپن کو اپنے دل میں راز کی طرح دفنا لیا تھا یہ سب نہ ہوتا تو شاید میں اب بھی کبھی نہ بولتا۔"
"ان شاء اللہ اب سب ٹھیک ہو جائے گا اب کسی کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہوگی، میں بابا اور میرا سارا خاندان تمہیں سپورٹ کرے گا۔" مصطفیٰ کا انداز پرعزم تھا۔

کے ایم نورالشال

السلام علیکم! اہل آنچل امید ہے خیریت سے ہوں گے تو جی جناب ہم سے ملئے ہمیں ادبی دنیا میں کے ایم نورالشال مقامی کے نام سے جانا جاتا ہے ہم 4/4/1998 کو قصور کے ایک شہر کھڈیاں خاص میں تشریف آور ہوئے ویسے تو میرے مشاغل بہت سارے ہیں۔ مثلاً پنسل جمع کرنا، کتابیں جمع کرنا، گڑیا کھیلنا، بچوں سے لڑنا، لیکن فی الحال یہ تمام مشاغل کچھ عرصہ کے لیے ملتوی کردیئے ہیں کیونکہ بقول شاعر کے
میکے سے ڈولی اٹھی سسرال آ گئی
اک لڑکی پیا من بھا گئی
جی ہاں شادی ہوچکی ہے ڈیٹ بھی بتادیتے ہیں 8 اگست 2015 کو ہم کھڈیاں چھوڑ کر چونیاں آ گئے آہ اہلیان کھڈیاں کے لیے افسوس کہ انہیں ایک عظیم رائٹر سے ہاتھ دھونے پڑے (ہاہاہا) اب آتے ہیں پسند ناپسند کی طرف ویسے کچھ حقیقت پسند ہوں، کپڑوں میں فراک پسند ہے جیولری میں رنگ اور چوڑیاں پسند ہیں، فیورٹ استاد مس شازیہ ہاشم ہیں اور فرینڈز میں سائرہ نبیلہ امرینہ ثمرینہ، سلمٰی شائل ہیں کزنز میں صبا، فرزانہ رضوانہ سے زیادہ بنتی ہے اور ایک میری کیوٹ سی بہن ہے جو میرے لیے سب کچھ ہے وہ ہے ام ایمن شہزادی، جو تیرہ اگست کو اس دنیا میں تشریف لائی اور اقراء جنت الاطفال میں سکس کلاس کی اسٹوڈنٹ ہے اس کے ساتھ ماشاء اللہ دو سپارے حفظ کرلیے ہیں اور کچھ اپنے بارے میں بتادوں جامعہ فاروقیہ سے فارغ التحصیل ہوں۔ او کے اللہ حافظ!!

"مجھے سپورٹ نہیں چاہیے مجھے بس اس معاشرے میں اپنا مقام اور حوالہ چاہیے۔ میرے والدین مرچکے ہیں لیکن مجھے ابھی جینا ہے بابا نے میرے لیے اتنا کچھ کیا ہے میرے لیے وہی سب کچھ ہیں۔" ولید کے الفاظ پر مصطفیٰ فی الحال خاموش رہا۔ وہ دونوں بہت دیر تک بات چیت کرتے رہے۔ باہر اب ناشتے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔
مصطفیٰ، ولید اور مہرالنساء بیگم نے اسپتال جانا تھا یہ تینوں جلدی نکل آئے تھے عائشہ اور عباس وہیں تھے ان کے جانے کے بعد وہ دونوں گھر چلے آئے تھے۔
شہوار جاگ رہی تھی ولید جب کل آیا تھا تو باہر سے ہی عیادت کر کے چلا گیا تھا۔ لیکن اس وقت وہ مصطفیٰ کے ساتھ روم میں آیا تھا۔ شہوار کے ساتھ اس کا آج جو رشتہ تھا دنیا کی کوئی بھی طاقت اب اسے اس کے پاس آنے سے نہیں روک سکتی تھی۔
"کیسی ہو شہوار؟" آج لہجے میں بے تکلفی، محبت واپنائیت تھی۔
"ٹھیک ہوں۔" وہ سنجیدہ تھی۔
ولید آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگانا چاہتا تھا اس کے وجود میں اپنے ماں باپ کو محسوس کرنا چاہتا تھا۔ یہ فطری سا احساس تھا لیکن ابھی شہوار کسی بھی بات سے بے خبر تھی لہٰذا ولید خود پر ضبط کیے بیٹھا رہا۔ پھر احسن کی کال آئی تو مصطفیٰ بھی ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تھا۔
"میں تمہیں گھر ڈراپ کردوں گا اور پھر خود آفس چلا جاؤں گا ماں جی ادھر ہی ہیں گھر سے کوئی اور بھی آجائے گا۔"
"وہ احسن بتا رہا تھا کہ گھر سے بھی لوگ ادھر آرہے ہیں میں ان کے ساتھ چلا جاؤں گا تم ایزی ہو کر اپنے آفس جاؤ۔"
بارہ بجے کے قریب انا، صبوحی بیگم، روشی اور افشاں ضیاء صاحب اور احسن کے ساتھ آئی تھیں انا اور افشاں کے سبب شہوار کا دل بہل گیا۔
وہ جو شدید ڈپریشن خود ترسی محرومی اور خاموشی کے حصار میں قید تھی۔ ان سب کی آمد کے سبب کچھ بہتر ہوئی تھی۔ وہ

سارا دن ان لوگوں کا ایک ساتھ گزرا تھا ضیاء صاحب اور احسن کچھ دیر بعد چلے گئے تھے۔ شہوار کے کہنے پر تابندہ بی آج رات شہوار کے پاس ہی رکنا تھا مغرب کے وقت ولید انا اور روشی کو لے کر گھر آ گیا تھا۔

''یہ سب کتنا عجیب سا لگ رہا ہے نا بھائی۔'' روشی ابھی تک حیرت زدہ تھی وہ لوگ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔

''سب رشتے، تعلق سب کچھ بدل گیا۔'' انا نے بھی ایک گہرا سانس لیا تھا۔ وہ تو خود حیرت زدہ تھی کتنا اچانک بالکل ایک دم یہ سب ہوا تھا۔ اپنا پرایا اور پرائے اپنے بن گئے تھے۔

''ہاں شاید قسمت میں یہی تھا لیکن بعض رشتے خون کی بجائے روح کے ہوتے ہیں جن کو کسی نام کسی حوالے کی ضرورت نہیں ہوتی، بابا اور تم سے میرا رشتہ روح کا رشتہ ہے اور اس رشتے کو کوئی بھی جھٹلا نہیں سکتا اور نہ ہی کوئی رد کر سکتا ہے۔''

''ویسے میں بھی آپ سے ناراض ہوں۔'' ولید نے چونک کر روشی کو دیکھا۔

''وہ کیوں؟''

''آپ کو اتنا کچھ علم تھا اور آپ نے کبھی بتایا ہی نہیں۔''

''کیا بتاتا کہ میں تمہارا بھائی نہیں یا اس خاندان سے میرا کوئی بھی خون کا رشتہ نہیں۔'' ولید آزردہ سا ہوا۔ روشی نے آگے بڑھ کر محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''دنیا کچھ بھی کہے آپ میرے لیے آج بھی میرے بھائی ہیں میرا مان ہیں۔'' ولید نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھپکا۔ اور انا کی طرف دیکھا وہ سنجیدگی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی لیکن ولید کے دیکھنے پر نگاہیں جھکا گئی تھی۔

''میں کچھ دیر آرام کروں گا لیکن اس سے پہلے ایک کپ اچھی سی چائے پلا دو؟'' ولید روشی کے سر پر ہاتھ رکھ کر محبت سے کہہ کر چلا گیا تو روشی کچن کی طرف جانے لگی تو انا بھی ساتھ ہو لی۔

''تم رہنے دو میں بنا دیتی ہوں۔'' روشی نے اسے مسکرا کر دیکھا جبکہ انا کچن کی طرف بڑھ گئی۔ چائے بنا کر وہ ولید کے کمرے کی طرف آئی اور دستک دے کر اندر داخل ہوئی تو ولید کہیں نہ تھا البتہ باتھ روم کا دروازہ بند تھا وہ ٹیبل پر کپ رکھ کر واپس پلٹی تو ولید دروازہ کھول کر کمرے میں آیا تاول سے چہرہ صاف کرتے وہ انا کو دیکھ کر چونکا۔ انا کو دیکھ کر اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔

''وہ میں چائے دینے آئی تھی۔'' ولید کے بدلتے تاثرات پر انا نے فوراً کہا۔

''تمہیں کس نے اجازت دی ہے میرے کمرے میں داخل ہونے کی گیٹ لاسٹ۔'' وہ ٹاول ایک طرف پھینک کر بہت غصے سے پھنکارا۔ انا نے اس کا بہت بڑا نقصان کیا تھا۔ اس کے اعتماد بھروسے عزت نفس اور سب سے زیادہ دل کو ٹھیس پہنچائی تھی اور جب سے کاوشہ سے متعلق حقیقت کا علم ہوا تھا جی چاہ رہا تھا کہ سر عام سب کے سامنے اس کا حشر نشر کر دے لیکن وہ بمشکل خود پر کنٹرول کر پا رہا تھا۔

''پلیز ولی۔''

''شٹ اپ۔'' ولید ایک دم شدید غصے میں آیا۔

❁......❁......❁

سلام دعا اور ضروری اطلاعات کے بعد امجد خان نے جو رپورٹ دی تھی مصطفیٰ سن کر حیران و پریشان رہ گیا تھا۔

''ہم نے سب کچھ اچھی طرح چیک کر لیا ہے سر ایاز کے نمبر سے سب سے زیادہ جس نمبر پر کالز کی گئی ہیں اس نمبر کی لوکیشن چیک کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ یہ آپ کے گھر کے کسی فرد کا نمبر ہے۔''

"فرق"

"آپ" اور "تم" میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ "آپ" کے سامنے دکھ بیان نہیں کیئے جاسکتے اور "تم" کے سامنے دل کھول کر رکھ دیا جاتا ہے۔

(سیدہ بشریٰ گلزار ہمدانی......بھکر)

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟" مصطفیٰ کہا۔

"نمبر بولو۔" جواباً امجد خان نے جو نمبر دہرایا وہ سن کر مصطفیٰ چونکا۔ اسے اپنے گھر کے ہر فرد کا نمبر یاد تھا لیکن یہ نمبر۔

"سر ہم نے اس نمبر پر کال کی مگر فی الحال بند جارہا ہے لیکن پرانی کالز کا سارا ریکارڈ جو ہمارے پاس ہے اس کے مطابق یہ نمبر آپ کے گھر کا ہی کوئی فرد یوز کررہا ہے۔" مصطفیٰ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"او کے آپ ایسا کریں اس نمبر پر ہونے والی تمام کالز کا وائس ریکارڈ حاصل کریں پھر بات کرتے ہیں اگر ہمارے گھر کا ہی کوئی فرد ہے تو علم ہوجاتا ہے۔"

"لیس سر۔"

"عبدالقیوم کے گھر کی کیا صورت حال ہے؟"

"سر ڈیڈ باڈی پہنچادی گئی ہے کل نماز جنازہ ہے۔"

"ہوں۔" ایاز نے مصطفیٰ کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچایا تھا لیکن ایاز کا یہ انجام دیکھ کر مصطفیٰ کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی تھی۔ برائی کا انجام آخر کار برائی ہی ہوتا ہے ایاز نے جو بویا وہی کاٹا اور ایاز کی فیملی یقیناً ان کے لیے یہ ایک بہت بڑا صدمہ تھا۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس خارج کرتے امجد خان کو چند اور ہدایات دیتے کال بند کردی تھی۔ اسے اب اسپتال جانا تھا جہاں یقیناً شہوار اس کا انتظار کررہی تھی مصطفیٰ نے اپنا سامان سمیٹا اور پھر آفس سے نکل آ گیا۔

❀......❀......❀

ایاز کی لاش عبدالقیوم کے گھر پہنچی تو اس کی ماں اور دونوں بہنیں اس کی لاش دیکھ کر ساکت ہوگئی تھیں۔ بیگم عبدالقیوم تو پہلے ہی عجیب سی کیفیت میں تھیں کاشفہ کا بھی سارا نشہ ہرن ہوچکا تھا اپنے گھر میں ہر طرف پولیس اور لیڈی پولیس کے حصار میں خود کو مقید پا کر اسے لگ رہا تھا کہ اس کی ساری اکڑ دولت کا سارا نشہ ہرن ہوچکا ہے۔ ایک عادلہ ہی سب کچھ ڈیل کررہی تھی لیکن بھائی کی لاش دیکھ کر وہ بھی جیسے ڈھے گئی تھی۔ بیگم عبدالقیوم تو جیسے سکتے کی کیفیت میں تھیں۔

"مام کچھ بولیں، دیکھیں آپ کا لاڈلا ایاز اس دنیا سے جاچکا ہے۔" عادلہ بار بار اپنی ماں کو جھنجوڑ رہی تھی رونے پر مجبور کررہی تھی لیکن ان پر تو گویا سکتے کی کیفیت تھی۔ کاشفہ اور عادلہ کا برا حال تھا۔

ان کے رشتہ دار تو تھے نہیں دوست احباب کو بھی گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی ایاز کی میت پولیس کے حصار میں گھر کے باہر سڑک پر رکھ دی گئی تھی لوگ اسے دیکھ دیکھ کر توبہ توبہ کررہے تھے۔ عادلہ کا کروفر طنطنہ سب جھاگ کی طرح بہہ گیا تھا۔ کاشفہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے لیکن ذہن و دل میں ایک عجیب سی جنگ جاری تھی اور بیگم عبدالقیوم وہ نہ ہل رہی تھیں اور نہ ہی کچھ کہہ رہی تھیں۔ دیکھنے والوں کو ان پر ترس آرہا تھا لیکن کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ یہ سب ایک دن کے اعمال کا نتیجہ نہ تھا۔ یہ موت برسوں کے ظلم کی پیداوار تھی۔ ایسا ظلم جو بے گناہ اور معصوم جانوں پر ڈھایا گیا تھا وہ ظلم جس کی لپیٹ میں کئی معصوم بچے کچلے گئے تھے۔ وہ ظلم جو دولت اور طاقت کے نشے میں چور ہوکر ایک ظالم نے مظلوم پر ڈھایا تھا۔ نامہ اعمال سیاہ تھے۔ عبدالقیوم کا ظلم اس کی ساری اولاد کے گلے کا وہ طوق بن گیا تھا کہ جس کا

خراج صرف اور صرف موت تھا۔ دیکھنے والی آنکھ میں ترحم تھا لیکن آنسو نہ تھے پولیس کے حصار میں مقید لاش اور گھر والے ایک عبرت کا نشان تھے جو رہتی دنیا تک لوگوں کے لیے عبرت بن چکے تھے۔

❁......❁......❁

مصطفیٰ شہوار کے پاس آ گیا۔ زہرہ پھوپو کی بہو شائستہ اور افشاں ادھر رکی ہوئی تھیں باقی سب گھر چلے گئے تھے مصطفیٰ کے آنے کے بعد عباس بھائی بھی چلے گئے تھے۔ افشاں مصطفیٰ کے آنے کے بعد نماز گاہ کی طرف عشاء کی نماز پڑھنے چلی گئی تھیں۔ شائستہ بھابی مصطفیٰ سے باتیں کرتی رہی اور پھر باہر چلی گئی تھیں۔ مصطفیٰ نے شہوار کو دیکھا وہ آنکھوں پر بازو رکھے چپ چاپ لیٹی ہوئی تھی۔ مصطفیٰ کی آمد پر بھی بس سلام دعا کی اور کھانا بھی برائے نام کھایا تھا۔

"کیا بات ہے، بہت خاموش ہو۔" بستر کے کنارے بیٹھ کر محبت سے شہوار کا بازو پکڑا تو اس نے آنکھیں کھول کر مصطفیٰ کو دیکھا۔

"بس ویسے ہی دل نہیں کر رہا کسی سے بھی بات کرنے کو۔" اس کی آواز افسردہ سی تھی۔ مصطفیٰ نے بہت نرمی سے اس کے چہرے پر بکھری لٹوں کو پیچھے کیا۔

"مجھ سے بھی بات کرنے کو دل نہیں کر رہا۔" جواباً شہوار کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا، مجھے یہ دنیا اچھی لگنے لگی تھی میں نے اتنا کچھ سہا ہے یہ دکھ کیوں لکھا تھا میرے مقدر میں۔" وہ اتنے دنوں سے کچھ نہیں بولی تھی اور اب بولی تو خود بخود شکوہ در آیا۔

"قدرت کو شاید اس طرح ہماری آزمائش مقصود تھی۔ ایاز نے اتنی بار تمہیں کڈنیپ کرنے کی کوشش کی اور تم ہر بار بچ نکلیں لیکن اس بار وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا شاید اسی لیے کہ اللہ ایسا ہی چاہتا تھا کوئی نہ کوئی وجہ تو بنتا ہی تھی۔"

"اللہ کسی اور طرح بھی تو آزما سکتا تھا۔"

"تم ناشکری کر رہی ہو، اللہ نے تمہاری زندگی بچائی ہے ایک چھوٹی جان لے کر تمہیں زندہ رکھا میرے لیے یہی کافی ہے شہوار آئندہ ایسا کچھ بھی مت کہنا تم ایک بار ٹھیک ہو کر گھر چلو اولاد اللہ اور دے دے گا اس کے پاس کسی بھی چیز کی کوئی کمی نہیں...... ہر حال میں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے خدانخواستہ ایاز تمہارے ساتھ کوئی غلط حرکت کرتا تو ہم کیسے تمہیں بچا پاتے؟" مصطفیٰ نے بہت تحمل اور نرمی سے اسے سمجھایا تو شہوار نے سر ہلا دیا۔ اللہ نے اس پر بھی بہت بڑا احسان کیا تھا۔ اس کی عزت محفوظ تھی اولاد تو پھر مل سکتی تھی زندگی مل گئی تھی ورنہ ایاز جیسے انسان سے کچھ بھی بعید نہ تھا۔ ایاز کا سوچ کر شہوار نے جھرجھری لی تھی۔ مصطفیٰ نے محبت سے اس کے آنسو صاف کیے۔ خلوص دل سے اس کی دلجوئی کرتا رہا، اپنی باتوں سے اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتا رہا۔

زخم بہت بڑا تھا مندمل ہو جانا تھا۔ مگر دل میں ایک کسک چھوڑ گیا تھا ماں بننے سے پہلے ہی اس کی گود خالی ہو گئی تھی۔ دل میں عجیب سا درد جاگتا تھا لیکن اسے اب صبر کرنا تھا۔ وہ مصطفیٰ سے باتیں کر رہی تھی جب پہلے شائستہ بھابی لوٹ آئی اور پھر افشاں وہ مصطفیٰ کے ساتھ مل کر شہوار کو بہلانے لگ گئی تھیں۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

سازِ من

نائلہ طارق

برف ایسی کہ پگھلتی نہیں پانی بن کر
پیاس ایسی کہ بجھاتے ہوئے تھک جاتا ہوں
اچھی لگتی نہیں اس درجہ شناسائی بھی
ہاتھ ہاتھوں سے ملاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

برفانی ہواؤں کے ساتھ پہاڑوں پر آنے والے طوفان نے چھوٹے سے قصبے کو بھی اپنی زد میں لے لیا تھا۔ جیسے جیسے رات گہری ہورہی تھی طوفان کی شدت بڑھتی جارہی تھی کھڑکی کے شیشے سے روئی کے گالوں جیسی برف کی شدت سے یکسر لاتعلق اس کی نگاہیں دور فلک سے ملتے طاقت ور پہاڑی چوٹی تک جا پہنچی تھیں۔ پرہیبت برف کی پوش پہاڑ نے آج پھر اسے دم بخود کر رکھا تھا ایک بار پھر وہ تصور ہی تصور میں خود کو پہاڑ پر چڑھتا دیکھ رہی تھی دھیرے دھیرے رکتے سنبھلتے اور پھر آخر کار وہ آسمان کی وسعتوں سے گلے ملتی پہاڑ کی چوٹی پر تھی۔ وہ بچپن سے دیکھا کرتی تھی کہ کوہ پیما پہاڑ کو سر کرنے کے لیے کئی کئی گھنٹوں کی محنت سے اور خطرات کو پھلانگتے چوٹی تک جا پہنچے۔ کھڑکی سے لگی وہ ان کوہ پیما کے تعاقب میں ہوتی اور جب وہ کوہ پیما پہاڑ کی چوٹی پر فتح کا پرچم لہراتے تو پھولی سانسوں اور ٹوٹتے وجود کے ساتھ وہ بھی ان کے ساتھ سرخوشی سے چیخ رہی ہوتی۔ اس طرح کہ اس کی آواز کی بازگشت پہاڑ کی چوٹی سے دنیا کی چاروں سمتوں میں پھیل جاتی۔ بچپن سے آج تک جانے کتنی بار وہ اپنے

ہم راز غم گسار محبوب پہاڑ کو سر کر چکی تھی۔ اس وقت بھی اپنے تخیل میں وہ برف پوش چوٹی پر خود کو دیکھ رہی تھی، دونوں بازو پھیلائے دنیا کو اپنی دسترس میں سمیٹے۔

"نیلما....." ایک سخت آواز اسے بلندیوں سے دھڑ دھڑ گراتی پاتال میں لے آئی تھی۔

"جی دادی۔" پلٹ کر اس نے آتش دان کے قریب آبنوسی کرسی پر سوئٹر بنتی ضعیف عورت کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر جھریوں سے زیادہ ناگواری کے تاثرات تھے۔

"کتنی بار پکار چکی ہوں تمہیں، کہاں گم تھیں؟ ادھر آؤ۔"

"جی آتی ہوں۔" پہاڑ دیوتا کو تکتے ہوئے اس نے پردے پھیلائے اور بوجھل دل کے ساتھ آتش دان کے قریب آبیٹھی۔

"تم نے راجر کا خط ٹھیک سے پڑھا تھا، دو دن بعد ہی آرہا ہے ناں وہ؟" سنہری فریم والا چشمہ ناک پر درست کرتیں وہ پوچھ رہی تھیں جبکہ نیلما کا دل عجیب انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔

"جی دادی! دو دن بعد ہی کی تاریخ لکھی تھی۔"

"پورے دو سال بعد دیکھوں گی اپنے پوتے کو۔" دادی نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "جانے کیا جنون تھا اسے کہ جان جوکھم میں ڈالنے والی ٹریننگ کے لیے چلا گیا۔ اپنے باپ کی طرح اس میں بھی انسانیت کی خدمت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے مگر میری بدنصیبی کہ میرا بیٹا ایک ڈائن کے چنگل میں پھنس گیا اور پھر وقت سے پہلے ہی اسے موت کے شکنجے نے نگل لیا۔" دادی کے افسردہ لہجے پر وہ چپ چاپ ان کے چہرے پر پھیلتے کرب کو دیکھتی رہی۔

"بڑا فرماں بردار بیٹا تھا میرا..... بس ایک ہی کام میری مرضی کے خلاف کر گیا ایک فرنگی عورت سے شادی رچالی، کم بخت پہاڑوں کو سر کرنے آئی تھی اور میرے بیٹے کو اپنا تابع کر کے مجھ سے دور لے گئی مگر میں نے صبر کیا یہ میرے صبر کا پھل ہی تو ہے کہ راجر اپنی ماں سے زیادہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ میری فکر رکھتا ہے، تمہارے ماں باپ کی ناگہانی موت کے بعد صرف راجر کا سہارا ہی تو ہے مجھے۔ اس کے بغیر تو یہ دنیا ویران ہے۔" دادی بول رہی تھیں چپ چاپ ان کو سنتی وہ ان کے آخری جملے پر ایمان لے آئی تھی۔ آتش دان کی حدت سے اس کے سانولے سلونے رخسار تپ اٹھے تھے بڑی بڑی سیاہ آنکھوں کے سامنے راجر کا زندگی کی تمام رعنائیوں سے بھرپور وجیہہ چہرہ جھلملانے لگا تھا۔

"کل ہر حال میں تمہیں بازار تک جا کر ہر چیز لے کر آنی ہے۔ راجر کو کسی چیز کی کمی نہ ہو یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔" یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس خراب موسم میں برف پر چلنا بھی محال ہے وہ حکم دے رہی تھیں۔ دکھ کی لہر نیلما کے دل میں اٹھی مگر اسے حیرت نہیں تھی کبھی کبھی اسے یقین ہونے لگتا تھا کہ دادی اسے گوشت پوست کی لڑکی نہیں بلکہ ایک مشین سمجھتی ہیں جب ہی تو وہ اس سے مشین کی طرح کام لیتی تھیں۔

بچپن سے ہی وہ یہ دیکھتی آرہی تھی کہ فیری کے ساتھ دادی کا رویہ بہت امتیازی ہوتا۔ بہت ناسمجھی کی عمر میں ہی اسے معلوم ہو گیا تھا کہ دادی اس سے راجر اور فیری جیسی محبت نہیں کرتیں، وہ اس کے حصے کا پیار بھی ان دونوں پر نچھاور کر دیتی تھیں۔ فیری کی پرورش انہوں نے پھولوں کی طرح کی تھی، اس کے ناز نخرے وہ آج بھی اٹھا رہی تھیں۔ اس کی کسی خواہش کو دادی ٹالا نہیں کرتی تھیں حالانکہ گزر اوقات کے لیے ان کے پاس بس ایک چھوٹی سی دکان تھی جہاں خشک خوراک، کچھ اناج اور ان مرغیوں کے انڈے فروخت ہوتے جو گھر کی پالتو تھیں اس کے علاوہ بھی ضرورت کی چھوٹی موٹی چیزیں...... دادی کی نظر فیری کے مقابلے میں نیلما کی ذرا بھی حیثیت کبھی نہ رہی تھی۔ بہت چھوٹی عمر میں دادی نے اس پر دکان اور گھر کے کاموں کی ذمہ داریاں ڈال دی تھیں اس کی ان تھک محنت کے باوجود دادی کبھی اس سے خوش نہیں ہوتی تھیں ذرا سی غلطی پر اسے سخت باتیں سننی پڑتیں۔ فیری کی غلطیوں اور شرارت

کی سزا بھی دادی اسے دیا کرتی تھیں' ان کا غصہ واحد ایک نیلما پر ہی اترتا تھا۔ وہ بچپن سے ہی صبر کرنے والی اور ڈری سہمی فطرت رکھتی تھی' وہ جانتی تھی کہ وہ دادی کے نزدیک اس گھر کی سب سے ناپسند اور ناکارہ شے ہے۔ جیسے جیسے وہ سمجھ دار ہوتی گئی اسے اپنے ساتھ دادی کے حقارت آمیز سلوک اور نفرت کی وجہ سمجھ آتی گئی تھی۔ دادی اپنے دونوں بیٹیوں کی بیویوں سے نفرت اور بے زاری رکھتی تھیں راجر سے ان کی بے تحاشہ محبت کی وجہ بقول دادا کے یہ تھی کہ وہ اپنی فرنگی ماں سے زیادہ اپنے باپ سے مشابہت رکھتا تھا۔ دوسرے بیٹے کی اولادوں میں صرف فیری اپنے باپ کی طرح خوب صورت تھی جبکہ نیلما کے نین نقش بالکل اپنی ماں جیسے تھے۔ ٹھنڈی سانولی سلونی شام کی طرح آنکھوں کو ٹھنڈا کردینے والے مگر دادی کی نظر میں یہ بڑی بے زارکن چیز تھی۔ غصے اور جھنجلاہٹ میں وہ اکثر اسے طعنہ دیا کرتی تھیں کہ عقل اور شکل دونوں طرح سے ہی تم اپنی ماں کی طرح بدصورت اور بھدی ہو۔

"تمہارا ذہنی توازن دن بدن بگڑتا جارہا ہے۔" دادی کی غصیلی آواز پر وہ سوچوں سے نکلتی بوکھلا اٹھی۔ یہ غنیمت ہوا کہ بروقت باہر انجن بند ہونے کی آواز گونجی تھی۔

"یہ وقت ہے اس لڑکی کے گھر آنے کا۔" دادی نے بڑبڑاتے ہوئے وال کلاک کی سمت دیکھا۔ پہلے رک کر نیلما نے کھڑکی سے دیکھا برف باری کی شدت میں کمی آچکی تھی' گھر کے احاطے کے سامنے رکی گاڑی دوبارہ اسٹارٹ ہورہی تھی جبکہ فیری تیزی سے گھر کے احاطے میں گھسی چلی آرہی تھی۔ دروازہ کھول کر نیلما نے اسے اندر آنے کا رستہ دیا جبکہ عجلت میں ہی اندر آتی فیری اپنے گرم کوٹ اور اونی ٹوپی سے برف جھاڑنے لگی تھی۔ فیری کے اپنی طرف پھینکے گئے کوٹ اور ٹوپی کو سنبھالتی نیلما نے دادی کو دیکھا تھا جن کی ناگوار نظریں فیری پر ہی تھیں۔ سرخ رنگ کے چست گاؤن میں فیری کا بے حد متناسب سراپا ٹھٹھر رہا تھا جب وہ آتش دان کے نزدیک آتی ہر طرف سے بے نیاز تھی۔

"کتنی بار تم سے کہا ہے کہ پڑھائی کرنے کے لیے اپنے سب دوستوں کو یہیں بلالیا کرو۔ اتنی رات تک ایسے خراب موسم میں کیا تمہارا گھر سے باہر رہنا ٹھیک ہے؟"

"جب آپ کو پتا ہے کہ موسم خراب ہوگیا ہے تو کیا طوفان میں نکل کھڑی ہوتی گھر جلدی پہنچنے کے لیے۔" فیری نے جھلا کر ان کی بات کاٹی۔ "اور اس گھر میں جگہ ہی کتنی ہے کہ میں اپنے سب دوستوں کو یہاں جمع کرکے اپنا مذاق بنواؤں ویسے بھی مجھے کسی صورت اپنا وقت ضائع نہیں کرنا۔ برف باری رکتے ہی میرا کالج کھل جائے گا۔"

"اچھا اچھا...... میں تو تمہاری فکر میں کہہ رہی تھی' غصہ تو تمہاری ناک پر دھرا رہتا ہے۔" فیری کے بگڑتے لہجے نے دادی کے لہجے کو کمزور کردیا تھا۔ "تم کیا کھڑی منہ تک رہی ہو' جاؤ جا کر کھانا گرم کرو۔" دادی کے حکم پر اس نے فرماں برداری سے عمل کرنا چاہا تھا کہ فیری کی آواز نے قدم روک لیے۔

"میں نے اپنے فرینڈز کے ساتھ ڈنر کرلیا تھا۔" اپنے سنہری بال جھٹکتی فیری نخوت سے بولی۔

"ٹھیک ہے پھر دودھ گرم کرکے لے آؤ۔ میں اور فیری کمرے میں جارہے ہیں۔" دہری ہوتی کمر کے ساتھ دادی اسے آج کے دن کا آخری حکم دے کر کرسی سے اٹھی تھیں۔

دکان کے حصے کے ساتھ ہی جڑی وہ چھوٹے سے کچن میں دودھ گرم کرنے آگئی تھی۔ دودھ اس گھر میں صرف اس کے لیے ہی ممنوع تھا' کھانے کے وقت اسے بار بار دادی ٹوک دیتی تھیں بقول ان کے نیلما کو کم غذا لینی چاہیے ورنہ اگر کھا کھا کر وہ بے ڈھب' بے ڈول ہوگئی تو کوئی شخص اس قصبے میں تو اسے قبول نہیں کرے گا۔ وہ یہ سب سننے کی عادی ہوچکی تھی' اسے بھی دادی کی پیشن گوئیوں سے خوف محسوس ہوتا تھا۔ فیری کی بات الگ تھی' اس کی دودھ جیسی رنگت' سنہری بال' حسین آنکھیں وہ کسی پری سے بھی زیادہ دلکش تھی۔ قصبے کے کتنے ہی لڑکے اس سے دوستی کے خواہش مند تھے ہائی اسکول پاس کرنے کے

بعد دادی نے نیلما کو آگے پڑھنے سے روک دیا تھا۔ احتجاج کی جرأت اس میں کبھی تھی نہیں مگر فیری پر ایسی کوئی پابندی نہیں تھی۔ نیلما جانتی تھی کہ اسکول کے دور میں بھی فیری ایک ساتھ کئی لڑکوں سے فلرٹ کرتی رہی تھی روز اس کے پاس نت نئے تحائف ہوتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ فیری اخلاقی حدوں کو توڑ کر بے راہ روی کی جانب بڑھ رہی تھی ایسا نہیں تھا کہ دادی اس کی سرگرمیوں سے انجان تھیں مگر فیری کی ہٹ دھرمی کے سامنے دادی ڈھیر ہوجایا کرتی تھیں۔

فیری اور دادی بیڈ پر گرم کمبل میں گہری نیند سو چکی تھیں' فرشی بستر پر کمبل میں منہ چھپائے نیلما کی آنکھوں سے نیند غائب تھی اب جبکہ صرف دو دن رہ گئے تھے راجر کے آنے میں تو یہ دو دن گزرے دو سال سے زیادہ طویل اور کٹھن لگ رہے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ راجر سے کلوز یا بے تکلف تھی۔ راجر کی دوستی تو فیری سے تھی' فیری تھی ہی ایسی کہ کوئی اس کو نظر انداز کر ہی نہیں سکتا تھا۔ نیلما کے لیے تو بس یہی کافی تھا کہ اتنے بے شمار دن رات بے دلی سے گزارنے کے بعد زندگی کی سب رونقیں راجر کے ساتھ واپس آرہی ہیں۔ اس کے بھرپور قہقہوں اور چھیڑ چھاڑ سے زندگی جاگ اٹھے گی ویسے تو راجر پہاڑوں کے دوسری طرف شہر میں اپنی ماں کے ساتھ مقیم تھا مگر قصبے میں اس کا آنا جانا رہتا تھا اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ راجر کو دادی اور اپنی دونوں کزنز کا بہت خیال رہتا تھا۔ نیلما کو اس کی یہ بات پسند تھی کہ سب کی طرح وہ اسے نظر انداز نہیں کرتا تھا بچپن میں بھی وہ ہر کھیل میں نیلما کو شامل رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اسے نیلما کا خاموش اور الگ تھلگ رہنا بالکل پسند نہیں تھا' دبے الفاظ میں وہ یہ بات نیلما کو بھی بتا چکا تھا کیونکہ نیلما کی کم گوئی اور سنجیدہ فطرت کے پیش نظر اسے نیلما سے بہت سنبھل کر بات کرنی پڑتی تھی۔ ایک بار جانے کیسے اس نے راجر سے سوال کرلیا تھا کہ اس کا نام راجر کیوں ہے؟

''تمہیں میرا نام پسند نہیں؟'' اس کی بھوری آنکھوں میں حیرانی پھیل گئی تھی۔

''نہیں' مجھے پسند ہے مگر یہ بہت عجیب نام ہے۔'' وہ جھجک کر بولی تھی۔

''میرا نام ممی نے صحرا کے ایک درویش کے نام پر رکھا تھا جو خدا کے برگزیدہ بندے تھے۔'' وہ فخر سے بتا رہا تھا حالانکہ نیلما جانتی تھی کہ درویش والی کوئی صفت اس میں نہیں' وہ اپنے افیئرز کے بارے میں بہت دلچسپی سے بات کرتا تھا مگر جب بھی بات کرتا اس کی آنکھیں مستقل نیلما کو اپنے چہرے کا طواف کرتی محسوس ہوتیں شاید وہ کوئی ردعمل یا اس کے تاثرات سے کچھ جاننا چاہتا تھا۔ وہ کچھ کیا ہوسکتا تھا؟ اس سوال سے نیلما کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہوتا تھا۔

❁......❁......❁

اگلے دن برف باری کا سلسلہ جاری تھا' کسی نہ کسی طرح وہ نشیبی علاقے کے بازار تک پہنچ گئی تھی کیونکہ موسم آنے والے وقت میں مزید خراب ہونے کا اندیشہ تھا جس کے باعث سب کو ہی گھروں میں قید ہوجانا تھا۔ برفانی ہواؤں اور طوفان کے تھمنے کے آثار نظر نہیں آرہے تھے زمینی راستے بند ہوچکے تھے اس کی دعائیں قبول نہیں ہوئی تھیں' دادی سے زیادہ وہ فکرمند تھی۔ آج اس کے آنے کا دن تھا' اداس آنکھوں سے وہ گرتی برف کو دیکھ رہی تھی۔ جانے کتنا وقت یونہی گزر گیا تھا کہ اچانک اس کی نگاہ آسمان کی طرف اٹھی تھی۔ حیرانی سے وہ اس ریسکیو ہیلی کاپٹر کو دیکھ رہی تھی جو آہستہ آہستہ نیچے آرہا تھا' منڈلاتے ہیلی کاپٹر کی تیز آواز بڑھتی جارہی تھی۔ دادی اور فیری گھبرا کر باہر نکل آئی تھیں' کھڑکی کے شیشے سے ناک ٹکائے وہ اس لمحے دنگ رہ گئی جب اس نے ہیلی کاپٹر کے کاک پٹ سے ہاتھ لہراتے شخص کو پہچانا تھا' فیری کی خوشی سے بھرپور چیخوں نے بھی اس کے سکتے کو نہیں توڑا تھا۔ اس لمحے وہ دھک سے رہ گئی تھی جب راجر کو بیگ کاندھے پر لادے کاک پٹ سے جمپ لگاتے دیکھا۔ دل اچھل کر حلق میں آرہا تھا جب اس نے راجر کو برف میں دھنستے قدموں کے

ساتھ گھر کی سمت آتے دیکھا تھا۔ وہ واقعی آچکا تھا' خود کو یقین دلاتے ہوئے اس کے وجود میں سرخوشی اور طمانیت کی لہریں دوڑنے لگی تھیں۔ دھڑکتے دل اور خوشی کو چھپانے کی کوشش میں کانپتی آواز میں بہت سنبھل کر اس نے راجر کو خوش آمدید کہا مگر اگلے ہی پل جو ہوا وہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

بہت گرم جوشی کے ساتھ راجر نے آگے بڑھ کر اسے بازوؤں میں بھر لیا تھا بس ایک دو پل کے لیے مگر نیلما کی سانس بالکل رک گئی تھی' چہرہ فق ہوگیا تھا۔ الگ ہوتے ہوئے راجر نے بس ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں جب دیکھا تو نیلما کو اس کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نظر نہیں آئی تھی۔ راجر فوراً ہی دوبارہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے پلٹ کر دادی اور فیری کی طرف متوجہ ہوا مگر نیلما اسی طرح اپنی جگہ ساکت و جامد گم صم کیفیت میں اسے تک رہی تھی۔ جو ہوا پلک جھپکتے ہی ہوا مگر نیلما پر وہ سب طاری ہوگیا تھا۔

راجر کی گرفت میں جو شدت اور خود میں جذب کر لینے والی کیفیت محسوس ہوئی تھی وہ دماغ ماؤف کر گئی تھی' اس قصبے میں کیا دنیا میں بھی کوئی ایسا نہ تھا جس نے اسے اپنے گلے سے لگایا ہو مگر آج راجر کے اس بھرپور لمس نے اس کی سانس کو روک دیا تھا۔ ایک لمحے میں جو کچھ اس نے راجر کی آنکھوں میں دیکھا اس سب کو سمجھنے کے قابل وہ نہیں تھی شاید اس سب کو سمجھنے کے لیے لفظوں میں بیان کرنے کے لیے یہ زندگی ناکافی تھی۔ تخیل حواسوں کے ساتھ وہ بس اس پل بدلتے رنگوں کے حامل شخص کو دیکھتی رہی تھی اس کے روشن چہرے کی مسکراہٹ پہلے سے زیادہ دلکش تھی' پتلے ہونٹوں سے جھانکتے سفید موتیوں جیسے دمکتے دانتوں کی جھلک اس کی ہنسی کو دل فریب بنا رہی تھی' وہ مسلسل بول رہا تھا ساتھ اس کی چمکتی آنکھیں بھی بول رہی تھیں۔ اس کے بکھرے بکھرے بھورے بال اس کی وجاہت کو بڑھا رہے تھے۔ وہ دوبارہ نیلما کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا جو اس سے زیادہ اپنے آپ سے خوف زدہ ہو چکی تھی۔

دادی اور فیری کی بات الگ تھی' دادی سے وہ دن میں دس بار گلے ملتا تھا ان کو تنگ کرنے یا محبت کے اظہار کے لیے' فیری سے چھیڑ چھاڑ یا ہاتھا پائی کا وہ عادی تھا مگر نیلما کے لیے وہ بہت ریزرو تھا شاید کسی درد یا نئے روگ کا نزول ہونے والا تھا۔

❀......❀......❀

ڈنر کے دوران وہ ان تینوں کے درمیان ایک خاموش سامع تھی۔

"مجھے تو اب تک یقین نہیں آ رہا کہ تم میرے سامنے ہو' اب بھی اتنے دن کے لیے اپنی دادی سے دور مت جانا۔" محبت پاش نظروں سے دادی نے اسے دیکھا۔

"آپ حکم کریں اور میں اس کے خلاف جاؤں' ایسا ممکن نہیں دادی! بے فکر رہیں نہیں جاتا اب کہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"پتا ہے فیری بہت اداس رہنے لگی تھی تمہارے جانے کے بعد' آج تو یہ شدت سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔" دادی اور جانے کیا بول رہی تھیں مگر نیلما حیرت سے دوچار تھی ان کی غلط بیانی پر۔ سچ تو یہ تھا کہ اسے راجر کے آنے کی ذرا بھی پروا نہیں تھی' کل رات جب دادی نے اسے تاکید کی تھی کہ راجر کی موجودگی میں وہ اپنے دوستوں سے قطع تعلق کر لے یہ سن کر ہی فیری بہت برہم ہوئی تھی' غصے میں اس نے راجر کو بھی خوب برا بھلا کہا تھا۔

"دادی! اس فیری چڑیل کو تو میں پہچان ہی نہیں سکا تھا' دو سال میں تو یہ بلا مرمٹ جانے کی حد تک حسین ہو چکی ہے۔" راجر کے تعریف کرنے پر فیری ایک ادا سے ہنسی۔

"تبدیلیاں تو ہو ہی جاتی ہیں دو سال کے عرصے میں۔ اب اگر میں مزید حسین ہو کر تمہیں مر مٹنے پر مجبور کر گئی ہوں تو پھر بھی قصور میرا نہیں۔" فیری چہکی۔

"ویسے اب تو تم بھی خاصے ہینڈسم ہو گئے ہو' پہلے تو بس عجیب سے ہی تھے۔" فیری کے شرارتی انداز پر وہ

بڑے دلکش انداز میں ہنسا۔ نیلما کی نظر اس کے چہرے پر ٹھہر نہ سکی تھی دھڑکن رک سی گئی تھی۔

"بلیک روز! تمہاری خاموشی تو پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔" راجر کے یک دم مخاطب کرنے پر وہ بوکھلائی۔

"ویسے اتنے طویل وقفے کے بعد تو میں اپنی اس بلیک بیوٹی کو بھی نہیں پہچان سکا تھا جانے یہ اتنی لمبی کیسے ہوگئی۔ چھوٹی سی ہوا کرتی تھی یہ تو۔" راجر شرارت سے اسے دیکھتا دادی کو بتا رہا تھا جبکہ نیلما کا چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔ ایک انجانی سی مسرت اور حیا کے تحت کہ وہ اس کو نظر انداز کرکے بھی اس سے بالکل انجان نہیں تھا۔

"نیلما! تم سے کہا بھی تھا کہ کھانے کے ساتھ سوپ بھی رکھنا مگر جانے تمہارا دھیان کہاں رہتا ہے۔" یک دم دادی کے بگڑنے پر نیلما کا رنگ اڑا تھا۔ "بے وقوف لڑکی! جاؤ اب پھر سوپ گرم کرکے لاؤ راجر کے لیے۔" دادی کے جھڑکنے پر وہ اترے چہرے کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھی۔ نگاہ بس ایک لمحے کو راجر کی جانب گئی تھی جو سنجیدہ تاثرات چہرے پر سجائے عجیب جانچتی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

باہر برفانی ہواؤں کے جھکڑ زور پکڑتے جارہے تھے ہڈیوں کو کڑکڑا دینے والی سردی کی بدولت دادی، راجر اور فیری آتش دان کے قریب ہی بیٹھے تھے جبکہ ان سب سے الگ وہ صوفے پر گرم چادر میں دبکی بیٹھی تھی نہیں چاہتی تھی کہ دادی کی نظروں کے سامنے رہے اور وہ اس کی کسی جنبش کو ہی بہانہ بنا کر راجر کے سامنے پھر بے عزت کرکے زمین میں اتر جانے پر مجبور کردیں۔ فیری یقیناً دادی اور راجر کی باتوں سے اکتا گئی تھی اس لیے سونے کا اعلان کرتی کمرے میں چلی گئی تھی۔ نیلما کو بس اتنا ہی یاد رہا پھر وہ کب صوفے کے بازو سے سر ٹکائے نیند میں ڈوب گئی، اسے خبر نہ ہوئی۔ سارا دن کاموں میں اس طرح وہ غرق رہتی کہ رات تک تھک کر نڈھال ہوجاتی تھی اور پھر دوسرے دن منہ اندھیرے ہی اس کو بستر سے نکلنا پڑتا۔

گہری نیند میں اسے دور کہیں سے اپنے نام کی پکار سنائی دے رہی تھی۔ اپنے رخسار پر سرد انگلیوں کا لمس بھی محسوس ہونے لگا تھا جیسے کوئی رخسار کو سہلا رہا ہو خمار آلود آنکھیں کھولتے ہوئے اسے خود پر راجر کا چہرہ جھکا نظر آیا تھا اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر بھی راجر نے فوراً اپنا ہاتھ اس کے رخسار سے نہیں ہٹایا۔

"مجھے تمہارے یہاں سونے پر کوئی اعتراض نہیں مگر میں نہیں چاہتا کہ اتنی جلدی تم دارِ فانی سے کوچ کرجاؤ۔" اس کے سنجیدہ لہجے اور گہری نظروں پر ایک پل کو تو اسے کچھ سمجھ نہیں آیا مگر اگلے ہی پل وہ سرعت سے اٹھی۔

"پتا ہی نہیں چلا کب نیند آگئی۔" خجالت سے شال ٹھیک کرتی وہ جانے کے لیے اٹھی۔

"تمہاری یہی بات تو منفرد ہے کہ تمہیں کسی چیز کا پتا ہی نہیں چلتا۔" راجر کے سپاٹ لہجے پر وہ یک دم رکی۔

"ایک پتھر سے بنی بے جان مورتی کی طرح جس پر کوڑے برساؤ یا جذبات کے پھول نچھاور کرو۔ کچھ فرق نہیں پڑتا' بے حس' جذبات سے عاری۔" اس کا یخ بستہ لہجے نیلما کی رگوں میں لہو منجمد کرگیا۔

"تم آج بھی اسی قدر احمق ہو جتنا کہ ہمیشہ سے تھیں' کچھ نہیں ہوسکتا تمہارا۔" اس کے سرد لہجے اور سپاٹ نظروں نے نیلما کے چہرے کا رنگ بدل دیا تھا۔

"شب بخیر۔" اس کی جانب دیکھے بغیر کمزور لہجے میں بولتی وہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ کمبل میں منہ چھپاتے ہی اس کی آنکھوں سے جھل جھل آنسو بہہ نکلے تھے بستر میں جیسے کانٹے اگ آئے تھے۔ راجر کے لفظوں نے اسے اذیت پہنچائی تھی مگر وہ جانتی تھی کہ یہ سچ ہی تو تھا ایک بے جان' بے حس' جذبات سے عاری مخلوق ہی تو تھی وہ جس کی زندگی کا کوئی مقصد' کوئی مصرف نہیں تھا۔ اس دنیا میں وہ ایک بے کار اور بدترین ناکارہ شے ہی تو تھی' اپنے بارے میں تلخ حقیقت اس شخص کی زبان سے سننا جو دل کے بہت ہی زیادہ نزدیک ہو۔ جان لیوا حد تک اذیت ناک ہوتا ہے' اسے اس اذیت سے گزرنا تھا اور وہ گزر رہی تھی۔

❀......❀......❀

برف باری جانے کتنے وقت کے لیے رکی تھی مگر اسی موقع کو غنیمت جان کر راجر اپنے کسی دوست سے ملنے چلا گیا' اس کی غیر موجودگی میں دادی کو بھی فیری سے بات کرنے کا موقع مل گیا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ راجر کی موجودگی میں ذرا سنبھل کر رہو' تمہارے دوست نہ دن دیکھتے ہیں نہ رات راجر کو یہ سب برا لگے گا۔ وہ سب لڑکے لڑکیاں شتر بے مہار اور بے لگام ہیں۔" نیلما کو دادی کی غصیلی آواز سنائی دی۔

"میرا دوست اپنی برتھ ڈے پارٹی میں مجھے اور راجر کو خصوصی طور پر انوائٹ کرنے آیا تھا' آپ نے یہ نہیں دیکھا کہ یہ راجر کتنے خشک طریقے سے ملا ان سب سے۔" فیری چیخی۔

"راجر کو تمہارے دوست پسند نہیں آئے' تم جانتی ہو کہ وہ اس حد تک آزاد خیال نہیں جس حد تک تم ہو چکی ہو۔ تمہیں راجر کو خوش رکھنا ہوگا کیونکہ اس سے زیادہ اچھا جیون ساتھی تمہیں کہیں نہیں ملے گا۔"

"آپ اور آپ کی دقیانوسی نصیحتیں...... مجھے کسی تنگ نظر شوہر کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا۔ راجر کو میرے جیسا بننا پڑے گا مجھے حاصل کرنے کے لیے۔" فیری شاید بات ختم کرکے کمرے میں گھس گئی تھی کیونکہ باہر اب خاموشی کا راج تھا کچھ وقت گزرنے کے بعد اس نے دادی کو بوجھل قدموں سے دکان والے حصے میں آتے دیکھا۔ کام کرتی وہ خاموشی سے دادی کو کرسی پر گم صم بیٹھا دیکھتی رہی تھی' وہ جانتی تھی کہ فیری کی طرف سے دادی پریشان اور دل برداشتہ ہیں۔

"اسے لگتا ہے کہ نت نئے لڑکوں سے میل جول رکھنا' ان سے اپنی تعریف سننا' گھومنا پھرنا...... بس یہی زندگی ہے۔ یہ لڑکی میری محنت تباہ کر رہی ہے۔" دادی کی بڑبڑاہٹ اسے صاف سنائی دی تھی' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے دادی کو اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھا۔

"تمہارا گزارا تو کسی کے بھی ساتھ ہو جائے گا مگر فیری کے لیے صرف راجر مناسب ہے۔" ان کے لہجے میں چھپی سفاکی نے کوئی کڑوی چیز نیلما کے حلق میں اتاری تھی' ان کی چبھتی نظروں نے اس کی آنکھوں میں مرچیں بھر دی تھیں۔ وہ ان پر چیخنا چاہتی تھی کہ وہ کوئی پالتو بے زبان جانور نہیں جسے وہ کسی کی بھی جھولی میں پھینک دیں گی بقیہ زندگی گزارنے کے لیے مگر ہر بار کی طرح وہ اُف تک نہ کر سکی تھی۔

❀......❀......❀

اس وقت وہ کچن میں پلیٹیں خشک کر رہی تھی جب فیری اپنے حسن بلاخیز کی نوک پلک سنوار کے آدھمکی تھی۔

"سنو کل تک میرے سارے کپڑے واش کر دو' تمہیں نظر نہیں آیا میلے کپڑوں کا انبار؟" اس سے پہلے کہ فیری مزید برہم ہوتی راجر وہاں چلا آیا۔ نیلما سر جھکائے بقیہ پلیٹیں خشک کرنے لگی تھی۔

"تم تیار ہو تو چلیں۔" فیری نے لہک کر اس کا بازو تھاما۔

"میرے خدا! تم تو قیامت لگ رہی ہو' میرے تو ہوش اڑ رہے ہیں۔" وہ فیری کی سنہری تراشیدہ زلفوں کو چھیڑتا بولا جبکہ پلیٹ نیلما کے ہاتھ میں لرز اٹھی تھی۔ "سچ کہتا ہوں تمہاری حسین آنکھوں کا شکار ہو چکا ہوں' میرا علاج اب کسی طبیب کے پاس نہیں سوائے تمہارے۔" رجر کا وارفتہ لہجہ نیلما کو سُن کرتا جارہا تھا' فیری کی کھلکھلاہٹ نے اس کے رخسار سلگا دیئے تھے۔

"اچھا اب اپنے جذبات کو سنبھالو اور جلدی چلو پارٹی میں میرے سب فرینڈز ہمارے منتظر ہوں گے۔" لہک کر بولتی فیری نے اسے اپنے ساتھ کھینچ لیا جبکہ راجر نے بس ایک سرد نگاہ اس پر ڈالی جو کسی مشین کی طرح برتن صاف کرتی جیسے وہاں موجود ہی نہیں تھی۔

❀......❀......❀

خلاف توقع پارٹی سے ان دونوں کی واپسی جلدی ہوگئی تھی راجر کافی بےزار اور خاموش سا تھا جبکہ فیری کا موڈ

اور تیور دونوں ہی بگڑے ہوئے تھے۔ گھر آنے کے بعد ان دونوں کی آپس میں بھی کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ فیری تو آتی ہی کمرے میں چلی گئی تھی' دادی کو بھی صورت حال کی سنگینی کا احساس تھا اسی لیے انہوں نے راجر سے بھی کوئی سوال نہیں کیا۔

اگلے دن ان دونوں کی آپس میں سرد مہری اور کھنچے کھنچے انداز کو بخوبی محسوس کیا جاسکتا تھا۔ دادی کی تشویش بڑھنے لگی تھی' آنے والے کچھ دنوں میں فیری کا معمول دوبارہ پہلے جیسا ہونے لگا' وہ روز ہی گھر سے غائب رہنے لگی تھی۔ اس کی رات گئے واپسی نے راجر کو برہم کیا تھا مگر فیری سے کوئی باز پرس کرنے کے بجائے اس نے دادی سے ہی سوال کیا۔ جانے کتنے بہانے بنا کر جہاں دادی راجر کو مطمئن کرتی رہیں وہیں انہوں نے فیری کو بھی سمجھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ ایک ہر معاملے سے لاتعلق تھی تو صرف نیلما ہی تھی' وہ جانتی تھی کہ فیری زیادہ دن تک راجر کی سرد مہری برداشت نہیں کرسکے گی۔ ایک خوبرو مرد جو اس کی تعریفوں میں زمین آسمان کی قلابیں ملا دیتا ہے اس کے اردگرد جو پروانے کی طرح منڈلاتا رہتا ہے اب وہی اسے نظر انداز کرے یہ اس کی انا' پندار کو کیسے گوارہ ہوسکتا ہے بہر حال ابھی تو تناؤ قائم تھا۔ کچن میں وہ سب کے لیے کافی بنا رہی تھی جب اچانک راجر بھی چلا آیا۔

"لگتا ہے فیری مجھ سے بے زار ہوگئی ہے نیلما! کیا میرے آنے سے پہلے بھی اس کا زیادہ وقت گھر سے باہر گزرتا تھا؟"

"یہ سوال تمہیں دادی سے کرنا چاہیے یا پھر فیری سے۔" وہ بولی۔

"کیوں' تم سے کیوں نہ کروں؟ تم اس گھر میں گونگی' بہری بن کر بے شک رہتی ہو مگر وہ تمہاری بہن ہے۔" راجر کے لہجے میں ناگواری تھی۔ "مجھے اس کے دوست ذرا پسند نہیں جو اس کے حسن کے پرستار ہیں' ایسی آر پار ہونے والی نظروں سے اسے دیکھتے ہیں کہ......" اس کے بات ادھوری چھوڑنے پر نیلما بس سپاٹ نظروں سے اس کے سرخ چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ "اس کی بہن ہونے کی حیثیت سے تمہیں اس کو سمجھانا چاہیے کہ وہ بازار میں رکھا شوپیس نہیں' جس راستے پر وہ جارہی ہے وہ سراسر غلط ہے۔ مجھے تو پارٹی میں اس کے طور طریقوں نے دنگ کردیا تھا۔"

"حیثیت کی بات مجھ سے مت کرو' نہ وہ میری بہن ہے نہ میرا اس سے کوئی تعلق ہے نفرت کا بھی نہیں۔" اس کے سرد لہجے نے راجر کو حیران نہیں کیا تھا۔

"ہاں' میں بھول گیا تھا کہ تم تو ایک بے حس لڑکی ہو جس پر کسی تعلق کا اثر ہوسکتا ہے نہ کسی جذبے کا۔" چبھتی نگاہوں سے اس کو دیکھتے ہوئے وہ کاٹ دار لہجے میں بولا۔ نیلما نے جیسے سنا ہی نہیں تھا' کافی کا مگ راجر کی طرف بڑھاتی وہ بس سرد نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ راجر نہیں جانتا تھا کہ اچانک اسے کیا ہوا' نیلما کی خاموشی اور بے حسی نے اس کا دماغ گھما دیا۔ ایک جھٹکے سے اس نے نیلما کا ہاتھ ہٹایا' کافی کا مگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گرا' بکھرے کانچ کے ٹکڑوں پر ایک نظر ڈال کر وہ دادی نہ صرف متوجہ ہوئی جو یقیناً کچھ ٹوٹنے کی آواز پر اس جانب آتی غیض و غضب میں تھیں۔ راجر اس لمحے میں بک دبک رہ گیا جب دادی نے کوئی سوال کیے بغیر ایک تھپڑ نیلما کے چہرے پر دے مارا۔

"آج صبح سے یہ تیسرا برتن ہے جو تم نے توڑا ہے' کام چور' آلسی...... تنگ آگئی ہوں میں تم سے...... اپنی ماں کے ساتھ ہی قبر میں اتر جاتی تو اچھا تھا۔" دادی بولنے پر آئیں تو بولتی چلی گئیں' انہوں نے راجر کی موجودگی کا بھی لحاظ نہ رکھا جو اپنے آپ کو مجرم سمجھتا چپ چاپ نیلما کے بے تاثر چہرے کو دیکھتا رہا تھا۔ لب سیے نظر جھکائے وہ دادی کی ہر بات سنتی رہی یہاں تک کہ دادی خود ہی تھک کر بڑبڑاتی واپس چلی گئی۔

"تم نے دادی کو بتایا کیوں نہیں کہ یہ مگ میری وجہ سے ٹوٹا ہے؟" راجر کے سوال کو اس نے سنا ہی نہیں' خاموشی سے وہ کانچ کے ٹکڑے سمیٹنے بیٹھ گئی مگر

اس سے انجان نہیں رہ سکی تھی جو قریب ہی پنجوں کے بل بیٹھ گیا تھا۔

"دادی نے ٹھیک ہی تو کہا' آلسی تو تم ہو' اپنے گرد موجود خاموشی اور بے حسی کے خول کو توڑنے کی کوشش بھی نہیں کرتی۔" راجر کے سنجیدہ لہجے پر وہ اس وقت بھی سپاٹ نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی تھی جب راجر نے دھیرے سے اس کے دکھتے رخسار کے گرد ہاتھ رکھا تھا۔

"میں جانتا ہوں اس ماحول نے تمہاری شخصیت کو بگاڑ دیا ہے مگر تم اس سے نکل سکتی ہو۔ جانتا ہوں تم کسی پر بھروسہ نہیں کرسکتیں مگر بس ایک بار مجھ پر بھروسہ کرکے دیکھو مایوس نہیں کروں گا۔" اس کے مدھم لہجے میں جانے کیا کچھ تھا اس کی گہری آنکھوں میں نیلما کو آج پھر آنچ دیتے کچھ جذبے دکھائی دے رہے تھے وہ جا چکا تھا مگر اسے اپنی خوش بو کے حصار میں ساکت کر گیا تھا۔

❀......❀......❀

"آپ کو گھر کی کچھ ذمہ داریاں فیری کے سپرد بھی کرنی چاہئیں دادی! گھر کے ہی نہیں باہر کے کاموں کی ذمہ داری بھی نیلما پر ہے۔ دو سال پہلے جو ملازم ہوا کرتا تھا باہر کے کاموں کے لیے پتا نہیں کیوں آپ نے اسے فارغ کردیا اور نیلما کو آگے پڑھنے سے روک دیا ورنہ میں جانتا ہوں نیلما شروع سے ہی پڑھنے میں ذہین رہی ہے۔ اسے بھی اپنی زندگی کو اپنے طریقے سے گزارنے کا وقت ملنا چاہیے۔ اپنی اسکول فیلوز اور فرینڈز سے ملنے کا اسے بھی حق ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتا ایک ہی چھت کے نیچے آپ کی سرپرستی میں رہتے ہوئے فیری اور نیلما کی زندگی' شخصیات' مصروفیات یہاں تک کہ طور طریقوں میں بھی زمین آسمان کا فرق کیوں ہے؟" اس رات اچانک کھانے کے دوران راجر نے جب یہ بات شروع کی تو فیری اور دادی ہک دک رہ گئی تھیں جبکہ سن ہوتی نیلما کسی جانب دیکھ نہیں سکی تھی اس کے بعد راجر نے کیا کچھ اس کی فیور میں کہا جواباً دادی نے کیا کچھ کہہ کر اپنا دفاع کیا۔ نیلما نے غور سے سننے کی کوشش نہیں کی وہ تو بس یہ سوچ رہی تھی کہ اب اس سب کا عتاب کس وقت اس پر اترے گا البتہ اسے یہ یقین تھا کہ دادی کا غصہ کم از کم راجر کے سامنے اس پر نہیں اترے گا۔

رات کے مہیب سناٹے میں کمبل میں ٹھنڈ سے سکڑتا اس کا وجود آج تھکن کے باوجود نڈھال نہیں تھا۔ خوش کن احساس اس کے لیے بہت عجیب بھی تھا کیونکہ پہلی بار کسی نے دادی کے سامنے اس کے لیے اپنائیت اور فکر کے جذبات کا اظہار کیا تھا پہلی بار اسے اپنا آپ بے قیمت اور ہلکا نہیں لگا تھا۔ وہ دل ہی دل میں راجر کی شکر گزار تھی' راجر کا اپنے لیے وقتی طور پر حساس ہونا بھی اس کے نزدیک بہت تھا۔ دوسرے دن برف باری کا سلسلہ رکا تو دھوپ کی ہلکی ہلکی کرنوں میں ہر طرف پھیلی برف چمک رہی تھی بہت دنوں بعد اتنی خوب صورت صبح کی آمد ہوئی تھی۔

معمول کی طرح وہ اپنے کاموں میں لگ گئی تھی' باہر جاتے ہوئے راجر اسے کہہ گیا تھا کہ وہ برف پر چلنے والی مخصوص موٹر گاڑی ساتھ لے کر آئے گا تاکہ نشیبی علاقے تک وہ آسانی اور جلد پہنچ سکیں۔ نیلما کو یہ سہولت کسی نعمت سے کم نہیں لگی تھی کیونکہ گھٹنوں تک برف میں دھنستے پیروں کے ساتھ چلنا ایک عذاب ہی تھا جسے وہ کئی بار سہہ چکی تھی۔ شانوں سے ٹخنوں تک سفید لبادے میں' سفید ہی گرم کوٹ پہنے وہ اونی اسکارف سر پر پہن رہی تھی جب کمرے میں دادی کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی اس کا دل سہما۔ موٹے عدسوں کے پیچھے سے ان کی تیز آنکھوں سے نکلتی چنگاریاں نیلما کو بھسم کرنے کے لیے کافی تھیں۔

"ایک بات یاد رکھنا میری' اپنی بہن کے حق پر ہاتھ مارنے کی غلطی سے کوشش بھی نہ کرنا۔" ان کے تند و تیز لہجے پر نیلما نے خاموشی سے اپنے دستانے پہننے شروع کردیئے تھے۔

"تم تنہا ہی جا رہی ہو' راجر کے ساتھ موٹر گاڑی پر میں نے فیری کو بھیج دیا ہے اس کے پیٹ میں شدید درد اٹھا تھا اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا از حد ضروری تھا۔" دادی

کی اطلاع پر دستانے ٹھیک کرتے اس کے ہاتھ ساکت ہوئے تھے۔

''اب جاؤ جلدی' وقت برباد نہ کرو۔'' ان کے جھڑکنے والے انداز پر وہ چپ چاپ ان کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔

❀......❀......❀
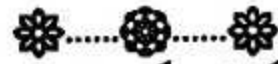
رات معمول کی طرح رگوں میں لہو جما دینے والی تھی مگر کھڑکی سے باہر کا منظر مبہوت کر دینے والا تھا۔ کھلے آسمان پر بے تحاشہ جگمگاتے ستاروں کے درمیان چاند اپنی آب و تاب پر تھا' پراسرار گہری خاموشی میں ہر سمت پھیلی برف چاندی کی طرح چمک رہی تھی۔ دور دودھیا چاندنی میں گھرا عظیم الشان پہاڑ آج پھر اپنی بانہیں کھولے اسے اپنی جانب بلا رہا تھا۔ محویت میں اسے پتا ہی نہ چلا کہ راجر کس لمحے وہاں آ گیا تھا' کچھ حیرت سے اس کی محویت کو دیکھتا وہ اس کے چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا سکا تھا۔ چاند کی فسوں خیز ٹھنڈی مدھم روشنی میں اس کی سانولی جلد کے ساتھ لاتعداد ننھے ستارے ٹمٹماتے اس کے چہرے کو عجیب روشنی بخش رہے تھے اس کی سیاہ آنکھوں کی پتلیاں کچھ اور زیادہ سیاہ نظر آ رہی تھیں۔

آج پہلی بار اس کی اداس بجھی بجھی رہنے والی آنکھوں میں راجر کو جگنو سے روشن دکھائی دے رہے تھے۔ گہری سانس بھر کر اس نے نیلما کی نگاہوں کے تعاقب میں فلک سے ملتے پہاڑ کو دیکھا تھا۔ یک دم اسے شرارت سوجھی تھی جبکہ اس کی پھونک نیلما کی ساکت پتلیوں سے ٹکرا کر جھرجھری لینے پر مجبور کرتی محویت کو توڑ گئی تھی۔

''تم میری واپسی کا انتظار کر سکتی تھیں نیلما!'' وہ کچھ شکایت آمیز لہجے میں بولا۔

''ضرور انتظار کرتی اگر مجھے انتظار کرنے دیا جاتا۔'' نیلما کے مدھم لہجے پر وہ چونکا اور پھر تاسف سے سر ہلاتے ہوئے باہر کے منظر کو دیکھنے لگا۔

''جانتی ہو تمہارے اندر ایک تبدیلی ایسی آئی ہے جو مجھے بالکل پسند نہیں آئی۔ تم نے اب مجھے اس نام سے مخاطب کرنا چھوڑ دیا ہے' جس نام سے صرف تم ہی مجھے مخاطب کیا کرتی تھیں......''

''درویش......'' وہ درمیان میں بولتی اسے چپ ہونے پر مجبور کر گئی۔

''اچھا لگا مجھے۔'' گہری مسکراتی نظروں سے راجر نے اس کو نظر چراتے دیکھا۔ تب ہی عقب سے ابھرتی پکار پر وہ فیری کی طرف متوجہ ہو گیا' اگلے چند لمحوں میں نیلما نے دیکھا فیری راجر کا بازو تھامے باہر جا رہی تھی کھڑکی میں ساکت وہ سپاٹ نظروں سے ان دونوں کو برف پر چہل قدمی کے انداز میں دور جاتا دیکھ رہی تھی۔

دادی کے سمجھانے بجھانے کا ہی اثر تھا کہ فیری نے اپنے اور راجر کے درمیان حائل سرد مہری کو ختم کرنے میں پہل کی تھی۔ نیلما جانتی تھی کہ اگر فیری نے قدم راجر کی طرف بڑھایا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ اس کی موجودگی کو نظر انداز کر کے راجر' نیلما کی طرف راغب ہو۔ خالی نظروں سے وہ اب بھی ان دونوں کو دیکھ رہی تھی جو ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے واپس گھر کی سمت آتے دکھائی دے رہے تھے۔ کوئی چیز نیلما کو اپنے بے جان ہوتے پیروں کے نیچے سے سرکتی محسوس ہوئی اگلے ہی پل وہ خالی دل و دماغ کے ساتھ کھڑکی سے ہٹ گئی تھی۔

❀......❀......❀

گھر کے پچھلے حصے میں وہ لالٹین اٹھائے پہنچی تھی' مرغیوں کو قیامت خیز ٹھنڈ سے محفوظ رکھنے کے لیے معمول کی طرح اس نے آگ جلا کر بہت سارے کوئلے سلگائے تھے۔ دانہ پانی فراہم کیا اور پھر لکڑی کا بھاری دروازہ بند کرتی باہر نکل آئی تھی۔ برف باری نے آج کی رات کو کچھ زیادہ ہی فسوں خیز بنا دیا تھا' لالٹین گھر کے احاطے کے قریب رکھ کر وہ جانے کیوں چند قدم آگے بڑھتی چلی گئی تھی حالانکہ گرم لباس میں گھستی کاٹ دار ٹھنڈ اور تھکن زدہ وجود کو گرم بستر کی ضرورت تھی مگر اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ساری رات یہاں کھڑی رہے اور

تہہ در تہہ برف تلے اس کا وجود دفن ہو کر ساری دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ چند لمحوں تک وہ اپنے محبوب پہاڑ دیوتا کو دیکھتی رہی جو کبھی اس کو مرعوب کرتا اور کبھی اپنی طرف راغب کرتا تھا۔ خاموشی کی سرسراہٹوں کو سنتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر کے چہرہ آسمان کی سمت اٹھایا۔ پھولوں کی طرح برف اس پر برستی رہی آج پھر دھڑکتا دل بین کرتا اسے اپنے ہونے کی دہائی دے رہا تھا۔ کیا زندگی یونہی گزر جائے گی' کسی خواب آرزو سے کسی دشت غم تلک......؟

یک دم اپنے شانے پر ہاتھ کا لمس محسوس کرتی وہ چونک کر پلٹی...... مگر پھر ساکت ہو کر اس کی حیران سوالیہ نظروں میں دیکھتی چلی گئی تھی۔ بناء پلک جھپکے' بناء سانس لیے......

گہری بھوری آنکھوں والا اک شہزادہ
دور دیس سے
چمکیلے مشکی گھوڑے پر ہوا سے
باتیں کرتا
جگر جگر کرتی تلوار سے جنگل کاٹتا
دروازے سے لپٹی بیلیں پرے ہٹاتا
جنگل کی بانہوں میں جکڑے
محل کے ہاتھ چھڑاتا
جب اندر آیا تو دیکھا
شہزادی کے جسم کی ساری سوئیاں
زنگ آلودہ تھیں
رستہ دیکھنے والی آنکھیں
سارے شکوے بھول چکی تھیں

ضبط کرنا ناممکن ہو گیا تھا' دونوں ہاتھ سختی سے منہ پر جمانے کے باوجود وہ اپنی سسکیوں کا گلا نہیں گھونٹ سکی تھی۔

"یاد آ گیا تمہیں کہ تم ایک جیتی جاگتی انسان ہو' جسے درد ہوتا ہے' تکلیف ہوتی ہے۔" سختی سے اسے شانوں سے تھامتا وہ درشت اور بلند آواز میں بولا۔ "افسوس ہے ایسی زندگی پر جس میں حالات کو بدلنے کی جرأت کرنے کے بجائے صبر کر کر کے خود کو قبر میں اتار لیا جائے۔" راجر کا لہجہ بپھرا ہوا تھا چہرہ ہاتھوں میں چھپائے گھٹ گھٹ کر روتی وہ اسے خاموش کرا گئی تھی۔

بیک وقت راجر کو اس پر غصہ اور رحم بھی آیا تھا۔ گہری سانس لے کر اپنے اعصاب کو پرسکون رکھ کر اس نے نیلما کے روتے سسکتے وجود کو اپنے مضبوط حصار میں لے لیا تھا۔ جانتا تھا کہ وہ تھک چکی ہے' اسے سہارے کی ضرورت ہے۔ یہ سچ تھا کہ وہ نیلما پر طاری سکوت کو توڑنا چاہتا تھا' آج اچانک اسے ٹوٹتا بکھرتا دیکھنا کوئی خوش کن چیز نہ تھی مگر کہیں نہ کہیں وہ مطمئن ہوا تھا کہ آگ ابھی سرد نہیں ہوئی ہے۔ راکھ میں چنگاریاں کچھ باقی ہیں جن کو ہوا دینے کی ضرورت ہے۔

"زندگی کسی کے لیے آسان نہیں ہے نیلما! جن کے لیے آسان ہے وہ بھی پر یقین نہیں ہو سکتے کہ آگے بھی زندگی ان کے لیے دشواریوں سے ماورا ہوگی۔ حالات اور وقت کسی کے تابع نہیں ہوتے مگر ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تدابیر اختیار کرنی پڑتی ہیں تمہیں یاد ہو تو پہلے بھی بہت بار میں تمہیں یہ سمجھانے کی کوشش کر چکا ہوں کہ کسی کو یہ اجازت مت دو کہ وہ تم پر حکومت کرے اور تم سے نفرت کرے جو غلط ہے اسے غلط کہو جو سچ ہے اسے زبان پر لانے سے نہ ڈرو' دل کو مت مارو۔ دماغ جو کہتا ہے سنو' اپنے فیصلے خود کرو' یہ سب زندہ ہونے کی نشانیاں ہیں اور میں تمہیں زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس کے گہرے لہجے پر نیلما نے بس اسے دیکھا تھا۔

❀......❀......❀

وقتاً فوقتاً کہیں دور سے آتی بھیڑیوں کی کریہہ آوازوں کو سنتے ہوئے یک دم اسے کمرے میں آہٹ سی محسوس ہوئی تھی۔ دھیرے سے کمبل آنکھوں سے ہٹاتی وہ دھک سے رہ گئی تھی' اس نے دبے قدموں چوروں کی طرح فیری کو کمرے سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ راجر کی موجودگی میں بھی فیری اپنی سرگرمیوں سے

باز نہیں آئے گی صرف راجر کی وجہ سے وہ پہلی بار فیری کو روکنے کی جرأت کرنا چاہتی تھی بس چند لمحے لگے تھے اسے فیصلہ کرنے میں۔ آتش دان کے سامنے سلیپنگ بیگ میں اسے راجر سویا ہوا نظر آیا تھا۔ حتی المقدور اس نے بے آواز دروازہ کھولا تھا۔ اسے پتا تھا فیری دکان والے حصے کی کھڑکی سے باہر نکلی ہے سیاہ شال میں لپٹی وہ ٹھٹھرا دینے والی سردی میں باہر نکل آئی تھی۔ چند گھنٹوں پہلے برف باری رکی تھی آسمان صاف تھا۔ گھٹتے چاند کی روشنی میں اس کے اردگرد کوئی ذی روح دکھائی نہیں دے رہا تھا اس کے پیر برف میں دھنسے جا رہے تھے مگر وہ پھر بھی تیزی سے گھر کے عقبی حصے کی جانب بڑھ رہی تھی۔ ساتھ ہی وہ بلند آواز میں فیری کو پکارتی اس کمرے کے دروازے تک پہنچ گئی جو مرغیوں کی افزائش کے لیے مختص تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھاتی' کوئی دروازہ کھول کر بدحواسی میں نیلما سے ٹکراتا بھاگا تھا۔

"رک جاؤ۔" وہ چلاتی ہوئی اس شخص کے تعاقب میں بھاگی تھی ابھی وہ گھر کے احاطے میں ہی تھی جب عقب سے دو ہاتھوں نے اس شدت سے اس کو دھکا دیا کہ منہ کے بل بھربھری برف پر گرتے ہوئے اس کے حلق سے چیخ بلند ہوئی تھی خود کو سنبھالتے ہوئے وہ اس سائے کو دیکھ چکی تھی جو گھر کی کھڑکی میں غائب ہوا تھا وہ بمشکل اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی تھی کہ راجر اسے پکارتا ہوا تیزی سے قریب آیا تھا۔

"کیا ہوا' تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" راجر کے سوال پر وہ حد درجہ بوکھلا اٹھی تھی۔

"مجھے لگا تھا باہر کوئی ہے۔" پھنسی آواز میں بول کر وہ تیزی سے گھر کے اندر چلی آئی۔

"نیلما! تم مجھ سے کیا چھپا رہی ہو؟" اس کے پیچھے آتا راجر سخت لہجے میں بولا' تب ہی لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ فیری دادی کا ہاتھ پکڑے وہاں آئی تھی۔

"دادی! آج میں نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے' پوچھیں اس سے کہ یہ کس سے ملنے باہر نکلی تھی۔ راجر! پوچھو اس سے وہ کون تھا جسے میں نے کھڑکی سے بھاگتے دیکھا۔" فیری چیخ رہی تھی جبکہ ساکت کھڑی نیلما کا چہرہ زرد ہونے لگا تھا۔ ہواس گم ہونے لگے تھے رہی سہی کسر دادی کے طمانچوں نے پوری کردی تھی۔

"تمہاری اتنی جرأت کہ تم راجر کی موجودگی اور میری ناک کے نیچے ہمارا منہ کالا کر رہی ہو۔ بتاؤ مجھے وہ کون تھا؟ جھوٹ بولا تو تمہاری چمڑی ادھیڑ دوں گی۔" دادی غیض و غضب میں بے قابو ہو رہی تھیں۔ راجر نے ہی آگے بڑھ کر نیلما پر برستے ان کے ہاتھوں کو روکا تھا۔

"اس سے پہلے کہ میرا ضبط جواب دے جائے جو پوچھا جا رہا ہے سچ سچ بتا دو۔ گناہوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش بے کار ہے۔" راجر کے سرد لہجے اور اجنبی نظروں نے جیسے اسے آسمان سے زمین پر دے مارا تھا' کسی کو آدھا مارنا ہو تو اس کا اعتبار توڑ دو اور اگر پورا مارنا ہو تو اس پر سے اپنا اعتبار ہمیشہ کے لیے ختم کردو۔ کچھ ایسا ہی اس کے ساتھ بھی ہو رہا تھا۔

"جو سچ ہے اسے قبول کرو اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ راجر کی موجودگی میں تم بخش دی جاؤ گی۔ پارسائی کی آڑ میں اپنے گناہ مت چھپاؤ۔" فیری کے طنزیہ لہجے نے پہلی بار نفرت کے ابال اس کے دل میں اٹھائے تھے' پہلے اسے شرم آتی تھی مگر آج صدمہ بھی تھا اس حقیقت پر کہ فیری اس کی بہن ہے۔

"سچ تو یہ ہے کہ میری خاموشی کی آڑ میں سنگین فائدے اٹھانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے لیکن میں اب خاموش اس لیے نہیں رہوں گی تا کہ آپ دونوں درویش کی آنکھوں میں مزید دھول نہ جھونک سکیں۔" وہ یک دم حلق کے بل چیخی۔

"دادی! کیا آپ بھی جانتی ہیں کہ فیری جیسی بے راہ روی کا شکار لڑکی درویش کے قابل نہیں ہے۔ یہ تو خود بھی نہیں پہچانتی ہوگی کہ آج آنے والا اس کا کون سا پرستار تھا اسے تو بس ان تحائف کی ہوس ہے جن کی قیمت چکانا بھی یہ خوب جانتی ہے۔"

"جھوٹی مکار...... مجھ پر الزام لگا رہی ہو راجر کو ہتھیانے کا خوب ڈرامہ رچایا ہے۔ معلوم جو ہے کہ تم جیسی کالی چڑیل کو اس پورے قصبے میں کوئی منہ نہیں لگائے گا۔" فیری غصے میں بھڑک اٹھی۔

"اگر میرا کردار بھی تمہارے جیسا کالا سیاہ بدبودار ہوتا تو بھی میں راجر کی آنکھوں میں دھول نہ جھونکتی مگر یہ کام تو آپ دونوں کررہی ہیں۔" وہ سرخ چہرے کے ساتھ بلند آواز میں بولی' سینے پر ہاتھ باندھے راجر بس خاموشی سے نیلما کو دیکھ اور سن رہا تھا۔

"اپنی بکواس بند کرو...... تمہیں شرم نہیں آئی' اپنی بہن کے لیے مغلظات بکتے ہوئے...... خبردار جو اب تم نے ایک لفظ بھی فیری کے خلاف کہا۔" دادی اشتعال میں کانپ رہی تھیں۔

"جب یہ اپنی سیاہ غلیظ کرتوت کی کیچڑ مجھ پر اچھال رہی تھی تب آپ کو یاد نہیں کہ میں بھی اس کی بہن ہوں' آپ کو تو بس یہ یاد رہتا ہے کہ انتقام کیسے لینا ہے' درویش کو اس کی ماں سے کیسے چھیننا ہے کیونکہ آپ کو تو یہ لگتا ہے کہ اس کی ماں نے آپ سے آپ کے بیٹے کو چھین لیا تھا۔ راجر سے کیا آپ کو تو کسی سے محبت نہیں آپ سر سے پیر تک نفرت ہیں' زہر ہیں' وہی زہر جو آپ نے اپنے دونوں بیٹوں کی زندگی میں گھولا اور وہ وقت سے پہلے ہی قبر میں اتر گئے۔ آپ کو تو ان کی اولادوں پر بھی رحم نہ آیا' وہی زہر آپ نے ان کی اولادوں کی زندگی میں بھی گھول دیا' جو عورت اپنی اولاد کی نہ ہوئی وہ اولاد کی...... اولاد کی وفادار کیسے ہوسکتی ہے۔ میری ماں سے نفرت' حسد کا ارمان میری صورت آپ پورا کرتی رہیں کیونکہ میری ماں آپ کے انتقام کا شکار ہونے کے لیے اس دنیا میں نہیں۔ درویش کی ماں اس دنیا میں ہے سو آپ اپنی محبت اور فیری کی اداؤں کے جال میں اسے قید کرکے اس کی ماں سے اسے جدا کرنے کی ٹھان چکی ہیں' اپنی نفرت کا اظہار کرکے ان سے بھی انتقام لینا چاہتی ہیں۔ پہلے مجھے آپ نے اپنی نفرت اور انتقام کی آگ میں جھونکا پھر فیری کو برباد کیا اور اب درویش کو تباہ کرنا چاہتی ہیں۔ آپ سانپ سے زیادہ بے رحم اور زہریلی عورت ہیں' آپ کسی مقدس رشتے کے لائق نہیں۔ میرے ماں باپ کو درویش کے باپ کو زندہ رہنا چاہیے تھا ان کی جگہ آپ کو مرجانا چاہیے تھا۔ تین تین زندگیوں کے برباد ہونے سے بہتر تو یہی تھا۔" بہتے آنسوؤں کے درمیان وہ چیخی اور پھر کسی بھی جانب دیکھے بغیر بھاگتی ہوئی دکان والے تاریک حصے میں غائب ہوگئی تھی۔

موت جیسے سناٹے میں صرف آتش دان میں سلگتی لکڑیوں کی چٹخنے کی مدھم آواز ہی سنائی دے رہی تھی ایک نظر اس نے فیری کو دیکھا جس کے چہرے پر تاریک سائے لہرا رہے تھے۔ ایک پل کو اس کی نگاہ راجر سے ملی مگر اگلے ہی پل وہ نگاہ چراتی کمرے میں چلی گئی۔ گہری سانس لے کر اس نے دادی کو دیکھا جو شکستہ قدموں کے ساتھ سر جھکائے کرسی پر جا بیٹھی تھیں۔ ان کے جھریوں زدہ چہرے پر تھکن نمایاں تھا' سناٹا ان کے پورے وجود پر طاری تھا جیسے طوفان آکر گزرا ہو۔ سچ کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنا پڑ جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ خاموشی سے وہ دوزانوں ان کے سامنے بیٹھ گیا جو شاید اس سے نگاہ ملانے کی سکت نہیں رکھتی تھیں۔

"میں تو ہمیشہ سے ہی آپ کا ہوں دادی! میری محبت تو آپ کے لیے ہمیشہ بےلوث رہی ہے۔" اس کی مدھم آواز بھی دادی پر طاری سکوت کو نہیں توڑ سکی تھی' ان کے گھٹنوں پر سر رکھے جانے کتنے لمحوں تک وہ منتظر ہی رہا تھا کہ دادی کچھ بولیں کی کوئی جھوٹی تردید ہی سہی مگر...... وہ جانتا تھا کہ زہر نے زہر کو آج کاٹ دیا ہے۔ پتا نہیں کیوں اسے اپنا دم اس ماحول میں گھٹتا محسوس ہوا تھا' دادی کے قدموں سے اٹھتا وہ گھر سے باہر آیا' دور تک چاند کی یخ بستہ روشنی پھیلی تھی جس میں ایک ہیولا اسے دکھائی دے رہا تھا وہ پہلے چونکا اور پھر آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ سرعت سے وہ نیلما کو پکارتا دکان والے حصے میں آیا مگر توقع کے عین مطابق نیلما کا وہاں نام و نشان نہیں تھا بس کھلی کھڑکی سے

اندر آتی یخ بستہ ہوائیں تھیں۔ تحمل حواسوں کے ساتھ وہ ایک منٹ کی بھی دیر کیے بغیر دوڑتا ہوا واپس گھر سے نکل گیا تھا۔

❀......❀......❀

عالم دیوانگی تھی یا جنون جس میں مبتلا وہ کہاں سے کہاں تک آ پہنچی تھی۔ برف پوش پہاڑ پر اس کا وجود کسی نقطے جیسا ہی تھا۔ ساری دنیا کا خلاف ہو جانا انسان کو نمایاں کر دیتا ہے کہ کہیں نہ کہیں وہ حق پر ہے مگر ساری دنیا میں کسی ایک کا خلاف ہو جانا کبھی کبھی پیروں کے نیچے سے زمین، جسم سے روح اور سر سے آسمان بھی کھینچ لیتا ہے۔ کئی بار وہ لڑکھڑائی، دشوار گزار چڑھائی کے دوران اس کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی مگر اس کے قدم نہیں رکے تھے۔ وہ اب پلٹ کر نہیں دیکھنا چاہتی تھی گم ہو جانا چاہتی تھی، اس پہاڑ کی وسعتوں میں، دفن ہو جانا چاہتی تھی اس کے سرد سینے میں...... گہرے سکوت میں وہ جو صرف اپنی پھولی سانسوں اور بے ترتیب دھڑکنوں کو ہی سن سکتی تھی کہ اچانک بھیانک سا شور اسے کہیں دور سے بلند ہوتا سنائی دیا تھا پھر برف اس کے نیم جان قدم تلے کانپنے لگی تھی۔ بلندی پر اسے ایک اونچی غضب ناک برف کی لہر اٹھتی دکھائی دی تھی اس کے پیر جہاں تھے وہیں ساکت ہو گئے تھے شاید اس کا استقبال تھا اس کے اہتمام میں پہاڑ دیوتا نے اپنا سینہ کھول دیا تھا۔

ایک کے اوپر ایک امڈی آتیں برف کی لہریں اتنی بلند اور طاقتور تھیں کہ ان کے راستے میں آتی ہر چیز فنا ہو رہی تھی وہ پیڑ، پودے درخت سب کو اکھاڑتیں اس کی جانب بڑھ رہی تھیں جو آنکھیں پھیلائے ساکت تھی کسی مجسمے کی طرح...... برف کی بوچھاڑیں اس پر گر رہی تھیں فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا اس سے پہلے کہ برف کی طوفانی لہریں اسے روندتی آگے بڑھ جاتیں اچانک ایک گرفت اسے اپنے مضبوط حصار میں جکڑے کسی چھلاوے کی طرح ان لہروں کے راستے سے ہٹاتی دائیں طرف اڑاتی ہوئی لے گئی تھی۔ برف کے ڈھیر سے خود کو نکالتا وہ بمشکل اپنے قدموں پر اٹھا تھا، چنگھاڑتی برف کی لہریں آہستہ

اپسرا حیات

میں ہوں اپسرا حیات۔ میرا تعلق لاہور سے ہے میں بی اے کی اسٹوڈنٹ ہوں، اس سے پہلے میں نے فیشن اینڈ ٹیکسٹائل ڈیزائننگ کا ڈپلومہ کیا ہے، فرام national coleg of Art میں آنچل کی بہت پرانی قاری ہوں، اور بہت بڑی فین بھی لیکن اب تک خاموش قاری تھی۔ میں 6th کلاس میں تھی جب سے آنچل پڑھ رہی ہوں پہلے اجازت نہیں ملتی تھی۔ ڈائجسٹ پڑھنے کی تو چھپ کے پڑھتی تھی اب 5 سال سے خود خرید کے پڑھتی ہوں (پہلے دوستوں سے لے کر پڑھتی تھی) آنچل ایک عمدہ ڈائجسٹ ہے کیونکہ اب تک کے اس کے جتنے بھی رائٹرز ہیں سب ہی بے مثال لکھتے ہیں میں کسی بھی ایک کا نام نہیں لوں گی مجھے لگتا ہے یہ ناانصافی ہوگی۔ ان سب کی محنت ان کے لکھنے کے ہنر سے نظر آتی ہے یہ ہی وجہ ہے کہ آنچل نے بھی بہت ترقی کی ہے اور اس ترقی میں ان سب رائٹرز کا بے شک بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ان ہی کی وجہ سے میرا دل چاہا کہ میں بھی کچھ لکھوں اکثر کالج میں شاعری کیا کرتی تھی اور سننے والے کو یقین نہیں آتا تھا کہ میں نے لکھا ہے۔ مجھے بچپن سے لکھنے کا شوق تھا اور یہ شوق اس وقت زیادہ بڑھ گیا جب میں نے اپنے نانا ابو کی شاعری پڑھی، اللہ ان کو جنت میں بلند مقام عطا فرمائے۔ میرے نانا صوفی شاعروں کو بہت پسند کرتے تھے مجھے شروع سے ہی مطالعے کا شوق تھا اس لیے میں اکثر نانا ابو کے کمرے میں زیادہ وقت گزارتی تھی۔ آج سے چار سال پہلے ایک ناول لکھا لیکن اسی دوران فرحت آرا آپا کا انتقال ہو گیا میری ایک بار ان سے فون پر بات ہوئی تھی۔ کافی حوصلہ بڑھا تھا۔ جب تک ناول مکمل ہوتا ایک دن فرحت آرا آپا کے انتقال کا پڑھا (اللہ ان کو جنت میں بلند مقام عطا کریں آمین) اس کے بعد میں نے وہ ناول دوبارہ نہیں لکھا۔

آہستہ شانت ہورہی تھیں اور وہ ادھر اُدھر پاگلوں کی طرح برف میں اسے ڈھونڈ رہا تھا جو کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ہمت ٹوٹ رہی تھی' خوف حاوی ہورہا تھا' زندگی کہیں نہیں تھی' ہر سمت موت کھڑی اس کی بے بسی کا تماشہ دیکھ رہی تھی۔

''نیلما......'' اس کی دل خراش پکار عظیم الشان پہاڑ کو بھی لرزا گئی تھی۔ گہرے سناٹے میں اس کی دھندلائی آنکھیں دور کسی سیاہ چیز پر ٹھہر گئی تھیں۔ دیوانہ وار وہ اس جانب دوڑا تھا' اس کے ہاتھ میں صرف نیلما کی سیاہ شال آئی تھی جو آدھی برف میں دھنسی تھی۔ جنونی کیفیت میں وہ اسی جگہ برف کو ہاتھوں سے کھودنے لگا اس کے ہاتھ ایک پل کے لیے بھی نہیں رکے تھے۔ اسے سب بھول گیا تھا یاد رہا تو یہ کہ اگر کچھ لمحے اور اسی طرح گزر گئے اور وہ برف میں دبی نیلما کو باہر نہ نکال سکا تو اس کا دم گھٹ جائے گا۔ سب کچھ ختم ہوجائے گا یہ سچ روح فرساں تھا کہ نیلما کی سانسیں ٹوٹ رہی ہوں گی۔

''درویش......درویش......'' اسے نیلما کی پکار سنائی دے رہی تھی۔ چاروں طرف اس کی آواز گونج رہی تھی اس کے ہاتھ اور تیزی سے برف ہٹاتے جارہے تھے۔ پسینے کے قطرے ناک کی نوک سے ٹپکتے جارہے تھے۔

''درویش......'' اس بار بہت قریب سے کان میں چیختے ہوئے کسی نے اس کے شانے کو جھنجھوڑا تھا۔ یک لخت رک کر اس نے سر اٹھایا' وحشت زدہ نظریں اس پر ساکت تھیں جس کے برف میں اٹے سیاہ بال کاندھوں پر بکھرے ہوئے تھے دنگ نظروں سے وہ کبھی گم صم راجر کو دیکھتی اور کبھی اس گڑھے کو۔

''میں کب سے تمہیں پکار رہی ہوں تم یہاں کیا......'' نیلما کی آواز حلق میں گھٹ گئی تھی اس کے شانے پر سر رکھتا وہ بے دم اور نڈھال تھا۔ نیلما کو مزید اس سے کچھ کہنے یا پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی' خاموشی کبھی کسی لمحے میں اس قدر مکمل ہوتی ہے کہ پھر لفظوں کے تانے بانے بننے کی اور لہجوں کے داؤ پیچ آزمانے کی ضرورت پڑتی ہی نہیں۔ پھر جانے کیا ہوا تھا راجر یک دم اسے پرے ہٹاتا اٹھ کھڑا ہوا' وہ جو گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی' بگڑتے توازن کو سنبھالتی ہک دک نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی جو اپنی اونی ٹوپی اتار کر ایک جھٹکے سے پھینک گیا تھا۔

''تمہیں کبھی اس چیز سے فرق نہیں پڑتا کہ میں کتنی محبت کرتا ہوں تم سے...... کتنی پروا کرتا ہوں تمہاری...... تم ہمیشہ مجھے نظر انداز کرتی رہیں اور ایک میں ہوں جو ہمیشہ تمہاری توجہ حاصل کرنے کے لیے اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتا رہا۔ تمہیں ہیلی کاپٹر پسند تھا میں نے دو سال لگادیئے ٹریننگ میں صرف تمہارے چہرے پر خوشی دیکھنے کے لیے' ہیلی کاپٹر اڑانا سیکھا' اس کے مقابلوں میں حصہ لیا۔ ہر مقابلے کی تصویریں بھیجتا رہا' اس امید پر کہ کبھی تو کوئی خط تم اسی بہانے میرے نام لکھوگی' اپنی خوشی کا اظہار کروگی مگر نہیں...... لعنت ہے مجھ پر......'' بلند مشتعل لہجے میں بولتے ہوئے اس نے ایک زوردار ٹھوکر مار کر برف کو اڑایا' نیلما کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

''بڑا فخر تھا خود پر کہ میں بہت جانباز ہوں' دل گردے کا کام ہے کمانڈو ٹریننگ حاصل کرنا۔ ایسا کون سا خطرہ تھا جس کا سامنا' جس کا مقابلہ میں نے نہ کیا ہو مگر...... دو منٹ میں دھری کی دھری رہ گئی ساری ٹریننگ......اور میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا اگر تم نے کسی کو یہ بتایا کہ مجھ جیسا دنیا کا احمق ترین انسان تمہارے کندھے سے لگ کر آنسو بہا رہا تھا۔'' اس کے غصیلے انداز میں دھمکانے پر نیلما چپ چاپ اسے دیکھتی رہی' چند لمحوں تک ادھر اُدھر چکر لگاتا وہ شاید خود کو شانت رکھنے کی کوشش کرتا رہا اور پھر رک کر نیلما کو دیکھا تھا۔

''میں چاہتا تھا کہ تم سچ بولو مگر یہ کس نے کہا تھا کہ مرنے کے لیے یہاں دوڑی چلی آؤ۔'' اپنا گرم کوٹ اتارتا وہ بولا اور پھر کوٹ نیلما کی گود میں ڈال دیا۔

''اسے پہن لو تم۔'' اس کی ہدایت پر نیلما نے عمل کیا دوسری جانب وہ اس کی سیاہ شال سے برف جھاڑ کر اس کے حوالے کرتا سامنے بیٹھ گیا۔

"میں نہیں ٹھہرنا چاہتی تھی اس چھت کے نیچے جہاں مجھ پر غلیظ الزام لگایا جارہا تھا ایک یہی کسر اور میرے ضبط کی حد رہ گئی تھی۔" شال اپنے گرد لپیٹتی وہ مدھم آواز میں بولی۔

"کیا تمہیں یہ لگا تھا کہ میں نے فیری پر یقین کیا اور تمہارے لیے مشکوک ہوگیا؟" راجر کے سوال پر وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔ "اپنی ماں کے بعد مجھے سب سے زیادہ صرف تم پر بھروسہ ہے' تمہارے شفاف کردار کی گواہی میں آنکھیں بند کرکے دے سکتا ہوں۔" اس کے گہرے سنجیدہ لہجے پر نیلما کی آنکھوں میں دھند سی اترنے لگی۔

"میں نے فیری کو کھڑکی سے باہر نکلتے ہوئے بھی دیکھا اور پھر واپس آتے بھی دیکھا تھا۔" راجر کے انکشاف نے اسے دنگ کردیا۔ "میں کچھ وقت ٹھہر کر فیری کے پیچھے جانا چاہتا تھا تاکہ اسے رنگے ہاتھوں پکڑ سکوں مگر اس سے پہلے تم درمیان میں آگئیں۔ مجھے پتا تھا تم نے میرا پلان خاک میں ملا دینا ہے' بالفرض میں اگر تمہارے پیچھے جاکر فیری کو پکڑ لیتا تو بھی وہ بہت آسانی سے تم پر الزام دھر سکتی تھی اور تمہاری چپ توڑنے کا وظیفہ تو آج تک مجھے نہیں مل سکا ہے۔ فیری نے آخر وہی کیا جس کا مجھے خدشہ تھا مگر ایک طرح سے یہ اچھا ہوا کہ تمہاری چپ ٹوٹ گئی۔ جب ہر طرف جھوٹ کے بازار کھل جائیں تو سچ بولنا فرض ہوجاتا ہے مجھے اور زیادہ خوشی ہوتی اگر بہت پہلے ہی تم اس فرض کو ادا کرتیں۔" اس کے خاموش ہونے پر بھی وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی تھی۔

"مجھے آج اندازہ ہوا ہے کہ چاند کی روشنی میں' میں اور زیادہ اچھا لگتا ہوں۔" راجر کے شرارتی لہجے پر وہ کچھ گڑبڑا کر نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹا گئی۔

"مجھے واپس چلنے کے لیے مت کہنا۔" وہ قطعی لہجے میں بولی۔

"یہاں ٹھٹھر کر مرنے سے بہتر ہے کہ خود پر تھوڑا اور جبر کرلو میں جانتا ہوں اب یہ کرنا تمہارے لیے مشکل ہوگا مگر تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ دادی میرے اور تمہارے باپ کی ماں ہیں وہ ہر حال میں احترام کی مستحق ہیں۔ ویسے بھی جو آئینہ تم نے ان کو دکھایا اس کے بعد شاید ہی اب کبھی وہ تم سے نظر ملاسکیں۔"

"مگر میں پھر بھی واپس نہیں جاؤں گی' تم جاؤ میں تمہیں نہیں روک رہی۔" وہ ناگوار لہجے میں بولی۔

"تمہیں اس پہاڑ پر تنہا چھوڑ جاؤں جس کی چپی پر ستار رہی ہو تم' جبکہ اس کی ہیبت ناک محبت کا نظارہ تو تم دیکھ ہی چکی ہو۔" اس کے خشمگیں لہجے پر نیلما نے چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"سنو...... ابھی بہت کچھ وصول کرنا ہے تم سے' بہت سے حساب لینے واجب ہیں' جس دن تم سے بے زار ہوا اس دن خود تمہیں اس پہاڑ کی چوٹی پر پٹخ کر جاؤں گا۔"

"اس سے زیادہ گھٹیا بات اور کوئی نہیں ہوسکتی۔" وہ تیکھے لہجے میں بولی۔

"ہوسکتی ہے کیوں نہیں ہوسکتی مگر وہ پھر کبھی...... اس وقت تو تم سے کافی گھسے پٹے رومانٹک ڈائیلاگز بولنے کے موڈ میں ہوں میں جنہیں سن کر یقیناً تم اس پہاڑ سے کودنے پر مجبور ہوجاؤ گی یا پھر میرے ساتھ واپس چلنے پر تیار ہوجاؤ گی مرضی تمہاری مجھے تو ویسے بھی اب تمہارے قریب ہونے کا موقع چاہیے اتنی خوب صورت رات' یہ تنہائی میں اور تم...... اگر اس دوران ہمارے ملن پر پہاڑ کو دوبارہ جوش آگیا تو یہیں ہم دونوں کی محبت ہمیشہ کے لیے امر ہوکر برف میں دفن ہوجائے گی۔"

"میرا خیال ہے تمہاری بات مان کر مجھے واپس جانا چاہیے۔" درمیان میں ہی وہ جس طرح بول اٹھی تھی راجر اپنی مسکراہٹ نہیں چھپا سکا۔

پہاڑ سے نیچے اترنے کا سفر خاموشی سے طے ہوا' نیچے پہنچ کر بھی راجر نے اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں تھامے رکھا۔

"جانتی ہو ممی تمہارا بہت بے چینی سے انتظار کررہی ہیں۔" چلتے چلتے راجر نے اسے بتایا۔ "میں خود بھی نہیں چاہتا کہ اب تم یہاں رکو میں اب تمہیں صرف خوش اور ہنستا

مسکراتا دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس کے محبت سے بھرپور لہجے اور وارفتہ نگاہوں نے نیلما کی دھڑکنوں کو چھولیا تھا۔

"ہم کل ہی یہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔ جانے سے پہلے میں دادی سے بات کروں گا فیری کے سلسلے میں اس کی شادی جلد از جلد وہاں ہوجانی چاہیے جہاں وہ چاہتی ہے مگر دادی رضامند نہیں رہ گئیں دادی تو یہ ان کا فیصلہ ہوگا کہ وہ میرے ساتھ شہر میں رہیں گی یا یہیں رہنا پسند کریں گی۔ کیا خیال ہے تمہارا؟" ایک پل کو رک کر راجر نے اس سے تائید مانگی۔

"ٹھیک ہے جیسا تمہیں بہتر لگے۔" وہ بولی۔

"ویسے مجھے سمجھ نہیں آیا کہ تم نے میرے حال دل کا احوال سننے سے دامن بچایا ہے یا موت سے گھبرا کر ساتھ آنے کے لیے راضی ہوگئیں؟"

"موت سے گھبراتی تو تنہا یہاں تک آتی؟" اس کے جواباً سوال پر راجر نے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہارے اس جواب پر میں چاہتا ہوں کہ زمین پھٹے اور میں اس میں سما جاؤں۔" اس کے ناراض لہجے پر نیلما نے حیرت سے اسے دیکھا اور اگلے ہی پل بے ساختہ ہنستی چلی گئی۔ راجر یک دم ساکت ہوتے قدموں کے ساتھ دم بخود سا اسے دیکھتا رہ، اس کی جلترنگ ہنسی گہرے خنک سکوت میں سماعتوں کو بہت دلکش لگی تھی۔ راجر نے کبھی اسے اس طرح کھل کر ہنستے نہیں دیکھا تھا مگر اب دیکھ دیکھ کر دل و جان سے اس پر فدا ہورہا تھا۔ اس لمحے یک دم نیلما کی ہنسی تھمی جب راجر نے نرمی سے اسے شانوں سے تھام کر قریب کیا۔

"کیا تم صرف اس لیے اپنی تمام زندگی میرے ساتھ گزارنے کے لیے تیار ہوسکتی ہو کہ بچپن سے اب تک تم نے اپنے قریب جس مرد کو دیکھا وہ میں ہوں؟" اس کے بے حد سنجیدہ تاثرات اور گمبھیر لہجے پر نیلما حیرت سے اسے دیکھتی رہی۔

"لیکن میرا فرض ہے کہ میں تم سے کہوں کہ زندگی مجھ تک محدود نہیں، تم مجھ سے بہتر شخص کو ڈیزرو کرتی ہو۔"

"درویش! آج اگر میں نے اپنے حق کے لیے آواز بلند کی ہے تو اس کی وجہ تم ہو۔ تم نے ہمیشہ مجھے بے جا صبر نہ کرنے کی، جبر کے خلاف بولنے کی تلقین کی، مجھے ہر بار صحیح اور غلط کی پہچان کرواتے رہے۔ میری گھٹن، دشواریوں کو صرف تم نے محسوس کیا، میں اب تک نفرتوں کو سہہ کر زندگی سے سمجھوتہ کرتی رہی تو اس کے مجرم بھی تم ہی ہو۔ میری زندگی میں تمہارا موجود ہونا ہی میرے حوصلے کو قائم رکھنے کے لیے بہت تھا، تم نظر کے سامنے رہے یا اوجھل ایک جذباتی سہارا مجھے تم سے ملتا رہا۔ تم نے باقی سب کی طرح مجھے کمتر نہیں سمجھا، نہ ہی مجھے اپنا محتاج بنایا تم نے ہمیشہ یہی چاہا کہ میں اپنے ساتھ ہوتی زیادتوں پر پہلے خود آواز اٹھاؤں۔ اپنی ذات کی تحقیر و تضحیک پر احتجاج کروں، میں جانے کتنی بار ٹوٹ کر بکھری مگر ہر بار تمہارے خیال، تمہارے کسی ایک جملے نے مجھے پھر سے سمیٹ کر جوڑا، ایک نئی شکل دی۔ جانے کیوں مجھے یہ یقین رہا کہ ایک دن تم آؤ گے اور مجھے ان برف پوش پہاڑوں کی قید سے آزاد کروا کے اپنے ساتھ لے جاؤ گے۔" وہ مدھم خواب ناک لہجے میں بولی۔

"اور وہ دن ایک نئے سورج کے ساتھ طلوع ہونے والا ہے۔" اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر وہ مسکرایا۔

رات کے آخری پہر کی نیلگوں سی خیرہ کن روشنی میں اس کے ہاتھ تھامے چلتے ہوئے وہ مطمئن تھی۔ ہر رات کے بعد صبح کا نمودار ہونا برحق ہے، تکلیفوں سے گزر کر منزل کی راحتوں تک پہنچنا سہل ہوجاتا ہے اگر ایک مہربان مسیحا اپنی مسیحائی کے پھول اور پرخلوص جذبے نچھاور کرنے کے لیے قریب ہو۔ اس معاملے میں وہ خوش نصیب تھی کہ ایک مہربان مسیحا اس کے قریب رہا اور اب آگے بھی زندگی کی راہ گزر پر ہمیشہ ہم قدم رہنے والا تھا۔

❀

میں اس کو بھول گیا ہوں وہ مجھ کو بھول گیا
تو پھر یہ دل پہ کیوں دستک سی ناگہانی ہوئی
کہاں تک اور بھلا جاں کا ہم زیاں کرتے
بچھڑ گیا ہے تو یہ اس کی مہربانی ہوئی

"تو میں مان لوں کہ تم میرے نصیب میں نہیں تھے چپکے چپکے سے مانگی گئیں وہ تمام دعائیں بے اثر ٹھہریں بارہا میں نے تمہیں اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں بہت تلاشا لیکن تم کہیں بھی نہیں ملے عوان سکندر! جس طرح میرے دل میں آن بسے تھے اسی طرح ان ہاتھوں کی لکیروں میں بھی آن بسو۔ مجھے یک طرفہ محبت کا درد مت دو عوان! خاموش خواب تعبیر پائے بغیر خاموشی سے دم توڑ گئے تھے۔ کاش تم نے بھی مجھے اتنی شدت سے چاہا ہوتا جتنا کہ میں نے تمہیں چاہا۔ تمہاری یادیں ہر سمے مجھے بے کل رکھتی ہیں شب غم تمہارے ساتھ کی حسرت لیے اداسی سے ڈھل جاتی ہے۔ نیند میری آنکھوں سے اوجھل ہوکر دور بیٹھی بڑی حسرت سے مجھے تکا کرتی ہے۔ عوان یہ تنہائی مجھے پاگل کردے گی یہ میری روح تک میں تحلیل ہوتی جارہی ہے۔ ہر سانس سینے میں گھٹ رہی ہے میں سو بھی نہیں پارہی ہوں، تمہیں کھو دینے کا درد بہت تڑپا رہا۔" بنیرہ سیاہ شب میں کھڑکی کے پٹ سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ باہر ہر سمت گھٹا ٹوپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ گھپ اندھیرے میں نگاہ جمائے مسلسل سوچوں کے بھنور میں الجھی ہوئی تھی، سیاہ اداس آنکھیں اشکوں سے لبریز تھیں۔ رنج والم کے گہرے سائے اس کے صبیح چہرے پر رقم تھے۔

"میں اس حیات کو یوں رائیگاں نہیں جانے دینا چاہتی۔ مجھ میں اتنا حوصلہ ہرگز نہیں کہ میں اپنی محبت کو صحراؤں کی خاک میں رل جانے دوں، دل مضطر میں بلکتے حسرتوں کے نوحے مجھے چھلنی کردیں گے۔" شکستہ وجود پر غموں کا بوجھ اٹھائے وہ تھک چکی تھی۔ شل ہوتے قدموں سے چلتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئی، رونے کے باعث سرخ آنکھیں چہرے کو پرسوز بنارہی تھیں، حسرت بھری نگاہوں سے حنائی ہاتھوں کو دیکھا۔ مہندی کے نقش ونگار میں اسے اپنا دل الجھا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ نڈھال وجود پر افسردگی طاری تھی، تاریک شب میں چاند کے ہمراہ جاگتی بنیرہ اداسی کی مکمل تصویر لگ رہی تھی۔ دل کا کسی اور کے نام پر دھڑکنا اور ہاتھوں پر کسی اور کے نام کی مہندی لگا لینا یہ

منافقت ہی تو تھی۔ یا تو یہ دل عوان کے لیے نہ دھڑکا ہوتا یا پھر یہ ہاتھ غیر کے نام کی حنا نہ لگاتے (محبت کی انتہا تھی غیر کو اپنا اور جو اپنا ہونے جارہا تھا اسے غیر سے تشبیہہ دے دی) بھلا دو کشتی کا مسافر بھی منزل پر پہنچ پایا ہے؟ گہری سانس خارج کرتے ہوئے دائیں طرف کروٹ لیتے ہوئے اپنے آپ سے سوال کرڈالا؟ جواب ایسے لاپتا تھا جیسے بنیرہ کے بخت سے عوان! آنکھیں بند کیے سوچوں سے دامن چھڑانے میں محو تھی پر اداس آنکھوں سے روٹھی نیند دور افق پر تنہا چاند کے دامن میں بیٹھی مسکرارہی تھی نجانے بنیرہ کی بے بسی پر یا بدبختی پر۔

آج بنیرہ فیروز کے ہاتھوں کو سمیر آفندی کے نام کی مہندی سے سجادیا گیا تھا' ٹھیک دو دن بعد اسے یہ آنگن چھوڑ کے چلے جانا تھا۔ بے چینی اس کے روم روم سے جھانک رہی تھی' اس کی شادی گھر میں سب کے لیے بے پناہ مسرت کا سبب تھی۔ اماں' بابا' طلال' زہرہ سب ہی کے چہروں پر خوشیاں رقصاں تھیں پر بنیرہ کے دل میں درد کروٹیں لے رہا تھا اسے کسی طور بھی قرار نہیں تھا۔ عوان کو کھودینے کا خوف شدت پکڑتا جارہا تھا۔

''اے دل تُو سنبھل جا...... ایسا نہ ہو یہ درد عمر بھر کے لیے دھڑکنوں میں قیام کرجائے۔ اسے بھلا دینا ہی بہتر ہے میرے دل!'' بنیرہ نے چپکے سے اشک بہاتے ہوئے دلِ برباد کو سمجھایا لیکن اسے بھول جانا ممکن ہی نہیں۔ مضطر دھڑکنوں سے پرسکون جواب موصول ہوا تو بنیرہ سسک اٹھی۔

......☆☆☆......

وہ بی اے پارٹ ون میں تھی جب عوان سکندر نے اس کے دل کے تاروں کو چھیڑا تھا۔ امپریل اکیڈمی میں فرسٹ ٹائم اس نے عوان کو دیکھا تھا۔ وہ کوئی بلا کا حسین و جمیل نہیں تھا سانولی رنگت پر بڑی بڑی سنجیدہ آنکھیں اسے کافی حد تک پرکشش بناتی تھیں۔ نجانے وہ اسے کب کس لمحے میں دل دے بیٹھی اور اسے سنہری خوابوں کا امین بنا ڈالا لیکن دل میں پنپتے معصوم سے جذبے کبھی اس پر آشکار نہیں کیے۔ سر قاسم لغاری کے لیکچر کے دوران اس کی نگاہیں بار بار عوان سے جا لپٹتیں اور کئی بار دونوں کی نگاہوں کا تصادم بے ساختہ ہوا تھا۔ آنکھیں محبوب کے دیدار سے خوب دل بھر کر سیر ہوا کرتی تھیں۔ بنیرہ کا دل گواہی دیتا تھا کہ عوان سکندر بھی اسے چاہتا ہے اس کے دل میں پنپتے نرم گرم جذبے عوان تک رسائی پاگئے ہیں۔ نجانے کیوں بنیرہ کو یہ وہم لاحق ہوا تھا اس کے لبوں پر سجی دھیمی سی مسکان بنیرہ کو ہمت نہ ہارنے دیتی تھی۔ ہر روز اسے سوچتے ہوئے ہزاروں خواب اپنے آنچل سے باندھ لیتی' بند آنکھیں کیے وہ سپنوں کی حسین وادیوں میں عوان کے ہمراہ اس کا ہاتھ تھامے بہت دور نکل گئی تھی۔ ہر محبت کرنے والا شخص ان وادیوں سے گزرتا ہے کبھی خوابوں میں کبھی خیالوں میں۔ سکھ و راحت کی خوش بودار بہتی نہریں جس میں دو جسم ایک جاں بن کر بختاور (خوش نصیبی) کی ناؤ میں سوار پھولوں کی مانند کھلکھلاتے ہوئے تمام تر ترو تازگی کے ہمراہ زیست کا سفر طے کرتے ہیں۔ محبت کی سرزمین پر لگے شادابی کے پیڑ اور پیڑوں پر محبت کرنے والوں کے ہر ہر حسین خواب کی تعبیر حسین تر پھولوں پر لکھی ہوتی ہے۔ اسی وادی کو محبت کرنے والے اپنی جنت کہتے ہیں پر یہ جنت بنیرہ کے بخت میں تو ہرگز نہیں تھی۔ قبل اس سے کہ وہ لوٹ آنے کا حوصلہ کھو بیٹھتی۔ قسمت نے اسے کسی اور کا بنا ڈالا' درد کے صحرا میں تڑپتا دل تڑپتا ہی رہا۔ سب خواب ٹوٹ کر کرچی کرچی ہوگئے' بنیرہ کے لبوں کی دلکش مسکراہٹ صحرا میں تڑپتے دل کے پاس روتی سسکتی رہ گئی تھی۔ بے جان قدموں سے محبت کی ڈگر سے لوٹ آئی تھی پر اپنا سب ہی کچھ وہاں چھوڑ آئی تھی۔ دل کو ناکام حسرتوں کا کفن پہنائے درد و ستم کے صحرا میں دفنا آئی تھی۔ سیاہ پلکوں پر بکھرا ہر خواب اسے خون کے آنسو رلاتا تھا پر تقدیر...... محبت نے

بنیرہ کی اس بے وفائی پر بہت اشک بہائے تھے اسے بہت واسطے بھی دیئے۔ سنہری خوابوں کے جال میں الجھانا بھی چاہا' محبت اپنی توہین پر بہت سسکی تھی جب بنیرہ نے اپنا آنچل اس کے ہاتھوں سے کھینچا تھا۔ اس کے قدموں میں پڑی بے بسی کی بیڑیاں اسے وہاں سے کھینچ لائی تھی اور بنیرہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی حسین جنت سے لوٹ آئی تھی محض دو دن تھے اس کی محبت کی عمر کے پھر تو شاید آنکھیں رونے کے بہانے ڈھونڈے اس پر طاری وحشت دیکھنے کے لائق تھی کسی طرح تمام رات جاگ کر' ناکام الفت پر ڈھیروں اشک بہاتی پھر بھی دل کا گمشدہ چین وقرار کسی طور لوٹ کر نہ آسکا۔

صبح کی روشن کرنیں ہر طرف روشنی پھیلا رہی تھیں اور بنیرہ کے دل میں ہجر کی اداس شب ڈیرہ ڈال گئی تھی عمر بھر کے لیے۔ دل پر ضبط کی لگامیں ڈالے لبوں پر مسکان سجائے خود کو ہر طرح سے پرسکون ظاہر کرنا چاہ رہی تھی لیکن آنکھوں میں امڈ آنے والی نمی اسے ناکام بنا رہی تھی۔ بنیرہ کی نگاہیں ماں کے چہرے پر جمی تھیں وہ ہراساں سی ادھر اُدھر چکراتی پھر رہی تھی۔ آنے والے تمام مہمانوں کو ویلکم کرنے کے لیے زہرہ کی ڈیوٹی لگی ہوئی تھی وہ نہایت خوش اسلوبی سے یہ ذمہ داری نبھا رہی تھی۔ یہی کام تو تھا جو وہ کرسکتی تھی وگرنہ گھر کے کاموں سے تو ہمیشہ اس کی جان جاتی تھی' نگینہ بیگم نے کچن میں کھڑی گم صم سی بنیرہ پر نظر کی تو چونک گئی۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں چمکتے آنسو وہ دور ہی سے دیکھ چکی تھی' متفکر سی ہو کر چلی آئی۔ ممتا کے لمس کی نرمی ان کے چہرے پر بجی تھی۔

"کیا بات ہے بنیرہ؟" کچن کے سلیب سے ٹیک لگائے وہ نجانے کن خیالوں میں محو تھی' ماں کی پرشفقت آواز پر چونکی۔

"کیا ہوا بنیرہ؟" لہجے میں جہاں بھر کی نرمی سموئے وہ بے چینی سے بولی۔ بے ساختہ نفی میں سر ہلا ڈالا' آنسوؤں کے گولے کو حلق سے اتارتے ہوئے بڑی دقت سے بولی۔

"کچھ نہیں اماں! چائے کی طلب ہورہی تھی تو سوچا بنالوں۔" چہرے کا رخ کیبنٹ کی طرف کرتے ہوئے قدرے نارمل لہجے میں بولی۔

"میں بنا کر لاتی ہوں اب بھلا تو کچھ ہی لمحوں کی تو مہمان ہے اس گھر میں' جا میری رانی میں لاتی ہوں چائے۔" ان کا ہر لفظ رو رہا تھا آنکھیں چھلکنے کو بے تاب دکھائی دے رہی تھیں اس کے حنائی ہاتھوں کو تھام کر کمرے تک چھوڑنے آئی۔ بیٹی کی جدائی کے خیال سے ہی ان کا دل زخمی ہوئے جا رہا تھا۔ بنیرہ کمرے میں گئی تو نگینہ بیگم اپنے اشکوں سے ہار گئی۔

غم کی شام گزری تو ہجر کی رات آگئی
مجھ پر مسکرانے کو ساری کائنات آگئی
دیکھو دل کے سب ہی زخم ہیں ہرے
یاد پھر تیری مجھ کو بے بات آگئی
بیدار ہوگئے سب ہی درد و غم سینے میں
یاد آخری اپنی ملاقات آگئی
ملال تجھے کھودینے کا جاگ اٹھا تو
پرنم نگاہوں میں اشکوں کی برسات آگئی
ہمیں تو مار ڈالا ہے فراق نے تیرے
تجھے راس کیسے مجھ سے بچھڑ کر حیات آگئی؟

بنیرہ کا دل گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا' ابھی کچھ دیر پہلے اس کی سسرال سے نکاح کا جوڑا و دیگر سامان آیا تھا سب سامان بیڈ پر جوں کا توں پڑا تھا۔ خالی خالی نگاہوں سے سب چیزوں کو دیکھے گئی ذرہ برابر بھی من میں ہلچل نہیں ہوئی' دھڑکنوں میں ذرہ بھی ارتعاش نہ ہوا اس کے سب احساسات برف کی مانند سرد تھے۔ کوئی حسین لمحہ کوئی حسین خیال بھی اسے گدگدا نہ سکا تھا۔ وہ تو اپنے تصور میں عوان کو لیے اس سے سوال و جواب میں الجھی بیٹھی تھی۔

"عوان چلے جاؤ یہاں سے..... خدا کے واسطے چلے جاؤ۔ میرے دل سے میری روح سے میری زندگی سے..... میری بے بسی کا مذاق نہ بناؤ جب تم نے مجھے چاہا ہی نہیں تو کیوں آسیب بن کر میرے پیچھے پڑ گئے ہو اگر مجھ سے محبت نہیں تھی تو تمہاری اس مسکراہٹ کا مطلب کیا تھا؟ ان بولتی نگاہوں کا مطلب کیا تھا؟ مجھے سب سے چھپ کر چوری چوری دیکھنے کا مطلب کیا تھا پھر جواب دو میری بات کا؟" آنکھیں موندے دیوار سے ٹیک لگائے وہ عوان سے ایسے مخاطب تھی جیسے کہ وہ اس کے پاس جواب دینے کو موجود ہو۔

تین سال کا عرصہ سرعت سے بیت گیا تھا اس کی یک طرفہ محبت تین سال پرانی تھی۔ ان تین سالوں میں نجانے اس نے عوان کو بھول جانے کی کتنی سعی کی تھی یہ اس کا دل جانتا تھا یا اس کا رب۔ دل اس کا نام ایسی شدت سے لیتا تھا جیسے کوئی تسبیح پر اپنے رب کا نام لیتا ہے۔ اس کی چاہت دھڑکنوں میں ایسے سرائیت کر گئی تھی جیسے دسمبر کی سردی۔

"نجانے تم اب کہاں ہو گے؟ کس کے ساتھ ہو گے....." درد کی بے رحم لہریں اسے بے حال کر رہی تھیں۔ "جب تمہارا دل میری طرف سے کسی پابندی کا محتاج نہیں ہے تو پھر میرے دل کو بھی آزادی بخش دو عوان! مجھے یک طرفہ محبت کے عذاب سے چھٹکارا دے دو۔ نکل جاؤ میرے دل سے، جب میرے نصیب میں تم تھے ہی نہیں تو پھر کیوں میری زندگی میں آئے؟" آنکھیں خوب دل کھول کر برس رہی تھیں۔

وقت تیزی سے بیت گیا تھا' دو سال کا عرصہ کیسے گزرا کچھ خبر نہیں ہوئی تھی ویسے بھی اس نے دنوں کا حساب رکھنا چھوڑ دیا تھا۔ سمیر آفندی مثالی شوہر ثابت ہوا تھا خود سے بڑھ کر اس کا خیال رکھنا ذرہ برابر بھی بنیرہ کو اداس دیکھتا تو بے چین ہو اٹھتا۔ اس کی خوشی کے لیے اسے باہر لے جاتا' ڈھیروں شاپنگ کرواتا۔ ڈنر کرتے راستے سے آتے ہوئے اسے میکے لے جاتا' بنیرہ کو اداس دیکھنا سمیر کے بس میں نہیں تھا۔ وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہو کر رہ جاتی اپنے طور پر تو وہ سمیر کو ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہونے دیتی تھی یا پھر شاید سمیر چہرہ شناس تھا' سسرال میں سب ہی بنیرہ کو بے پناہ چاہتے تھے۔ قدرت نے عوان سکندر کو چھین کر اسے بہت سی محبتوں سے مالا مال کر دیا تھا لیکن اسے کھو دینے کا دکھ تو عمر بھر کا تھا۔ عائلہ (نند) سے تو اس کی خوب بنتی تھی بالکل بہنوں کی طرح رہتی تھی۔ عائلہ کالج میں پڑھتی تھی' بنیرہ سے اکثر ہیلپ لے لیا کرتی تھی اور اب تو بنیرہ تخلیق کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ سب ہی اس کا خیال رکھتے تھے سمیر تو دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ ننھے مہمان کی آمد اسے ہمہ وقت خوشی سے سرشار کیے رکھتی۔ بنیرہ سمیر کی دیوانگی کو دیکھتی تو اسے اپنے مہربان رب پر پیار آ جاتا۔ عوان کی محبت کا زخم بے شک نہیں بھرا تھا' اسے کھونے کی کسک آج بھی دھڑکنوں میں سسکتی تھی۔

عائلہ بی اے پارٹ ون میں تھی اب بھی وہ بنیرہ سے پڑھائی میں ہیلپ لیتی تھی۔ بنیرہ نے اسے تمام نوٹس دینے کا وعدہ کر لیا تھا اور ویسے بھی اب وہ اس کے کس کام کے تھے پھر وہ دن بھی آن پہنچا جس کے لیے دونوں نے ہزاروں خواب بن رکھے تھے ننھا منا امان ان کی زندگی میں مزید ڈھیروں خوشیاں سمیٹ لایا تھا جو کام باپ نہ کر سکا تھا وہ بیٹے نے کر دکھایا تھا۔ بنیرہ کے لبوں سے مسکان جدا ہی نہیں ہوتی تھی' ہر وقت امان کے ساتھ لگی رہتی وہ شرارتی بھی تو بہت تھا۔ سارا دن اسے نچائے رکھتا اور خود کھلکھلاتا رہتا' بنیرہ اس کے ننھے منے وجود میں خود کو ڈھانپ لیتی تو ہر درد و تکلیف اس سے دور چلا جاتا۔ سمیر اکثر ٹھنڈی آہ بھر کے کہتا۔

"اس امان نے تو مجھ سے میری بیوی چھین لی تم دونوں ایک دوسرے میں مگن رہتے ہو میری چھٹی کر دی چلو خیر میں تو اس میں بھی خوش ہوں کیونکہ تم دونوں کی خوشی میں

میری خوشی ہے۔" بنیرہ اپنے پیارے شوہر کے شکوہ پر دھیمے سے مسکرادی۔ سمیر کا شکوہ بالکل بجا تھا' وہ اکثر امان کی وجہ سے سمیر کو نظر انداز کردیتی تھی۔ خود کو جی بھر کے شرمندہ کرتی' آج اسے میکے جانا تھا صبح سے کام نبٹانے میں لگی ہوئی تھی پر امان اسے سکون سے کام کرنے ہی نہیں دے رہا تھا۔ ہر وقت بنیرہ کو اپنے سامنے دیکھنا چاہتا تھا' بلا کا ضدی تھا ہر بات منوا کر دم لیتا اور سمیر تو اس کی فرمائش پوری کرنے کے منتظر رہتے تھے وہ منہ سے کچھ بولتا اور وہ پوری کردیتے۔ طلال کو ٹیکسٹ کرچکی تھی کسی بھی وقت اس نے آجانا تھا' کمرے میں آتے ہی امان کو فیڈ کروایا پھر اسے چینج کروایا اب خود اپنے بکھرے بال سنوار رہی تھی۔ زندگی میں ایک ٹھہراؤ سا آ گیا تھا گئے وقت کو یاد کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوچکی تھیں جس پر آنکھیں رونا بھول چکی تھیں ہاں دل اکثر رو پڑتا تھا سمیر آفندی کی قربت میں وہ کئی بار سسک اٹھتی تھی عوان کی وفا اسے گھائل نگاہوں سے چیر کے رکھ دیتی تھی پر اس نے زندگی سے سمجھوتہ تو بہت پہلے ہی کرلیا تھا' دل پہروں جاگ کر ادھوری وفاؤں کے اجڑے مزار پر نوحہ کرتا' دل کے رونے کو کون دیکھتا ہاں ہاں آنکھیں نہیں رونی چاہیے ورنہ سب دیکھتے ہیں۔

"نہیں اماں! میں نے سمیر سے نہیں پوچھا آپ لوگ دیکھ آئیں میں پھر کبھی دیکھ آؤں گی۔" نگینہ بیگم نے طلال کے لیے لڑکی دیکھنے جانا تھا وہ بنیرہ کو بھی ساتھ لے جانا چاہتی تھیں پر اس نے فرماں برداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے شائستگی سے معذرت کرلی۔ ایسا نہیں تھا کہ سمیر کی طرف سے کوئی پابندی عائد تھی وہ خود ہی ایسا کوئی کام نہیں کرتی تھی جس سے ذرہ برابر بھی رنجش جنم لے سکے۔ نہرہ نک سک سی تیار ہوکر جانے کو ریڈی کھڑی تھی۔

"ٹھیک ہے بیٹا! جیسے تمہاری مرضی۔" نگینہ بیگم تخت پر سے اٹھتے ہوئے بولیں۔ اس چلبلے کا خیال کرنا کہیں گر گرانہ جائے' سوئے ہوئے امان پر محبت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے وہ بنیرہ کو تاکید کرنا نہیں بھولی۔

❀......❀......❀

گھر میں سناٹا اترنے لگا وہ کمرے میں چلی آئی آج تو ہر صورت نوٹس نکالنے ہیں' عائلہ نے آتے ہی اسے یاددہانی کرائی تھی۔ الماری کے دونوں پٹ وا کیے کتابیں نکالنے لگی' ان پر جمی گرد گواہ تھی کہ سالوں سے ان کتابوں کو ہاتھ نہیں لگایا گیا۔

"نجانے کہاں رکھے ہیں نوٹس؟" تمام کتابیں بیڈ پر رکھتے ہوئے زیر لب کہا۔ کتابوں کے درمیان رکھے تمام نوٹس بالآخر برآمد ہوگئے۔ کتابوں کو پھر سے الماری میں ترتیب سے رکھنے لگی اور ان پر جمی گرد بھی صاف کرتی گئی۔ تمام کتابیں رکھ کر پلٹی تو زمین پر ایک طے شدہ کاغذ پڑا تھا جسے بنیرہ نے جھک کر اٹھالیا الٹ پلٹ کر دیکھا تو کچھ معلوم نہ ہوا کہ کیا ہے۔

"نجانے کیا ہے؟" زیر لب بڑبڑاتے ہوئے طے شدہ کاغذ کھول لیا۔

"پیاری بنیرہ!" پہلی سطر پر اجنبی رائٹنگ میں اپنا نام دیکھ کر ٹھٹک سی گئی' دھڑکنیں بے ترتیب ہونا شروع ہوچکی تھیں۔ "میں تمہیں بہت شدت سے چاہتا ہوں بنیرہ! میرا اس طرح اظہار کرنا یقیناً تمہیں برا لگے گا۔ اس طرح کتاب میں خط رکھنا وہ بھی چوری چھپے یقیناً غلط فعل ہے جس پر میں تم سے شرمندہ بھی ہوں' میں تمہیں ہر روز دیکھتا ہوں اور دیکھ کر یہی سوچتا ہوں کہ تم سے سب کہہ دوں لیکن تمہیں سامنے پاکر میں ہمت ہار دیتا ہوں۔ یہی سوچ کے قدم رک جاتے ہیں اگر تم نے میری محبت کو ایکسپٹ نہیں کیا تو شاید میں ٹوٹ کر بکھر جاؤں۔ پہلے سوچتا تھا کہ تمہیں کچھ بھی نہ بتاؤں اس دل میں دھڑکنوں میں سانس لیتی محبت تم سے چھپالیتا پر یہ دل ہر وقت ہر لمحے تمہارے ساتھ کی تمنا کرتا ہے۔ بنیرہ تم سے تصور میں بھی مجھ پاگل کو

جدائی گوارہ نہیں ہے‘ تم عوان سکندر کی پہلی اور آخرت محبت ہو یہ دل شدت سے تمہارے ساتھ کا تمنائی ہے۔“ خط دونوں ہاتھوں میں تھامے وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی کئی لمحے سکتے کے عالم میں بیٹھی رہی۔

”اس کا مطلب میری برباد محبت یک طرفہ نہیں تھی...... وہ بھی مجھے چاہتا تھا‘ میرے ساتھ کی طلب اسے بھی بے قرار کرتی تھی۔“ دل و روح میں اترتے سناٹوں میں درد چیخ چیخ کے بین کر رہا تھا۔ لرزتے ہاتھوں سے خط تھام کے سیدھا کیا اشکوں سے لبریز آنکھیں پھر خط پڑھنے لگیں۔

”میں جانتا ہوں تم بھی مجھ سے اتنی محبت کرتی ہو جتنا کہ میں تمہیں چاہتا ہوں۔ تمہاری کاجل بھری آنکھیں جب جب چھپ چھپ کر مجھے دیکھتی ہیں نا تو میں ان کی چوری پکڑ لیتا ہوں کیونکہ میں بھی سب سے چھپ کر تمہیں ہی دیکھ رہا ہوتا ہوں۔ آج دل مضطر سے ہار کر تم پر حال دل عیاں کر رہا ہوں تمہاری ہاں کا منتظر......

تمہارا عوان سکندر!“

آنکھیں مارے حیرت کے پھٹی ہوئی تھیں‘ آنسو متواتر بہہ رہے تھے لب دانتوں تلے دبائے بلاشبہ وہ درد کی کڑی منزل سے گزر رہی تھی۔ جس محبت کے لیے وہ لمحہ لمحہ تڑپی تھی وہ اس کی دسترس میں ہی تھی صبر آنا یقیناً ممکن نہیں تھا۔

”کاش کہ میں نے جب ہی دیکھ لیا ہوتا تو آج پچھتاؤں کی آگ میں نہ جل رہی ہوتی کیوں ہوا میرے ساتھ...... کیوں...... کیوں؟ مجھے محبت راس نہیں آئی۔“ اشکوں سے تر خط کو سینے میں بھینچے وہ ماہی بے آب کی مانند تڑپ رہی تھی‘ بلک رہی تھی۔ سالوں سے خشک ہوئی آنکھیں پھر ناکام محبت پر رو رہی تھی۔ بنیرہ کا دل ماتم کناں تھا نوحہ کر رہا تھا۔

چہرہ درد کی شدت سے متغیر ہو گیا اس کے وہم و گماں میں بھی نہیں تھا کہ عوان سکندر کی محبت اس کی کتابوں میں سسک رہی ہوگی۔ ناقابل تلافی نقصان تو ہو چکا تھا‘ جتنا بھی رویا جاتا کم تھا۔ نجانے کس طرح سے تو وہ سنبھلی تھی آج پھر ٹوٹ کر بکھر گئی تھی۔

”یااللہ! میرے ساتھ ہی کیوں ہوا؟“ کیوں آنکھیں دل کھول کر برس رہی تھیں سجدے میں سر رکھے اپنے رب سے شکوہ کر ڈالا درد محبت بے دردی سے دھڑکنوں میں کہرام مچا رہا تھا۔ ضبط کی تمام سرحدیں پار کسی درد کے صحرا میں رلتی پھر رہی تھی۔ بے چینی و اضطراب اس کے انگ انگ پر رقصاں تھے اس کے وجود کو اضطراب کے اندھیروں نے نگل لیا تھا۔ اب کے سنبھل جانے کا اس میں یارا نہیں تھا نجانے اور کتنی دیر تڑپتی بلکتی‘ باہر سے امان کے رونے کی آواز پر چونکی۔ درد کے صحرا میں در در بھٹکتی واپس لوٹ آئی۔

سرگشتہ وجود کو سمیٹتے ہوئے باہر کی جانب لپکی‘ تخت پر بیٹھا امان شدت سے رو رہا تھا۔ ویرانی ایسی شے ہے جو بچوں کو ہولا دیتی ہے امان خود کو تنہا پا کر زار و قطار رویا تھا۔ ماں کو دیکھتے ہی ماں سے لپٹ گیا‘ بنیرہ نے روتے ہوئے اسے بانہوں میں بھر لیا۔ وہ بے قرار سا ہو کر ماں کے سینے سے جا لگا‘ بنیرہ امان کو سینے میں بھینچے پھر سسک اٹھی۔ نجانے اب کن کن بہانوں پر دل کو ہلکا کرنا تھا۔

ہوا تمام جیون یہ رنج و غم منانے میں
شب غم اگر ڈھلتی تو سحر وصل ہوتی

شب ہجر کی پہلی بارش
نازیہ کنول نازی

قسط نمبر 10

ماضی کی گود میں رکھ آئے خواب اور خواہش
اک روگ بن گیا تھا اس وبال کا شعور
وہ پکارے تو دل لوٹ آتا ہے خوشی سے
پنچھی بھول جاتا ہے ہر بار نئے جال کا شعور

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

صمید حسن اوران کی فیملی کی کہانی ہے جنہیں ان کے والدین کی رحلت کے بعد کرنل شیر علی اپنا بیٹا بنا کر گھر لے آتے ہیں اور بعدازاں اپنی بھتیجی مریہ رحمان کی شادی ان کے ساتھ طے کردیتے ہیں۔ مریہ رحمان کی بڑی بہن بریہ رحمان کی شادی ان کے سگے بیٹے سکندر علوی کے ساتھ طے ہوتی ہے مگر سکندر علوی بیرون ملک اپنی ایک کلاس فیلو کے ساتھ شادی رچا کر وہیں کے ہو رہتے ہیں جس کی خبر بریہ کو ہوتی ہے تو وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔ صمید حسن اور مریہ رحمان کے دو بچے زاویار صمید اور درمکنون صمید ہیں۔ بعدازاں دونوں کے راستے ایک چھوٹی سی غلط فہمی سے الگ ہوجاتے ہیں تو زاویار صمید حسن صاحب کے پاس رہ جاتا ہے جبکہ درمکنون کو مریہ بیگم اپنے ساتھ لے جاتی ہیں۔ ادھر بیرون ملک سکندر علوی کثرت شراب نوشی کے سبب جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے تو کرنل شیر علی اس کی بیٹی عائلہ علوی کو اپنے ساتھ پاکستان لے آتے ہیں۔ زاویار بے حد الجھے مزاج کا شخص ہے لندن میں اس کا سارا وقت اپنے انگریز دوستوں جولی رابرٹ اور ایبک کے ساتھ گزرتا ہے وہیں اسٹور پر کام کرنے والی ایک لڑکی ہوزان اس کی دیوانی ہے۔ درمکنون اپنی ماں مریہ کا بزنس سنبھال لیتی ہے اس کے آفس میں صیام آفندی جو اس کا پرسنل سیکرٹری ہے اس سے محبت کرتا ہے مگر اظہار نہیں کرتا۔ صمید حسن کی زندگی میں نامساعد حالات کے سبب دوسری آنے والی عورت سارا احمد ہے جن کے والد صمید حسن صاحب کے بزنس پارٹنر ہیں اور انہی کے بھتیجے کے ساتھ سارا بیگم کا نکاح ہوچکا ہے مگر وہ آوارہ مزاج انسان ثابت ہوتا ہے اور سارا بیگم کے طلاق کے مطالبے پر ان کی عزت برباد کرکے انہیں طلاق دے دیتا ہے۔ سارا بیگم کی بیٹی پرہیان اس حقیقت سے بے خبر ہے اور اپنی ماں کو گناہ گار سمجھتی ہے کیونکہ اس کا منگیتر ساویز آفندی جو صمید حسن صاحب کے قریبی دوست احمد آفندی کا اکلوتا بیٹا ہے اسے ناجائز سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ اسی لیے وہ بھی لندن اپنے یونیورسٹی فیلوز کے پاس آجاتی ہے۔ ساویز آفندی کی ماں سعدیہ آفندی کرنل شیر علی کی پوتی عائلہ علوی کے منگیتر سدید علوی کی بھی حقیقی ماں ہیں۔ سدید کرنل شیر علی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آرمی جوائن کرلیتا ہے۔ دوسری طرف کرنل شیر علی کے جگری دوست ملک اظہار اور زلیخا بی بی کا بیٹا عمر عباس مریہ رحمان سے عشق کرتا ہے مگر مریہ کو اس کے سچے جذبوں کی خبر نہیں۔ ملک اظہار کی ساری فیملی ان کی حویلی میں دفن ہے اسی حویلی کے راز جاننے کے لیے ان کی پوتی اور عمر عباس کی بھتیجی شہرزاد پاکستان آتی ہے۔ صمید کے آنے کے بعد مریہ کا اس کی طرف بے قراری سے بڑھنے پر عمر کے اندر کچھ ٹوٹتا ہے۔ عمر اداس ہوکر گزرے ہوئے وقت کو یاد کرنے لگتا ہے عمر شروع سے ہی غصہ کا تیز رہا ہے۔ کرنل صاحب کو بھائی اور بھابی کی اچانک رحلت نے توڑ کر رکھ دیا ہے بریہ اور مریہ کی ذمہ داری ان پر آگئی ہے اس صدمے سے بھی ابھی نکلے ہی نہیں کہ اکلوتے بیٹے نے ملک

سے باہر جانے کی ضد باندھ لی اور گھر سے زیور اور نقدی چرا کر ملک سے باہر چلا گیا۔ کرنل صاحب بریرہ اور مریرہ کو لے کر گاؤں آجاتے ہیں۔
سدید اپنے مشن پر روانہ ہوجاتا ہے اور برف سے ڈھکے پہاڑوں اور اونچے نیچے راستوں سے سدید گزر کر اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے۔ درمکنون اور شہزاد حویلی کے وزٹ پر نکلتی ہیں تب شہربانو ایک بار پھر مریرہ کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہے۔ صمید مریرہ کے لیے نیا گھر لیتا ہے اور چاہتا ہے کہ مریرہ کرنل صاحب کے گھر سے رخصت ہو کر اپنے گھر چل کر رہے۔ کرنل صاحب اپنے بیٹے کی خراب طبیعت کا سن کر اس کے پاس چلے جاتے ہیں مریرہ ان کی واپسی تک گھر تبدیل نہیں کرنا چاہتی۔ صمید اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر شادی کی تقریب میں شامل ہونے کے لیے گاؤں آتا ہے اور یہیں صمید کو عمر عباس کی مریرہ سے محبت کا پتا چلتا ہے۔ نئے گھر آتے ہی مریرہ کی حمنہ دوستی ہوجاتی ہے۔ حمنہ طلاق یافتہ ہوتی ہے اور ہر ویک اینڈ پر بچوں کو ان کے باپ سے ملنے کے لیے بھیج دیتی ہے اسے مرد ذات پر اعتبار نہیں رہتا اس لیے حمنہ مریرہ کو بھی صمید پر نظر رکھنے کے لیے کہتی ہے۔ حمنہ کی باتوں کا اثر تھا جواب مریرہ صمید کو شک کی نظروں سے دیکھنے لگتی اور صمید کا زیادہ دیر گھر سے باہر رہنا بھی اسے شبہ میں ڈال رہا ہوتا۔ پرہیان ایلی کے گھر میں رہ رہی ہوتی ہے تب ایلی ایک رات اسے اپنے بارے میں بتاتا ہے ایلی یونیورسٹی میں اکثر پرہیان کو چھپ چھپ کر دیکھتا تھا لیکن بات کرنے کی ہمت کبھی نہیں ہوئی تھی پرہیان کے لیے یہ بات حیران کن تھی۔ تب پرہیان بھی ایلی کو اپنی سچائی سے آگاہ کردیتی ہے۔ پرانی حویلی کے پچھلے حصہ میں شگفتہ اظہار اپنے شوہر کی ظلم کی تصویر بنی ابدی نیند سو رہی ہوتی ہیں۔ شادی کی پہلی رات ہی ریاض نے معمولی سی بات کو جھگڑے کی شکل دے کر شگفتہ کو تھپڑ دے مارا تھا اور ساتھ ہی اس کی بھابی نورین سے اپنی محبت کا اظہار بھی شگفتہ پر آشکار کردیا تھا۔ شگفتہ ماں بننے والی ہوتی ہے جب ریاض اسے سیڑھیوں سے دھکا دے کر موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

〈اب آگے پڑھیں〉

❀.....❀.....❀

آ کسی روز کسی دکھ پہ اکٹھے روئیں
جس طرح مرگِ جواں پر دیہاتوں میں
بوڑھیاں روتے ہوئے بین کیا کرتی ہیں
جس طرح ایک سیاہ پوش پرندے کے کہیں گرنے سے
ڈار کی ڈار زمینوں پہ اتر آتے ہیں
چیختے شور مچاتے ہوئے کرلاتے ہیں
اپنے محروم رویوں کی المناکی پر
اپنی تنہائی کے ویرانوں میں چھپ کر رونا
اجنبیت کے گھٹاٹوپ بیابانوں میں
شہر سے دور سیاہ غاروں میں چھپ کر رونا
اک نئے دکھ میں اضافے کے سوا کچھ بھی نہیں
اپنی ہی ذات کے جنگل میں الجھ کر رونا
اپنے گمراہ مقاصد سے وفا ٹھیک نہیں

ہم پرندے ہیں نہ مقتول ہوائیں پھر بھی
آ کسی روز کسی دکھ پر اکٹھے روئیں

❀......❀......❀

شہزاد نے درمکنون کا آفس جوائن کرلیا تھا۔ اس روز وہ آفس آئی تو شہزاد پہلے سے اس کے کمرے میں موجود تھی۔ مکمل بلیک سوٹ میں اس کا سنہری مائل خوب صورت سراپا قیامت ڈھا رہا تھا۔ درمکنون اسے دیکھ کر مسکرادی۔

"السلام علیکم آج خیر ہے؟"

"وعلیکم السلام سب خیر ہے۔ تم سناؤ آج اتنی لیٹ کیوں ہوگئیں؟"

"گاڑی ورکشاپ گئی ہوئی تھی' مما کی گاڑی کی چابی نہیں ملی آج پبلک ٹرانسپورٹ سے آئی ہوں۔"

"واؤ پھر تو بڑا مزہ آیا ہوگا؟"

"جی ہاں' پبلک ٹرانسپورٹ میں بندہ مزے ہی کرتا ہے۔" پرس ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے اپنی سیٹ سنبھالی' شہزاد کھل کر مسکرادی۔

"چلو خیر ہے کبھی کبھی گورنمنٹ سروس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں۔" وہ اسے چڑا رہی تھی درمکنون نے خاموش رہنے میں عافیت جانی' تبھی شہزاد پھر بولی۔

"پتا ہے دری! پرسوں میں صیام کے ساتھ اس کے گھر چلی گئی تھی' لائٹ کنکشن تا حال بحال نہیں ہوسکا ان کا تبھی میں نے شگفتہ اور صیام نے مل کر رات کے اندھیرے میں جسٹ کینڈل لائٹ کی مدد سے کھانا تیار کیا۔ سچ دری! بڑا مزہ آیا' غربت کا بھی اپنا مزہ ہوتا ہے ناں؟"

"ہوں......"

"تم صیام کی تنخواہ کیوں نہیں بڑھا دیتیں' وہ ایک قابل ورکر ہے۔ اگر اس کی تنخواہ بڑھ جائے تو یقیناً اس کی زندگی اور گھر کے چھوٹے چھوٹے سینکڑوں مسائل حل ہوسکتے ہیں۔"

"جانتی ہوں۔"

"جانتی ہو تو کچھ کرتی کیوں نہیں؟"

"جیسا تم چاہتی ہو ویسا کچھ نہیں ہوسکتا شہرو! سارے ملازمین کو ساتھ لے کر چلنا پڑتا ہے اگر میں صرف صیام کی تنخواہ میں اضافہ کرتی ہوں تو باقی کے ورکرز کو اعتراض کرنے کا موقع مل جائے گا اسی لیے میں نے صیام کے ساتھ ساتھ باقی ورکرز کی تنخواہوں میں بھی اضافہ کردیا ہے۔"

"وری گڈ تم واقعی بہت اچھی باس ہو دری!"

"شکریہ۔"

"تمہیں پتا ہے اس کی بہن شگفتہ کے سسرال والوں نے رشتہ ختم کردیا ہے؟"

"وہاٹ؟"

"ہاں یار! وہ لوگ اس کے والد کی رحلت پر آئے تھے افسوس کرنے' ساتھ ہی رشتے سے بھی معذرت کر گئے' کل ہی اس لڑکے کا کسی اور جگہ رشتہ پکا ہوگیا ہے۔"

"اوہ یہ تو حقیقتاً بہت برا ہوا۔"

"غریبوں کی زندگی میں زیادہ تر سب برا ہی برا ہوتا ہے دری! کاش میرے بس میں ہوتا تو میں صیام کی زندگی کے

سارے دکھ سمیٹ لیتی۔" شہزاد بہت سنجیدگی سے کہہ رہی تھی درمکنون نظر جھکا گئی۔

"ایک بات پوچھوں شہزاد! سچ سچ بتاؤ گی؟"

"ہوں پوچھوں۔" شہزاد نے فوراً توجہ اس کی جانب مبذول کی۔ درمکنون نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پھنسا کر اپنا چہرہ مٹھیوں پر ٹکا دیا۔

"کیا تم واقعی صیام میں انٹرسٹڈ ہو؟"

"آف کورس، تمہیں لگتا ہے میں ڈرامہ کررہی ہوں؟"

"شاید۔"

"تم پاگل ہو دری اور کچھ نہیں۔"

"اوکے، مما بتارہی تھیں عمر انکل پاکستان آرہے ہیں؟" فوراً سے پیشتر اس نے موضوع بدلا۔

"ہاں، ان کی یہاں کسی دوست سے بات ہوئی وہ اپنا کاروبار شروع کرنا چاہتے ہیں۔"

"اور تم؟"

"ظاہر ہے میں انہیں سپورٹ کروں گی۔"

"چلو اچھی بات ہے اب کام شروع کریں۔"

"ہوں۔" شہزاد نے اثبات میں سر ہلایا۔ درمکنون سر جھٹک کر کمپیوٹر میں مصروف ہوگئی۔

❁.......❁.......❁

حنان کی شادی کے دن رکھے جاچکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آج کل وہ آفس میں زیادہ ٹائم دے رہا تھا۔ اس وقت بھی اپنے کیبن میں موجود وہ مکمل تندہی سے کام میں مصروف تھا جب صیام درمکنون کے آفس سے نکل کر سیدھا اسی کے پاس چلا آیا، حنان نے اسے دیکھ کر فوراً کام روکا۔

"تم یہاں آفس میں؟"

"ہوں، کچھ ضرور کام تھا بس ابھی گھر کے لیے نکل رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں بھی شام تک چکر لگاؤں گا، ویسے ایک بات پوچھوں اگر تم برا نہ مناؤ تو۔"

"ہوں پوچھو۔"

"کیا تم شہزاد میں انٹرسٹڈ ہو؟"

"تم سے کس نے کہا؟"

"مجھے ایسا لگا کیونکہ پچھلے دنوں سے وہ تمہارے ساتھ ساتھ ہیں۔ گھر، ہسپتال، اور یہاں آفس میں بھی۔"

"تو اس سے یہ بات کہاں ثابت ہوتی ہے کہ میں ان میں یا وہ مجھ میں انٹرسٹڈ ہیں؟ وہ ایک نیک دل لڑکی ہیں حنان! تمہیں ان کی یا میری نیت پر شک نہیں کرنا چاہیے۔"

"میں شک نہیں کررہا مگر یہاں آفس میں ایک دو لوگ تمہیں اور انہیں لے کر باتیں کررہے تھے تبھی کلیئر کرنا مناسب سمجھا۔"

"لوگوں کا تو کام ہی باتیں کرنا ہے یار! میں پروا نہیں کرتا ویسے بھی میرے دل میں ان کے لیے ایسا ویسا کچھ نہیں ہے نہ کبھی ہوسکتا ہے۔"

"گڈ، کل تمہاری فیانسی کی دوست بتارہی تھی کہ شہزاد میڈم جلد ہی اپنی الگ برانچ جوائن کرنے والی ہیں جس میں

تمہارے لیے انہوں نے منیجر کی سیٹ ریزرو کی ہوئی ہے ایسا اگر ہوا تو کیا تم یہ کمپنی چھوڑ دو گے۔“

وہی بات جو اندر درمکنون نے اس کے گوش گزار کی تھی اب حنان بھی اسی بات کا تذکرہ کررہا تھا تو کیا درمکنون سب کچھ پہلے ہی جانتی تھی؟ کیا اس کی تنخواہ میں اضافے کے پیچھے واقعی یہی بات تھی؟

”نہیں۔“ فوراً سے پیشتر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”کوئی کتنی ہی اچھی جاب آفر کیوں نہ کرے میں یہ کمپنی نہیں چھوڑ سکتا۔“

”وجہ؟“ حنان جیسے سب جان لینا چاہتا تھا۔ صیام کو مجبوراً نگاہ چرانی پڑی۔

”وجہ میرا یار حنان ہے جو یہاں میرے ساتھ ہوتا ہے کہیں اور چلا گیا تو بھلا تمہاری شکل کہاں دیکھنے کو ملے گی۔“

”اچھا بچو! میں جیسے تمہیں جانتا نہیں ہوں ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔“

”کوئی کالا نہیں ہے اب تم ذرا توجہ سے اپنا کام کرو میں پہلے ہسپتال اور پھر گھر کے لیے نکلتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے مگر میں وجہ جان کر رہوں گا یہ یاد رکھنا۔“ دروازے سے نکلتے نکلتے حنان نے اس سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا کر اس کے کیبن سے باہر نکل آ گیا۔ باہر گاڑی میں شہزاد اس کی منتظر تھی صیام کو مجبوراً اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھنا پڑا۔

❁.......❁.......❁
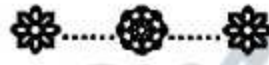
”آپ یہاں کب سے جاب کررہے ہیں صیام؟ میرا مطلب ہے درمکنون کے پاس؟“ گاڑی ہسپتال کی طرف رواں دواں تھی جب شہزاد نے ڈرائیو کرتے ہوئے صیام سے پوچھا جو بے نیازی سے باہر دیکھتے ہوئے خاموش بیٹھا تھا شہزاد کے سوال پر اس نے توجہ سامنے مرکوز کی۔

”زیادہ عرصہ نہیں ہوا کیوں؟“

”ویسے ہی میرے پاس آپ کے لیے اس سے بھی بہتر جاب کی آفر ہے۔“

”شکریہ مگر میں فی الحال اپنی جاب سے مطمئن ہوں۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مگر اس جاب سے آپ اپنے گھر والوں کی ذمہ داری ٹھیک سے پوری نہیں کرپا رہے۔“

”اللہ مالک ہے آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔“

”سو تو ہے پھر بھی آپ کبھی اپنی اس جاب سے غیر مطمئن ہوں تو پلیز میری آفر پر ضرور غور کیجیے گا۔“

”جی ٹھیک ہے...... شکریہ آپ نے میرے لیے اتنا کچھ کیا۔“

”نہیں شکریہ کی کوئی بات نہیں ویسے ایک بات پوچھوں اگر آپ کو برا نہ لگے؟“

”جی پوچھیے۔“ وہ اب بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا شہزاد کچھ سوچتے ہوئے سامنے سڑک پر دیکھتی رہی گاڑی کی رفتار اب پہلے سے بھی کم ہوگئی تھی۔

”کیا آپ نے زندگی میں کسی سے محبت کی ہے؟“ صیام کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس سے ایسا کوئی سوال بھی کرسکتی ہے تاہم پھر بھی اس نے پھر سے نگاہ باہر کے مناظر پر ٹکاتے ہوئے بہت دھیمے لہجے میں کہا۔

”جی ہاں۔“ شہزاد کے پاؤں اس کے غیر متوقع جواب پر فوراً بریک پر پڑے تھے۔

”کس سے؟“

”ہے کوئی پھولوں سے رنگ روپ والی چاند کی چاندنی سے بھی زیادہ اجلی لڑکی۔“

”کہیں آپ اپنی فیانسی کی بات تو نہیں کررہے؟“

"نہیں۔"

"کیا وہ لڑکی بھی آپ سے محبت کرتی ہے؟"

"نہیں! اسے تو میرے اندر شور مچاتے جذبات کا پتا بھی نہیں اور نہ ہی میں کبھی اسے یہ پتا لگنے دوں گا کیونکہ میری اور اس کی حیثیت میں بہت فرق ہے۔ میں ساری زندگی اس کا خدمت گار بن کر تو رہ سکتا ہوں مگر ہم سفر بن کر شاید کبھی نہیں رہ سکتا۔"

"آہم...... کیا وہ آفس میں بھی ساتھ ہوتی ہے؟"

"جی ہاں! صرف آفس میں ہی نہیں میرے ہر پل میں وہ میرے ساتھ ہوتی ہے۔"

"گڈ! کیا آپ کے گھر والوں نے اسے دیکھا ہے؟"

"جی ہاں! والد صاحب کی رحلت کا افسوس کرنے آئی تھی وہ۔" صیام اس کے ہر سوال کا فوری جواب دے رہا تھا۔ شہزاد کے اندر عجیب سی ہل چل شروع ہوگئی! صیام کے والد صاحب کی وفات کا افسوس کرنے آفس سے صرف دو ہی لڑکیاں گئی تھیں ایک وہ اور دوسری درمکنون......

درمکنون جیسی بے حس باس سے صیام کی محبت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا تو کیا وہ صاف لفظوں میں اسے اپنے دل کا پیغام پہنچا رہا تھا۔ وہ تو تھی درمکنون کے علاوہ جس کا اسٹینڈر صیام کے اسٹینڈر کے ساتھ میل نہیں کھاتا تھا وہی تو تھی جو اب تک صیام کے ساتھ رہنے کے باوجود اس کے اندر کا حال نہیں جان پائی تھی۔ اسے لگا جیسے ایک دم سے ہر چیز بے حد خوب صورت ہوگئی ہو۔ سامنے موجود تارکول کی سڑک بھی اس لمحے اسے بے حد خوب صورت دکھائی دے رہی تھی! دل جھوم اٹھا تھا۔ اس کے برعکس صیام کسی اور ہی سوچ میں گم تھا۔ شہزاد اگر اس کے لیے دل میں کوئی غلط خیال رکھتی بھی تھی تو اس نے اسے سب کلیئر کر دیا تھا۔ بھلا اس کے دل میں جو مقام درمکنون کا بن چکا تھا کوئی اور اس مقام تک پہنچ بھی کیسے سکتا تھا۔

❀......❀......❀

رات خاصی بیت گئی تھی جب اس نے اپارٹمنٹ میں قدم رکھا۔ گھپ اندھیرے میں نشے کی شدت کے باعث اس کے ہاتھ سوئچ بورڈ کو ڈھونڈنے میں ناکام ثابت ہوئے تھے تبھی ایک دم سے وہاں کمرے کی ساری لائٹس آن ہوگئی تھیں۔ زاویار نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا اس کے سامنے کچھ ہی فاصلے پر ڈنر سوٹ میں ملبوس صمید حسن صاحب کھڑے تھے! لمحے سے بھی قبل اس کا سارا نشہ ہرن ہوا تھا۔

"آپ؟"

"ہوں میں! کیوں خوشی نہیں ہوئی دیکھ کر؟" وہ سنجیدہ تھے۔ ان کے چہرے پر پھیلا کرب ان کے اندر کی بے سکونی کا پتا دے رہا تھا زاویار ایک طرف دھرے صوفے پر ڈھے گیا۔

"کیوں آئے ہیں یہاں؟"

"اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ لے جانے۔"

"ایم سوری! مگر یہاں آپ کا کوئی بیٹا نہیں رہتا۔"

"مگر مجھے تو مغرب کی ہواؤں نے یہیں کا پتا دیا تھا۔"

"میں اس وقت آپ سے بحث کے موڈ میں نہیں ہوں ڈیڈ!"

"میں پسند بھی نہیں کروں گا کہ تم مجھ سے بحث کرو۔"

"تو پھر پلیز آپ یہاں سے چلے جائیں۔"

”چلا جاؤں گا مگر تمہیں ساتھ لے کر۔“
”مجھے آپ کے ساتھ کہیں نہیں جانا نہ ہی میں مزید آپ کے ساتھ کوئی واسطہ رکھنا چاہتا ہوں۔“
”مگر کیوں؟ صرف اس لیے کہ میں نے تم سے ایک چھوٹی سی حقیقت چھپائی؟“
”جی ہاں آپ کے لیے چھوٹی سی حقیقت ہوگی مگر میرے لیے یہ میری پوری زندگی کا سوال تھا۔“
”کیا تم مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کا ایک موقع بھی نہیں دو گے زاویار!“
”کیا اب بھی آپ کے پاس اپنی صفائی میں کہنے کے لیے کچھ ہے ڈیڈ! پچیس سال آپ نے مجھے ایک فریب میں رکھا' پچیس سال میں اپنی حقیقی ماں سے دور اس عورت کی محبت میں جیتا رہا جو حقیقت میں میری ماں کی غاصب تھی۔“
”یہ سچ نہیں ہے زاویار۔“
”تو پھر سچ کیا ہے ڈیڈ! اگر یہ سچ نہیں ہے تو پھر آپ نے مجھ سے ہر بات چھپا کر کیوں رکھی؟ کیوں مجھے میری سگی ماں سے محروم رکھا' کیوں چھینا آپ نے مجھے ان سے کیوں ان کی جگہ کسی دوسری عورت کو دی کیوں انہیں ان کے ہی گھر سے بے دخل کیا؟“
”میں نے بے دخل نہیں کیا وہ خود مجھے چھوڑ کر گئی تھی۔“
”مگر کیوں؟ کوئی بھی عزت دار شریف عورت بلاوجہ اپنا گھر چھوڑ کر نہیں جاتی۔“
”میں نے کب کہا کہ وہ بلاوجہ چھوڑ کر گئی تھی؟“
”تو پھر وہ وجہ بتا دیں جس نے انہیں آپ کا گھر چھوڑنے پر مجبور کیا؟“ زاویار کا لہجہ تلخی سے پُر تھا صمید صاحب کو بے ساختہ نظر چرانی پڑی۔
”انہوں نے میرا گھر اس لیے چھوڑا کیونکہ...... کیونکہ وہ کسی اور کو پسند کرتی تھیں۔“
”وہاٹ......؟“ زاویار کو لگا جیسے زمین اس کے قدموں تلے سے ال گئی ہو۔
”ہوں...... میرے اور اس کے درمیان بہت فاصلے آ گئے تھے اسی لیے اس نے اپنا رستہ الگ کرلیا۔ تم سے یہ حقیقت اس لیے چھپائی کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرا بیٹا ایک ٹوٹی پھوٹی شخصیت کا مالک ہو جہاں تک سارا بیگم کی بات ہے تو وہ کوئی آوارہ یا بدچلن عورت نہیں تھی زاویار! مجھ سے شادی سے پہلے اس کا اپنے سگے چچازاد سے نکاح ہوا تھا۔ پریہان اسی شخص کی بیٹی ہے مگر وہ شخص سارا کے قابل نہیں تھا اسی لیے دونوں میں علیحدگی ہوگئی۔ میرا سارا کے ساتھ کوئی افیئر نہیں تھا' نہ ہی میں دوسری شادی کا خواہش مند تھا مگر میں بہت مجبور ہوگیا تھا ہسپتال میں بے بسی سے دم توڑتے سارا احمد کی والد منیر صاحب میرے بزنس پارٹنر تھے۔ بہت احسانات تھے ان کے مجھ پر میں ان کی منت کے سامنے۔ بہت زیادہ دیر تک پہاڑ نہ بن سکا۔ بس یہی میری خطا ہے۔“ ایک باپ، بہت ٹوٹے ہوئے لہجے میں اپنی صفائی پیش کررہا تھا۔
زاویار کا سر جھک گیا' دل میں آئی بدگمانیوں کے بادلوں کو چھٹنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ کرنل صاحب نے بھی کچھ ایسا ہی کہا تھا اگر صمید حسن غلط ہوتے تو بھلا کرنل صاحب ان سے رابطہ کیوں رکھتے؟ واقعی شاید اس کی ماں غلط تھی تبھی تو صمید حسن کے ساتھ ساتھ وہ کرنل صاحب کو بھی چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ زاویار نے پہلے اس نہج پر نہیں سوچا تھا اب سوچا تھا تو اپنے ہرری ایکشن پر شرمندگی ہو رہی تھی۔
”ایم سوری پاپا! شاید میں نے آپ کو غلط سمجھا۔“
”اٹس او کے مائی سن۔“ صمید صاحب نے مسکرا کر کہتے ہوئے اپنے جواب بیٹے کو فوراً سینے سے لگایا' ان کی کوشش بے کار نہیں گئی تھی۔

مریہ بیگم کے کردار کی ذراسی جھول دکھا کر برسوں کا سرمایہ ہاتھ آ رہا تھا تو یہ سودا برا نہیں تھا۔

❀......❀......❀

"پری......" وہ اسٹور پر جانے کے لیے نکل رہی تھی جب ایلی نے اسے آواز دی۔ ڈارک بلو شرٹ پر جینز کی نیلی پینٹ پہنے وہ خاصا صاف ستھرا دکھائی دے رہا تھا' پر ہیان ایڑھیوں کے بل اس کی طرف گھومی تھی۔

"ہوں۔"

"کہاں جارہی ہو؟"

"کچھ کام ہے باہر' کیوں خیریت؟"

"ہوں خیریت ہی ہے' تمہارے ڈیڈ آئے ہوئے ہیں انگلینڈ شاید ان کی صلح ہوگئی ہے تمہارے بھائی سے تبھی تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ مارتھا پیرس گئی ہوئی ہے کل تمہارا بھائی اس کے اپارٹمنٹ گیا تھا تمہارا پوچھنے۔"

"پھر؟"

"پھر کیا' انیل نے اسے میرا پتا دے دیا' شاید تم نے یا مارتھا نے اس کے سامنے میرا ذکر کیا ہو' تبھی اس نے تمہارے بھائی سے کہا کہ تم میرے گھر پر ہوسکتی ہو۔ تمہارے ڈیڈ اور بھائی کل آئے تھے میرے آفس۔"

"پھر......"

"پھر میں نے ان سے کہا کہ تم میرے گھر آئی تھیں مگر میں شہر میں نہیں تھا' تم مایوس ہوکر کہیں اور چلی گئیں۔ یہ بھی کہ میرا اب تم سے کوئی رابطہ نہیں ہے' وہ مایوس واپس لوٹ گئے' کیا میں نے ٹھیک کیا پری؟"

"ہوں۔" پر ہیان نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"تمہیں دیر تو نہیں ہورہی؟"

"نہیں' کیا؟"

"کچھ اور بھی بتانا تھا تمہیں؟"

"کیا؟"

"تمہارا فیانسی تھا ناں وہ ساویز آفندی۔"

"ہوں' کیا ہوا اسے؟"

"اسے کچھ نہیں ہوا' میں اس سے ملا تھا جا کر۔"

"کیوں اور تم کیسے جانتے ہو اسے؟"

"یونیورسٹی پریڈ میں ایک بار وہ تم سے ملنے آیا تھا تبھی دیکھا تھا یہاں پچھلے دنوں ایک بار کلب میں بھی ملاقات ہوئی تھی اس سے۔"

"اوہ مگر تم اس سے خود جا کر کیوں ملے؟"

"کچھ ضروری کام تھا بزنس کے سلسلے میں اس لیے ملنا پڑا۔"

"ٹھیک ہے' کیا تم آج رات گھر پر رہو گے؟"

"شاید' کیوں؟"

"یونہی کچھ ڈسکس کرنا تھا تم سے۔"

"ٹھیک ہے میں کوشش کروں گا گھر پر رہوں۔"

''شکریہ ایلی!'' اس کے شکریہ کے جواب میں ایلی مسکرا دیا۔ پر ہیان اداس مگر مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھتی باہر نکل گئی۔

❀......❀......❀

رخصت ہوتی سردیوں کی وہ ایک اداس شام تھی جب نورین نے پھر ریاض کو ملنے کا پیغام بھجوایا تھا' یہ ملاقات اس بار نورین کے گھر کی بجائے باہر کھیتوں میں طے تھی۔ ریاض دیئے گئے وقت سے بھی پہلے مقررہ جگہ پر موجود تھا' گہرے سرخ سوٹ میں ملبوس نورین کا حسن اس کی آنکھوں کا خیرہ کررہا تھا۔

''ہاں بول' کیوں بلوایا ہے چوہدرانی صاحبہ۔'' بالکل اس کے ساتھ لگ کر بیٹھتے ہوئے اس نے پرشوق نگاہوں سے نورین کی آنکھوں میں جھانکا' جہاں کاجل کی باریک سی لکیر بے حد بھلی لگ رہی تھی نورین کے لب اسے دیکھ کر مسکرائے تھے۔

''کیا تجھے نہیں پتا کہ کیوں بلوایا ہے تجھے؟''

''مجھے کیسے پتا ہوسکتا ہے تُو کچھ بتائے گی تو ہی پتا چلے گا ناں۔''

''چل سن فیر' میں نے امی سے ہماری شادی کی بات کی تھی۔''

''پھر؟''

''پھر کیا' وہ تو خوش ہوگئیں سن کے' تیری طرف تو پہلے ان کا دھیان ہی نہیں تھا ویسے بھی شگفتہ کے ساتھ تیری نسبت طے تھی اب وہ بھلا سگے بھائی کی بیٹی کا حق تو نہیں چھین سکتی تھیں ناں۔''

''ہوں کہتی تو تُو ٹھیک ہے پھر؟''

''پھر کیا' امی کو ہمارے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں مگر......''

''مگر کیا؟''

''مگر ایک مسئلہ ہے ریاض۔''

''کیسا مسئلہ؟''

''مسئلہ یہ ہے کہ قمر جان چھوڑنے کو تیار نہیں ہے یعنی وہ طلاق نہیں دے رہا۔''

''کیوں؟ وہ سالا خود تو دوسری شادی کر کے بیٹھ گیا اور تجھے طلاق کیوں نہیں دے رہا؟''

''بس یونہی اذیت دینا چاہتا ہے اسے یہ بھی پتا لگ گیا ہے کہ تُو نے اس کی بہن شگفتہ کی جان میری وجہ سے لی ہے تبھی وہ ہم دونوں کو سزا دینا چاہتا ہے۔''

''ایسی کی تیسی اس کی سزا کی۔''

''وہ بہت عیار انسان ہے ریاض تُو اسے نہیں جانتا۔''

''اسے چھوڑ اسے میں دیکھ لوں گا تُو بتا تُو کیا چاہتی ہے اب؟''

''میں نے کیا چاہنا ہے؟ سیانے کہتے ہیں تھی جب سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو انگلی پھر ٹیڑھی کرنی پڑتی ہے۔''

''ہوں یعنی تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ اس کا پتہ بھی صاف کردیا جائے۔''

''بالکل کیونکہ اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہیں۔''

''ہوں کہتی تو تُو ٹھیک ہے۔''

''پھر؟''

"پھر کیا اب تیری خوشی کی خاطر اتنا تو کرنا ہی پڑے گا۔" ریاض کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی نورین کے اندر تک ٹھنڈ اتر گئی۔

جس شخص نے اس پر کسی اور عورت کو ترجیح دینے کا گناہ کیا تھا اس کی اتنی سزا تو بنتی تھی۔

❀......❀......❀

اس روز بہت دنوں کے بعد ہلکی ہلکی دھوپ نکلی تھی۔ عمر گاؤں میں نہیں تھا وہ آج کل ملک سے باہر جانے کی تیاریوں میں مصروف تھا خضر بھاء اور نظر بھاء کے سسرال میں شادی تھی لہٰذا وہ دونوں اپنی اپنی بیگمات اور بچوں کے ساتھ عین مہندی والے دن حویلی سے رخصت ہوئے تھے۔ شہربانو کا ساتواں مہینہ تھا مگر پھر بھی اس نے حویلی کے تمام کام بہت اچھے طریقے سے سنبھال رکھے تھے۔ قمر بھی پہلے سے زیادہ سنجیدہ اور سمجھدار ہوگیا تھا۔

اس روز وہ زمینوں پر اکیلا تھا' کپاس کی کٹائی ہوچکی تھی اور اب گندم کی فصل نے بھی زمین سے ذرا ذرا سا سر باہر نکالنا شروع کردیا تھا۔ قمر کو کوئی خاص کام تو تھا نہیں اس نے یونہی گوڈی شروع کردی۔ ابھی وہ کام ختم کرکے گھر جانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ریاض اپنی گاڑی پر وہاں پہنچ گیا' قمر کی نظر جیسے ہی اس پر پڑی اس کا خون کھول اٹھا۔

"تُو یہاں؟"

"ہوں' کیوں اچھا نہیں لگا دیکھ کر؟" اس کے لبوں پر اشتعال دلانے والی مسکراہٹ تھی۔ قمر نے رمبی پھینک دی۔

"تجھ جیسے جانور کو دیکھنا کسے اچھا لگ سکتا ہے بھلا؟"

"مت بھول کہ یہ جانور ابھی کچھ وقت پہلے تیری بہن کا خصم رہ چکا ہے۔" وہ گاڑی سے اتر آیا تھا' قمر کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔

"بدقسمتی تھی میری بہن کی جو رب سوہنے نے اس کا نصیب تجھ جیسے جانور کے ساتھ لکھ دیا ورنہ تجھ جیسے کتے کو تو اس کا آنچل بھی نہ دیکھنے دیتے ہم۔"

"اتنی نفرت؟"

"تُو نفرت کے بھی لائق نہیں ہے۔"

"چل نہ سہی میں نے کون سے دانے لینے ہیں تجھ سے' میں تو صرف اتنا کہنے آیا تھا کہ نئی نئی شادی ہوئی ہے تیری' مزے کر اور نورین کی جان چھوڑ دے ایسا نہ ہو کہ تجھے بھی اپنی دلاری بہن کے پاس جانا پڑ جائے۔"

"بکواس بند کر اور دفع ہوجا یہاں سے۔"

"اس کا مطلب ہے تُو شرافت سے نہیں مانے گا؟"

"تو دفع ہوتا ہے کہ کروں تیرا بندوبست۔"

"تُو کیا بندوبست کرے گا میرا' بندوبست تو تیرا میں کرنے آیا ہوں۔" کہنے کے ساتھ ہی اس نے گاڑی سے پسٹل نکالا اور پھر بنا کوئی موقع دیئے سامنے خالی ہاتھ کھڑے قمر پر فائر کھول دیا۔ گولی قمر کے بائیں بازو کے قریب سے ہوتی پیچھے نکل گئی تھی۔ وہ لڑکھڑایا اور پھر سنبھل کر کھڑا ہوا تھا کہ اس نے دوسرا فائر بھی داغ دیا۔

دوسرا وار پہلے سے بھی زیادہ زور آور تھا' سنبھلنے کی لاکھ کوشش کے باوجود قمر اوندھے منہ تازہ تازہ گوڈی کی ہوئی زمین پر گر پڑا۔ اس کی آنکھیں اور منہ مٹی سے اٹ گئے تھے پھر بھی اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ وہ ابھی اٹھ ہی رہا تھا کہ ریاض نے تیسرا وار بھی کردیا۔ گاؤں کی خاموش فضا میں اس کے پسٹل سے نکلنے والے فائرز کی آواز نے اردگرد کے درختوں پر سیکڑوں پرندوں کو بے چین کردیا تھا۔ روتے کرلاتے چیختے وہ انسانیت کی پستی اور جہالت پر کائیں کائیں کر رہے تھے۔

گندم کی اٹھاتی سنہری بالیاں خون کی سرخ چنری اوڑھے جھک گئی تھیں اردگرد کے سنسان کھیت نوحہ کناں تھے۔ آخری منظر جو عینی شاہدین نے دیکھا ریاض ملک قمر عباس کے قریب پنجوں کے بل بیٹھا اس کے خون سے لت پت کشادہ سینے پر چاقو کے پےدرپے وار کررہا تھا جیسے اس روز وہ ہر طرح سے اس کی موت کی تسلی کرلینا چاہتا ہو۔
زرزن اور زمین میں سے پھر ایک زندگی کو زن نے نگل لیا تھا۔ ایک اور قیمتی جان جہالت کی نذر ہوگئی تھی۔ ریاض نے اپنا وعدہ پورا کردکھایا تھا اب نورین کی باری تھی۔

❀......❀......❀

رخصت ہوتی سردیوں کے اداس دنوں میں قمر عباس جیسے گھبرو جوان کے بے رحمانہ قتل نے پورے گاؤں کی فضا میں عجیب یاسیت بکھیر دی تھی۔ حویلی میں گویا قیامت بپا ہوگئی اطلاع دینے والے نے صرف قمر عباس کے قتل کی اطلاع نہیں دی تھی بلکہ ایک قیامت کے بپا ہونے کی اطلاع دی تھی۔
سکھ چین کی چھاؤں میں تخت پر بیٹھی بے جی چھوٹی چھوٹی ننھی بچیوں کو قرآن پاک کا درس دے رہی تھیں جب حویلی کے بیرونی دروازے پر زوردار دستک سنائی دی۔ شہربانو اس وقت پالک چن رہی تھی آٹا اس نے پہلے ہی گوندھ کر رکھ دیا تھا۔ جانے کیا بات تھی کہ صبح سے ہی اس کا دل کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔ عجیب بوجھل سی طبیعت ہورہی تھی جیسے کوئی انہونی ہونے والی ہو اور بالآخر انہونی ہوگئی تھی۔
حویلی کے بیرونی گیٹ پر دستک دینے والا خیر کی خبر لے کر نہیں آیا تھا۔ بے جی ابھی تخت سے اٹھنے کا قصد کرہی رہی تھیں کہ اچانک حویلی کے مزارعے نے ان کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی۔
"غضب ہوگیا چوہدرانی جی!"
"اللہ خیر کرے کیا ہوا؟" ان کی نظریں مزارعے کے چہرے کا اڑا ہوا رنگ دیکھ کر پتھرا گئی تھیں تبھی وہ نظریں جھکاتا ہوا بولا تھا۔
"قمر بھائی کا قتل ہوگیا ہے چوہدرانی جی! ابھی گاؤں کا بندہ اطلاع دے کر گیا ہے۔"
"کیا......؟" چوہدرانی کا ہاتھ بے ساختہ اپنے کلیجے پر پڑا تھا۔ اندر رسوئی میں پالک صاف کرتی شہربانو کی سماعتوں میں جیسے کسی نے پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا بھلا قمر عباس کا قتل کیسے ہوسکتا تھا؟ اس کی تو پورے گاؤں میں کسی سے بھی دور نزدیک کی دشمنی نہیں تھی۔ وہ تو ہمہ وقت خوش رہنے اور خوش رکھنے والا لاابالی سا نوجوان تھا۔ اس کا احساس تو ابھی اس کی کوکھ میں پل رہا تھا۔ ابھی تو اس نے اپنے دنیا میں آنے والے بچے کا چہرہ دیکھنا تھا اس کی خوشی منانی تھی بھلا وہ ابھی سے خاک اوڑھ کر سونے کا ارادہ کیسے کرسکتا تھا؟
شام کے دھندلکے گہرے پڑ رہے تھے جب گاؤں کے چند لوگ قمر عباس کے خون میں لت پت وجود کو اٹھا کر حویلی لے آئے۔
پورے گاؤں میں چوہدریوں کے بیٹے کے قتل نے گویا تہلکہ مچادیا تھا۔ وہ ماحول جہاں چھوٹی چھوٹی باتوں پر قتل کرنا اور قتل ہونا معمول کی بات تھی اسی ماحول میں قمر عباس کے بے رحمانہ قتل نے گویا جنگل میں آگ لگادی تھی۔ اظہار ملک جو ساتھ والے گاؤں کے نمبردار سے ملنے گئے ہوئے تھے بیٹے کے قتل کی ناگہانی خبر سن کر لٹے ہوئے مسافر کی طرح حویلی پہنچے تھے۔
وہاں کتنے لوگ تھے جنہوں نے اسے قتل ہوتے ہوئے دیکھا تھا قطعی بے بسی سے زندگی کو الوداع کہتے ہوئے دیکھا تھا۔ کتنے لوگ تھے جنہوں نے ریاض ملک کا نام لیا تھا۔ اظہار ملک صاحب کو لگا جیسے روح نے ان کے بدن کا ساتھ چھوڑ

دیا ہو۔ جوان لاڈلے بیٹے کی لاش پر وہ کسی کٹے ہوئے درخت کی مانند گرے تھے وقار ملک صاحب تک بھی اپنے سپوت کا کارنامہ اطلاع بن کر پہنچ چکا تھا۔

نئی حویلی کے وسیع احاطے میں چکور کی طرح ادھر سے اُدھر لگاتے ہوئے وہ بے صبری سے ریاض ملک کے حویلی پہنچنے کا انتظار کررہے تھے۔ شام ڈھل چکی تھی اور اب رات کی سیاہی دن کے اجالے کو مکمل طور پر آغوش میں لیتے ہوئے اپنی بانہیں پھیلا رہی تھی جب ریاض حویلی پہنچا تھا۔ قمر عباس کے توانا جسم سے نکلنے والے سرخ خون کے دھبے اب بھی اس کے لباس پر اس کی درندگی کا واضح ثبوت بن کر دکھائی دے رہے تھے شاید وہ لباس تبدیل کرنے ہی حویلی آیا تھا۔ وقار ملک صاحب کو حویلی کے احاطے میں ادھر سے اُدھر چکر لگاتے دیکھ کر ایک پل کے لیے اس کے چہرے کا رنگ اڑا تھا مگر اگلے ہی پل وہ اپنا اعتماد بحال کرتے ہوئے ان کے قریب چلا آیا۔

''السلام علیکم ابا!''

''چٹاخ......'' اس کے سلام کا جواب وقار ملک صاحب نے اسے تھپڑ کی صورت دیا تھا۔

''نا ہنجار..... گندی اولاد...... تجھے پتا بھی تھا کہ الیکشن سر پر ہیں اور میں نے ہر صورت یہ سیٹ جیتنی ہے پھر بھی تُو نے ایسی احمقانہ حرکت کر ڈالی وہ بھی اپنے برابر کے لوگوں کے ساتھ؟ اتنی ہی گرمی چڑھی تھی خون میں تو مزارے مر گئے تھے کیا سارے؟ کسی کا بھی گلا کاٹ دیتا پکڑ کے۔'' انہیں سگے بھتیجے کا مرنے کا افسوس نہیں تھا بلکہ اپنے الیکشن کی فکر تھی۔ ریاض کو بھی ابھی یاد آیا تھا کہ الیکشن سر پر تھے تبھی وہ شرمندگی سے بولا۔

''غلطی ہوگئی ابا! معافی چاہتا ہوں۔''

''معافی کے بچے تجھ سے میں بعد میں نپٹوں گا ابھی اپنی یہ مکروہ شکل لے کر دفع ہو جا یہاں سے اور جب تک معاملہ ٹھنڈا نہیں پڑ جاتا خبردار اگر گاؤں کا رخ کیا تو......'' وہ اسے یوں ڈانٹ رہے تھے جیسے اس نے کسی انسان کا نہیں بے زبان جانور کا خون بہایا ہو اور یہ صرف وقار ملک اور ریاض ملک کی کہانی نہیں تھی؛ پاکستان اور ہندوستان کے سینکڑوں دیہاتوں کی کہانی تھی جہاں جنگل کا قانون تھا جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ تھا۔

ریاض اپنے باپ کے حکم پر تابعداری سے سر ہلا کر وہاں سے رخصت ہوگیا۔ اس کے حویلی سے رخصت ہوتے ہی وقار ملک نے اپنے خاص خادم کو طلب کیا۔

''حکم سائیں۔'' ملازم ہاتھ باندھے مکمل تابعداری کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ تبھی انہوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے حکم صادر کیا۔

''پتا کرو گاؤں میں کون کون اظہار کے بیٹے کے قتل کا عینی شاہد ہے؛ جس جس نے بھی یہ قتل ہوتے دیکھا ہے ان سب کو فوراً حویلی میں حاضر کرو۔''

''جی سائیں۔'' خادم حکم لے کر اگلے ہی پل وہاں سے رخصت ہوگیا۔

وقار ملک صاحب سوچ بچار کرتے ہوئے آگے کا لائحہ عمل ترتیب دینے لگے۔

❁......❁......❁

گاؤں میں قتل کے عینی شاہدین میں مائی جیراں کا نام سر فہرست تھا۔ مائی جیراں کا گھر اظہار ملک صاحب کی زمینوں کے بالکل قریب تھا۔ جس وقت ریاض ملک نے قمر عباس کے وجود میں گولیاں اتاری تھیں مائی جیراں اتفاق سے اپنے گھر کے باہر ہی موجود تھی؛ مائی جیراں کی زندگی کی کہانی تو بہت طویل تھی مگر مختصر خلاصہ بس اتنا ہی تھا کہ اس کی صرف ایک ہی جوان بیٹی تھی شہناز؛ برسوں پہلے اس کے اکلوتے بیٹے کو جیل ہوگئی تھی وہ بھی ایسے جرم میں جس کا نہ خود مائی جیراں کو پتا تھا نہ

اس کے بے گناہ بیٹے کو۔ اسے بس اتنا پتا تھا کہ رات کا وقت تھا جب پولیس کی گاڑی اچانک اس کے گھر آئی تھی۔ اس کے بیٹے کو تین دن سے تیز بخار تھا مگر دوا پانی کے لیے پیسے نہیں تھے بس وہ گاؤں کے مولوی صاحب سے دو تین بار دم کروا آئی تھی جس سے تھوڑا بہت افاقہ ہوا تھا مگر بخار کا زور مکمل طور پر نہیں ٹوٹا تھا۔ پولیس نے جب اس کے گھر پر دھاوا بولا وہ اپنے بیٹے کے لیے دودھ گرم کررہی تھی۔ دودھ کا برتن پولیس کو بے دھڑک گھر میں گھستے دیکھ کر اس کے ہاتھ سے چھوٹا تھا اور سارا گرم دودھ کپڑوں اور پاؤں پر جا گرا۔ وہ بس دیکھتی رہ گئی تھی جب ایک پولیس والے نے اسے سائیڈ پر دھکیل کر اس کے بخار سے نڈھال بیٹے کو گریبان سے پکڑ کر اٹھالیا۔

"چل اوئے تھانے چل کر سیوا کرتے ہیں تیری۔" مائی جیراں پولیس والے کی بات سن کر بجلی کی سی سرعت سے اپنے بیٹے کے قریب آئی تھی۔

"کیا بات ہے تھانے دار صاحب! کیا کیا ہے میرے بیٹے نے؟"

"تھانے چل کر پتا لگے گا بی بی! کیا کیا ہے تیرے بیٹے نے۔"

"مگر اسے تو تین دن سے تیز بخار ہے۔" مائی جیراں کے ہواس گم ہوئے تھے پولیس والے کے لبوں پر مکروہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"اتار دیتے ہیں تھانے لے جا کر اس کا بخار پولیس والوں کی چھترول سے تو بڑے بڑوں کے ہوش ٹھکانے آجاتے ہیں یہ تو ابھی بال ہے۔" اس کے معصوم بیٹے کو آگے کی طرف دھکیلتے ہوئے اس نے تھپڑ رسید کیا تھا مائی جیراں کا کلیجہ جیسے پھٹ گیا۔

عوام کی جان و مال کی حفاظت کے لیے وردی پہننے والی یہ مخلوق بھلا موت کے فرشتے سے کم کہاں ہوتی ہے کسی کے لیے۔ جن کو دیکھ کر غنڈوں اور گناہ گاروں کو کانپنا چاہیے وہی غنڈوں اور گناہ گاروں کے ساتھ دوستی پال کر عزت دار شریف لوگوں کے لیے خوف بن جائیں تو خدا کی زمین بہت چھوٹی پڑجاتی ہے۔ مائی جیراں کے لیے بھی خدا کی زمین چھوٹی پڑ گئی تھی۔ اس وقت پولیس کی گاڑی کے روانہ ہوتے ہی وہ بھاگ کر حویلی آئی تھی جہاں اس کا ٹکراؤ وقار ملک صاحب کے ساتھ ہوا تھا انہیں سامنے دیکھتے ہی وہ ان کے پاؤں پڑ گئی۔

"سائیں آپ کی مدد چاہیے پولیس میرے بیٹے کو تھانے لے گئی ہے۔"

"تھانے لے گئی ہے تو میں کیا کروں قانون کے معاملے میں میں دخل اندازی نہیں کرسکتا۔"

"آپ سب کچھ کرسکتے ہیں سائیں! میرا بیٹا آپ کی آنکھوں کے سامنے پل کر جوان ہوا ہے وہ بے گناہ ہے اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔"

"اس نے کوئی جرم کیا ہے یا نہیں کیا اس کا فیصلہ تُو نے نہیں پولیس نے کرنا ہے۔ ان کا دماغ خراب نہیں ہے جو بناء کسی جرم کے وہ تیرے بیٹے کو اٹھا کر لے جائیں آخر اوپر جواب دینا ہوتا ہے بھئی پھر بھی اگر وہ بے گناہ ہوا تو آجائے گا گھر ایوں رولا نہ ڈال۔ اب ہٹ پرے..... شکار کے لیے لیٹ ہورہا ہوں میں۔" ایک ٹھوکر سے اس غریب بوڑھی عورت کو سائیڈ پر دھکیلتے ہوئے وقت کا وہ فرعون حویلی سے باہر نکل گیا تھا۔

مائی جیراں دوپٹے سے بے نیاز کسی لٹے ہوئے مسافر کی طرح ناکام و نامراد گھر واپس لوٹ آئی اس رات تھانے کی چار دیواری میں اس کا لعل پولیس گردی کی بھینٹ چڑھا تھا۔ جسے کبھی ماں نے باپ کی وفات کے بعد پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا تھا اسی جسم پر لوگوں کی جان و مال کے محافظوں نے درندگی اور بربریت کی ان مٹ داستانیں رقم کردی تھیں۔

سردیوں کی طویل راتیں تھیں۔ اس رات جیل اور تھانے کے عملے نے مائی جیراں کے بیٹے کی درد میں ڈوبی چیخیں سنی تھیں۔ اگلی صبح اس نمانے نے سب کے سامنے اقرار جرم کرلیا تھا۔ دو روز قبل ساتھ والے گاؤں کی جو جوان لڑکی اغوا ہوئی تھی پولیس والوں نے اسے اسی گاؤں کے ایک کھیت سے برآمد کرلیا تھا وہ بھی قطعی برہنہ حالت میں۔ اس لڑکی کا مردہ وجود اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ اسے اچھی طرح بے عزت کرنے کے بعد نہایت بے دردی سے قتل کیا گیا تھا اور اس قتل کا ایک ہی واحد چشم دید گواہ تھا۔

"مائی جیراں کا بیٹا۔" سزا تو ملنی تھی اسے اندھے قانون کے ملک میں ایک بااثر مجرم کو جرم کرتے ہوئے دیکھنے کی سزا تو ملتی ہے۔ مائی جیراں کو کیا خبر تھی کہ جس شخص کے پاس وہ رحم کی بھیک مانگنے گئی تھی خود اسی شخص نے تو اس کے لعل کی جان کی قیمت ادا کی تھی۔

ہر حقیقت سے باخبر قانون کے رکھوالوں نے پورے پچاس ہزار میں کیس مائی جیراں کے بیٹے پر فٹ کردیا تھا۔ اگلے روز گاؤں کے معززین اور لڑکی کے خاندان والوں کے سامنے اس نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔ مائی جیراں کے بیٹے کے اقرار جرم کے مطابق وہ کل رات کھیت میں کام کررہا تھا جب اس نے ساتھ والے گاؤں کی اس لڑکی کو حویلی سے نکلتے ہوئے دیکھا وہ لڑکی اس کے گاؤں کی حویلی میں چوہدریوں سے اس کی شکایت کرنے آئی تھی کیونکہ وہ اکثر ساتھ والے گاؤں میں آتے جاتے اسے تنگ کرتا تھا اسی شکایت کا بدلہ لینے کے لیے اس نے رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر اس لڑکی کو بے بس کیا اور اپنے گھر سے دور کھیتوں میں لے گیا لڑکی اسے سنگین دھمکیاں دے رہی تھی لہٰذا سزا کے خوف سے اس نے اس لڑکی کی جان لے لی۔

جو سبق اسے کل رات تھانے کی چار دیواری میں پڑھایا گیا تھا اس نے فر فر دہرا لیا۔ وہ جانتا تھا اس اقرار جرم کی سزا موت ہے مگر اقرار جرم کے بغیر جو سزا اسے کل تھانے کی چار دیواری میں ملی تھی وہ موت سے بھی بدتر تھی۔ کوئی این جی او کوئی وزیر، کوئی قانون نافذ کرنے والا ادارہ اسے اس سزا سے بچا نہیں سکتا تھا تبھی اس نے وہ جرم قبول کرلیا جس کی اسے سمجھ بھی نہیں تھی۔ مائی جیراں سب کے سامنے اپنے اکلوتے بیٹے کے اقرار جرم پر پھٹی پھٹی نگاہوں کے ساتھ اسے یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ کل شام تو وہ اسے گاؤں کے مولوی صاحب کے پاس خود دم کروانے لے کر گئی تھی۔ پرسوں صبح سے وہ ایک پل کے لیے بھی اس کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوا تھا تو پھر جو کھیت میں کام کرنے کے لیے گیا وہ کون تھا؟

وہ روئی تھی اور اس نے اپنی ممتا کا واسطہ دے کر اپنے بیٹے کو کہا تھا کہ وہ سچ بولے مگر اس کے بیٹے پر نہ اس کے رونے کا اثر ہوا تھا نہ اس کی ممتا کے واسطے کا' وہ بڑی مضبوطی سے اپنے فیصلے پر قائم رہا تھا۔ نتیجتاً چند روز کے بعد پولیس نے اس پر فرد جرم عائد کرکے اسے شہر کی بڑی جیل میں بھجوا دیا تھا۔ کوئی بھی نہیں جان سکا تھا کہ اس نے اس اقرار جرم کے بدلے کیا بچایا تھا۔

ایک صرف اس کی بہن جانتی تھی کہ جس سے وہ دل کی ہر بات شیئر کیا کرتا تھا۔ جس رات اس لڑکی کا قتل ہوا اس رات وہ بستر سے اٹھ کر رفع حاجت کے لیے باہر آیا تھا اور تبھی اسے دور کھیتوں سے کسی لڑکی کے چلانے کی آواز آئی تھی۔ وہ رفع حاجت سے فارغ ہوکر باہر آیا تو اسے گاؤں کی کچی سڑک پر ملک وقار کی جیپ تیزی سے قریب سے گزرتی دکھائی دی۔

وہ اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ کوئی انہونی ہوئی ہے مگر انہونی اس وقت نہیں ہوئی تھی انہونی تو اس وقت ہوئی تھی جب اس نے ملک وقار کے اس جرم کا خود اعتراف کرلیا وہ بھی صرف پولیس والوں کی مار اور ملک وقار جیسے درندے کی طرف سے اپنی بہن کی عزت پامال ہونے کے خوف سے بھلا یہ راز کوئی جان سکتا تھا؟ یہ راز صرف وہی بہن جانتی تھی جسے گھر آکر اس نے یہ راز بتایا تھا۔ چاند کی چاندنی میں نہ صرف اس نے ملک وقار کو دیکھا تھا بلکہ قریب سے جیپ بھگاتے ملک وقار

نے بھی اسے دیکھ لیا اور وہ جانتا تھا کہ اسے ملک وقار کی نظروں میں آ جانے کی سزا ملے گی یہی ہوا تھا۔
مائی جیراں نے اپنا مکان، بیٹی کے جہیز کے لیے جمع کیا سارا سامان سب بیچ دیا مگر سب کچھ قانون کی اندھی دیوی پر لٹا کر بھی وہ اپنے لخت جگر کو پولیس اور قانون کے شکنجے سے نہ چھڑا سکی۔ عدالت نے اس کے اقرار جرم اور چوہدری کے دو پالتو کتوں کی گواہی کو بڑا ثبوت مانتے ہوئے اسے موت کی سزا سنا دی۔
تبھی پورے دس سال اذیت ناک قید کاٹنے کے بعد ایک صبح وہ پھانسی کے تختے پر جھول گیا۔ ملک میں انصاف کے تقاضے پورے کرنے کی مد میں جو ساٹھ فیصد بے گناہ پولیس وردی کے بعد اندھے قانون کی بھینٹ چڑھ کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں انہی بدنصیبوں میں سے ایک مائی جیراں کا بیٹا بھی تھا جس کا وہ ہر دن سوگ منایا کرتی تھی۔ پورے دس سال کے بعد وقت نے کروٹ لی تھی اور اب وقت کے فرعون کے جرم کی چشم دید گواہ وہ خود تھی۔

❀.......❀.......❀

عجب دن تھے محبت کے، عجب موسم تھے چاہت کے
کبھی گر یاد آ جائیں
تو پلکوں پر ستارے جھلملاتے ہیں
کسی کی یاد میں راتوں کو اکثر جاگنا معمول تھا اپنا
کبھی گر نیند آ جاتی تو ہم یہ سوچ لیتے تھے
ابھی تو وہ ہمارے واسطے رویا نہیں ہوگا
ابھی سویا نہیں ہوگا
ابھی ہم بھی نہیں روتے ابھی ہم بھی نہیں سوتے
سو پھر جاگتے تھے اور اس کو یاد کرتے تھے
اکیلے بیٹھ کر ویران دل آباد کرتے تھے
ہمارے سامنے تاروں کے جھرمٹ میں اکیلا چاند ہوتا تھا
جو اس کے حسن کے آگے بہت ہی ماند ہوتا تھا۔
فلک پر رقص کرتے ان گنت روشن ستاروں کو
جو ہم ترتیب دیتے تھے تو اس کا نام بنتا تھا
ہم اگلے روز جب ملتے
تو گزری رات کی ہر بے کلی کا ذکر کرتے تھے
ہر اک قصہ سناتے تھے
کہاں کس وقت اور کیسے یہ دل دھڑکا بتاتے تھے
میں جب کہتا کہ جاناں آج تو میں رات کو اک پل نہیں سویا
تو وہ خاموش رہتی تھی
پر اس کی نیند میں ڈوبی ہوئی دو جھیل سی آنکھیں
اچانک بول اٹھتی تھیں
میں جب اس کو بتاتا تھا کہ میں نے رات کو روشن ستاروں میں

تمہارا نام دیکھا ہے
تو وہ کہتی رضی تم جھوٹ کہتے ہو
ستارے میں نے دیکھے تھے اور ان روشن ستاروں میں
تمہارا نام لکھا تھا
عجب معصوم لڑکی تھی
مجھے کہتی تھی کہ اب اپنے ستارے مل ہی جائیں گے
مگر اس کو خبر کیا تھی کنارے مل نہیں سکتے
محبت کرنے والوں کے ستارے مل نہیں سکتے

❀......❀......❀

حمنہ کا ٹرانسفر ہوگیا تھا۔ چند دن اس کے ساتھ گزارنے کے بعد وہ اپنی جاب پر واپس چلی گئی تھی۔ مریہ نے خود کو ننھے زاویار کی معصوم ذات میں مصروف کرلیا تھا۔ اب اسے صمید کے بدلے ہوئے شب و روز کی پہلے جیسی تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ اس روز وہ دوپہر کا کھانا پکا کر ابھی فارغ ہوئی تھی جب صمید خلافِ توقع جلدی گھر آگیا۔

''کیا پکایا ہے؟''

''مٹر گوشت۔'' بنا اس کی طرف پلٹ کر دیکھے اس نے جواب دیا تھا جب وہ اس کے بالکل قریب چلا آیا۔

''اوکے آج رات تیار رہنا کہیں چلنا ہے۔''

''کہاں؟'' اب کے وہ پلٹی تھی جواب میں صمید نے اس کی پیشانی چوم لی۔

''جہاں میرا دل چاہے لے جاسکتا ہوں کوئی اعتراض؟'' بہت دنوں کے بعد وہ اپنی پرانی ٹون میں واپس آیا تھا' مریہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

''نہیں' مگر میرے بیٹے کو بخار ہے میں اسے اتنی ٹھنڈ میں باہر لے کر نہیں جاسکتی۔''

''صرف تمہارا بیٹا؟''

''جی ہاں۔'' وہ بہت گہری نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا' مریہ نے رخ پھیر لیا۔

''کب سے بخار ہے اسے؟''

''پچھلے دو روز سے۔''

''مجھے کیوں نہیں بتایا؟''

''آپ کو کیوں بتاتی میں؟ آپ کا کیا تعلق ہے اس کی ذات سے؟ آپ نے تو مجبوراً میری شرط پوری کی تھی اسے کیسے اور کتنے درد اکیلے سہ کر پیدا کرنا ہے پالنا ہے یہ میرا درد سر ہے آپ کا نہیں۔'' وہ جذباتی ہوئی تھی صمید نے رخ پھیر لیا۔

''ایسا مت کہو پلیز' وہ میری بھی ذات کا حصہ ہے کیونکہ اس نے اس عورت کے بطن سے جنم لیا ہے جسے میں اپنی زندگی مانتا ہوں۔''

''بکواس ہے یہ' نرا فریب ہے جو اول روز سے آپ دے رہے ہیں اور میں اس کا شکار ہو رہی ہوں۔''

''مریہ......'' صمید کو دکھ ہوا تھا جب ہی وہ چلا اٹھی۔

''کچھ غلط نہیں کہا ہے میں نے' میں نے غلط سمجھا تھا آپ کو یہ میری غلطی تھی۔ مجھے ایسا لگا تھا کہ آپ دنیا کے دوسرے مردوں کی طرح نہیں مگر میں غلط تھی۔ مرد جس کلاس کے بھی ہوں ان کی فطرت ایک جیسی ہوتی ہے اگر آپ

یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کی موجودہ سرگرمیوں سے واقف نہیں ہوں تو یہ آپ کی سب سے بڑی بھول ہے' جرم اور گناہ کبھی چھپائے نہیں چھپتے۔"
"کیسا جرم...... کیسا گناہ؟" صمید کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا تھا' مریہ کی نم آنکھیں سرخ ہوگئیں۔
"جس گناہ اور جرم کی میں بات کررہی ہوں آپ اس سے بے خبر نہیں ہیں۔" وہ اپنے اندر طوفان چھپائے ہوئے تھی۔ صمید کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس کے بارے میں کچھ جانتی ہوگی تبھی اس نے نظریں چرائی تھیں۔
"میں نے کوئی گناہ یا جرم نہیں کیا۔"
"بالکل...... آپ کی نظر میں یہ جرم یا گناہ ہو بھی کیسے سکتا ہے گھر میں بیوی ہوتے ہوئے پرائی لڑکیوں کے ساتھ عیاشی کرنا' جھوٹ بولنا' کام کا بہانہ بنا کر اپنی بیوی کو دھوکے میں رکھنا...... یہ سب آپ کی نظر میں غلط ہو بھی کیسے سکتا ہے اگر یہی سب میں کرتی تب میں آپ سے پوچھتی یہ جرم یا گناہ ہے کہ نہیں۔" صد شکر کہ وہ ابھی پورے سچ سے آگاہ نہیں تھی' تبھی وہ رخ پھیرے پھیرے بولا تھا۔
"اتنی پارسا تو تم بھی نہیں ہو جتنا خود کو دکھاتی رہی ہو۔ میں بھی تمہارے ماضی سے بے خبر نہیں ہوں۔" پارسا عورت کے لیے اپنے ہی شوہر کے منہ سے نکلنے والے ایسا الفاظ کتنی تکلیف کا باعث بنتے ہیں کاش کوئی اس لمحے مریہ صمید سے پوچھتا۔
"کیا ہے ایسا میرے ماضی میں جو میں نے چھپایا ہے مگر پھر بھی آپ جانتے ہیں۔" پتھرائی آنکھیں اب لہو رنگ ہورہی تھیں صمید نے دل کا بوجھ نکال پھینکنے میں ہی بہتری جانی۔
"تم بھی اچھی طرح واقف ہو کہ میں تمہارے ماضی کے کس راز کے بارے میں بات کررہا ہوں۔"
"میں واقف نہیں ہوں آپ بتائیں آپ کیا جانتے ہیں میرے ماضی کے بارے میں؟"
"میں نے بتا بھی دیا تو تم اپنی صفائی کیسے پیش کروگی؟"
"وہ میرا مسئلہ ہے کہ مجھے صفائی پیش کرنی ہے یا نہیں آپ مجھے وہ بتائیں جو آپ جانتے ہیں۔"
"تمہارے اور عمر عباس کے بیچ کیسے معاملات تھے؟" اچانک اس نے پوچھا تھا اور وہ گنگ رہ گئی تھی۔ "اب پلیز یہ مت کہہ دینا کہ کون عمر عباس؟"
"میرے اس کے ساتھ جو بھی معاملات تھے بڑے ابا اور حویلی والوں سے پوشیدہ نہیں تھے اگر اس کے ساتھ میرا ذاتی معاملہ ہوتا تو آج میں عمر عباس کی بیوی ہوتی آپ کی نہیں۔"
"اسی بات کا تو روگ پال رکھا ہے اس نے' یہی غم تو اسے سیدھے منہ مجھ سے بات نہیں کرنے دیتا۔ اسی صدمے کی وجہ سے تو ابھی تک وہ کنوارہ بیٹھا ہے' شاید تم نے اسے امید دلائی ہو کہ جلد ہی مجھ سے چھٹکارا پاکر تم اس کے ساتھ نکاح پڑھ لوگی' آخر یونہی تو حویلی بھاگ کر نہیں جاتیں تم۔" لفظ برچھیوں کی صورت دل پر کیسے لگتے ہیں مریہ رحمان کو بخوبی اندازہ ہورہا تھا۔ اسے لگا جیسے کسی نے بیچ بازار میں اس کے سر سے چادر چھین لی ہو۔
صمید حسن کے اندر اس کے لیے اتنا گند بھرا ہوگا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی تبھی اس کی آنکھیں چھلکی تھیں۔
"بس بہت ہوگیا صمید! اس کے بعد ایک لفظ نہیں۔"
"کیوں؟ خود پر بات آئی تو ناقابل برداشت ہوگئی ابھی تھوڑی دیر پہلے ہر سچائی سے بے خبر جب تم مجھ پر لفظوں کی سنگ باری کررہی تھیں تو مجھے بھی ایسے ہی تکلیف ہوئی تھی۔" وہ شاید کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا مگر مریہ نے اسے اس کا موقع نہیں دیا وہ پلٹی اور پھر بناء کچھ کہے کچن سے باہر نکل گئی تھی۔

❁......❁......❁

رات میں زاویار کا بخار مزید بڑھ گیا تھا۔ وہ بہت زور زور سے رو رہا تھا اور مریہ اسے چپ کروانے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی جب صمید کمرے میں اس کے پاس چلا آیا۔

"لاؤ ادھر مجھے دو۔"

"نہیں میں سنبھال لوں گی۔" اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ مسلسل روتی رہی ہے صمید کو بے ساختہ پشیمانی نے آ گھیرا۔ واقعی اس نے مریہ سے بہت نامناسب الفاظ کہہ ڈالے تھے جو کچھ اس نے قمر عباس اور عمر عباس کے درمیان سنا تھا وہ محض ایک غلط فہمی بھی تو ہو سکتی تھی تبھی وہ بولا تھا۔

"مریہ میں بہت پریشان ہوں پلیز مجھے اور پریشان مت کرو۔"

"پریشان نہیں کرنا چاہتی اسی لیے تو کہہ رہی ہوں آپ جا کر سو جائیں میں اپنے بیٹے کو سنبھال لوں گی۔" مریہ کا لہجہ سپاٹ تھا وہ چڑ گیا۔

"صرف تمہارا بیٹا نہیں ہے یہ، سمجھی؟" کہنے کے ساتھ ہی اس نے زاویار کو مریہ کی بانہوں سے نکال لیا تھا۔ اگلے ہی پل وہ گھر سے باہر نکلا اور گاڑی نکال کرلے گیا مریہ محض دیکھتی رہ گئی تھی۔

❁......❁......❁

سرینگر سے 28 کلو میٹر شمال کی جانب جھیل مانسبل کے کنارے پر ایک چھوٹا سا خوب صورت گاؤں مانسبل صفا پورہ آباد ہے۔ سدید علوی کو اسی گاؤں میں پہنچنے کا حکم دیا گیا تھا۔

کپواڑہ سے لولاب...... لولاب سے بانڈی پورہ اور بانڈی پورہ سے سردیوں کے شدید موسم میں بے حد مشکل ترین سفر کرتے ہوئے وہ اجس بازی پورہ سے سیدھا گاؤں مانسبل صفا پورہ پہنچا تھا جس کے مشرق میں طویل پہاڑی سلسلہ ہے۔

"کرش ٹاپ" نامی بلند و بالا پہاڑ بھی اسی گاؤں میں واقع ہے۔ یہ طویل پہاڑی سلسلہ شمال کی جانب بانڈی پورہ اور پھر گاؤں لولاب سے جا ملتا ہے جبکہ جنوب کی طرف یہ سلسلہ گاندربل اور صورہ سے ہوتے ہوئے ترل کی فلک بوس چوٹیوں کے ساتھ جا ملتا ہے۔ چھ گاؤں پر مشتمل علاقہ صفا پورہ دو خوب صورت جھیلوں کے درمیان واقع ہے ایک طرف جھیل مانسبل کی نیلگوں لہروں نے علاقے کے حسن کو چار چاند لگا رکھے ہیں تو دوسری طرف مغرب کی جانب لہلہاتے ہوئے کھیتوں سے گزرتا دریائے جہلم گویا پورے علاقے کو اپنے حصار میں لیے ہوئے ہے۔ انہی پر فضا وادیوں میں ایک چھوٹا سا گاؤں چیوا تھا جو کرش ٹاپ کے دامن میں آباد تھا۔ پہاڑ سے گرنے والے جھرنوں اور آبشاروں کی چھم چھم کرتی آواز جب رات کے وقت بند کمروں کے اندر آتی تو یوں محسوس ہوتا گویا کوہ قاف پر پریاں گنگنا رہی ہوں۔

اس گاؤں کو چاروں طرف سے لہلہاتے کھیتوں اور سیبوں کے باغات نے گھیر رکھا تھا۔ موسم بہار میں علاقے کی خوب صورتی اور دلکشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ سرسوں کے پھولوں سے لدے ہوئے کھیت پورے ماحول کو معطر کر دیتے تھے۔ اسی گاؤں میں طیب احمد کا گھر تھا جو کشمیری مجاہد تھے اور جس کا سب سے بڑا خواب ہزاروں نوجوانوں کی طرح وادی کشمیر کی آزادی تھی۔ جس پر بھارتی حکومت نے ناجائز طاقت کے بل پر قبضہ کر رکھا تھا۔

فاطمہ طیب احمد کی بہن اور بے حد دلیر لڑکی تھی۔ اس کی عمر چوبیس سال مگر عزائم بے حد بڑے تھے اپنے مجاہد بھائی طیب احمد سے اس نے بندوق چلانی بھی سیکھ رکھی تھی۔ فاطمہ سے چھوٹا طلحہ تھا جسے بھارتی فوج کی درندگی نے ایک ہاتھ سے معذور کر دیا تھا۔ طلحہ سے پانچ سال چھوٹی عائشہ تھی جو بے حد خوب صورت بچی تھی۔ سدید چونکہ یہاں ایک مجاہد کی

حیثیت سے آیا تھا لہٰذا اسے طیب احمد کے گھر والوں سے بے تحاشا پیار ملا۔
شام ڈھل چکی تھی، جھیل ما نسبل سے آتی سرد ہواؤں کے تھپیڑوں اور سفر کی تھکن نے سدید کو بے ساختہ بستر میں پناہ لینے پر مجبور کردیا تھا تبھی ننھی عائشہ جس کا چہرہ کسی تازہ سیب کی طرح سرخ وسفید تھا ہاتھ میں کانگڑی لیے اس کے پاس چلی آئی۔
"یہ لیں صمد بھائی اسے اپنے بستر میں رکھ لیں، سردی کا احساس یوں اڑن چھو ہوجائے گا۔" چٹکی بجا کر کہتے ہوئے اس ننھی پری نے اسے اس کے فرضی نام سے پکارا تھا جو یہاں آنے سے پہلے اس کے افسران نے اسے ڈی کوڈ کیا تھا۔ طیب احمد کے گھر والے اسے اسی نام کی شناخت سے جانتے تھے۔ سدید ننھی عائشہ کے ہاتھ میں کانگڑی دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ کشمیر کی مقبوضہ وادی میں یہ اس کا پہلا سفر اور قیام تھا لہٰذا کانگڑی کو دیکھ کر حیران ہونا فطری بات تھی۔ ننھی عائشہ کے ہونٹ کانگڑی سے اس کی لاعلمی پر مسکرائے تھے۔
"کیا ہوا؟"
"یہ کیا ہے اور میں بھلا اس کا کیا کروں گا؟" اس نے ایک نظر کانگڑی پر ڈالتے ہوئے ننھی عائشہ کے سوال کے جواب میں پوچھا تھا تبھی وہ کھل کر ہنس پڑی پھر اس کی معلومات پر افسوس کرتے ہوئے بولی۔
"آپ کو اتنا بھی نہیں پتا کہ یہ کیا ہے؟"
"نہیں۔" اس نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا تبھی احمد نے اس کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے اس کی مشکل آسان کی تھی۔
"یہ کانگڑی ہے، ہمارے کشمیری کلچر کا ایک اہم حصہ یہاں کشمیر میں اس کے بغیر سردیاں گزارنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ کشمیر میں وہ غریب لوگ جو الیکٹرک روم ہیٹر افورڈ نہیں کرسکتے ان کے لیے یہ چھوٹی سی چیز ہی غنیمت ہے۔ یہاں ہمارے لوگ اسے بستر میں رکھ کر نہ صرف اپنے بستر گرم کرتے ہیں بلکہ اسے دستوں سے پکڑ کر کشمیر کا ہر بوڑھا، بچہ، جوان بے خوف وخطر اسے اپنے فیرن (کشمیری جبہ) میں رکھ کر جہاں چاہے مزے سے گھوم پھر سکتا ہے۔"
"واؤ، پھر تو یہ واقعی کمال کی چیز ہے۔" حیرانی سے کہتے ہوئے سدید نے اس چھوٹی سی ٹوکری کو غور سے دیکھا جو لکڑی کے نہایت باریک تنکوں سے بنائی ہوئی تھی۔ اوپر کی طرف دو خوب صورت دستے بنے ہوئے تھے اور اندر کی طرف مٹی کا چھوٹا سا پیالہ نصب کیا تھا جس کے اندر دہکتے ہوئے سرخ انگارے واضح دکھائی دے رہے تھے۔
"مگر میں بستر میں رکھوں تو کیا بستر نہیں جلے گا؟"
"جلے گا جب تک آپ اس کے استعمال میں ماہر نہیں ہوں گے آپ کانگڑی سے استفادہ حاصل نہیں کرسکتے۔" اس بار طیب کے بزرگ باپ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔ سدید نے یہ جواب سن کر فی الحال اسے محض ہاتھ گرم کرنے تک ہی رکھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

سبھی آ گئیں یوں ہی بے سبب
کبھی چھا گئیں یوں ہی روز و شب
کبھی شور میں کبھی چپ سی ہیں
یہ بارشیں بھی تم سی ہیں

"اُف خدا! ابھی تک وین نہیں آئی، یہاں کھڑے کھڑے میری تو ٹانگیں جواب دے گئیں۔" وہ کوفت سے اس طرف دیکھ رہی تھی جہاں سے وین کو آنا تھا۔ "کہیں مجھے گھر سے نکلنے میں دیر تو نہیں ہوگئی۔" اس نے چونک کر گھڑی کی طرف دیکھا۔ ٹائم تو کافی تھا ابھی، اس نے پھر سے وین کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ جس کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا یا تو چلی گئی تھی یا پھر لیٹ تھی۔ معاً پلٹنے ہی لگی تھی کہ دور سے وین آتی دکھائی دی۔

اس نے نہایت ہی بے زاری سے بیگ اٹھایا، جو قریب ہی بنچ پہ رکھا ہوا تھا۔ وین قریب آ کر رکی تو اس نے چادر درست کی اور سرعت سے اس میں سوار ہوگئی۔ جو پہلے سے ہی مسافروں اور اسکول کے بچوں سے جگہ بھری ہوئی تھی۔ وین کا ڈرائیور بھی شاید جلدی میں تھا۔ کچھ ہی منٹ وہ کالج آنے پر وہ اتر گئی۔ بہت عرصے سے کھل کر مسکرائی بھی نہ تھی، دل بہت اداس تھا۔ بچپن میں بھی اسی طرح اداس ہو جایا کرتی تھی۔ اپنی ہی غلطی سے اپنا نقصان

کرلیتی اور مانتی بھی نہیں تھی مگر اب کی بار غلطی بہت بڑی ہوئی تھی اور نقصان بھی بڑا ہوا تھا۔ قسمت بُری تھی کہ نیچے اُترتے ہی پہلی نظر اس دشمنِ جاں پر پڑی۔ وہ احمد ہی تھا اس کا کالج بھی اگلے ہی اسٹاپ پر تھا۔ اس کی موٹر بائیک خراب ہوگئی تھی، شاید ابھی اس کی نظر اس پر نہیں پڑی تھی۔ دل پہلے ہی بے چین تھا، دکھ اور غصے کے ملے جلے تاثرات لیے اس نے قدم تیز کردیے۔ تیز رفتاری سے روڈ کراس کرتے ہوئے کالج گیٹ پار کرگئی، مبادا کہ وہ اسے دیکھ نہ لے۔ دل تھا کہ بھر بھر آرہا تھا۔ اس بے وفا کو دیکھ کر اندر کہیں درد کی لہر اٹھی اور وہیں معدوم ہوگئی۔ دل چاہ رہا تھا پھوٹ پھوٹ کر رودے، مگر اس نے کالج میں ایسی کوئی خاص سہیلی نہیں بنائی تھی جس سے کوئی بات شیئر کرسکے۔ صرف اس کی چھوٹی پھوپو کی بیٹی تھی، جس سے فون پر گپ شپ ہوجاتی تھی۔ کلاس روم میں پہنچ کر بھی اس کی سوچیں اِدھر اُدھر بھٹکتی رہیں۔

"کیوں کیا اس نے ایسا، اگر نبھانا نہیں تھا تو مجھے اس جھمیلے میں ڈالا ہی کیوں؟ میں کیسے گزاروں گی یہ پہاڑ جیسی زندگی...... کھلونا سمجھ رکھا ہے عورت کو۔ جب جی چاہا عہدو پیمان کیے اور دل بھر گیا تو کھلونا بدل لیا۔" وہ بدگمانیوں کے سمندر میں ڈوب چکی تھی جس سے نہ نکل رہی تھی اور نہ ہی نکلنا چاہ رہی تھی۔

"مگر اس نے جو کہا اس کی آنکھیں اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں؟" اس کے دل پہ ہلکی سی چوٹ لگی مگر جلد ہی اس گرداب سے نکل بھی آئی۔ اپنا کام مکمل کیا۔ سارا دن آزردگی کے ساتھ گزر گیا۔ اسے ایک بات تو ماننا پڑی کہ اسے وہ جیسا بھی ہو جیسا بھی بن چاہے محبت تو اسے اس سے ہوچکی ہے۔ گھر پہنچی تو پتا چلا امی ابو بڑی پھوپو کے گھر گئے ہوئے ہیں، شام تک آئیں گے۔ گھر میں صرف نومی تھا۔ نبیل بھائی بھی نہیں آئے تھے ابھی تک، وہ اکثر لیٹ آتے تھے کام کی وجہ سے۔

"نومی کہاں جارہے ہو؟" نومی کو باہر نکلتے دیکھ کر چیخ کر بولی۔

"میں باہر میچ کھیلنے جارہا ہوں، تم کھانا کھالینا، میں کھاچکا ہوں۔ امی کھانا پکا گئی ہیں، میں شام تک آؤں گا، دروازہ بند کرلو۔" نومی تفصیل بتاتے ہوئے دروازہ بند کرنے کا کہہ کر باہر نکل گیا۔ وہ دروازہ بند کرکے کچن میں آگئی۔

"یہ لو! امی نے آج پھر کریلے پکا دیئے۔" وہ ڈش کا ڈھکن اٹھاتے ہی بے زاری سے کریلوں کو الٹ پلٹ کرکے دیکھتی رہی پھر کچھ خیال آنے پر کھانا شروع کردیا۔

"ہونہہ! جب زندگی ہی کڑوی ہوجائے تو کریلے کی کڑواہٹ بھلا کیا اثر کرنے گی۔" اس وقت وہ نہایت ہی بدگمانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کھانا کھاتے ہوئے جانے کب وہ ماضی کی یادوں میں اُترتی چلی گئی۔

❁......❁......❁

"میری آئس کریم!" کنزیٰ چلا رہی تھی۔ "میری آئس کریم واپس کرو، ورنہ بھائی کو کہہ دوں گی۔" کنزیٰ نے نومی کو دھمکی دی جو اس کی آئس کریم چھین کے اب اسے دوڑا رہا تھا۔

"واہ بھئی! ایسے ہی بتا دو گی بھائی کو؟ اس دن جو میرا کیک فریج سے نکال کے کھالیا تھا وہ۔" نومی نے اسے یاد دلایا۔

"تو کھالیتے نا پہلے۔ رکھا کیوں تھا؟" وہ اپنی غلطی ماننے والی کہاں تھی، منہ توڑ جواب دیا۔

"ارے یہ کیا..... شور کیوں مچایا ہوا ہے؟" نبیل بھائی نے ان کے شور کی آواز سنی تو باہر آکے غصے سے نومی کو دیکھنے لگے۔ کنزیٰ گردن اکڑا کے نومی کو دیکھ رہی تھی، جیسے کہہ رہی ہو۔ "اب دیکھنا تم کیسے آئس کریم واپس کرتے ہو۔"

"میں تو یونہی تنگ کررہا تھا بھائی۔ یہ لو لے لو۔" نومی نے بُرے سے منہ بنا کر آئس کریم اسے لوٹا دی۔ جسے پکڑتے ہی کنزیٰ کا منہ اُتر گیا۔ ان دونوں کی بھاگ دوڑ کے دوران آئس کریم بالکل پگھل چکی تھی۔

"اسے خود ہی کھاؤ اب، بلکہ پیو۔" کنزیٰ نے آئس کریم اس کو واپس کی۔

"کیا ہوا......؟" بھائی نے اسے شرافت سے آئس کریم دیتے دیکھا تو اس سے پوچھا۔ شاید انہوں نے اس بات پوری نہیں سنی تھی۔

"یہ دیکھیں نا! کیا حال کردیا۔" اس نے پگھلی ہوئی آئس کریم بھائی کو دکھائی۔

"اپنی آئس کریم فریج میں رکھ کے میرے پیچھے پڑ گیا تھا، اب سکون ہوا۔" کنزیٰ نے روہانسی ہو کر نومی کی طرف دیکھا، پھر جیسے کچھ یاد آنے پر بھاگ کر فریج سے نومی کی آئس کریم نکال لائی۔

"کنزیٰ کی بچی! خبردار جو میری آئس کریم کھائی تو......" نومی اس کی حرکت دیکھ کر طیش میں آگیا مگر کوئی کارروائی نہیں کی، بھائی کی وجہ سے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو فوراً سے بیشتر اس سے آئس کریم چھین لیتا۔

"تمہاری سزا ہے۔ تم نے اس کی آئس کریم کیوں لی جب کہ تمہاری اپنی فریج میں تھی۔" نبیل بھائی نے نومی کو ڈانٹا۔ جو غصے میں اسے گھور رہا تھا۔

"بھیا آئس کریم تو بہت مزے دار ہے۔" کنزیٰ نے جان بوجھ کر نومی کو چھیڑا۔

"دیکھو آرام سے کھاؤ۔ آئس کریم بھی کہے گی کس جاہل کے ہتھے لگ گئی ہوں۔" نومی نے اسے ٹیڑھے میڑھے منہ بنا کر کھاتے ہوئے دیکھا تو فوراً ٹوکا۔

"یہ جو تم کہہ رہے ہو نا کہ آئس کریم میرے پاس آ کے سوچے گی کہ کس جاہل کے پلے پڑ گئی ہوں، تو یہ آئس کریم نہیں تمہاری بیوی کہے گی شادی کے بعد۔ ہائے کس جاہل کے پلے باندھ دیا میرے "اماں، باوا" نے میری تو قسمت ہی پھوٹ گئی۔" کنزیٰ نے اماں باوا پہ زور دے کر اس سے بدلا لیا۔ خالص لڑاکا بیوی کی طرح ایک ہاتھ کمر اور دوسرا ہوا میں لہرا لہرا کر جملے مکمل کیے اور ساتھ ہی ہنس بھی پڑی۔ نبیل بھائی پہلے اس کا انداز اور پھر نومی کا چہرہ دیکھ کر ہنس دیئے۔

نومی جو پہلے شادی کے نام پہ شرما گیا تھا اس کی اگلی کارروائی پر آگ بگولا ہو کر اس کے پیچھے بھاگا۔

"کنزیٰ کی بچی! تمہیں تو نہیں چھوڑوں گا آج۔"

❀......❀......❀

رحمان صاحب اور فہمیدہ بیگم کا گھر ایک مطمئن اور خوش حال گھرانوں میں سے ایک گھر تھا۔ رحمان صاحب کے خاندان کے تمام افراد پڑھے لکھے اور نہایت ہی سلجھے ہوئے تھے۔ سب ایک دوسرے سے پیار کرنے والے اور مخلص لوگ تھے۔ رحمان صاحب اور فہمیدہ بیگم خود بھی پڑھے لکھے تھے اور اپنے بچوں کو بھی اچھی تعلیم دلا رہے تھے۔ دونوں کی دور کی رشتے داری تھی۔ شادی کے بعد فہمیدہ بیگم کا رابطہ اپنے میکے سے نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔ کیوں کہ یہ لوگ ان سے بہت دور تھے، اس لیے آنا جانا ذرا کم ہی ہوتا۔ رحمان صاحب کی دو بہنیں رضیہ بیگم اور فاخرہ بیگم تھیں۔ رضیہ بیگم شادی کے بعد شوہر کے ساتھ دوسرے شہر چلی گئیں اور اپنی زندگی اور بچوں کے ساتھ مطمئن تھیں۔ رضیہ بیگم کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ بڑا بیٹا عدیل جو تعلیم مکمل کرنے کے بعد اب کسی کمپنی میں نوکری کر رہا تھا اور چھوٹا کامران ابھی پڑھ رہا تھا۔ بڑی بیٹی سائرہ اور چھوٹی فاطمہ دونوں شادی شدہ تھیں۔ جب کہ دوسری بہن فاخرہ بیگم کا ایک بیٹا احمد کمال اور دو بیٹیاں بڑی رخسار کمال اور چھوٹی کائنات۔ دونوں کی شادی ابھی نہیں ہوئی تھی۔ رحمان صاحب کے دو بیٹے نبیل رحمان اور نعمان رحمان تھے۔ نبیل رحمان چونکہ بڑا تھا، پڑھائی مکمل کرنے کے بعد نوکری کر رہا تھا اور چھوٹا نعمان ابھی پڑھ رہا تھا۔ ایک بیٹی کنزیٰ رحمان جو ابھی میٹرک میں تھی اور سارے گھر کی لاڈلی بھی تھی مگر تھوڑی سی جلد باز اور جذباتی تھی۔

رحمان صاحب پہلے اسلام آباد میں رہتے تھے پھر بچوں کی ضد پہ اپنے آبائی گاؤں میں آگئے جسے گاؤں تو نہیں کہا جاسکتا تھا کیونکہ اب یہاں کافی ترقی ہو چکی تھی۔ فاخرہ بیگم کا گھر گاؤں میں ہی تھا مگر سب لوگوں کے گھروں میں کافی فاصلہ تھا۔ اس لیے آنا جانا ذرا کم ہی ہوتا اور کنزیٰ تو

اپنے سب کزنز کو جانتی بھی نہیں تھی۔

❁......❁......❁

"السلام علیکم! کیا ہو رہا ہے جناب؟ ارے واہ یہاں تو پڑھائی ہو رہی ہے، کیا بات ہے۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے کنزیٰ؟" بھائی کو دیکھ کر نومی نے اندر داخل ہوتے ہی سلام کیا اور کنزیٰ پر نظر پڑی جو کتابیں کھولے بیٹھی تھی جسے دیکھ کر اسے خوش گوار سی حیرت نے گھیر لیا۔ کنزیٰ کچھ الجھی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

"جی نہیں، کل میرا کیمسٹری کا ٹیسٹ ہے اور تم مجھے کیا سمجھتے ہو، میں جاہل ہوں جو پڑھ نہیں سکتی؟" کنزیٰ نے غصہ سے کہا۔

"اچھا اب زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ غلطی ہوگئی تم سے کچھ کہہ دیا۔ اب معاف کرو اور جاؤ مجھے سخت بھوک لگی ہے کچھ کھانے کے لیے لے آؤ۔" وہ ٹیوشن پڑھ کے آیا تھا، تھکا ہوا تھا، اس لیے جواب نہ دیا اور خوشامدی لہجے میں اسے کھانا لانے کو کہا کیونکہ امی پھوپو فاخرہ کے گھر گئی ہوئی تھیں۔

"میرا ٹیسٹ ہے، خود لے لو۔" اس نے ٹکا سا جواب دیا۔

"پلیز کنزیٰ کچھ لا دو۔ میں بہت تھک گیا ہوں، سر میں بھی درد ہو رہا ہے، صبح ناشتا بھی ٹھیک سے نہیں کیا تھا۔" نومی نے اس کی طرف ملتجی نظروں سے دیکھتے ہوئے مدعا بیان کیا۔

"پہلے کیوں نہیں بتایا، رکو میں بہت اچھی سی چائے لاتی ہوں۔" کنزیٰ نے اس کی اتری ہوئی صورت دیکھی تو اٹھنے لگی۔

"نہیں! پہلے مجھے کھانا دو، بہت بھوک لگی ہے۔" نومی بھوک کی شدت کا احساس دلاتے ہوئے پیٹ پکڑ کر دبانے لگا جو کہ خالی تھا، شرارت سے کنزیٰ کو دیکھا جو کہ اب اٹھ کے جا چکی تھی۔ نبیل بھائی نے ایک نظر اسے دیکھا اور پڑھائی کا پوچھ کے پھر کام میں لگ گئے۔ اس نے جلدی سے دو چپاتیاں ڈالیں۔ فریج سے بھنڈی کا سالن نکال کر گرم کیا۔ ساتھ ہی کباب بھی تل لیے خیال آیا کہ بھنڈی کے ساتھ کباب عجیب امتزاج لگتا ہے پھر اس کی بھوک کا سوچ کر اپنی سوچ کو جھٹکا اور سب چیزیں ٹرے میں رکھ کر باہر آ گئی اور اس کے سامنے ٹرے رکھ دی۔ وہ نیم دراز تھا۔ کھانا دیکھ کر سیدھا ہو بیٹھا اور وہ کتاب کھول کے بیٹھ گئی۔

"یہ کیا...... میں بھنڈی کے سالن کے ساتھ کباب کھاؤں گا......؟" نومی نے کباب اور بھنڈی دیکھ کر نظریں گھما کر اسے شرارت سے دیکھا اور ساتھ ہی کباب منہ میں رکھ لیا۔

"نہیں! کباب کے ساتھ بھنڈی کھالو۔" اس نے تپ کر جواب دیا۔ "اور گولی لے لینا سر کے درد میں آرام آجائے گا۔" کنزیٰ نے کچھ یاد آنے پہ نصیحت کی اور پھر کتاب میں الجھ گئی۔

"کیمسٹری کتنا خشک مضمون ہے نا۔" وہ کھانا کھا کے ٹرے کچن میں رکھ کے واپس آیا تو کنزیٰ کو بڑبڑاتے سنا۔

"تو کس نے کہا تھا کہ یہ لو۔" نومی نے جتایا کیونکہ وہ اسے منع کر چکا تھا اس سے نہیں پڑھی جائے گی۔

"پتا نہیں کس نے جلد بازی میں کیمسٹری جیسا خشک مضمون رکھ لیا۔" اس نے پہلی دفعہ اپنی جلد بازی جیسی بے وقوفی کو مانا۔

"خیر اب اتنا بھی برا نہیں ہے۔" نومی نے اس کی الجھن کو کم کرنے کی کوشش کی جو کافی الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

"لاؤ میں سمجھاؤں کیا مشکل ہے؟" نبیل بھائی نے اپنا کام ختم کیا اور ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"ٹیسٹ ہے میرا کل اس مضمون کا۔" کنزیٰ کتاب اٹھا کر ان کے پاس آ گئی۔

"دیکھو بیٹا! کبھی کبھی جلد بازی انسان کو بہت بڑے نقصان سے دوچار کر دیتی ہے۔ ہمیشہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے، ورنہ پچھتانا پڑ جاتا ہے۔ ضروری نہیں انسان ٹھوکر کھا کر ہی سنبھلے۔" نبیل بھائی نے اسے وہ کچھ سمجھانا چاہا جس کے بارے میں اس کی طرف سے خوف زدہ تھے

مگر ابھی اس کی سمجھ میں یہ باتیں نہیں آئی تھیں۔

......☆......

امی فاخرہ پھوپو کے گھر سے واپس آئیں تو پتا چلا کہ رخسار کی شادی ہے۔ وہ تو ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھی جب سب کزنز سے ملے۔

"کب شادی ہے؟" کنزیٰ نے بے تابی سے پوچھا۔

"اگلے ماہ کی سولہ تاریخ کو اور سترہ کو ولیمہ پندرہ کو مہندی۔ ہم بارات اور مہندی کی تقریبات میں ہی شرکت کریں گے اور ولیمہ تو لڑکے والوں کی طرف سے ہوگا۔ تمہارے ابو کو بھیج دوں گی۔" امی نے ساری تفصیل اس کے گوش گزار کی اور وہ اس شادی پر جانے کے لیے تیاری کے بارے میں سوچنے لگی۔ کمرے میں جاکے الماری کھولی اور پرانی اور نئی چیزیں الگ کرنے لگی اور جو نئی چیزیں لینی تھیں ان کی لسٹ بنالی۔

......❀......

"امی یہ جھمکے کتنے اچھے میچ ہوگئے ہیں نا میرے کپڑوں کے ساتھ؟" کنزیٰ جو ابھی ابھی فہمیدہ بیگم کے ساتھ شادی کی شاپنگ کرکے واپس آئی تھی، اب سب سامان نئے سرے سے چیک کررہی تھی۔

"شادی میں صرف ایک ہفتہ رہ گیا ہے اور تم درزی سے ابھی تک کپڑے نہیں لے کے آئے؟" امی نے نومی کو اس کی بے پروائی پہ ڈانٹا۔

"شام کو لے آؤں گا امی۔" نومی نے جوتے پالش کرتے ہوئے کہا۔

"اور ہاں رخسار کے کپڑوں اور تحفے پیک کرنے کے لیے سامان بھی لیتے آنا یاد سے......" امی نے اسے یاد دلایا۔

"اچھا امی!" وہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

......☺......

"کنزیٰ رخسار کا سامان الگ کرلو، جاتے وقت ڈھونڈنا نہ پڑے۔" امی جانے کی تیاریاں کررہی تھیں۔ "تمہارے ابو کہہ رہے تھے شام تک آجائیں گے۔" فہمیدہ بیگم نے رحمان صاحب کے بارے میں بتایا۔ جو اپنے کسی دوست کی عیادت کرنے حیدرآباد گئے ہوئے تھے۔

"ساری پیکنگ ہوگئی......؟" رحمان صاحب اندر آتے ہوئے پیکنگ کے بارے میں پوچھنے لگے۔

"ہاں ہوگئی آپ کنزیٰ کو ساتھ لے جائیں اور سامان پہلے دے آئیں۔" امی نے ابو کو مشورہ دیا۔

"نہیں امی! میں نہیں جاسکتی، مجھے ابھی کافی کام کرنا ہے۔" کنزیٰ نے انکار کیا۔

"اچھا اٹھو، ابو کو پانی دو اور کھانے کا پوچھو۔" امی نے اسے وہاں سے اٹھایا۔

"آپ سامان دیکھ لیں، جو کچھ کمی بیشی ہو بتائیں۔" امی نے ابو کو سامان دکھانا شروع کردیا۔

......☺......

"کنزیٰ! اب آ بھی جاؤ، کتنی لمبی تیاری ہے تمہاری؟" نبیل بھائی نے دروازے سے اسے پکارا جو دو گھنٹے سے تیار ہو رہی تھی اور تیاری تھی کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

"بس ایک منٹ......!" کنزیٰ نے سب چیزیں سمیٹتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"ایک منٹ میں صرف ایکسل کے دانغ ہی نکل سکتا ہے۔ تم ایک منٹ میں کوئی کام مکمل نہیں کرسکتیں۔" اس دفعہ نومی کے بجائے نبیل بھائی نے شوخی دکھائی جس کے جواب میں کنزیٰ فوراً ہی باہر آگئی۔

"یہ لیں ایک منٹ میں آگئی۔" گولڈن کلر کے شلوار قمیص جس کے گلے پہ کٹ دانے کا بہت ہی خوب صورت کام بنا ہوا تھا اور کام دار دوپٹے کو شانوں پہ ڈالے بہت ہی نفیس سے جھمکے پہنے خوب صورت میک اپ کے ساتھ وہ بہت ہی حسین لگ رہی تھی۔

"ارے تم تو سارا آج ہی تیار ہوگئیں؟ ابھی تو بارات اور ولیمہ باقی ہے۔ تم نے سارا سامان آج ہی ختم کردیا؟"

نومی نے اسے اتنا تیار دیکھا تو تنگ کیے بغیر نہ رہ سکا۔
"تم تو جلتے ہی رہنا میری خوب صورتی کو دیکھ کر سڑیل!" کنزیٰ نے جل کر جواب دیا۔
"بڑی خوش فہمی ہے شتونگڑے چڑیل۔" نومی نے اسے مزید جلایا۔ وہ پھوپو کے گھر کی طرف عازم سفر تھے اور سب دونوں کی نوک جھونک سے انجوائے کررہے تھے۔
"کیا کہا شتونگڑی چڑیل......؟ تم......تم...... زکوٹا جن۔" کنزیٰ بلبلا اٹھی۔
اس سے پہلے کہ لڑائی آگے بڑھتی پھوپو کا گھر آ گیا۔ نومی اور نبیل بھائی ڈرائنگ روم میں جہاں سب لوگ موجود تھے، وہاں چلے گئے۔ رحمان صاحب انہیں پھوپو کے پاس لے گئے۔ سب کزنز نے انہیں خوش دلی سے خوش آمدید کہا۔ پھوپو بہت پیار سے ملیں۔ رحمان صاحب ان سے مل کے واپس مردوں میں چلے گئے۔ امی پھوپو کا ہاتھ بٹانے لگیں اور وہ سب کزنز کے ساتھ رخسار کے پاس بیٹھ گئی۔ رخسار نے اسے اپنی دوستوں سے متعارف کروایا۔ ابھی زیادہ لوگ نہیں آئے تھے صرف چند رشتہ دار تھے۔ ہر طرف چہل پہل مچی ہوئی تھی تمام لڑکیاں جوان کی رشتہ داری تھیں جن میں سے کچھ کو تو وہ جانتی تھی اور کچھ کو آج پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ اپنی اپنی چیزیں سنبھال رہی تھیں، کسی کی لپ اسٹک غائب تھی تو کسی کا جھمکا نہیں مل رہا تھا، کسی کا جوتا گم ہوگیا تو کسی کا دوپٹا غائب تھا۔ کافی انتظار کے بعد مہندی کی تقریب شروع ہوئی اِدھر رخسار کو مہندی کے لیے بٹھایا، اُدھر سب لڑکیاں گانا گانے بیٹھ گئیں وہ بھی ان میں شامل ہونے کے لیے آ گئی اور گانوں کا ستیاناس کرنے لگی لڑکیاں خوب گلے پھاڑ پھاڑ کے گا رہی تھیں۔

بنو کا بنا آیا رے گھوڑے پہ چڑھ کے
بنو کو لینے آیا رے گھوڑے پہ چڑھ کے

"ارے نہیں وہ تو کار پہ آئیں گے گھوڑا کدھر سے آ گیا؟"
"بنو کا بنا آیا رے کار پہ چڑھ کے......" سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔ گلا پھاڑ پھاڑ کے گانے گاتے ہوئے اس کا گلا سوکھ گیا۔ پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھا کہیں کولر نظر نہ آیا اور نہ ہی کوئی جگ، اسے کچن میں جانے کے لیے اٹھنا ہی پڑا۔ کچن میں کوئی نہیں تھا، گلاس اٹھایا پانی بھر کر تھوڑا سا پیا اور گلاس سمیت ہی باہر آ گئی۔ باہر قدم رکھا ہی تھا کہ مردانہ پرفیوم کی مہک اس کو اپنے اندر اترتی ہوئی محسوس ہوئی اور ساتھ ہی چھناکے کی آواز آئی، وہ کسی کے کندھے سے بُری طرح ٹکرائی تھی۔ لڑکھڑانے کی وجہ سے گلاس گرا تھا وہ آواز گلاس ہی کے ٹوٹنے کی تھی۔ سامنے دیکھا تو کوئی موصوف سفید کُرتا شلوار میں ملبوس پیلے پٹکے کو گلے میں ڈالے کھڑے تھے اور غصے سے اسے گھور رہے تھے۔
"مسٹر! آپ کے پیچھے کوئی لگا ہوا ہے کیا۔ دیکھ کر نہیں چل سکتے؟" وہ اسے بھرپور لتاڑنے والے انداز میں چہرے پہ غصے کے تاثر لیے گھور بھی رہی تھی اور سنا بھی رہی تھی۔ جیسے وہ جان بوجھ کر ٹکرایا ہے۔ اس نے ابھی جواب بھی نہیں دیا تھا کہ وہ مزید گویا ہوئی۔ "ٹکریں مارنے کا اتنا ہی شوق ہے تو دیواروں کو ماریں۔ انسانوں کو کیوں مار رہے ہیں؟" اس کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید بولنا شروع کرتی وہ بول پڑا۔
"اے ہیلو! ایک تو گلاس توڑ دیا اوپر سے باتیں ایسے کررہی ہیں جیسے میں آپ ہی سے ٹکرانے یہاں آیا تھا۔" اس نے اپنا غصہ دور کرنے کی کوشش کی وہ شاید اسے کوئی لوفر سمجھ رہی تھی۔
"ایک منٹ پہلی بات تو یہ کہ میری مرضی، میں گلاس توڑوں یا رکھوں اور دوسری بات یہ کہ اندھوں کی طرح بھاگتے ہوئے آپ آئے تھے میں نہیں۔" اس نے انگلی اٹھا کر کچھ زیادہ ہی کہہ دیا، ہمیشہ کی طرح جذباتی ہوگئی تھی۔
"میڈم! زبان سنبھال کے۔ ایسے الفاظ میں بھی استعمال کرسکتا ہوں۔" دونوں اپنے اپنے محاذ پہ لڑ رہے تھے اور وہ اسے پُرشوق نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
"لڑائی آپ نے شروع کی تھی میں نے نہیں۔" کنزیٰ کو احساس ہوا تو تھوڑی نرم پڑ گئی۔

”خیر! آپ اتنا سج دھج کے تو ایسے آئی ہیں جیسے میرے ماموں کی بیٹی ہوں۔“ اس نے اس کی تیاری اور دمکتے چہرے پہ نظریں جمائے اس کے بارے میں جاننا چاہا۔

”زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں اور میری تیاری کا آپ کی ماموں کی بیٹی ہونے سے کیا تعلق......؟ یہ میری پھوپو کا گھر ہے۔ میں چاہے تیار ہو کے آؤں چاہے سادہ آؤں، میری مرضی۔“ وہ تلملا کے بولی۔ اسے اس پہ پھر سے غصہ آنے لگا تھا۔ وہاں سے ہٹنے کا سوچا ہی تھا کہ اس نے پھر سے بات نکال لی۔

”کہیں تم رحمان ماموں کی بیٹی کنزیٰ تو نہیں؟“ اس نے خوش گوار حیرت سے سوالیہ نظروں اس کی طرف اٹھائیں۔

”آپ......؟“ کنزیٰ نے اس کی آنکھوں میں شناسائی دیکھی تو سوالیہ نظروں سے پوچھا۔

”میں احمد ہوں، آپ کی پھوپو کا بیٹا اور میں بھی اسی گھر میں رہتا ہوں، جس کی آپ مہمان ہیں۔“ اس نے اپنا تعارف کروانے کے ساتھ ہی معنی خیز جملے کے ساتھ معنی خیز مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔ وہ شاید سمجھ گئی تھی تبھی نظریں چرا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی اور کوئی جواب نہ دیا۔

”جیسے آپ کے بارے میں سنا تھا آپ تو اس سے چار ہاتھ آگے نکلیں۔“ احمد نے اس کے غصے اور لڑاکا پن پہ چوٹ کرتے ہوئے شرارت سے کہا۔

”کیا مطلب؟“ وہ جھنجلا اٹھی۔

”وہ میں آپ کی خوب صورتی کی بات کر رہا تھا۔“ احمد نے فوراً پینترا بدلا۔

”خوب سمجھتی ہوں۔“ غصے سے اسے گھورتی وہاں سے نکل گئی۔

”احمد تم یہاں کھڑے ہو؟ چلو اتنے سارے کام ابھی باقی ہیں۔“ کوئی اسے بلانے آیا تھا اس کے بعد وہ نظر نہ آیا شاید کافی مصروف تھا۔ وہ اس کے بارے میں سوچنے لگا تو ایک خوش گوار سا احساس اسے اپنے اندر اُترتا ہوا محسوس ہوتا۔

”رات گئے تک مہندی کی تقریب جاری رہی۔ سب نے مل کر خوب ہلا گلا کیا جب سب لوگ چلے گئے پھر یہ سب کزنز اکٹھے ہو گئے اور محفل سجانے کا سوچا عدیل نے احمد کو بھی پکڑ کے ساتھ بٹھالیا یہ لوگ بڑے سے ہال نما کمرے میں بیٹھے تھے۔ رخسار کو بھی وہیں بٹھایا ہوا تھا۔ کامران نے اس کے لیے جگہ بنائی۔

”بھئی تم لوگوں کی طرح میں بے مقصد گا نہیں گا سکتا۔“ بیٹھتے ہوئے ہی اس نے کنزیٰ کو دیکھا۔

”تو کوئی مقصد والا گالیں، اسی بہانے مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔“ نومی جو ابھی بیٹھا ہی تھی اس کی بات سن کے فوراً بولا۔

”بھئی میں باذوق انسان ہوں، تم لوگوں کے ہاتھوں گانوں کی بے حرمتی برداشت نہیں کر سکوں گا۔“ اس نے نہایت مسکین صورت بناتے ہوئے کہا۔

”ارے واہ! ہم آپ کو بدذوق نظر آتے ہیں۔“ کامران نے فوراً تڑخ کر کہا اور ساتھ ہی آستینیں بھی چڑھالیں۔

”تو اور کیا...... تم لوگوں نے تو اچھے بھلے گانے کی ٹانگیں کیا ہاتھ پاؤں بازو گٹے گوڑے سب توڑ دیے۔“ احمد نے کنزیٰ پر چوٹ کرتے ہوئے کہا۔

”اچھا ہم بھی تو سنیں ”باذوق انسان“ صاحب کا ذوق کیسا ہے، کوئی بامقصد کلام سنائیں گے آپ۔“ کنزیٰ نے جیسے چیلنج کیا۔ ”باذوق انسان“ پہ زور دیتے ہوئے جیسے اس کی دم پر پاؤں رکھا۔ سب سے زیادہ درگت تو اسی نے بنائی تھی گانوں کی۔ بات مکمل کرنے کے بعد اس نے سب کو دیکھا، سب تائیدی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

”کیا......“ وہ تو اچھل ہی پڑا، یہاں تو لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔

”ایسے ہی، میں کیوں اپنا فن خوامخواہ بے سُرے لوگوں میں ضائع کروں۔“ اس نے اپنے فن کا رعب جھاڑا۔ وہ

کالج میں بہت سے انعامات جیت چکا تھا، سُر کے مقابلے میں مگر صرف ہنسی مزاج میں گاتا تھا کبھی پروفیشن بنانے کی کوشش نہیں کی۔

''مجھے، ہاں کام یاد آ گیا، میں چلتا ہوں۔'' وہ جان چھڑا کے بھاگنے کو تھا کہ سب نے جھپٹ لیا۔ وہ سب اسے گانا سنے بغیر کہاں جانے دیتے، اسے ماننے ہی پڑی۔

''ایک شرط پر۔'' اس نے سر کھجاتے ہوئے اس کو دیکھا۔

''کیا؟'' سب نے یک زبان ہو کر پوچھا۔ ''بھلا اس میں شرط کی کیا ضرورت......''

''میں گاؤں گا تو آپ لوگوں میں سے بھی کوئی ایک سنگل ہو کے گائے گا اور وہ جو ہوگا وہ میری مرضی کا ہوگا۔'' اس نے نگاہیں پھیر کے پھر اسے دیکھا اور سب کو جیسے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''بتاؤ قبول ہے؟''

''ٹھیک ہے بتائیں کون سنائے؟'' نومی نے رضا مندی دیتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں تو مِس کنزیٰ میں شروع کروں، آپ سنائیں گی میرے بعد؟'' اس نے شرارت سے کنزیٰ کی طرف تیر پھینکا۔

''کیا؟'' وہ تو اُچھل ہی پڑی اتنے سارے لوگوں کے سامنے گانے کا سوچ کر ہی اسے شرم آ گئی۔

''منظور ہے، منظور ہے۔ ٹھیک ہے گائے گی۔'' سب نے مل کر نعرہ لگایا۔

''ارے یہ کیا بات ہوئی، مفت میں مجھے کیوں گھسیٹ رہے ہیں؟'' کنزیٰ نے انکار کرنے کی کوشش کی۔ ''کوئی مجھ سے بھی تو پوچھو اپنے پاس سے ہی منظور کر لیا۔'' وہ دہائیاں دے رہی تھی اور غصہ بھی آ رہا تھا مگر کسی نے بھی اس کی ایک نہ سنی اور احمد کو گانے کا اشارہ کیا۔ اس نے گلا صاف کیا۔ مدھری آواز میں ڈوبا پہلا جملہ......

سورج ہوا مدھم......!

چاند جلنے لگا......!

سب خاموش ہو گئے وہ تو اسے دیکھتی ہی رہ گئی، اتنی خوب صورت آواز۔ سب اس کی آواز کے سحر میں ڈوب چکے تھے اور وہ تو اس کی شخصیت کے سحر میں بھی ڈوبتی جا رہی تھی۔

آسماں یہ ہائے کیوں پگھلنے لگا......

ہو......میں ٹھہرا رہا زمیں چلنے لگی......

دھڑکا یہ دل سانس تھمنے لگی......

کیا یہ میرا پہلا پہلا پیار ہے......

سجنا! کیا یہ میرا پہلا پہلا پیار ہے......

اس کا پُراثر سریلا دل کو چھو لینے والا انداز دیکھ کر سب کو اس کے باذوق ہونے کا یقین کرنا ہی پڑا اور کنزیٰ کو تو سانپ ہی سونگھ گیا کیونکہ اب اس کی باری تھی وہ ابھی تک اس کے اور اس کے گانے کے سحر سے نکل نہیں سکی تھی۔

''آپ کی آواز بہت خوب صورت ہے، میں بھلا آپ کے مقابلے میں کیسے گا سکتی ہوں؟'' اس نے لفظوں کو چاشنی میں ڈبو کر پیش کیا۔

''آپ بُری آواز میں ہی گا لیں، کم از کم میں تو نہیں بھاگوں گا، وعدہ!'' وہ کون سا کم تھا فوراً بول پڑا۔

''مگر میں......'' وہ ہچکچائی ساتھ ہی غصے سے اسے دیکھا جو سب کے درمیان چوکڑی مار کے بڑے اسٹائل سے بیٹھا تھا۔

''کیا کنزیٰ......گھر میں تو ہر وقت کوئی نہ کوئی راگ الاپتی رہتی ہو، یہاں بھی الاپ دو۔ ہم بھاگ بھی گئے تو احمد بھائی نے تو وعدہ کیا ہے۔'' نومی نے اس کا بھانڈا پھوڑا، جس پر اس نے غصے سے اسے دیکھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی احمد بول پڑا۔

''ہاں وعدہ میں نہیں بھاگوں گا ''بھگت لوں گا۔'' اس نے معنی خیز جملہ پھینکا جسے کوئی اور سمجھا ہو یا نہیں وہ بخوبی سمجھ گئی تھی۔

''ارے تم تو چھپی رستم نکلیں۔ گا بھی لیتی ہو اور یہاں پر گانوں کی ٹانگیں توڑ رہی تھیں؟ چلو اب کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔'' طیبہ نے اسے وارننگ دی۔ اس نے مسکرا کر احمد

کو دیکھا گلا صاف کر کے یوں سیدھی ہو کر بیٹھ گئی جیسے کسی محاذ پہ جارہی ہو۔

"ہنہ...... ہنہ! معاف کیجیے گا میرا گلا ذرا خراب ہے۔" اس نے آواز کو بھاری بناتے ہوئے کہا اور گانا شروع کیا۔

"بندیا چمکے گی...... چوڑی کھنکے گی۔" اس نے کائنات کے ماتھے اور طیبہ کی کلائی پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے ماڈلنگ بھی دکھانا چاہی۔

"تیری نیند اڑے تو اڑ جائے۔" گویا دھمکی دی۔

"گجرا بہکے گا، گجرا مہکے گا......"

ماہی رس دا اے تے رس جائے......" اس نے اسے اس کی بات کا جواب بڑے نرالے انداز میں دیا وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ کنزیٰ کا گانا سن کر رخسار آپی رونے لگی تھیں، سب نے ان کو ڈھیر سارا پیار کیا اور مزید دکھی ہونے سے روکنے کی بھرپور کوشش کرنے لگے جس کا حل کنزیٰ نے یہ کہہ کر نکالا کہ آؤ سب مل کر مہندی لگاتے ہیں۔ پھر سب لڑکوں نے بھی شغل میں مہندی لگوائی یوں رات دیر تک یہ محفل جمی رہی، احمد کی نظروں میں مچلتا پیغام وہ کچھ کچھ سمجھ رہی تھی مگر ایک اور بھی تھا جو یہ سب محسوس کررہا تھا۔

......☆......

آج بھی وہ بہت اہتمام سے تیار ہوئی، بلو کلر کے فراک جس پہ لائٹ بلو اور سفید رنگ کے اسٹونز لگے ہوئے تھے اور کٹ دانے اور موتیوں کا بہت خوب صورت کام بنا ہوا تھا۔ چوڑی دار پاجامہ میں وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی اور ساتھ ہم رنگ جیولری اور نفیس سے میک اپ میں وہ نظر لگ جانے کی حد تک خوب صورت لگ رہی تھی۔ سب نے اس کی تعریف کی اور وہ اپنے آپ کو ہواؤں میں اڑتی محسوس کررہی تھی۔

"کنزیٰ! کچن میں رات کی بریانی رکھی ہے، وہ گرم کر کے رخسار کو کھلا دو، پھر تیار ہونے کے بعد کچھ کھا نہیں سکے گی صبح بھی اس نے ٹھیک طرح سے ناشتا نہیں کیا۔"

فہمیدہ بیگم نے اسے دیکھا تو ہدایات دیتے ہوئے باقی کاموں میں لگ گئیں۔ وہ فوراً کچن کی طرف لپکی تا کہ جلدی سے کچھ لے جاسکے۔

”ارے آپ ہر وقت کچن میں ہی منڈلاتے رہتے ہیں، کہیں پچھلے جنم میں باورچی تو نہیں تھے۔“ وہ جیسے ہی کچن میں داخل ہوئی سامنے وہ کھڑا تھا ملازمہ کو ہدایت دیتا ہوا۔ اسے دیکھ کر اسے عجیب انوکھا سا احساس ہوا جیسے اسی کو ڈھونڈ رہی ہو۔

”واہ آپ نے تو میرے ساتھ میچنگ کی ہوئی ہے شاید آپ کو پتا چل گیا تھا میں بلو شرٹ پہنوں گا۔“ اس نے میٹھی نظروں سے اس کے دمکتے سراپا کو دیکھا جو اس وقت کوئی پری لگ رہی تھی۔ کنزیٰ نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کے اس کی شرٹ کو دیکھا جو کہ واقعی بلو تھی اور یہ محض اتفاق تھا۔ اس نے اس کی نظروں سے الجھ کر نظروں کے زاویے بدل لیے۔

”ایسے کیا دیکھتے ہو مجھے عجیب عجیب طرح سے؟“ آخر کار کنزیٰ نے کہہ ہی دیا۔

”اوہ، سوری معافی چاہتا ہوں، اگر برا لگا تو۔ مگر یہ عجیب نظریں نہیں، پھر کسی فارغ وقت میں بتاؤں گا۔“ وہ شرارت سے کہتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔ وہ مسکرادی اور بریانی گرم کر کے رخسار کے کمرے میں چلی گئی۔ دل میں ایک نیا سا احساس مچل رہا تھا۔

......☆......

شادی کا ہنگامہ ختم ہوا تو رحمان صاحب نے سب کی دعوت کی۔ رخسار اور اس کا شوہر آصف اور پھوپو کی فیملی تھی، جس میں وہ بھی شامل تھی۔ کنزیٰ اس وقت کھانے کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی۔

”جلدی کرو کنزیٰ! دیر ہوجائے گی۔ ابھی چاول دم پہ لگانے ہیں، یہ کام ختم کرو گی تو وہ بھی نمٹاؤ گی نا۔“

”بس امی! یہ ہوجائے تو چاول بھی پکا لیتی ہوں۔ کھیر بنا کے میں نے فریج میں رکھ دی ہے آپ چاٹ کے لیے پیاز کاٹ دیں۔ کباب اور رائتہ بعد میں خود ہی بنالوں گی۔

نومی کو بولیں چکن رول باہر سے لے آئے۔“ کنزیٰ جلدی جلدی ہاتھ چلا رہی تھی۔ فہمیدہ بیگم مطمئن ہو کے باہر چلی گئیں۔ سب کام ختم کر کے وہ اپنے کمرے میں اپنا حلیہ درست کرنے چلی گئی۔ پنک کلر کا کاٹن کا سوٹ نکالا اور تیار ہو کر باہر آ گئی۔ ابھی لاؤنج میں پہنچی ہی تھی کہ وہ سب لوگ اندر آ رہے تھے۔ سب سے ملنے کے بعد وہ کچن میں آ گئی۔ اسے کچھ مایوسی ہوئی کیونکہ احمد نہیں آیا تھا، اس نے پوچھا تو نہیں مگر وہ ان لوگوں کے ساتھ نہیں تھا۔ بے دلی سے چائے بنائی ٹرے میں رکھ کے باہر جانے ہی لگی تھی کہ وہ اندر آ گیا۔

”پانی ملے گا؟“ اس نے اندر داخل ہوتے ہی جان بوجھ کے بہانہ بنایا اندر آنے کا۔

”آپ آئے ہیں؟ میں سمجھی آپ نہیں آئے۔“ کنزیٰ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ جو پتا نہیں کہاں سے آیا تھا، شاید پیچھے تھا اور اپنی بے تکی سی بات پہ شرمندہ سی ہوگئی۔

”کیا میرا انتظار تھا آپ کو؟“ اس نے اس کی آنکھوں میں کچھ کھوجنے کی کوشش کی۔

”جی......؟ میں......نہیں تو۔“ وہ پزل ہوگئی اور وہاں سے بھاگنے لگی۔ احمد نے اسے مزید گھبراہٹ سے بچانے کے لیے بات آگے نہیں بڑھائی اور باہر چلا گیا۔

اس نے جلدی سے چائے تیار کی اور ناشتا کا سامان ٹرے میں رکھا۔ چائے تو پہلے ہی رکھ چکی تھی، اتنے میں کائنات بھی اندر آ گئی، دونوں نے مل کر چائے کا سامان سیٹ کیا اور ڈرائنگ روم میں جہاں سب بیٹھے تھے، لے آئیں۔ اندر داخل ہوتے ہی اس کی نظر سب سے پہلے اٹھی بھی تو بالکل سامنے وہی بیٹھا تھا۔ بڑے اطمینان اور اعتماد سے صوفے پہ بیٹھا احمد اسے اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہوا۔ بہت اپنا سا لگا اسے اس لمحے ایسا لگا جیسے جانے کب سے وہ دل میں براجمان تھا۔ پتا نہیں کب اس کی مسکراتی ہوئی تصویر دل پہ نقش ہوگئی تھی۔

”کنزیٰ سب کو چائے تو دو کیا سوچ رہی ہو؟“ امی کی آواز نے اسے حقیقت کی دنیا میں پہنچادیا۔ وہ ایک دم

چونکی۔ وہ دیکھ کر مسکرا دیا، اسے ایسے لگا اس کی مسکراہٹ کھلتی ہوئی کلی کی طرح ہے۔

"یا خدا! یہ کلی ہمیشہ کھلی رکھنا۔" اس نے بے اختیار دعا مانگی۔ فوراً سے پہلے اٹھ کر چائے کپوں میں ڈالنے لگی۔ باقی سب تو اپنی اپنی باتوں میں مشغول تھے، وہی ایک تھا جو مسلسل اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور اس کا دل انجانے جذبے کے تحت پتا نہیں کیوں دھڑک رہا تھا جیسے ابھی حلق میں آ جائے گا۔

سب سے پہلے پھوپو کو چائے پکڑائی، باری باری سب کو دینے کے بعد آخر میں وہ تھا جسے دیکھنے سے وہ گھبرا رہی تھی مگر اسے بھی چائے کی پیالی دینی ہی تھی۔ وہ بخوبی اس کی مشکل سمجھ رہا تھا اور محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ اٹھی اور چائے لے کر اس کی طرف بڑھا دی۔ مگر دیکھنے سے گریز کیا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا اور وہ مسکراہٹ کائنات کی نظروں سے چھپی نہ رہ سکی۔ وہ واپس کائنات کے پاس بیٹھ گئی۔ چہرے پہ سرخی پھیلی ہوئی تھی، کیسا انوکھا احساس تھا مگر اس نے ابھی لفظوں میں تو کچھ نہیں کہا تھا اگر یہ سب ایسا نہ ہوا تو شاید اسے سمجھنے میں غلطی ہو رہی ہو مگر ایسا کیسے ہو سکتا ہے، یہ نظریں، یہ پیغام، یہ تو کچھ اور ہی کہہ رہا ہے۔ وہ اندیشوں میں ڈوبتی جا رہی تھی۔ کہاں سے کہاں پہنچ جاتی تھی بیٹھے بیٹھے امی ہمیشہ اسے ٹوکا کرتی تھیں کہ وہ ہمیشہ جلد بازی اور جذباتی فیصلے کرتی تھی، بہت جلدی نتیجہ نکال لیا کرتی تھی اور اسے ہی سچ اور حقیقت سمجھتی تھی جو اس نے سوچا ہوتا تھا اور کوئی کچھ بھی کہے کسی کی نہیں سنتی تھی۔ وہ اب نومی کے آنے پہ اس سے باتوں میں مصروف ہو چکا تھا۔

وہ اب کائنات کو لے کر کچن میں آ گئی، کھانے کی تیاری تو تقریباً ہو گئی تھی، جو تھوڑا بہت کام رہتا تھا اس نے کائنات کے ساتھ مل کر مکمل کیا اور کھانا لگا دیا۔ خوش گوار ماحول میں کھانا کھایا گیا گاہے بگاہے، اس کی طرف سے مسکراہٹ کا اظہار بھی ہوتا رہا۔ اس دفعہ وہ نظر انداز کرنے کی بجائے مسکراہٹ سے جواب دیتی رہی۔ جس سے اسے انجانی سی خوشی محسوس ہوئی۔ کھانا ختم ہوا تو برتن اس نے اکیلے ہی سمیٹنے کائنات کو اٹھنے سے منع کر دیا۔ تقریباً سارے برتن وہ کچن میں رکھ چکی تھی۔ بس دو پلیٹیں رہتی تھیں، جنہیں لینے وہ کچن سے نکلنے ہی لگی تھی کہ سامنے وہ پلیٹیں اٹھائے کھڑا تھا۔ اس نے اس کے ہاتھ سے پلیٹیں لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر اس نے جا کے خود ہی سنک میں رکھ دیں۔

"آپ نے کیوں تکلیف کی میں خود ہی لے آتی؟"
اسے اس کا برتن اٹھا کے آنا بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

"کیوں اس میں کیا حرج ہے؟ میں گھر میں بھی تھوڑا بہت ہاتھ بٹا دیتا ہوں۔" وہ نہایت خلوص کے ساتھ اس کی شرمندگی مٹا رہا تھا۔ وہ اس کے رویے سے بہت متاثر ہوئی۔

"ایک بات پوچھوں؟" وہ نہایت دلچسپی سے چہرے سے مسکراہٹ سجائے اس سے پوچھ رہا تھا۔

"جی...... جی پوچھیں۔" وہ اسے دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

"تم کترا کیوں رہی ہو مجھ سے؟" وہ بڑے اشتیاق سے اس سے یوں پوچھ رہا تھا، جیسے وہ تو تیار بیٹھی ہے اسے بتانے کو۔

"میں، وہ نہیں تو، میں بھلا کیوں کتراؤں گی آپ سے؟" اسے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے جی تو چاہا کہ پوچھ لے کہ مجھے دیکھ کہ والہانہ قسم کی مسکراہٹ کیوں پاس کرتے ہو، جس سے کسی قسم کی خوش فہمی پیدا ہو مگر پوچھا نہیں صرف دل میں سوچ سکتی تھی، پوچھتی تو تب نا جب اپنی گھبراہٹ پہ قابو پا سکتی، دل میں چور جو تھا۔

"اچھا اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں جا رہا ہوں۔" وہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھی اور وہ جا چکا تھا اور وہ وہیں اس کی گمبھیر آواز اور نرم لہجے میں ڈوبی نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ چکی تھی۔ ہوش تو تب آیا جب سب جانے کو تیار تھے، باہر آ کے سب سے ملی پھوپو، رخسار، کائنات اور آصف بھائی سے الوداعی کلمات ادا کرنے کے

بعد جونہی وہ پیچھے مڑی، نومی کے ساتھ مصافحہ کرتا ہوا وہ اسے دیکھ کے آنکھوں سے پیغام دے گیا۔ وہ مزید الجھن کا شکار ہوگئی۔

اگر یہ سب نہ ہوا جو وہ سمجھ رہی ہے تو......! میری زندگی میں تو اس کا مقام بہت اہم ہوگیا ہے، میں کیسے سنبھال پاؤں گی خود کو۔ پہلی مرتبہ تو اس طرح دل نے دھڑکنا شروع کیا ہے، وہ بھی کسی اور کے لیے...... وہ ایک مرتبہ پھر سوچوں کے سمندر میں غوطہ زن ہونے ہی والی تھی کہ نعمان کی آواز سے حقیقت کی دنیا میں لوٹ آئی۔ جو اسے خدا حافظ کہہ رہا تھا اور آتے رہنے کی تلقین بھی کررہا تھا۔

ان کے جانے کے بعد اس نے سارے خیالات کو جھٹکا اور سیدھی کچن میں چلی گئی۔ وہاں کے بکھیڑے کو ابھی سمیٹنا تھا۔ سب برتن ایک جگہ اکٹھے کیے جنہیں ابھی دھونا تھا، تیز تیز ہاتھ چلاتے اس کی نظران پلیٹوں پر پڑی جو احمد لے کر اندر آیا تھا، اسے اس کے الفاظ یاد آگئے اور اس کی نرم طبیعت کے بارے میں سوچ کر مسکرادی۔

''ارے واہ...... اکیلے ہی مسکرا رہی ہو حالانکہ یہ کام مجھے کرنا چاہیے۔'' اس کی مسکراہٹ نومی کی تیز نظروں سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔ کافی خوش لگ رہا تھا اسی لیے تو اس کا ہاتھ بٹانے یہاں آگیا تھا۔

''ویسے بائی دا وے، تمہیں کیوں خوش ہونا چاہیے تھا؟'' پہلے تو وہ اپنی چوری پکڑے جانے پر تھوڑا سا سٹپٹا گئی مگر دوسری بات سنتے ہی جیسے کچھ سمجھتے ہوئے فوراً نومی کے چہرے کی مسکراہٹ کو دیکھا جس میں تھوڑی سی شرماہٹ بھی تھی۔

''اوہ! تو یہ بات ہے۔'' اس کے جواب نہ دینے پر جیسے اس نے اس کی طرف سے آمادگی تصور کی۔

''اچھا بتاؤ کیا کرواؤں؟ امی کے سر میں درد ہے انہوں نے مجھے بھیجا ہے۔'' اپنی خوشی میں وہ اس کی مسکراہٹ کا پوچھنا تو بھول ہی گیا۔

......☆......

''ارے سب لوگ کدھر گئے......؟'' وہ جب باہر نکلی تو کالج اسٹاپ پر کوئی لڑکی موجود نہ تھی، اس کے تو پریشانی سے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

''یا اللہ! وین تو چلی گئی، اتنی دیر بھی نہیں ہوئی تھی مجھے لائبریری سے نکلنے میں۔'' وہ نہایت پریشانی سے ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ ''اب کیا کرے اگر موبائل ہوتا تو نبیل بھائی کو فون کردیتی وہ لینے آجاتے مگر اب کیا کرے۔'' ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ اکیلی رہ گئی تھی، وہ شاید پریشانی سے بے ہوش ہی ہوجاتی اگر اسے اپنے قریب سے جانی پہچانی سی آواز نے پکارا نہ ہوتا۔ اس نے گھبراہٹ سے مڑ کر دیکھا۔ یہ وہی تھا جو آج کل اس کے خوابوں میں رہتا تھا پتا نہیں کب بائیک روک کر اس کے پاس چلا آیا تھا۔

''کیا ہوا......؟ یہاں اکیلی کیوں کھڑی ہو؟ کوئی لینے نہیں آیا کیا......؟'' وہ اسے گھبرائے ہوئے پسینے سے شرابور دیکھ کر پریشان ہوگیا اور اب اس سے اس کے یہاں اکیلے کھڑے ہونے کی وجہ پوچھ رہا تھا۔

''وہ میری وین نکل گئی۔'' اس کی آواز گہرے کنوئیں سے نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ گھبراہٹ کے مارے اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

''اچھا پریشان مت ہواؤ...... آؤ میرے ساتھ میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں گھر۔'' اس نے اسے تسلی دی اور اپنے ساتھ چلنے کے لیے بائیک کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بائیک دیکھ کر اور گھبرا گئی۔

''میں کبھی بائیک پہ نہیں بیٹھی۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے مدعا بیان کیا۔

''میں بھی پہلے کبھی نہیں بیٹھا تھا مگر اب بیٹھا ہوں آؤ جلدی کرو۔'' اس نے مسکرا کر اس کی گھبراہٹ دور کرنے کی کوشش کی۔ چاروناچار اسے بیٹھنا ہی پڑا ابھی تھوڑا ہی سفر طے ہوا ہوگا کہ اس نے پتا نہیں کیا سوچ کر بائیک روک دی۔ وہ فوراً نیچے اُتری اور اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی وہ جیب سے موبائل نکال چکا تھا، پتا نہیں کیا سوجھی ہے اسے۔ اس نے دل میں سوچا۔

"ہیلو ممانی جان! السلام علیکم!" اس نے امی کو فون کیا اور اس کی وین نکل جانے اور اپنے ساتھ ہونے کا بھی بتادیا۔ اسے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ یہ کیوں کررہا ہے اور بائیک خراب ہونے کا کیوں کہا اس نے امی کو جب کہ بائیک تو بالکل ٹھیک ہے، وہ گھبرا گئی اس کی نیت پر تو اسے شک نہیں تھا کیونکہ وہ محافظ بن کر آیا تھا مگر دل اس صورت حال سے کچھ ڈر رہا تھا۔

"پریشان مت ہو، میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا تھا، شاید خدا نے مجھے موقع دیا ہے کہ میں تم سے کھل کر بات کرسکوں۔" وہ شاید وہی کچھ کہنا چاہ رہا تھا جو یہ کافی دنوں سے سُننا چاہ رہی تھی۔ اگر اس نے وہ کچھ نہ کہا جو میں سوچ رہی ہوں تو...... وہ ایک دفعہ پھر خدشے کا شکار ہورہی تھی۔

"اصل میں، میں تم سے کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔" اسے شاید سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بات کیسے شروع کرے۔ بات کچھ یوں ہے کہ میں اپنی باقی زندگی تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں امی سے بات کروں؟ وہ بھی تم سے بہت محبت کرتی ہیں۔ اس نے "بھی" پر زیادہ زور دیا۔ وہ مزید خود میں سمٹ گئی، اسے اس سے اتنی بولڈنیس کی توقع نہیں تھی مگر اس کے سارے خدشے دم توڑ گئے تھے۔ اس کی بھی تو یہی خواہش تھی مگر یہ اتنی جلدی پوری ہوجائے گی، اندازہ نہیں تھا۔ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ سے کچھ اندازہ لگانے کی بھی کوشش کررہا تھا مگر وہ مسکرانے کے علاوہ کچھ نہ کہہ سکی، الفاظ جیسے کہیں گم ہوگئے تھے۔

"مسکراہٹ کا میں کیا مطلب سمجھوں؟" وہ کچھ مطمئن سے انداز میں سینے پر ہاتھ باندھ کے بائیک سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا اور اس کی ہاں کا منتظر تھا مگر اس سے تو کچھ بولا ہی نہ جارہا تھا۔ وہ نروس ہورہی تھی۔

"وہ میں...... میں کیا کہوں؟" اسے اپنی آواز اور الفاظ کو سنبھالنا بھی مشکل ہورہا تھا۔

"ارے بھئی ہاں یا ناں میں گردن ہلادو۔" شاید آج ہی جواب لینا تھا، جو اسے بولنے پر مسلسل اُکسا رہا تھا۔

اس نے جھجکتے ہوئے ہلکے سے "ہاں" میں گردن ہلادی اور چادر میں چہرہ چھپا کر منہ دوسری طرف موڑ لیا۔

"یاہو......!" اس نے خوشی سے نعرہ لگایا، جیسے کوئی قیمتی اور نایاب شے حاصل ہوگئی ہو۔ مگر وہ اس کے دل پر اپنی مہر لگ جانے پر ہی اتنا خوش تھا، جیسے اسے حاصل کرلیا ہو۔

"اچھا چلو تمہیں گھر چھوڑ آؤں، ممانی پریشان ہورہی ہوں گی۔" اب اسے گھر چھوڑنے کا خیال آیا تو اسے چلنے کا اشارہ کیا جسے وہ کسی اور ہی دنیا میں سیر کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"بڑی جلدی خیال آ گیا امی کی پریشانی کا؟" اس کی بات سُن کر فوراً اس کے منہ سے نکلا اور اس نے زبان دانتوں تلے دبالی اور چور نظروں سے اس کی طرف دیکھا جو اس کی بات سُن کر فوراً پیچھے مڑا تھا اور اب شرارت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ابھی تو تمہاری آواز نہیں نکل رہی تھی، اب بھی گردن ہی ہلادیتی تھی۔" اس نے اس کے گردن کے ذریعے جواب دینے پر چوٹ کی، جسے سُن کہ وہ شرما کے نظریں چرا گئی۔

......☆......

"ایک بات تو بتاؤ کنزئی کی بچی!" نومی جو ابھی ابھی کمرے میں آیا تھا، اسے اور نبیل بھائی کو اکٹھے بیٹھے دیکھا جو آفس کی کوئی فائل کھولے بیٹھے تھے اور وہ پیچھے کشن سے ٹیک لگائے پڑھائی میں مصروف کم اور کسی سوچ میں ڈوبی زیادہ لگ رہی تھی۔

"کیا ہے نیناں؟" وہ گڑبڑا گئی تھی اس لیے اس کا وہی نام استعمال کیا جو وہ کبھی کبھی اسے چھیڑنے کے لیے کہتی تھی۔ امی اکثر اسے کہتی تھیں کہ بہن کا تھوڑا ہاتھ بٹادو، میرے سر میں درد ہے یا طبیعت خراب ہے تو وہ اسے نومی کی بجائے نیناں سسٹر کہتی تھی، جسے وہ بخوبی تسلیم بھی کرلیتا تھا۔

''بہن کہتی ہو تو بہن بن کر بھی دکھاؤ۔'' وہ کچھ جذباتی انداز میں ڈائیلاگ مار رہا تھا جس پر نبیل بھائی بھی کچھ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

''کیا مطلب؟'' اس نے الجھن سے نومی کو دیکھا جو اسے کچھ باور کرانے کی کوشش کرتا ہوا محسوس ہوا۔

''مطلب یہ کہ تم اتنی اچھی کب سے ہو گئیں؟'' وہ شاید اس کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ سے کچھ کھوجنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میں پہلے بُری تھی...... مطلب کیا ہے تمہارا......؟'' اس نے اپنے تاثرات کو کنٹرول کرنے کی بھرپور کوشش کی، جس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوگئی۔

''یہ شگفتگیاں، یہ مسکراہٹیں پہلے تو کبھی نہیں تھیں اور تو اور لڑائی جھگڑے بھی نہیں، کچھ تو ہے۔'' اس نے نبیل بھائی سے بھی تائید چاہی۔ انہوں نے کنزیٰ کو غور سے دیکھا۔ واقعی تبدیلی تو تھی۔ پہلے سے زیادہ کھلی کھلی سی لگی۔ اس نے دونوں کو اپنی طرف دیکھتے پایا تو اندر تک کانپ گئی۔ چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔

''تو کیا میرے دل کی کیفیت چہرے سے واقعی نظر آتی ہے۔'' وہ ایک دم کنفیوز ہوگئی۔

''واقعی کنزیٰ بدل گئی ہو۔ کون سی کریم لگاتی ہو؟'' نبیل بھائی نے اسے کنفیوز ہوتے دیکھا تو بات ہنسی میں اُڑانے کی کوشش کی، جسے سن کر نومی تو ہنسا ہی ہنسا، وہ بھی مسکرادی اور جان بخشی پر اللہ کا دل ہی دل میں شکر ادا کرنے لگی۔ وہ بھی ہلکے سے مسکرادیے، انہیں اپنے دونوں بہن بھائی کی خوشیاں بہت عزیز تھیں۔ بہت پیار کرتے تھے وہ ان دونوں سے۔

.......☆.......

امی نے ابھی ابھی اس سے کہا تھا کہ سب تمہاری چھوٹی پھوپو کے گھر جارہے ہیں۔ پھوپو کا نام سنتے ہی اس کی آنکھوں کے پردے پر مسکراتا ہوا وہ چہرہ دکھائی دیا جسے دیکھے ہوئے پتا نہیں کتنے ہفتے ہوگئے تھے۔ اس بات کے بعد اس نے اسے صرف دوبار دیکھا تھا، نومی کے ساتھ بغیر کوئی بات کیے وہ چلا جاتا تھا۔ اس کے دل میں بھی چور تھا اس لیے گھر والوں کے سامنے اسے زیادہ بلانے سے گریز کرتی تھی۔ اب اس کے گھر جانے کے خیال سے دل ہی دل میں خوشی ہو رہی تھی کیونکہ امی نے ابھی کہا تھا کہ سب جارہے ہیں، اس لیے تمہیں بھی چلنا ہے۔ دس منٹ میں تیار ہو جاؤ۔ جب وہ تیار ہو کے نیچے آئی نومی صاحب پہلے ہی تیار بیٹھے تھے۔ اس سے خاموش رہنا مشکل ہوگیا۔

''اتنی بھی جلدی کیا ہے جناب! بہت بے چین ہو رہے ہو؟ سب سے پہلے جناب تیار ہو کے بیٹھے ہیں اور اب سب کے انتظار میں سوکھ رہے ہیں۔ مجھے پہلے پتا ہوتا تو میں اور دیر لگاتی ایک بات بتاؤ میری ابھی ''اس'' سے بات ہوئی تھی وہ گھر پر نہیں ہے۔'' وہ نومی کے دل کے موسموں سے باخبر تھی کہ اس کا جھکاؤ کائنات کی جانب ہے۔ سوائے کائنات کے گھر نہ ہونے کی خبر سنا کر پریشان کرنے کی کوشش کی۔ کمرے میں اس وقت ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ مگر وہ بھی اسی کا بھائی تھا، پریشان کیسے ہوتا۔

''تمہارا کیا خیال ہے میں تمہیں شکل سے بے وقوف لگتا ہوں۔''

''کیوں......؟'' وہ چونکی۔

''اس کی امی یعنی پھوپو بیمار ہیں اور وہ سیر سپاٹے کرتی پھرے گی؟ وہ گھر میں ہی ہے، تم بے وقوف کسی اور کو بناؤ۔'' اس نے اس کی طبیعت اچھی طرف صاف کردی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ جواب دیتی نبیل بھائی اور ابو تیار ہو کے آگئے۔ انہیں اٹھنا پڑا۔ وہ اب پھوپو کے گھر کی طرف جارہے تھے، جیسے ہی وہ پھوپو کے گھر کے اندر داخل ہوئے کائنات کو کچن سے دیکھا، اس نے جیسے ہی ان سب کو دیکھا خوشی سے بھاگ کر کنزیٰ کو گلے سے لگالیا۔ اس نے نومی کو دیکھا جو پہلے بڑی اونچی اونچی جھاڑ رہا تھا اب جناب کی گردن زمین سے ملی ہوئی تھی، موصوف سر ہی اوپر نہیں کررہے تھے۔

''اگر تم نے تھوڑی سی بھی اور نیچے گردن کی نا تو تم

سے زمین سے لگ جائے گی۔" آخر اس نے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے سب سے نظر بچا کر اسے چوٹ کر ہی دی۔ نومی نے اسے گھور کے دیکھا جسے وہ نظر انداز کرتی ہوئی اندر کائنات کی مدد کرنے چلی گئی مگر پہلے پھوپو کی طبیعت دریافت کرنا نہیں بھولی تھی۔ پھوپو کے گھر شاید کوئی اور بھی مہمان آئے ہوئے تھے۔ اس نے ٹی وی لاؤنج میں کسی لڑکی کو بیٹھے دیکھا۔ جو بڑی بے تکلفی سے بیٹھی چینل سرچنگ کر رہی تھی۔ مگر وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا جس کو دیکھنے کی جلدی میں اس نے ٹھیک طرح سے تیاری بھی نہ کی تھی۔

"کائنات! یہ لڑکی کون ہے جو اندر بیٹھی ہے؟" اس نے کائنات سے اس لڑکی کے بارے میں پوچھا، دیکھی دیکھی سی لگ رہی تھی مگر یاد نہیں آ رہا تھا کہاں دیکھا ہے۔

"ہاں وہ رخسار باجی کے سسرال والے آئے ہوئے ہیں، بیان کی نند ہیں۔ زینب نام ہے اس کا۔ اس کے امی ابو کسی فوتگی میں گئے ہوئے ہیں اس لیے یہ اندر بوریت سے بچنے کے لیے ٹی وی دیکھ رہی ہے۔" کائنات نے اسے تفصیل سے آگاہ کیا۔

رخسار باجی کے سسرال سے اسے یاد آیا، اسے ان کی شادی پر دیکھا تھا بھی تو تھی جو احمد کو بار بار دیکھ کر اشارے کرتی تھی، اسے تو میں فراموش ہی کر بیٹھی تھی۔ مگر وہ تو اسے لفٹ ہی نہیں کروا رہا تھا ورنہ اس وقت گھر پر نہ ہوتا، وہ جو آئی ہوئی تھی شاید اسی لیے گھر سے باہر چلا گیا ہے، وہ خود ہی اپنے سوالوں کے جواب دے رہی تھی۔

"رخسار باجی نہیں آئیں کیا؟" اسے اچانک ان کا خیال آیا جو کہیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔

"نہیں، وہ لوگ تو ہنی مون پر گئے ہوئے ہیں۔" کائنات چائے بنانے کے ساتھ ساتھ اس سے باتیں بھی کر رہی تھی۔

"السلام علیکم!" زینب کچن میں آ گئی تھی، اس نے بھی مسکرا کر سلام کیا اور ہاتھ ملایا۔ اسے کیا معلوم تھا یہ مسکراہٹ اس کی آخری مسکراہٹ ثابت ہوگی پھر کبھی دل سے مسکرا بھی نہ سکے گی۔ اسے کیا خبر تھی اس کے خدشات اسے لے ڈوبیں گے۔ اس کی جذباتیت اس کی ہنستی زندگی کو کھا جائے گی اور اس کی ازلی جلد بازی اس کی زندگی ویران کر دے گی۔

"تم نے کہا تھا میں تم سے شادی کروں گا، وعدہ کیا تھا تم نے مجھ سے......" یہ وہ آواز تھی جو اس کے کانوں میں تب پڑی جب وہ پانی کا گلاس پھوپو کے لیے اٹھائے اس کمرے کے سامنے سے گزری، جسے سب بڑا کمرا کہتے تھے۔ پہلے تو اسے اپنے کانوں کا دھوکا لگا کیونکہ یہ آواز زینب کی تھی مگر وہ کس سے بات کر رہی تھی۔

"ہاں میں مانتا ہوں میں نے تم سے کہا تھا مگر......" اس کے سر پر آسمان گر پڑا تھا۔ زمین اسے پھٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔ یہ آواز یہ تو وہی آواز تھی جسے وہ دن رات سننا چاہتی تھی جو اس کی زندگی تھی۔ مگر یہ احمد کیسے ہو سکتا ہے وہ تو......اس کے آگے سوچنا اس سے دشوار ہو گیا، اسے اپنا دماغ خالی محسوس ہوا مگر اگلی آنے والی آواز نے جیسے اس کی خوش فہمی دور کر دی۔

"دیکھو تمہارے لیے میں نے کچھ کہا تھا یا تم نے میرے بارے میں جو سوچا اسے بھول جاؤ۔ اب ایسا نہیں ہو سکتا۔" یہ واقعی احمد تھا تو کیا اس نے زینب سے شادی کا وعدہ کیا تھا۔ کیا اس سے بھی اس نے اسی طرح محبت کا ڈراما رچایا تھا اور اب میرے ساتھ......اسے اپنا دماغ منجمد ہوتا ہوا محسوس ہوا وہ آگے بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر اسے آواز کہاں آ رہی تھی۔ اس کا سر چکرا رہا تھا اسے سائبان گھومتا ہوا محسوس ہوا، اس سے پہلے کہ وہ گرتی کسی شفیق ہاتھ نے اسے سنبھال لیا تھا، یہ شفیق اور مہربان ہاتھ اس کے ابو رحمان صاحب تھے جو اس کی یہ حالت دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے۔ قریب آنے پر اسے پکارنے لگے تھے۔

"کنزیٰ بیٹا کیا ہوا...... طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" وہ پریشانی سے اس سے پوچھ رہے تھے۔ وہ شرمندہ سی ہو گئی اس کی وجہ سے وہ اتنے پریشان جو ہوئے۔

احمد باہر آچکا تھا اور اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ سب سُن چکی ہے۔ مگر اس کی نظروں میں تو اس کے لیے نفرت ہی نفرت تھی۔ کیسی اجنبی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی وہ سمجھ نہیں پایا کہ ایسا کیوں ہے، اس کی نگاہوں میں نفرت اور شکوہ اسے تکلیف دے رہے تھے۔

"ابو! مجھے گھر جانا ہے، پلیز چلیں۔" وہ جلد سے جلد اس کی نظروں سے دور جانا چاہتی تھی۔

"ہاں بیٹا! چلتے ہیں۔" وہ اسے سہارا دے کر اندر لے گئے، سب کو کہا چلنے کا اور پھوپو اور احمد سے اس کی خراب طبیعت کے باعث جلدی جانے کی معذرت کی اور اسے لے کر گھر آ گئے۔ گھر آ کے اس کا دل چاہا چیخ چیخ کر روئے۔ سارا غبار نکال دے بتائے کہ اس کا پہلا پہلا پیار اس کے ساتھ دھوکا کرتا رہا۔ اس کی تو دنیا ہی اُجڑ گئی۔ صرف نومی تھا جسے کچھ کچھ شک ہوا تھا مگر بھائی ہونے کے ناتے کچھ کہہ نہیں سکتا تھا اور وہ...... تو جس وقت سے پھوپو کے گھر سے آئی تھی، ایسے اجڑی تھی جیسے اس سے کسی نے اس کی زندگی ہی چھین لی ہو۔

میری محبت کا شیرازہ ایسے بھی بکھر سکتا ہے، ابھی تو مجھے خوشیوں کے ہنڈولے میں جھولنا تھا، ابھی تو مجھے محبت کے اس انوکھے رنگ کو دیکھنا تھا۔ ابھی تو میں نے محسوس کرنا تھا اسے...... اسے ہزاروں سوچوں میں بھی اس کا مسکراتا چہرہ اپنے سامنے محسوس ہو رہا تھا۔ کیا یہ چہرہ مجھے دھوکا دے سکتا ہے؟ یا خدا مجھے حوصلہ دے۔ آنسو اس کے رخسار پہ بہہ رہے تھے۔ زندگی میں پہلی دفعہ وہ اس طرح رو رہی تھی۔ کچھ کھائے پیے بغیر اس نے سونے کا بہانہ کر دیا تھا۔ مگر نیند کہاں آنی تھی۔ ابھی کچھ ہی گھنٹے پہلے وہ کتنی خوش تھی اور اب جیسے خوشی اسے دور سے دیکھ کر مسکرا رہی ہو۔ اسے کسی صورت صبر نہیں آ رہا تھا تکیے پر سر رکھے وہ اتنا رو چکی تھی کہ اسے لگا اب اس کی آنکھوں میں کبھی آنسو نہیں آ سکیں گے۔ ساری رات رونے کا نتیجہ یہ نکلا کہ صبح تک وہ بخار میں پھنک رہی تھی۔

❁......☆......❁

"کیسی طبیعت ہے ہمارے بیٹے کی؟" ابو ڈاکٹر کو باہر تک چھوڑنے کے بعد اب اس کے پاس آ کر اس کو لاڈ سے طبیعت ٹھیک کرنے کا کہہ رہے تھے کیونکہ ان کے گھر کی رونق جو کم ہو گئی تھی۔ نبیل بھائی اور نومی پہلے ہی اس کے پاس بیٹھے تھے۔ نبیل بھائی نے اس کی طبیعت کے پیش نظر آج چھٹی کر لی تھی۔ وہ بہت کم چھٹی کرتے تھے۔ نومی خلاف معمول خاموش تھا۔

"کیا ہوا کنزیٰ، اتنی زیادہ طبیعت خراب کر لی تم نے؟" کائنات اس کی طبیعت پوچھنے آئی تھی۔ اس کو اس طرح لیٹے دیکھ کر کچھ زیادہ ہی پریشان ہو گئی تھی۔ اس کے ساتھ وہ بھی تھا جو اس سب کا قصوروار تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اس حال میں پہنچی تھی۔ اس نے اس کی طرف دیکھنے کی بجائے آنکھیں موند لیں۔ دو آنسو اس کی آنکھ سے نکل کر بالوں میں جذب ہو گئے۔ جنہیں اس نے چپکے سے صاف کر لیا مگر احمد کی نگاہوں سے چھپے نہ رہ سکے۔ اسے بہت دکھ ہوا۔ یہ پیاری سی لڑکی ایک غلط فہمی کے تحت اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہی تھی۔ اس نے دل میں تہیہ کیا کہ وہ بہت جلد اس کی غلط فہمی دور کر دے گا، اسے سچائی بتا دے گا مگر...... اسے تھوڑا سا کہیں دکھ بھی تھا کہ وہ اس سے محبت تو کر بیٹھی مگر اعتبار نہ کر سکی۔

❁......☆......❁

"کنزیٰ پلیز میری بات سنو، ایک دفعہ تو میری بات سنو۔" وہ آج پھر اس کے پاس آیا تھا۔ پہلے بھی دو دفعہ آ چکا تھا مگر اس نے بات کرنے کا موقع ہی نہ دیا اور آج جب گھر میں اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ وہ چاہتا تھا وہ اس سے سچائی کہہ دے، ساری بات اس پر واضح کر دے مگر اس کا رویہ اسے دکھ دے رہا تھا۔ وہ تو کچھ سننے کو تیار ہی نہیں تھی۔

"خدا کے لیے کنزیٰ ایک دفعہ سچائی سن لو۔ صرف ایک دفعہ۔" وہ منت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا اور وہ اسے مسلسل دھتکار رہی تھی۔

"سچ میں نے سن لیا احمد کمال! اب مجھے مزید سچ

جاننے کا اشتیاق نہیں، اتنا ہی کافی ہے میرے لیے۔''
اس کی آنکھوں میں بدگمانی ہی بدگمانی اور لہجے میں نفرت بھری تھی۔
''وہ سچ نہیں تھا۔ جو تم نے سنا وہ سراسر غلط فہمی تھی تمہاری۔ ایک دفعہ سچائی سن تو لو پلیز! اتنی تکلیف مت دو مجھے۔'' وہ تقریباً رونے کو تھا عجیب بے بسی تھی اس کی آنکھوں اور لہجے میں۔ اپنی محبت کو اتنا بدگمان کیسے دیکھ سکتا تھا۔
''آنکھوں دیکھا جھوٹ نہیں ہوسکتا، تم کیا سمجھتے ہو جس طرح زینب کو دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر تم میری طرف آئے، اسی طرح مجھے بھی چھوڑ کر کسی اور کو محبت کے جھوٹے جال میں پھنسانے چل پڑو گے؟ مگر یہ تمہاری بھول ہے۔ اس سے پہلے میں خود تمہیں ٹھکراؤں گی، منت نہیں کروں گی تمہاری۔ سمجھے تم......؟'' وہ حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا جو اتنا بڑا الزام کتنی آسانی سے لگا رہی تھی اور وہ تو جیسے خاموش ہی رہ گیا۔ ایسا سمجھتی تھی وہ اسے۔ سارے الفاظ کہیں گم ہو گئے تھے وہ جو سوچ رہا تھا اس کے سارے خدشے، غلط فہمی دور کردے گا۔ سارے خیال، سارے لفظ، زبان پہ جم گئے تھے شاید نکلا بھی تو صرف حیرانی سے بھرا ایک لفظ۔
''یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟''
''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں میں، میرا پیار کوئی اُڑتی ہوئی دھول نہیں ہے احمد کمال! تم محبت کے بھکاری ہو، ایک سے مانگ کر دوسرے کے آگے ہاتھ پھیلانے والے، تمہیں کیا پتا چاہت کا درد کیا ہوتا ہے؟ دوسرا چاہے مرے چاہے جیے، تمہیں تو صرف اپنی بھوک مٹانی ہے دوسروں کو اپنے پیچھے مرتا ہوا دیکھ کر خوشی ملتی ہے تمہیں؟'' وہ ہچکیوں میں اسے نہ جانے کیا سے کیا کہہ رہی تھی۔ اسے خود سمجھ میں نہیں آرہا تھا مگر وہ اپنی ساری نفرت اس پر اُنڈیل دینا چاہتی تھی۔ اپنی بات کہتے ہوئے اس نے یہ بھی نہ دیکھا کہ وہ بالکل خاموش کھڑا ہے اور اس کی آنکھوں میں شدتِ دکھ سے آنسو تھے۔ وہ اس حد تک سوچ سکتی ہے اس کے وہم گمان میں بھی نہیں تھا۔
''تم اس حد تک سوچ سکتی ہو۔ اتنا گھٹیا انسان سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے؟'' وہ بولا تو دنیا کا دکھ سمایا ہوا تھا اس کی آواز میں۔ ''تم مجھے محبت کا بھکاری سمجھتی ہو؟ میں وقت گزاری کرنے والا نظر آتا ہوں تمہیں۔ میں تو یہ سوچ کر آیا تھا تمہیں سچائی بتاؤں گا اور تم...... تم نے مجھے میری ہی نظروں میں گرادیا؟ ارے محبت ہی کرلی تھی تو تھوڑا سا اعتبار بھی کیا ہوتا...... مگر اب میں تمہیں کوئی صفائی نہیں دوں گا، اتنا بے غیرت انسان نہیں ہوں میں، جتنا تم نے مجھے سمجھ رکھا تھا۔ میں تمہیں محبت کے جال میں پھنسا رہا تھا......؟'' وہ چیخ رہا تھا زبان سے جیسے آگ برس رہی تھی۔ آنکھوں میں سرخی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ایک لمحے کو تو ڈر گئی۔
''جارہا ہوں میں، کبھی نظر نہیں آؤں گا تمہیں اور مجھ جیسے گھٹیا انسان کی ضرورت بھی کیا ہے تمہیں اور ہاں اتنا گرا ہوا نہیں تھا میں، اب اگر کسی بھی موڑ پر تمہیں سچائی پتا بھی چلی نا تو مجھے مت پکارنا۔ میں نہیں آؤں گا نہیں آؤں گا کبھی بھی۔'' وہ جاتے جاتے مڑا اور اس پر سوچ کے بہت سے دروازے وا کرگیا۔ وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ وہ غصے اور دکھ کے ملے جلے تاثرات سے گھر گیا اور وہ فیصلہ جو اس سے برسوں سے نہ ہوا تھا اس نے منٹوں میں کرلیا۔

❁......☆......❁

''احمد کینیڈا جارہا ہے۔'' ابو نے یہ خبر رات کے کھانے کے دوران سب کو سنائی۔ سب ہی حیران تھے اور نومی نے تو سب سے پہلے اس کی طرف دیکھا تھا۔
''اتنی جلدی کیسے فیصلہ کرلیا اس نے، وہ تو انکار کرچکا تھا۔'' نبیل بھائی نے حیرانی سے ابو سے پوچھا۔
''ہاں سب نے ہی اس سے پوچھا مگر وہ کچھ بتانے کو تیار نہیں، کل شام وہ پانچ بجے کی فلائٹ سے چلا جائے گا۔'' نبیل بھائی کافی حیران تھے۔ حیران تو وہ بھی ہوئی تھی۔ ایک نومی تھا جو اطمینان سے بیٹھا تھا۔ اسے اس کے جانے کا سن کر دل ویران سا لگا، خالی پن محسوس ہوا مگر اتنا

کچھ ہو چکا تھا کہ اسے روکنے کے بارے میں سوچنا بے معنی تھا۔
کانوں سنا غلط ہو سکتا ہے، آنکھوں دیکھا کون جھٹلا سکتا ہے۔ اگر اس نے اس سے شادی کا وعدہ نہ کیا ہوتا تو وہ کیوں اس سے اس طرح جرح کرتی اور وہ تسلیم کیوں کرتا...... اس کا دل سوال کرتا اور ذہن جواب دیتا رہا، اسے اب بھی وہی قصوروار نظر آ رہا تھا۔

❁......☆......❁
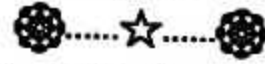
وہ آیا تھا سب سے ملنے، شاید اسے آخری دفعہ دیکھنا چاہتا تھا مگر وہ سامنے ہی نہ آئی اور وہ سب سے مل کر چلا گیا تبھی نہ آنے کے لیے اور وہ کمرے میں بند تھی، جیسے دنیا سے ناراض بیٹھی تھی۔
"وہ چلا گیا۔" نومی اس کے کمرے میں آیا اور اس سے نگاہیں ملائے بغیر اسے بتا رہا تھا۔ وہ ان کی اس دن کی گفتگو سن چکا تھا مگر ظاہر نہیں کیا تھا اسے زیادہ قصور کنزیٰ کا لگا اگر وہ کچھ بتانا چاہ رہا تھا تو کم از کم اسے سن تو لینا چاہیے تھا۔ یقین کرنا نہ کرنا بعد کی بات تھی۔
"معلوم ہے۔" اس نے رکی ہوئی سانس خارج کرتے ہوئے جواب دیا۔
"اپنے رویے پر سوچنا ضرور حالانکہ اب کچھ ہو نہیں سکتا۔" وہ بھی اس سے شکوہ کناں تھا اور اس کا جواب سنے بغیر جا چکا تھا۔

❁......☆......❁
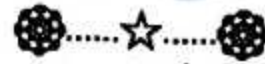
لمحہ لمحہ وقت ریت کی طرح ہاتھ سے سرکتا جا رہا تھا۔ خالی پن اور بے کیف سی زندگی گزارتے اسے ڈیڑھ سال ہو چکا تھا۔ ایک وحشت بھری بے سکونی نے اس کا احاطہ کیے رکھا، یاد تو بہت آتا تھا مگر ماننے کو تیار نہ تھی۔ اس کی پُراسرار تبدیلی کو سب ہی سمجھنے سے قاصر تھے، اس کی اور نومی کی وہ پہلے جیسی بات نہ رہی تھی۔ حقیقت تو اس پر اس کے جانے کے دو ماہ ہی کھل گئی تھی۔ زینب کے الفاظ آج بھی اس کی سماعتوں میں گونجا کرتے اور وہ مزید اذیت کا شکار ہو جاتی۔ اس پر اسے اپنی ماں کے کہے وہ جملے یاد آتے۔
"تمہاری یہ جذباتیت اور جلد بازی تمہیں ایک دن لے ڈوبے گی بہت بڑا نقصان کر لو گی تم اپنا۔" اور نقصان تو وہ کر چکی تھی اور اتنا بڑا کہ اس کا کوئی ازالہ بھی نہیں تھا۔ وہ نجانے کب تک اسی کو قصوروار سمجھتی رہتی اگر ایک دن زینب آ کر اس کی زندگی کا رُخ نہ موڑ دیتی۔ وہ حقیقت آشکار کر گئی تھی اس پر۔ اتنی بڑی خطا بلکہ اتنا بڑا گناہ ہو گیا تھا اس سے۔ اس کی زندگی بھی برباد کی اور اپنی زندگی کو بھی ویران کر دیا۔ ایک غلط فہمی کے تحت اپنی ساری زندگی کی خوشیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔
"اس نے تمہاری خاطر میرے پیار کو ٹھکرا دیا اور تم...... تم نے اس کو اتنا دکھی کر دیا کہ اس سے تم لوگوں کے ساتھ رہنا دشوار ہو گیا۔ یہ سچ ہے کہ وہ راضی ہوا تھا میرے ساتھ شادی کرنے پر مگر وہ سراسر میری مرضی تھی۔ میں نے کی تھی اس سے بات کہ وہ مجھے اچھا لگتا ہے۔ تب وہ راضی ہو گیا تھا کیونکہ شادی تو کرنی تھی تو مجھ سے ہی سہی۔ اسے اس وقت کسی سے محبت نہیں تھی، جب ہوئی تو اس نے مجھے صاف انکار کر دیا کیونکہ پھر وہ تم سے محبت کرنے لگا تھا۔" زینب نے اس کے سر پر بم پھوڑا تھا۔ وہ تو سکتے میں چلی گئی تھی۔
"وہ کس منہ سے الزام دیتی ہو تم اسے، اگر وہ جھوٹا ہوتا تو اس وقت تمہارے لیے اتنا دور نہ چلا جاتا بلکہ میرے ساتھ ایک خوش گوار زندگی گزار رہا ہوتا۔ تم نے اس کی قدر ہی نہ کی۔ اگر اب بھی یقین نہیں آیا تو سن لو میں نے منگنی کر لی ہے اپنی مرضی سے، دو ماہ بعد شادی ہے تمہیں بلاؤں گی، ضرور آنا۔" وہ اسے مجسمے کی طرح مجسم کر کے جا چکی تھی۔ اس کے دفاع میں ساری فلم چلتی گئی۔ اس کا اس سے ملنا زینب اور اس کی باتیں سننا اور پھر اس کا اس کے پاس آ کر سچائی بتانے کی کوشش اس کا واسطہ دینا اور سب سے بڑھ کر اس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتا دکھ اور پھر اس کا چلے جانا۔ وہ گرتی چلی گئی۔ یہ کیا ہو گیا تھا اس سے۔ اس واقعہ کو دو سال ہونے والے تھے اور وہ

دونوں خالی دامن تھے۔ وہ اپنے آپ کو اس کا مجرم سمجھنے لگی تھی بلکہ وہ واقعی اس کی مجرم تھی۔

❁......☆......❁
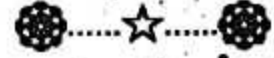
پچھتاوے پشیمانی اور دکھ نے اسے بیمار کردیا تھا۔ راتوں کو جاگ جاگ کر اسے آوازیں دیتی۔ اس سے معافی مانگتی، اسے بلاتی، اسے اپنی زندگی کی ویرانیاں بتاتی مگر وہ سنتا تو تب، جب یہاں ہوتا۔ اس نے تو جانے کے بعد گھر والوں سے بھی کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا۔

''احمد پلیز تمہیں خدا کا واسطہ ایک بار...... صرف ایک بار مجھ سے بات کرلو۔ میں تمہارے پاؤں پکڑ لوں گی۔ مجھے معاف کردو۔ مجھے میرا کسی کا دل توڑنے کا گناہ جینے نہیں دیتا۔ نہیں اُٹھایا جاتا اب یہ بوجھ، بھلے مجھے نہ اپنانا، مجھے سزا دے دینا مگر صرف ایک مرتبہ مجھے آ کے معاف کردو۔'' رات کا تیسرا پہر تھا، جب باقی راتوں کی طرح وہ اٹھ کے اسے بلا رہی تھی۔ اس سے معافی مانگ رہی تھی۔ شاید نیندوں کو مار کے پیار کا مول دینا چاہتی تھی۔ مگر پیار تو انمول ہوتا ہے اس کا بھلا کون مول دے سکتا ہے۔

❁......☆......❁

احمد کے جانے کے بعد اور سچائی پتا لگنے کے بعد تو وہ پھوپو کے گھر بہت زیادہ آنے لگی تھی۔ اس گھر سے اسے احمد کی خوش بُو آتی تھی۔ اسے وہ وہیں کہیں محسوس ہوتا تھا۔ وہ بھی باقی دنوں جیسا دن تھا، وہ پھوپو کے گھر تھی۔ فون کی گھنٹی کی آواز سُن کر فون ریسیو کرنے کے لیے نیچے اُترنے لگی مگر جب تک کائنات فون اٹھا چکی تھی۔ وہ وہیں پر کھڑی ہوگئی۔

''بھائی...... احمد بھائی! کیسے ہیں آپ...... کہاں ہیں؟'' کائنات نے فون اٹھایا تو خوشی کے مارے اس کی چیخ نکل گئی۔ احمد پیسے تو بھیج دیتا تھا مگر کبھی رابطہ نہیں کیا تھا اور اب دو سال بعد اس کا فون آیا تھا۔

''احمد......!'' کنزیٰ نے اس کا نام سنا تو اسے پکار بیٹھی۔ اس کی پکار احمد فون پر بخوبی سن چکا تھا اور کائنات پھوپو کو بلا رہی تھی۔

''کائنات فون بند نہ......!'' ابھی الفاظ اس کے منہ میں ہی تھے کہ جلدی سے سیڑھیاں پھلانگتے اس کا پاؤں پھسلا اور وہ نیچے گرتی چلی گئی۔ اس کی چیخ وہ بھی سُن چکا تھا۔

''احمد بھائی! کنزیٰ گر گئی، آپ کے فون کا سُن کر بھاگ کے آ رہی تھی سیڑھیوں سے۔'' اس کے پوچھنے پر اس نے جلدی جلدی صورت حال سے آگاہ کیا اور کنزیٰ کی طرف بھاگی جس کے پاس پھوپو پہلے ہی پہنچ چکی تھیں۔

اسے سر میں کافی چوٹ آئی تھی اور کمر درد سے دُہری ہو رہی تھی مگر اسے ہوش میں آتے ہی سب سے پہلا خیال احمد کا آیا۔ سب اس کے پاس جمع تھے۔ نبیل بھائی، نومی، امی، ابو، پھوپو، کائنات مگر وہ کہیں نہیں تھا۔

''بیٹا! تمہیں اتنی جلدی اترنے کی کیا ضرورت تھی؟ دیکھو کتنی تکلیف ہوئی۔'' امی بہت پریشان تھیں اس کے لیے۔ نومی کو کائنات نے سب کچھ بتا دیا تھا اور نومی نے بھی ان دونوں کے بارے میں اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔ اب وہ سوچ رہے تھے کہ آگے کیا کرنا چاہیے۔

❁......☆......❁

کائنات نے احمد کو ساری بات بتادی تھی وہ سب جوان دو سالوں کے دوران ہوا۔ اس نے اپنا کانٹیکٹ نمبر دے دیا تھا اور وقتاً فوقتاً اس کی طبیعت کائنات سے پوچھ رہا تھا۔

''یہ لو'' نومی نے اس کے ہاتھ میں موبائل فون پکڑوایا۔ وہ جو اپنے ہی خیالوں میں گم تھی، چونک گئی۔

''کیا؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے موبائل فون کی طرف دیکھا مگر نومی باہر جا چکا تھا۔ اس نے موبائل اسکرین میں دیکھا وہاں احمد کالنگ لکھا تھا۔ اس نے فوراً کان سے لگالیا۔

''ہیلو......!''

''احمد بول رہا ہوں۔'' موبائل میں اس کی آواز اُبھری۔

"احمد...... احمد تم کیسے ہو؟ کہاں ہو...... آتے کیوں نہیں......؟" وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بول رہی تھی مگر وہ خاموش تھا۔ اس کی تو روح تک اس نے چھلنی کردی تھی۔ "مجھے معاف کردو احمد! مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی۔ مجھے تمہاری بات سُننی چاہیے تھی۔ تمہیں بہت دکھ دیا نا میں نے۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ تمہارے جانے کے بعد میں ایک پل بھی سکون سے نہیں رہی۔ دیکھو میں نے تمہارا دل دُکھایا، تمہیں اتنا کچھ کہا پلیز! مجھے معاف کردو۔ آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گی، صرف ایک بار معاف کردو مجھے۔ صرف ایک بار......" وہ رو رہی تھی اور اپنی غلطی کا اعتراف بھی کررہی تھی۔

"بس کہہ لیا......؟ سب کچھ بھول جاؤ، میں بھول چکا ہوں۔" اس کا لہجہ دوٹوک تھا۔

"مجھے بھی......؟" اس کی جیسے جان حلق میں اٹک گئی۔ اسپتال میں تیسرا دن تھا اور مسلسل وہ اسے یہ سوچ رہی تھی۔

"تمہیں بھول جاؤں گا تو جیوں گا کیسے؟" اس کی کھنکتی ہوئی آواز دروازے سے اُبھری۔ وہ وحشت سے پلٹی اور اگلے پل اپنی آنکھوں پر یقین کرنا دشوار ہوگیا۔ وہ احمد ہی تھا۔

"جی جناب! کیا حال ہے آپ کا؟" وہ ہنستے ہوئے فون جیب میں ڈال کر اس کے پاس بیٹھ گیا اور اب اس کی خیریت دریافت کررہا تھا۔

"تم آگئے؟" وہ رو رہی تھی، اسے سامنے دیکھا تو دل مزید بھر آیا۔

"ہاں! اور اب نہیں جاؤں گا۔" وہ اسے معاف کرچکا تھا۔

"تم نے مجھے معاف کردیا نا؟" وہ اب بھی شرمندہ تھی۔

"ہاں! نہیں...... اب نہیں رونا۔ جتنا رونا تھا ہم دونوں نے رولیا۔ اب صرف خوش ہونا ہے۔" وہ اب اس کے آنسو صاف کررہا تھا۔

امی، ابو، نبیل بھائی، کائنات، پھوپو اور نومی اسپتال کے کمرے میں داخل ہوئے تو دیکھ کر حیران رہ گئے، سوائے کائنات اور نومی نے جن کا یہ پلان تھا۔

سب احمد سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے اور باری باری سب گلے ملے۔

"بھائی! احمد تو آ گیا ہے۔ اب لگے ہاتھوں ہماری بات بھی یہیں پکی کردیں، پھر ہم اپنی منگنی کی سالگرہ اسی اسپتال میں آکے منایا کریں گے۔" نومی نے نبیل بھائی کے کان میں گھس کر سرگوشی کی اور شرمانے کی ایکٹنگ کرنے لگا۔

"کس کی بات؟" جان بوجھ کر انہوں نے اسے چھیڑنے کے لیے انجان بننے کی کوشش کی، ورنہ تو سمجھ ہی گئے تھے۔ کائنات ان کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے پاکر شرما کے دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"چھوٹے میاں تمہیں شاید خبر نہیں یہ بات بڑوں میں طے پاچکی ہے۔"

"رئیلی! تو ہم لے آئیں بارات؟" خوشی کے مارے اس نے سوال تو کرلیا مگر مطلب سمجھ میں آنے کے بعد خجل سا ہوکر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"پہلے ہم لائیں گے بھئی۔" احمد جو کنزیٰ کے پاس ہی بیٹھا تھا، مسکراتے ہوئے بولا۔ سب نے حیرانی سے اسے دیکھا اور مسکرادیے۔

"ارے ایسے ہی میری باری ہے، میں تم سب سے بڑا ہوں بھئی۔" نبیل بھائی کی بات پر نومی نے نعرہ لگایا اور ان کے گلے سے لگ گیا۔ وہ اپنی کسی کولیگ کو پسند کرچکے تھے۔ کنزیٰ نے ان سب کو اسی طرح خوش رہنے کی دعا دی اور وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسرت سے مسکرادیے۔

متاعِ زیست اُسی پر نثار کر آئے
ہم اس کا قرض وہیں پر اُتار کر آئے
کہیں بھی اپنی صدا کی نہ بازگشت سنی
کہاں کہاں نہ تمہیں ہم پکار آئے

زندگی میں مشکلات اور پریشانیاں اتنی در آئی تھیں کہ عروج کو لگتا بس اب وہ پریشانیوں سے لڑلڑ کے ختم ہونے کو ہے مگر مشکلات تھیں کہ دن بہ دن بڑھتی چلی جارہی تھیں۔ آکاس بیل کی مانند وجود سے لپٹی تھیں ابا کی ریٹائرمنٹ کا پیسہ تو بڑی دونوں بہنوں کی شادیوں میں ہی لگ گیا ویسے بھی ایک نائب قاصد کو ریٹائرمنٹ پر ملتا ہی کتنا ہے؟ ابا کو نوکری سے ریٹائرمنٹ کیا ملی گویا صحت نے بھی ریٹائرمنٹ لے لی بھی یہ کبھی وہ...... ورنہ تو وہ اچھے بھلے محنتی انسان تھے مگر اب بیمار ہونے کے باعث چپ چاپ چارپائی پر پڑے رہتے یا دو مرلہ کے قطعہ زمین پر بنے باغ میں بچھی گھاس کھودتے رہتے۔

اماں تو ازل سے شوگر کی مریضہ تھیں ویسے بھی عروج کے پیدا ہونے کے بعد بیٹے نہ ہونے کا قلق نے انہیں کہیں کا نہ چھوڑا۔ آمنہ باجی پڑھائی میں خاص اچھی نہ تھیں ایف اے کے بعد سلائی سیکھی اور گھر میں کرنے لگی مگر ایک تو گھریلو امور جس کی تمام تر ذمہ داری اسی پر تھی اور دن بہ دن عینک کا بڑھتے نمبر نے اسے یہ کام کرنے نہ دیا۔ گھریلو خرچ کی تمام تر ذمہ داری عروج پر آٹھہری' بی اے کے پیپر دے کر فارغ تھی سو ایک نجی اسکول میں پڑھانے لگی۔ اگلی گلی میں ہی تو اسکول تھا پانچ ہزار ماہوار پر چھ گھنٹے کی ذہنی مشقت' پھر بھی مسائل جوں کے توں تھے۔ ایک پوش علاقے کے پوش گھروں میں ٹیوشن پکڑی تو تھوڑا گزارا ہو جاتا مگر عروج کو لگتا اس کی اپنی ذات کہیں پس کر رہ گئی ہے۔ سارا دن کی مشقت اور پھر بھی کوئی عیاشی نہیں محض گزر بسر اور پر سے آمنہ کی بڑھتی عمر' نہ کوئی خاص رشتہ آ رہا تھا نہ ہی جہیز کا سامان بن پا رہا تھا۔ زندگی جمود کا شکار تھی اور جمود میں محض پریشانیاں' تنگیاں اور مشکلات تھیں۔

عروج کا رزلٹ اچھا آیا تھا مگر اسے کوئی خوشی نہ ہو پائی کہ فی الوقت ایسا کوئی ادارہ اس کی نظر میں نہیں تھا جو بغیر فیس لیے اسے داخلہ دے دیتا' سو برے دل سے اسکول و ہوم ٹیوشن کے لیے جاتی رہی۔ ایم اے کے پرائیوٹ داخلے شروع ہوئے تو عروج نے اسلامیات میں اپنا داخلہ بھجوا دیا کہ اسے لگا آسان مضمون ہے۔ اس میں ٹیوشن

اور نہ کوئی رہنمائی چاہیے ہوگی۔ پارٹ ون میں خیر محنت بھی بہت کی اور اچھے نمبروں سے پاس کرلیا۔ پارٹ ٹو کی تیاری بھی اس نے جلد ہی شروع کرلی' اسکول اور ٹیوشن کے بعد جو بھی ٹائم ملتا وہ پڑھائی میں صرف کرتی۔ گھریلو پارٹیاں' دعوتیں شادیاں سب اس نے چھوڑا ہوا تھا کہ ٹائم ہی نہ مل پاتا۔ گھر' گھریلو خرچے' ابا اماں کی دوائیں...... آمنہ کا جہیز یہی اس کی کل فکریں تھیں۔

پارٹ ٹو کے پیپرز بھی اچھے ہوگئے تھے' چھٹیاں تھیں سو وہ اسلامیات کے وائیوا کے لیے شیخ زید اسلامک سینٹر میں تھی' چھٹیوں کی وجہ سے وہ چار چار ہوم ٹیوشن پڑھا رہی تھی کچھ رقم جمع ہوگئی تھی سو اس کا ارادہ وائیوا کے بعد آمنہ کے جہیز کے لیے کچھ اشیاء خریدنے کا تھا۔ ایک جگہ بات چل رہی تو تھی لیکن ان کا ارادہ جلد شادی کا تھا سو رشتہ فائنل ہونے کی دعا کے ساتھ وہ اور اماں آمنہ آپی کے جہیز کی تیاری بھی کررہی تھیں۔ کوریڈور کمرہ نمبر 7 میں بے چین مضطرب رٹے لگاتی لڑکیاں جبکہ عروج بے فکر تھی' تیاری کیا اس نے تو کتاب تک نہ لی تھی لیکن مطمئن تھی ایک عرصہ اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت مضبوط تعلق رہا تھا اب دنیاوی فکروں میں اس تعلق پر گرد پڑگئی تھی تو کیا ہوا......

جب ابا کی نوکری تھی اماں کی صحت تھی' باجیاں کام کرتی تھیں تب عروج کو کوئی بھی فکر نہیں ہوا کرتی تھی۔ پڑھنا اور کھیلنا یہ دو مشاغل تھے۔ اماں صبح اٹھتیں' نماز پڑھتیں' قرآن پڑھتیں سو ان سب بہنوں کو بھی عادت تھی تب عروج نماز کی پابند تھی جذب سے دعا مانگا کرتی تھی اپنے اچھے نمبروں کی گڑیا کی اور ایسی ہی کوئی فرمائش' خواہش...... رات کو بستر پر لیٹ کے اماں سے چپک کے وہ اللہ سے ڈھیروں باتیں کیے جاتی۔ فرمائشیں' خواہشیں' شکوے شکایتیں اسے لگتا اللہ بس اسی کا ہے۔ سارا وقت اسی کے لیے ہے' فرصت' تسلی' دھیان سے سنی جاتیں اس کی باتیں اور بولتی بھی تو بہت لاڈ سے۔

''اللہ جی دیکھیں ناں...... اللہ جی پھر میں نہ بولوں گی آپ سے...... اللہ ایک غلطی ہوگئی ہے' معاف کردیں ناں...... دیکھیں چھوٹی سی پیاری سی تو بچی ہوں ناں میں...... آئندہ نہیں کروں گی ناں' اچھا اب کردیں ناں معاف مجھے بار بار کیوں یاد دلا رہے ہیں...... اللہ جی ہمارا راز ہے یہ......'' تب زندگی میں کبھی کچھ مشکل نہ لگا تھا۔

''اللہ جی ہیں ناں'' اور تب ابا بھی تو ٹھیک تھے چلتے پھرتے' باپ کو سنبھالنا کٹھن نہیں ہوتا مگر باپ کو بستر پر لیٹے بیمار دیکھنا کٹھن ہوتا ہے' بہت کٹھن......

اس کا نام پکارا جارہا تھا تمام سوچوں کو جھٹکتی وہ اندر داخل ہوئی' کھچڑی داڑھی والا سفید لباس میں شفیق سا انسان' قرآن اس کے آگے رکھا گیا اور سورۃ مائدہ کی کوئی آیت تھی جو انہوں نے پڑھنے کو کہا تھا۔ عروج نے پڑھ دی' ترجمہ یک لفظی کہہ کر وہ اپنے آگے رکھے کاغذوں کے پلندے میں محو تھی۔ عروج نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا' دو چار سوالات انہوں نے اور پوچھے عروج ایک ہی کا جواب دے پائی۔

''نماز پڑھتی ہیں آپ؟'' اچانک اس نے پوچھا۔

''جی۔'' آہستگی سے جواب دیا۔

''کتنی......؟''

''زیادہ تر فجر کی' کبھی کبھار فجر کی بھی نہیں اور کبھی کبھار مغرب کی۔'' انہوں نے عروج کے سچ پر حیرت سے سر اٹھا کے دیکھا۔

''کیوں...... فرض تو پانچ نمازیں ہیں؟'' شفیق لہجے میں پوچھا گیا سوال۔

''سر فرض تو یہ بھی ہے کہ بڑی بہن کا جہیز بنایا جائے' بوڑھے ماں باپ کی دوائیں لانا بھی فرض ہے' گھریلو خرچ پورا کرنا بھی تو فرض ہے۔''

''یہ سب مسائل ہیں فرض نہیں۔'' انہوں نے آہستگی سے تصحیح کی۔

''سر مسائل حل ہوں گے تبھی فرض ادا ہو پائیں گے ناں۔''

''مسائل حل کرنا آپ کا کام کہاں سے ہوگیا؟'' کرسی سے ٹیک لگاتے ایک نظر عروج پر

ڈالتے انہوں نے پوچھا۔

"سر میرے مسائل ہیں تو مجھے ہی حل کرنے ہیں ناں۔" وہ تھوڑا اچڑی۔

"آپ نے مسائل حل نہیں کرنے آپ نے کوشش کرنی ہے دعا کرنی ہے۔ اللہ کی ذات مسائل حل کرنے کے لیے ہے۔" انہوں نے انگلی سے اوپر اشارہ کیا۔

"تو سر کیا ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھ جائیں گھر میں نمازیں پڑھتے رہیں اس سے مسائل حل ہو جائیں گے کیا؟"

"اوں ہوں ہاتھ پر ہاتھ دھر کے نہیں کوشش ضرور کریں اپنی زندگی کا سیٹ اپ بنائیں جو چیزیں پہلے ہیں انہیں پہلے رکھیں جب اللہ خود کہتا ہے کہ رزق کی ذمہ داری اس کی ہے پھر ہم کیوں اپنے رزاق بن بیٹھے ہیں؟ وہ کہتا ہے پتھر میں چھپے کیڑے کو بھی وہ رزق دیتا ہے تو کیا نہیں دیتا؟" ان کے سوال پر عروج خاموش رہی۔

"ہم اپنے ہی خدا بن گئے ہیں تبھی ہمارے مسائل بڑھ گئے ہیں اپنے رزق دینے والے خود کو سننے والے خود ہی مسائل حل کرنے والے ہم نے اپنی ہی پرستش شروع کردی ہے۔ جب دن میں پانچ بار اللہ بلاتا ہے کہ "آؤ کامیابی کی طرف" تو ہم کیوں یقین نہیں کر پاتے؟" عروج کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں دفعتاً جھکی نگاہوں نے شرمسار لہجے میں اُگلا۔

"یہ سب ٹھیک ہے سر! کچھ لوگ دین میں ترمیم کی بات کرتے ہیں میں بہت گناہ گار ہوں سر! اللہ مجھے اس بات کے لیے معاف کرے مگر پانچ نمازیں آج کل کے دور کے لوگوں کے لیے زیادہ ہیں۔ ان کے مسائل ان کی محنتوں ان کے مقابلوں کے آگے یہ زیادہ ہیں۔ یہ پچھلے دور کے لوگوں کے لیے ٹھیک تھیں ان کے اتنے مسائل نہیں تھے اتنی بیماریاں نہیں تھیں زندگی میں آگے بڑھنے کے مقابلے نہیں تھے ان کے پاس فرصت تھی اور وافر تھی۔" شفیق لہجے میں مسکراہٹ بے ساختہ چھلکی تھی۔

"پانچ وقت کی نماز درحقیقت آج کے دور کے مسلمانوں کے لیے ہی ہے پہلے دور کے مسلمانوں کے اتنے مسائل نہیں تھے۔ آج کے دور کے مسلم کے مسائل ہیں اور وافر ہیں تبھی اللہ پانچ بار بلاتا ہے کنسلٹ کے لیے حل کے لیے فلاح کے لیے...... کوئی وزیر سفیر ایم این اے سے ملاقات کے لیے مہینوں درکار ہوتے ہیں لیکن وہ اللہ دن میں پانچ بار بلاتا ہے ملاقات کرو اور سب مسائل کہہ دو۔ آگے وہ جانے اور بیٹا! یقین کرو اس سے کم ہی مسئلے ہوتے ہیں جتنی دفعہ اللہ حل کے لیے بلاتا ہے۔" عروج سر جھکائے بیٹھی تھی یہ کیسی گر کی بات تھی جو اسے بتائی گئی تھی۔

صبا عباس

السلام علیکم! میں آنچل میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں میں 1 دسمبر میں اس دنیا میں تشریف لائی۔ میرا اسٹار قوس ہے ہم چار بہن بھائی ہیں۔ میں بہن بھائیوں میں سب سے بڑی ہوں۔ میں F.A کی اسٹوڈنٹ ہوں مجھے دودھ بہت اچھا لگتا ہے۔ پسندیدہ کلر میں سے سرخ رنگ بہت پسند ہے ٹراؤزر اور لانگ شرٹ بہت پسند ہے گفٹ دینا بہت پسند ہیں میرا پسندیدہ کھیل کرکٹ ہے اور اکثر بھائی کے ساتھ کھیلتی ہوں۔ فرینڈز بہت کم بناتی ہوں۔ میری صرف ایک ہی فرینڈ ہے بہت سویٹ سی جو میری کزن بھی ہے اقراء نواز (آئی مس یو اقراء) فیورٹ ایکٹر میں فواد خان عمران عباس شہزاد شیخ بہت پسند ہیں فیورٹ رائٹرز میں عمیرہ احمد فرحت اشتیاق بہت پسند ہیں۔ میرے اندر خوبیاں کم اور خامیاں زیادہ ہیں۔ میں کافی نخرے کرتی ہوں اور کافی موڈی بھی ہوں۔ اور سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ میں جو بات کرتی ہوں وہ میری بات پوری ہو اور جو میرا ہو صرف میرا ہی رہے۔

خوبیاں یہ ہیں کہ میں جھوٹ بہت کم بولتی ہوں اور جلدی لوگوں پر یقین نہیں کرتی آنچل اور میرا تعلق 6th سے ہے میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ اب اجازت چاہتی ہوں۔ اللہ حافظ!!

"ٹھیک ہے جائیں آپ۔" مشفق دھیما لہجہ۔ کرسی ذرا سی پیچھے کھسکا کے وہ اٹھی تھی سامنے ٹیبل پر رکھی سلپ اٹھائی۔

"بیٹا سوچنے گا ضرور۔" دھیمی آواز پر وہ بغیر مڑے دروازہ کھول کے باہر نکل آئی سارے راستے شفیق لہجہ اس کے کانوں میں گونجتا رہا۔

مغرب سے ذرا پہلے ہی وہ گھر پہنچی تھی آج ٹیوشنز سے چھٹی تھی سو آتے ہی کمرے میں گھس گئی آرام کرنے' کچھ ساعتوں بعد اذان شروع ہوئی۔ عروج نے آنکھیں زور سے میچیں کہ آج بہت تھکی ہوئی ہے کل سے نماز پڑھے گی۔ مسجد گھر سے نزدیک تھی سو آواز بہت صاف آرہی تھی' پروفیسر کی آواز گویا ہتھوڑے کا کام کررہی تھی اوپر سے اذان کی آواز اس نے کروٹ بدل کے پیچھے رکھا کشن اٹھائے کانوں پر رکھنا ہی چاہا کہ موذن کی خوش الحان آواز آئی۔

"حی علیٰ الفلاح" آؤ کامیابی کی طرف...... آؤ کامیابی کی طرف...... آؤ نماز کی طرف...... آؤ نماز کی طرف......" عروج بے ساختہ اٹھی وہ اس پکار کا انکار نہیں کرسکتی تھی کیسے کرتی؟

وضو کے بعد نرم مخملیں گھاس پر جائے نماز بچھائی اور خشوع وخضوع سے نماز ادا کرنے لگی۔ نماز کے بعد وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھارہی تھی جب اس نے اماں کو دیکھا جو سلاد کی ٹرے لیے اس کے بائیں جانب بیٹھ رہی تھیں۔

"آمنہ کے لیے رشتہ دیکھنے آنے والوں نے ہاں کہہ دی ہے مگر شرط وہی دو ماہ کے اندر شادی کرنی ہے ورنہ......" وہ دل گرفتی سے کہہ رہی تھیں۔ عروج نے تیقن سے ہاتھ اٹھادیئے اس ہستی کے سامنے جس کے ہاں نہ کا تصور تک نہیں۔

طویل دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرتے اس کے ہاتھ لمحہ بھر کو رکے نظر سامنے بنے کمروں پر رینگی ایک لین میں بنے تین کمرے ایک چھوٹا اسٹور' باورچی خانہ بیٹھک' دو مرلہ قطعہ پر گھاس اور مختلف قسم کے پھول' پودے' سبزیاں...... پرانی طرز کا بنا آٹھ مرلہ کا گھر ابا نے اچھے دنوں میں خریدا تھا۔ عروج نے گردن چاروں طرف گھمائی۔

اچھا کھلا صحن تھا' دفعتاً اس کے ذہن میں کوندا لپکا' پیچھے مڑ کے اس نے مین گیٹ کی جانب دیکھا' مضبوط مگر سادہ سا براؤن گیٹ اور اس کے ساتھ براؤن ہی ذیلی گیٹ کچھ بھی تو خاص کرنا نہ پڑتا تھا صرف درمیان سے ایک دیوار کھینچی تھی۔ دو کمرے اور باورچی خانہ ایک سائیڈ پر ہوجاتے' ایک کمرہ اسٹور اور بیٹھک دوسری طرف' اچھے علاقے میں گھر تھا اور اچھے خاصے کرائے پر چڑھ جانا تھا۔ اپنی پڑھائی کے لیے اس نے سب سے چھپا کے کچھ رقم پس انداز کررکھی تھی اس سے اگر اینٹیں منگوا کے درمیان سے دیوار بنادیں تو دو پورشن بن جاتے' چار چار مرلے کے' ایڈوانس کرائے میں آمنہ آپی کی شادی ہوجاتی۔ ایک پورا سال ٹیوشنز اور اسکول سے اسے اتنی آمدنی ہوجائے گی کہ اگلے سال یونیورسٹی داخلہ لے سکے' پڑھائی مکمل کرکے وہ جاب اسٹارٹ کرے گی تو درمیان سے دیوار نکال دیں گے۔ عروج نے نظر گھما کے اماں کی جانب دیکھا' متفکر چہرہ پھیلے رات کے سائے میں بھی نظر آرہا تھا۔ وہ دھیمے سے مسکرادی' جانے کب سے بیٹھی وہ منصوبہ بندی کررہی تھی۔

خدا حل صحیفے کی صورت نہیں بھیجتا' وہ ایسے ہی دلوں میں ڈالتا ہے بے شک اس سے زیادہ مشکل کشا کوئی نہیں۔ عروج نے ذرا سا جھکتے جائے نماز اٹھائی ہی تھی کہ موذن پکار اٹھا۔

"اللہ بہت بڑا ہے...... اللہ بہت بڑا ہے......" عشاء کی نماز کا وقت ہورہا تھا۔

"بے شک اللہ بہت بڑا ہے" وہ اقرار کرتی سجدے میں جھک گئی تھی۔

کوئی ایسا اہل دل ہو

مبشرہ ناز

دل کی دنیا ایسی دنیا
ہنستا چہرہ، غم ہے اندر
دل کو توڑ نہ ظالم دنیا
دل ہے قبلہ، کعبہ، مندر

شہید پارک میں شام کے سائے دھیرے دھیرے اپنے پر پھیلانے لگے تھے۔ شام کے بڑھتے سایوں کو دیکھ کر پھول پودے بھی سبک خرامی سے چلتی ہوا سے شوخ وشنگ شرارتیں کرتے تنوں کی آغوش میں پناہ لینے لگے تھے۔ وہ خاموشی سے سنگی بنچ پر گھٹنوں میں منہ چھپائے اردگرد سے بے نیاز بیٹھی تھی جبھی اس کی نظر جاگنگ ٹریک پر بھاگتے اس شخص پر چلی گئی ماتھے پر گرے سیاہ بال وگلابی رنگت میں سرخیاں سی جھلکنے لگی تھیں۔ اس شخص نے تھک کر دونوں ہاتھ گھٹنوں پر جمائے اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر دوبارہ بھاگنا شروع کردیا۔ نمرہ کی نظریں اس شخص پر تھیں وہ الوژن کا شکار ہونے لگی وہ ہو بہو وہی تھا جو اس کے دل کی مسند پر آج بھی پوری شان سے براجمان تھا اس سے پہلے کہ وہ الوژن میں گم اس اجنبی کو پکارتی وہ گیٹ کے قریب پہنچا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ گیٹ سے باہر نکل گیا اور اس کے باہر نکلتے ہی نمرہ نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردیا تھا۔

کرنل آفاق نے اسے دور سے دیکھا وہ آج بھی انہیں حسب معمول بغیر بتائے پارک آگئی تھی اور اپنی مخصوص نشست پر بیٹھی تھی۔ انہوں نے جاگنگ ٹریک پر اپنا چوتھا چکر مکمل کیا اور پانچواں چکر شروع کرنے کے بعد وہ بیچ راستے میں ہی رخ موڑ کر اس کی طرف بڑھ آئے۔

”لٹل گرل! کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔“ وہ جب موڈ میں ہوتے اسے لٹل گرل کہتے وہ سیاہ لباس میں ملبوس بیکار پر ان کی طرف دیکھنے لگی اس کی سیاہ نم حزن بھری آنکھوں سے نظریں چرا کر انہوں نے اسے دیکھا اور نہایت شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ دو آنسو لڑھک کر دوبارہ اس کے گالوں پر آگئے جسے اس نے سرعت سے پونچھ لیا۔ کرنل آفاق نے اسے چند پل دیکھنے کے بعد اپنی توجہ جان بوجھ کر پارک میں کھیلتے بچوں اور پھول پودوں کی طرف کردی وہ تبصرہ کرتے رہے اور وہ خاموشی سے سنتی رہی آخر تھک ہار کر انہوں نے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا اور خود داخلی دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ وہ بھی روبوٹ کی طرح ان کے پیچھے چلنے لگی۔ کرنل آفاق نے رخ موڑ کر دیکھا وہ ساکت سی سامنے دیکھتے ہوئے چل

رہی تھی اور اس پل رنگوں و خوشبوؤں اور تتلیوں سے محبت کرنے والی اس نازک سی لڑکی کو ایک ان دیکھے اور مردہ وجود کے پیچھے برباد ہوتا دیکھ کر ان کی پلکیں بھیگ گئیں۔ سیاہ کارتول پر پھیکی ہلکی گلابی دھوپ بھی اب بادلوں کے پیچھے چھپنے لگی تھی۔

ہوائیں زور و شور سے اس کی آوارہ لٹوں سے شرارتیں کر رہی تھیں لیکن وہ ہر چیز سے بے نیاز ان کے پیچھے چل رہی تھی۔ اپنے آپ میں گم ان کے پیچھے چلتے ہوئے وہ لوگ کب کالونی کی طویل سڑک پار کر آئے اس کا احساس اسے جی ایچ کیو کے سائن بورڈ کو دیکھ کر ہوا کچھ فاصلے پر ملٹری کا آفیسرز کلب تھا جس کی پیشانی پر نمایاں لفظوں میں پنڈی آفیسرز کلب کندہ تھا۔ اس نے بے بسی سے اس چمکتے نشان کو دیکھا قدم آگے بڑھنے سے انکاری ہو رہے تھے اور اس کے رکتے قدم کرنل آفاق نے بھی دیکھ لیے تھے جبھی وہ اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے اسے اپنائیت کا احساس دلاتے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اندر کی طرف لے آئے تو وہ بھی کرنل آفاق کی محبت و اپنائیت پر خاموشی سے کلب کی طرف بڑھ گئی۔

پنڈی آفیسرز کلب اس کے لیے نیا نہیں تھا' اس کا لڑکپن کرنل آفاق کے ساتھ کلب میں ہونے والی تقریبات میں شرکت کرتے گزرا تھا مگر آج وہ کافی عرصے بعد اس حصے کی طرف آئی تھی۔ کرنل آفاق کو انٹرنس پر ان کے کچھ دوست مل گئے تھے جن سے سلام دعا کے بعد وہ کلب میں موجود دوسرے حصے میں گیمز کھیلتے دوسرے آفیسرز کی طرف بڑھ گئے۔ انٹرنس پر کھڑے اس نے دیکھا کہ فوج کے جوان اندر آ جا رہے تھے اندر جانے والوں کو باوردی اہلکار سلیوٹ کر رہا تھا اسے بھی عزت سے سر جھکا کر سلیوٹ کیا گیا تو نمرہ نے بھی جواباً سر کو خم دے کر اسے شکریہ کہا اور اندر کی طرف بڑھ گئی۔

بنیادی طور پر کلب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا' اس نے سنگ مرمر سے بنی روش اور اس کے گرد بنے سبزے کو دیکھا تو نہ جانے کیوں اس کے اندر تلخی گھلنے لگی۔ سر جھٹک کر اس نے لایعنی سوچوں سے چھٹکارا حاصل کیا اور کلب کے سبزہ زار کی طرف بڑھ گئی۔ میجرز اور جنرلز ٹولیوں کی شکل میں بیٹھے بلند و بانگ قہقہے لگا رہے تھے۔ کلب کے سبزہ زار میں بنے اس حصے میں رکھی کین کی کرسی بے شک اپنی کالج لائف اور یونیورسٹی لائف کے علاوہ اس کے باپ کے حلقہ احباب میں بے حد وجیہہ مرد تھے مگر اس شخص کی وجاہت میں ایک نور تھا جو آہستہ آہستہ اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا اور سعد آفاق کے بعد وہ پہلا مرد تھا جس نے نمرہ ابراہیم کو بے ساختہ اپنی طرف کھینچا تھا۔ وہ یک ٹک اس شخص کو دیکھ رہی تھی جواب کسی سپاہی کو انسٹرکشن دے رہا تھا یک دم وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھے اپنی چیخوں کا گلا گھونٹتی الٹے قدموں واپس بھاگی تھی۔

میجر ابوبکر کی نظر اس لڑکی پر پڑ چکی تھی جو ارد گرد سے بے نیاز اس ماحول کو دیکھ رہی تھی اور کبھی اسے لیکن اس کے ردعمل نے میجر ابوبکر کو بھی ورطہ حیرت میں ڈال دیا چند سیکنڈ بعد وہ سر جھٹک کر اپنے آفیسرز کی طرف بڑھ گیا۔

❁ ❁ ❁

لوگ کہتے ہیں بھول کر اسے نئی زندگی شروع کر
وہ روح پر قابض ہے مجھے کسی اور کا ہونے نہیں دیتا

کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا لیکن اس تاریکی میں بھی بیڈ پر گرا وجود طوفان میں ہچکولے کھاتی کشتی کی طرح لرزتے ہوئے کھانا صاف نظر آ رہا تھا۔ کمرے کی ابتر حالت نمرہ کی ذہنی و جسمانی ابتری کی گواہ تھی۔ بیڈ شیٹ آدھی بیڈ پر اور آدھی زمین پر تھی۔ ایک تکیہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے اور دوسرا کمرے کے بیچوں بیچ پڑا ہوا تھا۔ صوفوں کے کشن ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے ڈریسنگ ٹیبل پر موجود آرائش حسن کی چیزیں اپنی ناقدری کے علاوہ اس خوش بو کی موت پر نوحہ کر رہی تھیں جو اپنی مالکن کی محبت ہونے کے باوجود آج اسی کے ہاتھوں بے درد موت کا شکار ہوئی تھی۔ ڈیزائر کی بوتل قطرہ قطرہ قالین میں جذب ہو رہی تھی اور پورا کمرا اس کی خوش بو سے مہک گیا تھا۔ یہ ڈیزائر کی تیز ترین مہک کا کمال تھا اس کی ذہنی ابتری یا پھر

کمرے میں موجود اس نادیدہ وجود کے احساسات کہ نمرہ ابراہیم کے حواس آہستہ آہستہ ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔

"سعد تم کہاں ہو...... مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ...... سعد تم کہاں ہو؟" سرگوشی کرتے کرتے وہ ماضی کی دبیز تہہ میں اتر گئی۔ وہ ماضی تھا یا اس کا الوژن جسے وہ اپنی متاع حیات سمجھ بیٹھی تھی اور اس سے دست برداری نمرہ ابراہیم کو کسی طور قبول نہ تھی۔

......☆☆☆......

اے راہِ حق کے شہیدوں وفا کی تصویروں
تمہیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں

ٹی وی پر گونجتی مغنیہ کی آواز وسوز سے بھرپور تھی سعد ٹی وی پر دکھائے جانے والے مناظر میں پوری طرح گم تھا۔ وہ ایک وسیع وعریض لاؤنج تھا' لاؤنج کے ایک کونے میں پلازمہ ٹی وی رکھا ہوا تھا ساتھ ہی انتہائی دبیز اور خوب صورت صوفے رکھے ہوئے تھے۔ صوفوں کے بیچ رکھی ہوئی سینٹرل ٹیبل پر رکھے جگ میں مینگو اسکوائش رکھا ہوا تھا اپنی ناقدری اور مالک کی بے نیازی پر اس کی ٹھنڈک آنسوؤں کی شکل میں سینٹرل ٹیبل پر گر رہی تھی۔

"ہیلو سعد کیا ہو رہا ہے؟" بلیک چوڑی دار جینز اور اس کے اوپر وائٹ ٹاپ پہنے نمرہ لاؤنج میں داخل ہوئی۔ وہ اپر کلاس کی دوسری لڑکیوں کی طرح تھی۔ اس کے اندر وہی بے باکی اور بے تکلفی تھی جو اس کلاس کی لڑکیوں کا خاصہ تھی۔ وہ بے تکلفی سے آ کر اس کے برابر بیٹھ گئی سعد اس کے قریب بیٹھنے پر تھوڑا سا کھسکا اور اس کے جھجک کر کھسکنے پر بے تحاشہ ہنستی نمرہ نے بے تکلفی سے ٹیبل پر رکھا اسکوائش کا گلاس اٹھالیا۔

"واٹ بورنگ یار! سعد تم کیا 1970 کی چیزیں دیکھ رہے ہو۔" نمرہ نے بےزاری سے کہتے ہوئے ٹیبل پر سے ریموٹ اٹھا کر چینل چینج کردیا۔

"اسٹاپ اٹ تمہیں بیٹھنا ہے تو بیٹھو مگر میرے معاملات میں دخل اندازی مت کرو۔" سعد نے درشتگی سے کہتے ہوئے چینل واپس چینج کیا جہاں اب دوبارہ ٹی

وی پرآگ و بارود کا کھیل اور معصوم بچوں کو تڑپتا ہوا دکھایا جارہا تھا۔ نمرہ سعد کی اس درشتگی اور اپنی بے عزتی پر جہاں کی تہاں رہ گئی اس نے ایک نظر ہر چیز سے بے پروائی وی میں گم سعد کو دیکھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر لاؤنج سے نکلتی چلی گئی حالانکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ سعد آفاق کو فوج سے عشق ہے وہ ٹی وی کبھی شوق سے نہیں دیکھتا لیکن بری و بحری اور فضائی فوج کے پروگرام انتہائی ذوق و شوق اور ہر چیز سے بیگانہ ہو کر دیکھتا ہے۔

لگانے آگ جو آئے تھے آشیانے کو
وہ شعلے اپنے لہو سے بجھا دیئے تم نے
بچالیا ہے یتیمی سے کتنے پھولوں کو
سہاگ کتنی بہنوں کے رکھ لیے تم نے
تمہیں وطن کی بیٹیاں مائیں سلام کہتی ہیں
اے راہ حق کے شہیدوں......

مغنیہ کی آواز میں یہ قطعہ سن کر سعد آفاق کی آنکھوں سے نہ جانے کیوں آنسوؤں کی لڑیاں بہنا شروع ہو گئی تھیں۔ وہ حد درجہ حساس تھا اور یہ اس کی حساسیت اور فوج سے بے پناہ دلی وابستگی تھی کہ نجانے کب وہ ٹی وی آف کر کے بہتے آنسوؤں سے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے سو گیا اسے خبر ہی نہیں ہو سکی۔

......☆☆☆......

کرنل آفاق بابر کا تعلق پاکستان کی بری فوج سے تھا۔ نمرہ ان کی اکلوتی بھانجی تھی جسے وہ اپنی بہن اور بہنوئی کی وفات کے بعد اپنے گھر لے آئے تھے۔ نمرہ اس وقت چار سال کی تھی اور سعد پانچ سال کا وہ سعد سے ایک سال چھوٹی تھی لیکن رعب بڑے ہونے کا جماتی تھی۔ ماموں سے لاڈ اور ضد کر کے ہر بات منوانے کے ساتھ وہ سعد سے بھی دھونس اور ضد دکھا کر اپنی بات منوالیتی تھی۔ بچپن میں کی جانے والی شرارتیں اور ضدیں کب محبت کے خوب صورت جذبے میں بدلیں نمرہ ابراہیم کو جب تک اس کا علم ہوا اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔ نمرہ میڈیکل کے فورتھ ائیر میں تھی اور وقت گزرنے کے ساتھ فوج سے دلی وابستگی کے بعد آج سعد کیپٹن کے عہدے پر پہنچ چکا تھا۔ آنکھوں میں چھپی سعد آفاق کی محبت کرنل آفاق بابر سے چھپی نہ رہ سکی تھی اور یوں ایک خوب صورت شام نمرہ ابراہیم نے سعد آفاق کو اپنے نام کروالیا باوجود اس کے فوج اور وطن سے محبت سعد آفاق کا پہلا عشق تھا اور شہادت کا جذبہ ہر پل اسے بے چین رکھتا تھا۔ وہ نمرہ سے شادی پر راضی نہیں تھا لیکن آفاق بابر کے آنسوؤں کے آگے وہ ہار گیا تھا سعد کی بے رخی کے باوجود نمرہ ابراہیم بہت خوش تھی کیونکہ سعد آفاق اس کی پہلی محبت تھا۔

......☆☆☆......

وہ دسمبر کی ایک سرد شام تھی' نمرہ لان میں بیٹھی سبک خرامی سے چلتی ہوا سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ یک دم اسے اپنے وجود پر کسی کی نظروں کی تپش کا احساس ہوا اس نے چونک کر دیکھا سامنے سعد کھڑا تھا وہ یک دم بوکھلائی ان دونوں کا ابھی صرف نکاح ہوا تھا رخصتی سعد کے ایماء پر ملتوی کر دی گئی تھی۔

"سعد تم......؟" دوپٹہ کو صحیح طریقے سے دوبارہ کاندھوں پر جماتے ہوئے وہ قمیص کی نادیدہ شکنیں صاف کرنے لگی۔ پلکیں بوجھل ہو گئیں' نکاح کے بعد یہ ان دونوں کی پہلی باضابطہ ملاقات تھی جس میں سب سے حیران کن پہلو یہ تھا کہ سعد آفاق نمرہ ابراہیم کے پاس آیا تھا۔

"کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"میں تم سے کچھ بات کرنے آیا ہوں۔" سعد نے تمہید باندھی تو نمرہ کا دل یک دم دھڑک اٹھا۔

"ایسی کیا بات ہے جو سعد کو مجھ سے کرنے کے لیے تمہید باندھنی پڑ رہی ہے۔" اس نے حیرت سے سوچا۔

"نمرہ تمہاری خواہش پر بابا جان نے ہم دونوں کو ایک بندھن میں باندھ دیا ہے اور مجھے معلوم ہے تم اس بندھن سے بے تحاشہ خوش ہو۔"

"تو کیا یہ خوش نہیں؟" نمرہ کا دل کرلایا۔

"میں ابھی اس بندھن کو تم سے تو کیا کسی بھی لڑکی سے

جوڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں کیونکہ تم جانتی ہو فوج میرا پہلا عشق ہے اور شہادت حاصل کرنا میرا ایمان......"

"اور مجھے بھی تم سے محبت بلکہ عشق ہوگیا ہے سعد!" نمرہ نے اس کی بات کا دل میں جواب دیا۔

"میری پوسٹنگ سیاچن ہو چکی ہے میں اس بار یہاں سے واپس کاکول اور پھر سیاچن چلا جاؤں گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تھوڑے عرصے بعد میری پوسٹنگ اسلام آباد ہو جائے یا پھر یہ کہ میں ان برف پوش کہساروں سے شہادت کا درجہ لے کر لوٹوں۔ اپنی خواب کی تعبیر جاگتی آنکھوں سے دیکھتے ہو۔" اس کی کالی سیاہ آنکھیں یک دم چمک اٹھیں اور اس چمک سے نمرہ ابراہیم کا دل کانپ اٹھا تھا۔

"اس لیے میں تم سے صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ اگر میں شہید ہو جاؤں تو پلیز بابا جان کی خاطر کسی کو اپنا ہم سفر ضرور چن لینا کیونکہ بابا جان تم سے شدید محبت کرتے ہیں اس لیے ان کی محبت کو آزمائش میں مت ڈالنا انہوں نے تمہاری خواہش پوری کی ہے اس لیے زندگی کے موڑ پر تم بھی ان کی خواہش کا مان ضرور رکھنا اور بابا جان کی خوشی میں ہی میری خوشی ہوگی۔" یہ کہہ کر وہ رکا نہیں تھا بلکہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ داخلی دروازے سے باہر نکلتا چلا گیا اور نمرہ اس کے لفظوں پر ساکت بیٹھی رہ گئی اس سارے قصے میں وہ کہاں تھی کہیں بھی نہیں۔ سعد آفاق سے محبت اس کا جرم تھی اور اس جرم کی سزا اس نے اپنی ذات سے جدائی دے کر سنائی تھی۔ آنسو گالوں کو بھگونے لگے تھے اور ڈوبتے سورج کی نارنجی شعاعوں کے عکس میں بیٹھی وہ معصوم محبت کے ہونے پر رو رہی تھی یا محبت کی جدائی پر یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

وہ مارچ کی ایک حبس بھری شام تھی سعد اپنے کہنے کے عین مطابق سیاچن جا چکا تھا اور اس کے جانے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ اس کی پوسٹنگ ہیڈ کوارٹر کی طرف سے نہیں ہوئی تھی بلکہ اس نے شوق شہادت میں خود کروائی تھی اور سیاچن پوسٹنگ کے ایک ماہ بعد ہی سبز پرچم میں لپٹا اس کا وجود شہادت کا تاج سر پر سجائے آفاق ولا آ گیا۔ گلیشیر گرنے سے سعد سمیت بے شمار سپاہی جو وطن عزیز کی حفاظت کے لیے کھڑے تھے اس بلند و بالا گلیشیر تلے دب گئے۔ برف پوش چٹانوں کو اس مرد آہن کی وطن سے محبت اور شہادت سے عشق اس قدر بھایا کہ انہوں نے ماں کی ممتا سی محبت سمیٹے انہیں اپنی آغوش میں سمیٹ لیا اور پھر جب فوج کے جانباز سپاہیوں نے اپنے دھرتی کے جوانوں کو اس برف کی آغوش سے نکال کر سرچ آپریشن کے لیے آنے والے دوسرے لوگوں کے ہمراہ کیا تو وہاں جمی برف قطرہ قطرہ سعد اور اس جیسے جوانوں کی جدائی میں پگھلنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے برف کے آنسو پرنالے کی صورت میں بہنے لگے۔

نمرہ تابوت دیکھ کر وہیں زمین بوس ہوگئی تھی؛ تین دن بعد جب اسے ہوش آیا تو سعد آفاق اس کی دنیا سے بہت دور جا چکا تھا اس کا میڈیکل کمپلیٹ ہو گیا تھا اور کرنل آفاق چاہتے تھے کہ وہ ہاؤس جاب شروع کرتے ہی دنیا کی رنگینیوں کی طرف لوٹ آئے لیکن وہ دنیا سے ہی بے زار رہنے لگی تھی اس لیے ہر وقت اپنے کمرے میں پڑی رہتی جس شخص کے وجود سے اسے زندگی میں رعنائیاں محسوس ہوتی تھیں وہ شخص جاتے جاتے دنیا کی ساری رعنائیاں اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

نمرہ ابراہیم کے لیے اس دنیا میں اب کوئی کشش باقی نہیں رہی تھی۔ کرنل آفاق جوان بیٹے کی شہادت پر بظاہر بہت پرجوش اور پرسکون نظر آتے تھے لیکن درحقیقت گھر کی تنہائی اور بیٹے کی جدائی نے ان کے وجود کو بھربھری دیوار بنا دیا تھا جو کسی بھی لمحے کی زد میں آ کر ٹوٹ سکتی تھی لیکن انہیں جینا تھا نمرہ کے لیے اس کی آنکھوں میں چھپے خوابوں کو تعبیر دینی تھی باوجود اس کے کہ وہ جانتے تھے کہ اس کے خواب صرف سعد سے وابستہ تھے لیکن ایک باپ کی حیثیت سے سوچ کر انہوں نے اسے دوبارہ بسانے کا تہیہ کر لیا تھا اور میجر ابوبکر کو دیکھتے اور اس سے ملنے کے بعد ان کا دل بے اختیار خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گیا تھا وہ ہو بہو سعد سے مشابہ تھا اس کی آنکھیں اس کے بولنے کا انداز بہت حد تک سعد جیسا ہی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ پچھلے ایک

ماہ سے نمرہ سے بضد تھے کہ وہ ایک مرتبہ میجر ابوبکر سے مل لے اور میجر ابوبکر کو دیکھنے کے بعد اس کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے تھے لیکن کرنل آفاق اس بات سے لاعلم تھے۔
وہ مسکن دواؤں کے زیر اثر تھی سعد کی جدائی ابوبکر کی سعد سے مشابہت اور سعد کی یادوں نے اتنی شدت سے حملہ کیا تھا کہ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوتے ہوتے رہ گیا تھا یہی وجہ تھی کہ کرنل آفاق بھی دوستوں سے معذرت کر کے فوراً اس کے پیچھے آئے تھے۔ آفیسرز کلب سے بھاگتے ہوئے انہوں نے اسے دیکھ لیا تھا اور اگر انہیں چند لمحوں کی بھی تاخیر ہو جاتی تو سعد کی جدائی میں تڑپتی نمرہ یقیناً زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتی۔
مسلسل دواؤں کے زیر اثر ہونے کے باوجود اس کے وجود میں پھیلتی بے چینی اس کی بند بوجھل پلکوں سے ظاہر تھی وہ خواب میں بھی سعد کا ہاتھ تھامے اس سرسبز جگہ پر چل رہی تھی جبھی سبزہ ختم ہوتے ہی چٹیل میدان آگئے اور ان چٹیل میدانوں کے شروع ہوتے ہی سعد نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اس نے گھبرا کر اسے دیکھا تو وہ ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ تھامتے ہوئے بولا۔
”مجھ سے وعدہ کرو نمرہ! تم بابا جان کی بات مان لوگی اور ان کی تنہائی اور میرے اس دنیا سے چلے جانے کے دکھ کا سامان ضرور کرو گی۔ یہ حقیقت ہے کہ میرا اس دنیا سے ناطہ ٹوٹ چکا ہے لیکن ہمارے دلوں کے رشتے تو ہمیشہ قائم رہیں گے ناں۔“ سعد نے اس سے تائید مانگی تو ایک ٹرانس کی کیفیت میں اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
”مجھے اعتراف ہے کہ نمرہ آفاق کی محبت آج بھی میرے دل کے ایوانوں میں پوری شان سے براجمان ہے مگر محبت اپنے ہونے کا خراج بھی تو مانگتی ہے اگر ہم اس دنیا میں ایک نہ ہو سکے تو کوئی بات نہیں وطن کی سلامتی اور خوشیاں مجھ پر قرض تھیں مگر تمہاری محبت بھی مجھ پر قرض ہے۔ میں نے اپنی جان کا نذرانہ دے کر وطن کا قرض تو ادا کر دیا اور مجھے یقین ہے کہ اس زندگی میں تمہاری ہمراہی رب سے مانگ کر میں تمہاری محبت کا قرض بھی ادا کر دوں گا لیکن تم مجھ سے وعدہ کرو تم بابا جان کی خواہش کا ضرور احترام کرو گی کرو گی ناں؟“ سعد نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو نمرہ جو اس کی محبت کا اعتراف اور اس کے منہ سے نمرہ ابراہیم کے بجائے نمرہ آفاق سن کر مسحور کن بیٹھی تھی بے اختیار اثبات میں سر ہلا گئی اس کی آنکھ کھلی تو کرنل آفاق سامنے رکھے صوفے پر نڈھال بیٹھے تھے۔
سعد کی جدائی اور نمرہ کی بگڑتی حالت نے انہیں چند ہی دنوں میں کتنا بوڑھا کر دیا تھا اس کی آنکھوں سے آنسو جھر جھر بہنے لگے۔ سعد کے اعتراف محبت نے اسے گویا نئی طاقت دے دی تھی اس نے کرنل آفاق کی خواہش کو پورا کرنے کا ارادہ کر لیا تھا باجود اس کے اس ارادہ سے دل میں ایک ٹیس سی اٹھنے لگی تھی جسے اس نے سرعت سے نظر انداز کر دیا تھا کیونکہ عورت ہمیشہ سے وہ کب کر پاتی ہے جو اس کا دل چاہتا ہے۔ محبت اور حالات سدا سے اس کے پاؤں میں رشتوں کی ایسی پائل پہنائے رکھتے ہیں جس میں سمجھوتے کے گھنگھرو قدم اٹھاتے ہی دل کی مخالفت پر ایسا دیوانہ وار رقص کرتے ہیں کہ محض محبت بھرے رشتوں پر مسکان سجانے کی خاطر اسی رقص میں کب زندگی کی شام ہونے لگتی ہے خیال ہی نہیں آتا۔
سعد کے اعتراف محبت کے بعد اب وہ کرنل آفاق کی بے پایاں محبت اور انمول چاہت کی قدر کرنا چاہتی تھی اور رہا میجر ابوبکر تو یقیناً رب نے اس شخص کے دل میں نمرہ کے لیے انجانا سا احساس پیدا کیا تھا جو اس کا طلب گار تھا اور وہ اتنی ساری محبتوں سے منہ موڑ کر کفران نعمت اور سعد کی ناراضگی حاصل نہیں کرنا چاہتی تھی جبھی کرنل آفاق کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے ان کے کاندھے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ اس کے سر رکھتے ہی آفاق بابر کی آنکھ کھل گئی انہوں نے پدرانہ شفقت سے اس کی پیشانی چوم کر اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔

ظلمت شب کی سحر

قرۃ العین سکندر

درد جب حد سے بڑھا، ضبط کے آنسو لکھے
ہم نے سیکھا ہی نہیں آنکھ سے رونا سائیں
کوئی کھیلے، کوئی توڑے، کوئی چاہے تو رکھے
مرد کے ہاتھ میں عورت ہے کھلونا سائیں

''ڈیئر اسٹاف منہ میٹھا کیجیے۔'' فرخندہ امتیاز نے مٹھائی کا ڈبہ کھولتے ہوئے تمام اسٹاف کو متوجہ کیا۔

''بھئی کس خوشی میں ہے یہ مٹھائی؟'' مسز انجم جو خاصی تیز طرار قسم کی ٹیچر تھیں جلدی سے کھوج لگاتے ہوئے لہجے میں بولیں۔

''میری اکلوتی نند کی منگنی ہوگئی ہے' اگلے ماہ شادی ہے۔ اسی خوشی میں یہ مٹھائی ہے۔'' مسز امتیاز نے نرم مسکراہٹ سے جواب دیا۔ وہی ازلی نرم مسکان جوان کی شخصیت خاصہ تھی۔

''آپ بھی لیں ناں مسز ارم۔'' مسز امتیاز نے مٹھائی میرے سامنے کی تو میں نے خوش دلی سے انہیں مبارک باد دی۔ اتنے میں بریک ٹائم ختم ہوگیا اور سب ٹیچرز کلاس رومز کی طرف چل دیں۔ میرا چونکہ یہ فری پیریڈ تھا اس لیے میں اطمینان سے بیٹھی رہی۔ میں جانتی تھی کہ مسز امتیاز کا بھی یہ فری پیریڈ ہوتا تھا۔ اسی فری پیریڈ کے مرہون منت میری اور مسز امتیاز کی آپس میں اچھی خاصی علیک سلیک ہوگئی تھی۔ مسز امتیاز اپنی ہر خوشی مجھ سے شیئر کیا کرتی تھیں اور سچ تو یہ ہے کہ میں مسز فرخندہ امتیاز کی بہت گرویدہ تھی۔ وہ اسٹاف میں سنیئر ٹیچر اور نہایت پروقار اور مہربان ہستی تھیں۔ کسی کا کوئی بھی مسئلہ ہو ان کے پاس آجاتا اور وہ منٹوں میں وہ مسئلہ حل کردیا کرتی تھیں۔ اکثر میں بھی اپنی پریشانی ان سے شیئر کیا کرتی اور وہ مجھے عمدہ مشورے دیا کرتی تھیں۔

نہایت آسودہ مسکان جوان کے لبوں پر ٹھہری سی گئی تھی ان کی نجی کامیاب ازدواجی زندگی کا منہ بولتا ثبوت تھی اور پھر آج جس طرح اپنی نند کی خوشی میں وہ اس قدر خوشی کا اظہار کررہی تھیں وہ بھی قابل ستائش تھا۔ ورنہ آج کل کے دور میں نند اور بھاوج کے روایتی رشتے میں کہاں یہ انداز دیکھنے کو ملتے ہیں۔ جہاں نند بھابی کا اٹھتے بیٹھتے ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے طنز کے تیر برساتی ہے وہاں بھاوج بھی نند کو نیچا دکھانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے خالی نہیں جانے دیتی۔

ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے کہ مسز خرم جن کی نئی

نئی شادی ہوئی تھی وہ لڑ جھگڑ کر میکے آن بیٹھی تھی اور واپس جانے سے انکاری تھی۔ وجہ وہی ڈھاک کے تین پات کے مصداق ساس کا کولھو کے بیل کی طرح سارا دن بہو سے کام کروانا اور بیٹے کے آتے ہی بہو کی برائیاں شروع کردینا۔ کافی عرصہ کے صبر وضبط نے بالآخر رنگ دکھایا اور ایک دن غصے میں آ کر مسز خرم نے بھی ساس کو دوبدو جواب دیا۔ معاملہ گھمبیر صورت اختیار کرگیا۔ ہر فرماں بردار بیٹے کی طرح حقیقت حال سے نگاہیں چراتے ہوئے خرم نے ماں کو ہی صحیح اور بیوی کو موردالزام ٹھہرایا۔ مسز خرم دکھ کی کیفیت میں گھر چھوڑ کر آ گئی مگر اتنے دنوں سے وہ بہت گم صم سی تھی۔ اس نے ہنسنا بولنا ترک کردیا تھا۔ آنکھوں کے گرد پڑتے سیاہ ہلکے اس بات کی گواہی دیتے تھے کہ وہ راتوں کو بھی سکون سے نہیں سو پاتی ہے۔ ایک دن مسز امتیاز نے مسز خرم کو روک لیا اور انہیں ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔

''یاد رکھو جو شاخ جھک جاتی ہے وہ ہی پھل دار ہوا کرتی ہے' صراحی ہمیشہ جھک کر ہی جام کو سیراب کرتی ہے۔ گھر بنتے تو بہت مشکل سے ہیں مگر بکھرتے ہوئے ایک پل نہیں لگتا۔ آپ اپنے رویے سے نیکی سے ملنساری سے اپنے سسرال والوں کا دل جیت لیں۔ یہ مشکل تو ضرور ہے مگر ناممکن نہیں۔ ایک دن وہ لوگ خود ہی تھک کر خاموش ہوجائیں گے مگر شرط یہی ہے کہ آپ دل سے انہیں معاف کردیں۔ نئے سرے سے زندگی میں رنگ بھرنے کی سعی کریں' صبر ایک دن ضرور اپنا رنگ دکھاتا ہے۔'' مسز امتیاز کی باتیں سن کر مسز خرم آبدیدہ ہوگئی اور رونے لگی۔

''ارے آپ تو رونے لگیں' آپ ہمت نہ ہاریں' اللہ پر توکل رکھیں۔ آپ کو یاد ہے میں نے کل آپ سے آپ کا سیل فون لیا تھا' معذرت چاہتی ہوں' مجھے آپ کے میاں کا نمبر معلوم کرنا تھا۔ میں نے آپ کے میاں کو فون کرکے آپ کے ذہنی دباؤ کے متعلق بتایا تھا' آپ کس طرح جدوجہد کرکے گھر اور اسکول جاب دونوں کو مینج کررہی ہیں۔ اور پھر اس حالت میں جب کہ نئے ننھے مہمان کی آمد ہے' آپ کے لیے ذہنی ٹینشن نقصان دہ ہوسکتی ہے۔ آپ یقین کریں' آپ کے خاوند تو آپ کے لئے بہت فکرمند تھے' مجھے تو بس انہیں احساس ہی دلانا پڑا۔ آج آپ کے میاں خود واپسی پر آپ کو گھر لے جائیں گے۔ یہاں سے سیدھا آپ اپنے گھر جایئے اور اپنے بچے کے لیے یہ سب آپ کو کرنا ہی ہوگا۔''

مسز امتیاز کی بات سن کر مسز خرم کے چہرے پر جہاں طمانیت کے سائے جھلملانے لگے وہاں وہ اپنے خاوند کے آنے کا سن کر بری طرح نروس بھی ہوگئی تھی۔ آخر اچانک ہی تو یہ کایا پلٹ ہوئی تھی۔ وہ دل سے مسز امتیاز کی مشکور تھی۔ واپسی پر جب مسز خرم سرشار سی شرماتی ہوئی اپنے خاوند کے ساتھ اپنے گھر موٹر سائیکل پر بیٹھ کر جارہی تھی تو میں نے مسز امتیاز کے چہرے پر ایک لازوال دھیما سا سکون اترتے دیکھا۔ جسے میں کوئی نام نہ دے سکی مگر میرے دل میں ان کی عزت وتعظیم قدرے بڑھ گئی۔

اسی طرح کینٹین والی آپا کی بیٹی کی شادی کے معاملے میں انہوں نے خاموشی سے رقم دی تاکہ بیٹی کی شادی عین وقت پر انجام پذیر ہوسکے۔ مسز امتیاز سبھی کے لیے خیر خواہی اور نیک جذبات رکھتی تھیں۔

''کیا سوچ رہی ہیں آپ؟'' میری سوچ مسز فرخندہ امتیاز کی بات مجھے ماضی سے حال میں لے آئی۔

''آپ ہی کے متعلق سوچ رہی تھی میں۔'' میں نے وہی جواب دیا جو سچ تھا۔

''میرے متعلق؟'' انہوں نے تعجب سے پوچھا۔

''جی ہاں' آپ کا دل کس قدر گداز ہے۔ اپنوں اور پرائیوں دونوں کے لیے۔ پھر اس دن آپ نے مسز خرم کی جس طرح مدد کی' وہ قابل تعریف ہے۔''

میں نے خلوص سے ان کی تعریف کی۔
''یہ تو اپنی اپنی سوچ ہے ناں۔ ورنہ میں نے تو وہی کیا جو میرا اخلاقی فرض تھا اور سچ تو یہ ہے کہ میں کسی کو بھی دکھی نہیں دیکھ سکتی۔ میری دلی آرزو ہے کہ میری سب بہنوں کے گھر آباد رہیں اور سب اپنے گھروں میں سکھی رہیں۔'' مسز فرخندا امتیاز کے لہجے میں ایک نامعلوم سی اداسی پنہاں تھی۔ جسے میں نے شدت سے محسوس کیا۔
''آپ نے اپنے متعلق کبھی نہیں بتایا۔ آپ کی فیملی میں کتنے لوگ ہیں؟'' میں نے متجسس لہجے میں دل کا سوال زبان سے ادا کیا۔
''میری فیملی۔'' مسز فرخندہ نے اچانک ہی بلند قہقہہ لگایا۔
''میری فیملی میں، میں ہوں' میرے خاوند ہیں جو مجھ سے بے انتہا محبت کرتے ہیں' یوں بھی ہماری تو لو میرج ہے ناں۔ اور پھر میری مدر اِن لاء ہیں جو مجھے بیٹیوں سے بڑھ کر چاہتی ہیں۔ میری اکلوتی نند ہے جس کی عنقریب شادی ہوجائے گی۔ وہ بھی بہنوں جیسی ہے' یعنی راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔'' مسز فرخندہ کے چہرے پر اپنی فیملی کا ذکر کرتے ہوئے فخریہ مسکراہٹ تھی۔
''آپ کے ہسبینڈ بہت لکی ہیں' جنہیں آپ جیسی وائف ملی۔'' میں نے سچے دل سے کہا۔
''نہیں خوش قسمت تو اصل میں میں ہوں۔ مجھے ہر خوشی ملی ہے اور خاص طور پر اتنی اچھی سسرال ملی ہے اس قدر عزت ہے میری اپنی سسرال میں' بیان نہیں کرسکتی۔ اب یہی میری نند کی شادی کی مثال ہی لے لو۔ اس رشتہ میں میری رائے کو خاص اہمیت دی گئی ہے پھر سارا انتظام شادی بیاہ کا بھی مجھے ہی دیکھنا ہوگا۔'' مسز فرخندہ امتیاز کی بات پر میں ایک دم اداسی کے گھیرے میں آگئی۔ خود میری کس قدر سسرال میں عزت تھی۔ یہ میں اچھی طرح جانتی

نظم

ایک چھوٹا سا لڑکا تھا
میں جن دنوں
ایک میلے میں پہنچا ہمکتا ہوا
دل مچلتا تھا ہر ایک شے پر مگر
جیب خالی تھی کچھ مول لے نہ سکا
لوٹ آیا لیے حسرتیں سیکڑوں
ایک چھوٹا سا لڑکا تھا
میں جن دنوں
آج میلہ لگا ہے اسی شان سے
جو چاہوں تو اک دکان مول لوں
جو چاہوں تو سارا جہاں مول لوں
نارسائی کا جی میں ہے دھڑکا کہاں
پر وہ چھوٹا سا الہڑ سا لڑکا کہاں

مروا حنیف بٹ...... سمندری

تھی۔ سارا دن کام اور بس کام۔ مگر کوئی انعام نہیں ملتا تھا۔ بس میاں جی کا اتنا ہی کہنا ہوتا۔
''اچھا اب سو جاؤ۔ میں خود بھی بہت تھکا ہوا ہوں۔ تم اب روزنامہ نہ شروع کردینا۔ صبح بات کریں گے۔'' اور کروٹ لے کر منہ دوسری طرف پھیر کے سو جاتے اور کچھ دیر بعد فضا میں ان کے خراٹے گونجنے لگتے۔ مگر پھر وہ صبح کبھی بھی نہ آتی جس میں وہ میری دل کی بات سن لیتے یا جان پاتے۔ اتنی دیر میں نیا پیریڈ اسٹارٹ ہوگیا اور مسز فرخندہ امتیاز کلاس روم کی طرف چل دیں۔ میں بھی تھکے قدموں اور شکستہ وجود کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆......☆......☆

سارے اسٹاف کا متفقہ خیال تھا کہ مسز فرخندہ امتیاز سب کو اپنی نند کی شادی میں ضرور انوائٹ کریں گی مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ شادی کا دن آیا اور

آ کر گزر بھی گیا۔ مسز امتیاز نے دو دن کی چھٹی بھی لی اور پھر معمول کے مطابق کلاسز اٹینڈ کرنے لگیں۔ میں چونکہ ان کے ساتھ زیادہ وقت گزارتی تھی اور نسبتاً ان کے زیادہ قریب تھی۔ مجھے بھی اس رویے سے شدید رنج پہنچا۔ کم از کم مجھے تو رسماً ہی سہی شادی میں مدعو کرنا چاہیے تھا مگر میری عزت نفس نے یہ گوارا نہ کیا کہ میں اس کے متعلق ان سے سوال دراز کرتی اگرچہ روزانہ حسب معمول ہم دونوں ڈھیروں باتیں کرتی تھیں۔ مگر اس ٹاپک پر میں نے کوئی بھی بات نہ کی۔ یوں زندگی معمول کے مطابق رواں دواں تھی۔

☆......☆......☆

''مسز فرخندہ آپ کا نیکلس تو بہت ہی قیمتی لگ رہا ہے۔'' مسز انجم نے پرتجسس انداز میں ٹوہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''جی ہاں' یہ گولڈ کا ہے' کل ہی شادی کی سالگرہ پر مجھے میرے خاوند نے گفٹ کیا ہے۔'' مسز امتیاز نے فخریہ انداز میں نہایت پیار سے اپنے نیکلس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بتایا۔

سب ٹیچرز نے حسرت سے ان کے نیکلس کو دیکھا' خود میرے دل میں بھی رشک کا جذبہ عود کر آیا۔ زیادہ اہمیت اس بات کی تھی کہ ان کے میاں نے ان کو محبت سے لے کر دیا تھا۔ مسز فرخندہ جس قدر شائستہ اخلاق کی مالک تھیں اسی طرح حسین و جمیل بھی تھیں۔ آج نیکلس پہننے کے بعد تو وہ اور بھی ملکوتی حسن کی مالک لگ رہی تھیں۔ یوں ہی تو ہر کوئی ان کی طرف مائل نہیں ہوجایا کرتا تھا۔

''ویسے کتنے سال ہوگئے ہیں آپ کی شادی کو؟'' مسز انجم نے جھٹ سوال داغا۔

''میری شادی کو سات سال ہوگئے ہیں۔'' مسز امتیاز نے متانت سے جواب دیا۔

''اچھا؟ حیرت ہے ابھی تک آپ کی گود سونی ہے؟'' مسز انجم نے طنزیہ انداز میں حظ اٹھاتے ہوئے کہا تو مسز امتیاز کا چہرہ یک لخت سفید پڑ گیا۔ مسز انجم کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ در آئی۔ آخر کچھ تو ایسا تھا ہی جو مسز امتیاز کی زندگی کو نامکمل بناتا تھا۔ اتنی دیر میں اگلا پیریڈ اسٹارٹ ہوگیا اور مسز امتیاز کلاس لینے چل دیں۔

''ویسے نیکلس ہے نہایت شاندار۔'' کسی ٹیچر نے تبصرہ کیا۔

''ہونہہ...... خود کو پتہ نہیں کیا سمجھتی ہے۔ ہر وقت اپنے میاں کے گن گاتی رہتی ہے۔ آخر جتانا کیا چاہتی ہے وہ ہم سب پر۔'' مسز انجم نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔ یوں بھی مسز انجم کی اپنے میاں سے زیادہ بنتی نہ تھی۔ آئے دن کے جھگڑے ان کا روز کا معمول تھے۔

''ہاں اور اتنی تنگ دل ہیں کہ اپنی اکلوتی نند کی شادی پر جھوٹے منہ بھی بلانا گوارا تک نہ کیا۔'' کسی اور ٹیچر نے لقمہ دیا۔

''اب اگر میاں نے تحفہ دے ہی دیا تھا تو اس کی نمائش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ دراصل وہ یہ بتانا چاہتی ہیں کہ وہی یہاں سب سے آسودہ حال ہیں' اپنی بھی ازدواجی زندگی میں۔'' مس فروا نے کہا۔ جن کا رشتہ کسی جگہ طے ہوکر ہی نہ دے پارہا تھا۔ اور عمر تھی کہ گزرتی چلی جارہی تھی اور اسی پریشانی کے سائے ان کے چہرے پر ہر گزرتے دن میں لکیروں کی صورت اپنا عکس چھوڑتے چلے جارہے تھے۔

میں خاموشی سے سب کے تبصرے سن رہی تھی۔ مجھے بہت افسوس ہورہا تھا سب کی سوچ پر مگر خاموشی سے بچوں کی ٹیسٹ کاپیاں چیک کرتی رہی ویسے بھی لوگوں کا کام تو ہے ہی جلنا اور حسد کرنا۔ اگر کوئی روئے تو بھی یہ دنیا اس کے حال پر ہنستی ہے اور اگر کوئی ہنستا ہے تو بھی یہ دنیا اس کی ہنسی میں خوشی محسوس نہیں کرتی۔ میں نے افسردگی سے سوچا۔

☆......☆......☆

"کافی دن ہوگئے مسز امتیاز نہیں آرہی' آپ میں سے کوئی جاکر معلوم کرے۔ ان کا سیل فون بھی آف جارہا ہے۔ 10th کلاس کے اینول ایگزامز ہونے والے ہیں اور مسز امتیاز کی کوئی خبر ہی نہیں۔" میڈم نے اسٹاف سے میٹنگ ٹائم میں مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

سب ٹیچرز ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔ تعجب کی بات تو یہ تھی کہ کسی کو بھی مسز امتیاز کے گھر کا ایڈریس معلوم نہ تھا۔

حتیٰ کہ مجھے بھی کبھی خیال نہ آیا کہ ان سے پوچھ لیتی اچانک میرے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندا۔ میری کلاس میں ایک بچی ماہ وش نے ایک دفعہ ذکر کیا تھا کہ مسز امتیاز ان کے گھر کے پاس ہی کہیں رہتی ہیں۔ یوں میں نے میڈم سے حامی بھرلی کہ آج ہی مسز امتیاز کے گھر جاکر معلوم کرتی ہوں۔

میری بات پہ میڈم نے اثبات میں سر ہلادیا۔

میں نے میڈم سے کہہ تو دیا تھا مگر کچھ پزل سی تھی۔ یوں بن بلائے جانا مجھے کچھ اچھا نہ لگ رہا تھا مگر مجبوری تھی۔ مجھے بچی نے مسز امتیاز کا گھر دکھادیا تھا' سفید رنگ کا گیٹ تھا۔ میں نے اللہ کا نام لے کر بیل پر انگلی رکھ دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک معمر خاتون گیٹ پرآ گئیں۔

"السلام علیکم!" میں نے ادب سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام!" معمر خاتون نے عینک ناک پر جماتے ہوئے بغور میرا جائزہ لیا۔

"میں مسز فرخندہ امتیاز سے ملنے آئی ہوں۔ میں ان کی کولیگ ہوں۔" میں نے وضاحت دی۔

"اپنی فری سے ملنے آئی ہو۔ تم ارم ہو ناں؟ آؤ بیٹا اندر آجاؤ۔" معمر خاتون نے مجھے راستہ دیتے ہوئے کہا۔ میں سخت حیران تھی کہ اس خاتون نے جو غالباً مسز امتیاز کی ساس ہوں گی' مجھے بنا تعارف کے

کیونکر پہچان لیا۔ وہ مجھے ڈرائنگ روم میں لے آئیں۔ میں ایک صوفے پر ٹک گئی۔

"کیا پینا پسند کرو گی بیٹا۔"

"جی کچھ بھی نہیں میں تو بس مسز امتیاز کی خیریت معلوم کرنے آئی تھی کافی دنوں سے وہ اسکول نہیں آرہی تھیں ان کے لیے فکر مند تھے۔" میں نے جلدی سے کہا تو خاتون میری بات سن کر اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

"میں نے کہا تھا فری سے کہ واپس سسرال جانے سے پہلے اسکول میں اطلاع دے آؤ۔ مگر اسے تو شوہر کے پاس جانے کی جلدی تھی۔ آخر چھ سال ہوگئے تھے اسے یہ بن باس کاٹے اور کتنی دیر کرتی وہ آخر۔"

"جی!" میں صرف اتنا ہی کہہ سکی۔ سارے الفاظ ختم ہو چکے تھے۔

"ہاں بیٹا میری بیٹی نے بہت کٹھن وقت گزارا ہے۔ میں نے تو بہت سمجھایا تھا کہ آزمائے ہوئے کو اور کتنا آزماؤ گی؟ کہاں اس ظالم انسان کے ساتھ دوبارہ رہنے چلی ہو مگر اس کے سر پر تو بھوت سوار تھا۔ بڑا ظالم ہے اس کا خاوند! چار چوٹ کی مار مارتا تب جاکر اسے قرار آتا' مگر میری بیٹی اف تک نہ کرتی۔ ارے ہمیں تو تب بھی علم نہ ہوتا مگر میری بیٹی نے جب اپنا بچہ کھو دیا تو ہم چپ نہ رہ سکے اور وہ ہم سے مزید چھپا نہ سکی۔"

"آنٹی آپ ان کی حقیقی ماں ہیں؟" میں شدید صدمے کی کیفیت سے دوچار تھی۔

"ہاں بیٹا مگر یہ کیسا سوال ہے؟" آنٹی حیران نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔

"جی بس یوں ہی میرا خیال ہے میں اب چلتی ہوں۔" مجھے یوں لگا کہ اگر اور تھوڑی دیر میں یہاں رہی تو میرا دم گھٹ جائے گا۔ مسز فرخندہ امتیاز کو کس حد تک میں اپنا آئیڈیل سمجھتی تھی مگر یہ آئیڈیل نیست ونابود ہوتا دکھائی دیتا تھا۔ درحقیقت وہ خواب وہ روپہلی آرزوئیں جو شاید میں نے کبھی دیکھی تھیں ان کی تعبیر میں مسز فرخندہ جی رہی تھیں یہی واحد سوچ مجھے خوش اور حوصلہ دیتی تھی کہ کہیں کسی جگہ تو کوئی فرد واحد ہے جو انتہائی خوشیوں بھری زندگی گزار رہا ہے۔ خود غرض اور منافق لوگوں کے ہجوم سے الگ تھلگ مگر یہ بھی میری خام خیالی ہی ثابت ہوئی۔

"یہ لفافہ وہ تمہارے لیے دے کے گئی تھی۔ اسے بہت یقین تھا کہ تم آؤ گی۔"

آنٹی نے ایک لفافہ میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ جسے میں نے بامشکل تھاما کیونکہ مجھے اپنا وجود منجمد ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے خالی الذہنی کی کیفیت میں وہ لفافہ پرس میں رکھا اور خدا حافظ کہتی ہوئی باہر نکل آئی۔

میں تھکے دل اور بوجھل وجود سمیت جب اپنے گھر آئی تو میری ساس کا موڈ سخت آف تھا۔ اتنی لیٹ اسکول سے آنے کی وجہ سے میں ان کو ٹائم پر کھانا پکا کر نہ دے سکی تھی۔ جھٹ پٹ بھنڈی کاٹ کر پکائی۔ یوں بھی میری ساس وہ شوق سے کھاتی تھیں۔ کھانا کھلانے کے بعد میں نے ان کو دوا دی کیونکہ وہ ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ ہیں اور دوا نہ کھانے کی صورت میں ان کی طبیعت مزید خراب ہوجایا کرتی تھی۔ میرا دل اس قدر مرجھا چکا تھا کہ میرا کچھ بھی کھانے کو دل ہی نہ کیا۔ تھوڑی دیر میں جٹھانی کے بچے میرے پاس اپنا ہوم ورک لیے چلے آئے۔ تعلیم یافتہ ہونے کی ایک یہ بھی مصیبت تھی کہ میں کسی کو بھی انکار نہ کر پاتی تھی۔ تین سال ہونے کو آئے اور میری گود سونی تھی جٹھانی نے کئی سال میری ساس کی خدمت کی تھی اور اب میری شادی کے بعد یہ فریضہ میری طرف منتقل ہو گیا تھا۔ بقول جٹھانی تم تو فارغ ہی ہوتی ہو۔ ان کی دوائی کا دھیان رکھ لیا کرو۔ مجھے تو سو کام ہوتے ہیں اوپر

تلے کے بچوں میں۔

بچوں کو خالی الذہنی کی کیفیت میں ہوم ورک کروایا۔ شام کی چائے بنائی پھر رات کا کھانا تیار کیا۔ میاں جی کے لیے اہتمام نہ ہو کھانے پر تو موڈ بگڑ جاتا ہے۔ بقول ان کے ایک وقت کا کھانا بھی ڈھنگ سے نہیں پکا پاتی تم۔"

میاں جی کی آمد پر مجھے چپ کس رہنا پڑتا ورنہ ان کا ایک ہی بیان ہوا کرتا تھا کہ "جاب چھوڑ دو۔" میں خواہ کتنی ہی تھکی ہوئی ہوتی چہرے پر مسکان سجالیتی تاکہ اس گھٹے ہوئے ماحول سے راہ فرار کا یہ واحد راستہ بھی مجھ سے چھن نہ جائے' کوئی مرد یہ کیوں نہیں سمجھتا کہ اگر کوئی عورت شدید تھکن کے باوجود اور لف لائف کے بعد بھی جاب نہیں چھوڑ رہی تو یہ اس کی اپنی منتخب کردہ چند گھڑیاں ہوا کرتی ہیں۔ ان گھڑیوں کے اچھے برے نتائج کی ذمہ دار ہم خود ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ چند گھڑیاں سخت آزمائش کا سبب ہی کیوں نہ بن گئی ہوں خود کی پہچان اور جو ادب واحترام مجھے اسکول میں ملتا تھا' وہ مجھے مجبور کرتا تھا کہ ہر نئے طلوع ہونے والے دن کو نئی ہمت کے ساتھ گزاروں۔ رات کو بستر پر لیٹی تو میاں جی نے ٹانگیں دبانے کا فریضہ مجھے سونپ دیا۔ میں سعادت مندی سے ٹانگیں دبانے لگی۔ تھکاوٹ کا شکوہ بے سود تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو آج بہت خاموش ہو؟ آج تو دن بھر کی تھکان کا رونا بھی نہیں رویا تم نے؟" میاں جی کی بات پر میں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ میں تو سمجھی تھی اب تک وہ سو چکے ہوں گے مگر لگتا ہے ان کو بھی روزانہ میری بکواس سن کر سونے کی عادت سی ہو چلی تھی آج دل اس قدر افسردہ تھا کہ کوئی جواب نہ دیا اور ٹکر ٹکر ان کا منہ دیکھنے لگی۔ "آؤ لیٹ جاؤ۔" ایک نیا حکم میں خاموشی سے کروٹ کے بل لیٹ گئی۔ مگر میرا ذہن ایک ہی نکتے پر ٹھہر سا گیا تھا کہ مسز فرخندہ نے اس قدر جھوٹ کیوں بولا؟ تبھی مجھے اس لفافے کا خیال آیا۔ میاں جی گہری نیند میں خراٹے لے رہے تھے میں نے پرس سے وہ لفافہ نکالا' میرے ہاتھ کپکپا رہے تھے اس میں خط تھا۔

پیاری ارم! میں جانتی ہوں آپ حیرت زدہ ہوں گی کہ میں نے اپنی تلخ حقیقت کو چھپا کر اس قدر غلط بیانی سے کام کیوں لیا؟ مگر بسا اوقات سچ بیان کرنا اس قدر تکلیف دہ ہوا کرتا تھا کہ زبان پر آتے آتے ٹھہر سا جاتا۔ میری بات کو سمجھنے کے لیے آپ کو مجھے سمجھنا ہوگا۔ میں فرخندہ عرف فری جس کو پہلی نظر میں ہی محبت کے آسیب نے جکڑ لیا تھا اور محبت کے آسیب سے تو راہ فرار ممکن ہی نہیں ہوا کرتی۔ اپنے والدین کی نافرمانی پر بھی اکسادیا کرتی ہے یہ محبت۔ امتیاز کی محبت مجھ پر اس قدر حاوی ہو چکی تھی کہ والدین کی تلقین کا بھی مجھ پر کچھ اثر نہ ہوا اور بالآخر میری ضد کے آگے والدین خاموش ہو گئے اور میری شادی امتیاز سے ہو گئی۔ شادی کے اولین دنوں میں امتیاز کا رویہ بہت اچھا تھا مگر رفتہ رفتہ مجھے ان کی ایک بری عادت کا ادراک ہوا ان کو مجھے پیٹ کر مار کر نجانے کیا ملتا تھا' شاید بچپن میں انہوں نے ہر لمحہ اپنی ماں کو اپنے باپ سے پٹتے دیکھا تھا اور اب یہی میرا مقدر ہے جسے میری محبت نے میرے لیے رقم کیا ہے بس ایک بھرم تھا اور وہ بھی آج ٹوٹ گیا۔

چاندی کا بندہ

انیسہ ناز بشارت

بھلا دکھ کے آنگن میں سلگتی لڑکیاں کیا جانیں
کہیں چھپتے ہیں آنسو آنچلوں میں منہ چھپانے سے
مجھے تنہا محبت کا یہ دریا پار کرنا ہے
ندامت ہوگی اس کے حوصلوں کو آزمانے سے

''بوا لڑکی تو بہت پیاری ہے' خاندان کیسا ہے...... لوگ کیسے ہیں؟'' نکہت بیگم نے ہاتھ میں پکڑی تصویر تخت پر رکھتے ہوئے اشتیاق سے سلیمہ بوا کی طرف دیکھا جو چائے اور دیگر لوازمات کے ساتھ بھرپور انصاف کررہی تھیں۔

''ارے بھئی...... خاندان کے معاملے میں تو تم بے فکر ہی رہو بڑا مذہبی گھرانہ ہے۔ لڑکی بھی بہت نیک اور فرماں بردار ہے جیسا تم نے کہا تھا بالکل ویسا ہی رشتہ ڈھونڈا ہے۔'' بوا نے مندرجہ بالا کوائف گنواتے ہوئے کہا تو وہ بے تحاشا خوش ہوگئیں۔

''بہت خوب' ایسی ہی بہو چاہیے تھی مجھے بس اب میں فاران سے بات کرلوں پھر کل ہی چلتے ہیں۔''

''اچھا اب میں چلتی ہوں' ایک اور جگہ بھی جانا ہے۔'' بوا برقعہ سنبھالتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ نزہت بیگم کل کے دن کا سوچتے ہوئے کچن میں چلی آئیں کہ فاران کو آفس سے آتے ہی چائے کی طلب ہونے لگتی تھی۔ تھوڑی دیر میں گاڑی کے رکنے اور گیٹ کھلنے کی آواز پر انہوں نے چولہا بند کیا اور چائے کپ میں ڈال کر لاؤنج میں لے آئیں۔

''السلام علیکم امی جان!'' وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا ہوا تھکے تھکے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

''وعلیکم السلام! بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو' چائے پی لو بعد میں کپڑے چینج کرلینا۔'' نزہت بیگم نے چائے کا کپ اسے تھماتے ہوئے کہا اور چپ چاپ بیٹھ کر اسے دیکھنے لگیں۔

''کیا بات ہے امی! کچھ کہنا چاہ رہی ہیں؟''

''ہاں!'' انہوں نے آہستگی سے بات شروع کی۔

''آج بوا بہت اچھا رشتہ دکھا کرگئی ہیں بہت اچھا گھرانہ ہے' نیک' باکردار لڑکی ہے۔ تم تصویر دیکھ لو پھر کل میں خود جاکر بات آگے بڑھاتی ہوں۔'' وہ بات پوری کرکے چپ ہوگئیں جبکہ چائے کی طرف بڑھتا اس کا ہاتھ وہیں تھم گیا۔

''کیا ہوا؟''

''امی جان! میں ابھی یہ سب نہیں چاہتا' آپ

جانتی ہیں نا ابھی یہ سب رہنے دیں۔" بالوں میں انگلیاں پھنسائے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"دیکھو بیٹا! جو ہونا تھا وہ ہوچکا' بھول جاؤ وہ سب' میں ایسی لڑکی کو بہو کیسے بنالیتی جو پورے ایک سال کسی اور سے منسوب رہی ہو۔ ہمیں بے شک یہی بتایا گیا ہے کہ خاندانی چپقلش کی وجہ سے اس کی چچازاد سے منگنی ٹوٹ گئی مگر کوئی ایسی بات ضرور ہوگی جو اتنا پرانا رشتہ ختم ہوگیا۔ میں اپنے خاندانی وقار اور عزت کے معاملے میں رسک نہیں لے سکتی' اب دیکھو نا وہ لڑکی اتنے عرصے سے کسی اور کے خواب دیکھتی رہی تھی میں ہر معاملے میں کمپرومائز کرسکتی ہوں مگر یہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتی کہ تمہارے اور اس گھر کے ساتھ جڑنے والا نام کسی اور سے منسوب رہا ہو۔" نزہت بیگم نے رسان سے سمجھاتے ہوئے حتمی انداز میں کہا تو وہ چند لمحے انہیں دیکھتا رہا پھر دو قدم چل کر ان کے قدموں میں آن بیٹھا اور دونوں ہاتھ ان کے گھٹنوں پر رکھ دیے۔

"میری خواہش اتنی بری نہیں تھی اس کی منگنی ٹوٹی تھی وہ طلاق یافتہ یا بدکردار تو نہیں تھی مگر میرے نصیب میں ہی نہیں تھی۔ آپ نے جسے میرے لیے پسند کیا ہے مجھے منظور ہے۔"

"مجھے اپنے بیٹے سے یہی امید تھی' خوش رہو اب تم جاؤ اور فریش ہوجاؤ میں کھانا لگواتی ہوں۔" وہ اس کی پیشانی چومتے ہوئے بولیں تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور صوفے پر پڑا ہوا کوٹ بازو پر ڈال کر کمرے سے نکل گیا۔

❀......❀......❀

ان کی طبیعت صبح سے ہی بوجھل تھی اچانک بی پی اتنا لو ہوگیا کہ وہ کام والی کو چھٹی دے کر لاؤنج میں صوفے پر گرسی گئیں۔ فاران آفس سے لوٹا تو انہیں یوں بدحال دیکھ کر پریشان ہوگیا۔

"امی جان کیا ہوا' خیریت تو ہے؟" وہ آفس بیگ ٹیبل پر رکھ کر تیزی سے ان کے پاس آیا۔

"کچھ نہیں ہوا بیٹا! تم پریشان مت ہو بس بلڈ پریشر بہت لو ہوگیا تھا مگر اب ٹھیک ہوں۔"

"آپ کو اس حالت میں دیکھ کر کیسے پریشان نہ ہوتا' میں چینج کرلوں پھر آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔" وہ اٹھ کر کمرے میں چلا گیا جبکہ وہ چادر لینے کی غرض سے اپنے کمرے میں چلی آئیں۔

ڈاکٹر نے ضروری چیک اپ کے بعد دوائیاں لکھ کر کاغذ فاران کو تھمایا اور انہیں آرام کی تاکید کرکے فاران کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"یہ کچھ دوائیں کلینک میں دستیاب نہیں ہیں آپ کسی میڈیکل اسٹور سے لے لیجیے گا۔"

"او کے شکریہ۔" وہ کلینک سے باہر نکل آئے' رات کی تاریکی آہستہ آہستہ ہر چیز کو لپیٹ میں لے رہی تھی۔

فاران راستے میں میڈیکل اسٹور کے سامنے گاڑی روک کر اترا' نزہت بیگم کو گرمی اور حبس نے آن گھیرا وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آئیں۔ سڑک کے دونوں اطراف میں درختوں کی لمبی قطاریں تھیں جن میں اکا دکا دکانیں نظر آرہی تھیں۔ باہر کی فضا نسبتاً خوش گوار تھی اور دو قدم ٹہل کر آگے آئیں تو دفعتاً سرگوشی سی سن کر رک گئیں۔

"پھر کب ملوگی؟" مردانہ آواز پر وہ آہستگی سے آگے بڑھیں' درخت کی اوٹ میں بائیک سے ٹیک لگائے لڑکا اور لڑکی کے چہرے دور سے آتی دکانوں کی دھندلی سی روشنی میں نظر نہیں آرہے تھے۔

"بہت مشکل ہے' آج بھی کالج میں کسی فنکشن کا بہانہ بنا کر آئی تھی اب میں چلتی ہوں بہت دیر ہوگئی ہے۔" وہ لڑکی درخت کی اوٹ سے نکلتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ گئی اور لڑکا بائیک اسٹارٹ کرکے بنا ادھر اُدھر دیکھے نکل گیا۔ ان کا دل جل کر خاک ہوا تھا وہ نئی نسل سے ہمیشہ نالاں رہتی تھیں تبھی وہ فاران کی خواہش پر بھی اس کا رشتہ لینے اس لڑکی کے گھر نہیں گئیں جو اس کی کولیگ تھی اور خاندانی جھگڑوں کے سبب منگنی ٹوٹنے کے بعد نزہت بیگم کے نزدیک

مشکوک کردار کی حامل تھی۔
''امی جان آپ ادھر کیا کر رہی ہیں؟'' فاران کی آواز پر وہ چونک گئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ پلٹتیں' ان کی نظر زمین پر کچھ فاصلے سے چمکتی ہوئی چیز پر پڑی انہوں نے جھک کر وہ چیز اٹھائی وہ سفید نگوں والا انتہائی دیدہ زیب چاندنی کا بُندا تھا جو اندھیرے میں چمک رہا تھا۔ جو غالباً تھوڑی دیر پہلے اس لڑکی کے کانوں سے گر گیا تھا۔
''یہ کیا ہے؟'' فاران کے پوچھنے پر انہوں نے مختصراً بتایا اور گاڑی کی طرف بڑھ گئیں۔
❁......❁......❁
نزہت بیگم فاران کا رشتہ لے کر گئیں تو واپسی پر ہاں کا سندیسہ ساتھ لائی تھیں' انکار کی تو گنجائش ہی نہیں تھی۔ ماں باپ کا اکلوتا کماؤ پوت تھا لہٰذا نزہت بیگم نے بھی جلدی کا شور مچایا ایک ماہ بعد کی تاریخ دے دی گئی تھی۔ بیچ کے دن گویا شادی کی تیاریوں میں پَر لگا کر اڑ گئے تھے اور یہی حال شادی کی تقریبات کا بھی تھا۔ ایک ماہ بیت چکا تھا نزہت بیگم کو لگتا کہ وہ اب ہر فکر اور معاملے سے آزاد ہوگئی ہیں۔ فاران نے چھٹیوں کے بعد آفس جانا شروع کردیا تھا' زندگی مطمئن اور خوش حال گزر رہی تھی اور زندگی کی ریس میں شریک لوگ اسے جیتنے میں مشغول۔
❁......❁......❁
''ذکیہ...... ذکیہ کدھر ہو بھئی؟'' نزہت بیگم کام والی کو پورے گھر میں آوازیں دیتی ہوئیں صحن میں چلی آئیں۔
''جی بیگم صاحبہ! کوئی کام ہے؟'' وہ صحن کی دوسری جانب سے فوراً دوڑی آئی۔
''ہاں بھئی! سر میں درد ہو رہا ہے' تیل کی مالش کردو اچھی طرح سے کچھ تو آرام آئے۔'' وہ تیل کی شیشی ہاتھ میں لیے تخت پر براجمان ہوگئیں۔
''ذکیہ...... تم ادھر بیٹھی ہو اور میں تمہیں پورے گھر میں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔'' ایمان ہاتھ میں لکڑی کا منقش ڈبہ لیے ان کے پاس ہی تخت پر بیٹھ گئیں۔
''اللہ خیر کرے' ہر کوئی آج مجھے ہی ڈھونڈ رہا ہے۔'' ذکیہ کی بتیسی باہر نکل آئی۔
''کیا کوئی کام ہے بیٹا!'' نزہت بیگم نے پیار سے بہو کو دیکھا۔
''جی امی جان! یہ کچھ جیولری میں امی کے گھر سے ساتھ لے کر آئی تھی مگر اب مجھے پسند نہیں میں نے سوچا ہے کہ ذکیہ کو دے دوں۔'' ایمان نے ڈبہ کھولتے ہوئے جواب دیا' ذکیہ کی تو خوشی سے باچھیں پھیل گئیں۔
''بھئی ذکیہ! جلدی کرو اور میرے سر کی مالش کردو' سر درد کے مارے پھٹ رہا ہے۔'' نزہت بیگم کے کہنے پر ذکیہ جلدی جلدی سب دیکھنے لگی پھر اچانک رک گئی۔
''باجی! اس سیٹ میں تو صرف ایک ہی بُندا ہے دوسرا تو نہیں ہے۔'' ذکیہ کی آواز پر انہوں نے اکتائی ہوئی نظروں سے اس کی جانب دیکھا مگر جب نظر اس کے ہاتھ میں پکڑے سیٹ پر پڑی تو گویا ساکت ہوگئیں۔
''ہاں یہ دوسرا پارٹی میں کہیں گر گیا تھا' اسے بھی پھینک دو۔'' ایمان جلدی سے اٹھ کر کمرے کی طرف چلی گئی مگر ان کی نگاہ تو ذکیہ کے ہاتھ میں پکڑے اس بندے سے ہٹ ہی نہیں رہ گئی جو اس شام انہیں سڑک کنارے اس لڑکی کے جانے کے بعد ایسا ہی بُندا ملا تھا اور آج اس دوسرے سفید نگوں والے چاندی کے بُندے کو دیکھ کر انہیں معلوم ہوا کہ قدموں کے نیچے سے زمین کیسے نکلتی ہے۔
❁

روحانی مسائل کا حل

حافظ شبیر احمد

بشیراں بی بی......

جواب: آپ یہ عمل جاری رکھیں، یقینِ کامل کے ساتھ کامیابی ہوگی۔

آپ 7 بار روزانہ سورۃ المزمل پڑھ کر پانی پہ پھونک کر خود اور شوہر کو پلائیں 3 ماہ تک۔

ضیاء...... پشاور صدر

جواب: فجر کی نماز کے بعد سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 ، 70 بار پڑھ کر رشتہ کی دعا مانگیں۔ (لڑکی خود)

سورج نکلنے اور سورج غروب ہونے کے بعد 41,41 بار آیتہ الکرسی پڑھ کر رکاوٹیں و بندش (رشتہ) ختم ہونے کی دعا مانگیں۔ 4 ماہ تک۔

ماریہ اعوانیہ بی بی...... نور آباد، اٹک

جواب: ہر فرض نماز کے بعد 21 بار سورۃ العصر پڑھ کر دعا مانگیں 3 ماہ تک۔ مسئلہ حل ہوگا۔

ثمینہ افضل...... سرگودھا

جواب: صرف اور صرف فجر کی نماز کے بعد۔

ع...... ملتان

جواب: سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 فجر کی نماز کے بعد 70 بار پڑھ کر رشتہ کی دعا مانگیں (4 ماہ تک)

ش ع...... اوکاڑہ

جواب: (۱) بھائی آپ کا سورۃ القریش 21 بار ہر نماز کے بعد پڑھ کر دعا مانگے۔

(۲) آپ خود سورۃ والضحیٰ ہر فرض نماز کے بعد 41 بار پڑھ کر دعا مانگیں۔

(۳) 70 بار سورۃ القارعہ پڑھ کر (لڑائی، جھگڑا، کبوتر بازی) سے نفرت ہو نیت کر کے پڑھ کر پانی پر پھونک کر بھائی کو پلائیں روزانہ 3 ماہ تک۔

مہوش...... ہری پور

جواب: کسی اچھے معالج سے علاج کروائیں۔

بڑوں کی باتوں کو مانا جائے تو بہتری ہوتی ہے۔

آپ روزانہ 3 بار سورۃ یاسین شریف پڑھ کر دعا مانگیں۔

ناہید اختر...... مانک بھٹی

جواب: بی بی کلام اللہ شریف پر یقین رکھ کر پڑھیں تو کامیابی ہوگی جو بتایا ہوا ہے دوبارہ دہرائیں۔

ریحانہ عباس...... ڈیفنس فیز II

جواب: آپ کی والدہ پورے گھر کا سوچ کر نیت کرے روزانہ 111 بار آیتہ الکرسی پڑھیں اول و آخر 11,11 بار درود شریف۔

نیت: اگر کسی نے کچھ کرایا ہے تو ختم ہو جائے۔

عائشہ...... مغل پور

جواب: ربیعہ کے لیے۔ 111 بار آیتہ الکرسی پڑھ کر تیل پر دم کریں روزانہ تیل لگائیں۔ (تیل ایک ہفتہ تک کا ہو)

دوسرے ہفتے میں پھر یہ عمل دہرائیں تیل پر بھی اور پانی پر بھی دم کریں اول و آخر 11,11 بار درود شریف۔

(۲) سورج نکلنے کے بعد 41 بار آیتہ الکرسی پڑھیں اور سورج غروب ہونے کے بعد 41 بار آیتہ الکرسی پڑھیں (اول و آخر 11,11 بار درود شریف) رکاوٹیں بندشیں ختم ہونے کے لیے۔

شفق...... گوجرہ

جواب: آپ سورۃ والضحیٰ روزانہ 313 بار پڑھ کر دعا مانگیں، اول و آخر 11,11 بار درود شریف۔

محمد نعمان...... موچی بازار، سکھر

جواب: رہائش مت کیجیے گا، سیل کرنا۔ آپ کو فلیٹ نہیں گھر لینا ہوگا۔

سمعیہ اعجاز...... فیصل آباد

جواب: آپ یا قہار کا ورد رکھیں دونوں کا سوچ کر بہتر حل ہوگا۔

مصباح...... سرگودھا

جواب: سلم قولا من رب الرحیم کا ورد رکھیں۔

شمائلہ سلطانہ...... چکوال

جواب: پڑھنے اور پیپر دینے سے پہلے 7 بار سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دعا مانگیں کلیئر ہو جائے گا۔

صفیہ بیگم...... میاں چنوں

جواب: (ا) سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 فجر کی نماز کے بعد 70 بار پڑھ کر (لڑکیاں خود) دعا مانگیں 4 ماہ تک۔

(۲) تیسرے کلمے کا ورد رکھے تنزیلہ روزانہ ایک تسبیح۔

عظمیٰ اعجاز...... سرگودھا

جواب: آپ روزانہ سورۃ یاسین شریف 3 بار پڑھ کر دعا مانگیں قبول ہوگی، ان شاء اللہ۔

ثوبیہ ناز...... راولپنڈی

جواب:۔ بعد نماز فجر، سورۃ فرقان آیت نمبر 70،74 مرتبہ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

آیۃ الکرسی، سورۃ اخلاص، سورۃ فلق، سورۃ الناس 11،11 مرتبہ پڑھ کر دم کیا کریں۔ اول وآخر 3،3 مرتبہ درود شریف۔ ہوائی اثرات ہیں۔

ساجدہ پروین......

جواب:۔ بعد نماز عشا سورۃ قریش 111 مرتبہ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف، روزانہ۔

نیت وظیفہ (اپنے کاروباری مسائل/ برکت)

پانی پر دم کر کے جانوروں پر چھڑکا کریں بیٹے کے لیے آپ دعا کیا کریں۔

http://facebook.com/elajbilquran
www.elajbilquran.com

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔

موبائل فون پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں۔ نمبر بند کر دیا گیا ہے۔

اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔

ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔

rohanimasail@gmail.com

روحانی مسائل کا حل کوپن برائے اپریل ۲۰۱۶ء

نام.......... والدہ کا نام.......... گھر کا مکمل پتا..........

....

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں..........

میمونہ رومان

حرا قریشی بلال کالونی......ملتانی

تم سو گئے تو رات بھر سورج بجھا رہا
اب آنکھ کھول دو کہ ذرا روشنی تو ہو

رخ کومل شہزادی......سرگودھا

محسوس کیا تم کو تو گیلی ہوئی آنکھیں
بھیگے ہوئے موسم کی ادا تم تو نہیں ہو
ان اجنبی راہوں میں نہیں کوئی بھی میرا
کس نے یوں مجھے اپنا کہا، تم تو نہیں ہو

عقیلہ رضی......فیصل آباد

بہت تڑپایا ہے اس کی یادوں نے رات بھر
جیسے دیکھ کر دل کو چین ملتا ہے

نجم انجم......کراچی

تم دل لے گئے میرا آنکھیں بھی ساتھ لے جاتے
تیری تصویر سے کیسے نجم دل کو بہلائے

فیاض اسحاق......سلانوالی

زبان کا ورد ہوئے مگر دلوں میں گھر نہ ہوا
ہتھیلیوں پہ لکھے نام ہم سفر نہ ہوئے
عجب طریقہ ہے تجھ کو بھولنے کا
ہم تیری یاد سے اک پل بھی بے خبر نہ ہوئے

شمع فیاض......بستی بزدار

دل و جان سے زیادہ کروں گی حفاظت اس کی
بس اک بار وہ کہہ دے کہ میں امانت ہوں تیری

سمیرا سواتی......بھیر کنڈ

حسن یوسف کی قسم
چاہیں گے تجھ کو زلیخا کی طرح
تم ہمیں بھی تو خریدو
عزیز مصر کی طرح

اقرا احسان اعوان......فاروق آباد

بھول جانا تو رسم دنیا ہے وہی
تم نے بھول کر کون سا کمال کر دیا

سعدیہ رمضان سعدی......186 پی

وہ میرا ہو جو نگاہوں میں حیا رکھتا ہو
ہر قدم ساتھ چلنے کا عزم وفا رکھتا ہو

فرحت اشرف کھمن......سیدوالا

ظالم دنیا میں ذرا سنبھل کے رہنا
یہاں پلکوں پہ بٹھایا جاتا ہے نظروں سے گرانے کے لیے

عاصمہ اقبال عاصی......عارف والا

ہمیں مطلب نہیں احباب لمبی قطاروں سے
جو دل سے ہمارا ہو ہمیں وہ شخص کافی ہے

ایم فاطمہ سیال......محمود پور

کوئی ملا ہی نہیں جس کو وفا دیتے
ہر اک نے دھوکہ دیا کس کس کو سزا دیتے
یہ ہمارا صبر تھا کہ خاموش رہے
ورنہ داستاں سناتے تو محفل کو رلا دیتے

ساریہ چوہدری......ڈوگہ گجرات

کیا اس کا بھی جنازہ پڑھتی ہے دنیا اے زندگی
جنہیں موت سے پہلے محبت مار ڈالتی ہے

اقصیٰ زرگر ہنسیاں زرگر......جوڑہ

اس کے مرنے پہ بہت لوگ جمع تھے عاطف
زندگی بھر جو ترستا رہا لوگوں کے لیے

نورین انجم......کراچی

دل کی آنکھوں سے کام لیتی ہوں
ان کے دامن کو تھام لیتی ہوں
دور ہوتی ہیں ساری مشکلیں
جب محمد ﷺ کا نام لیتی ہوں

حدیقہ صادق رانا......ہڈالی

اس نے مجھے مسلمان سے کافر بنا کر فقط اتنا کہا محسن
تم اپنے رب سے وفا نہ کر سکے ہم سے کیا کرو گے

مدیحہ نورین مہک......برنالی

تیرے خیال دیدار سے ہی رک جاتی ہیں سانسیں

خدا جانے جب تم رو برو ہو گے تو پھر کیا ہوگا
ارم کمال.....فیصل آباد
بے حس ہیں یہاں لوگ بھلا سوچ کے کرنا
اس دور میں لوگوں سے وفا سوچ کے کرنا
اک بار جو روٹھے تو منا تم نہ سکو گے
ہم جیسے وفاداروں کو خفا سوچ کے کرنا
ودیعہ یوسف زماں قریشی.....لانڈھی کراچی
چاہنے والے تو بہت ملے مگر
جسے ہم چاہ سکیں کوئی ویسا نہیں ملا
خواب میں تھامے تھے ہم چاند ہاتھ میں
آنکھ جب کھلی تو سورج ہمیں ملا
اقرا ماریہ.....برنالی
ابھی بھی وقت ہے لوٹ آؤ تم
بن تیرے جینا سیکھ لیا تو بہت پچھتاؤ گے تم
فضہ یونس.....گنگا پور
محبت کیا ہے مت پوچھ اسے بس راز رہنے دو
یہ ایسا لفظ ہے جس کی وضاحت درد دیتی ہے
کرن شہزادی.....مانسہرہ
یہ دل بہت اداس ہے جب سے خبر ہوئی
ملتے ہیں وہ خلوص سے ہر آدمی کے ساتھ
گل مینا خان اینڈ حسینا ایچ ایس.....مانسہرہ
کتنا عجب ہے دنیا والوں کا انداز محبت مینا
روز نیا زخم لگا کر کہتے ہیں خوش رہا کرو
سائرہ خان.....محمد پور دیوان
میری پر نور سوچیں ہیں میری تحریر روشن ہے
نبی ﷺ کا ذکر کرتی ہوں، میری تقدیر روشن ہے
کوثر خالد جڑانوالہ.....فیصل آباد
بساط دل پہ عجب ہے شکست ذات کا وہ لطف
جہاں پہ جیت اٹل ہو وہ بازی ہار کے دیکھو
ام عائشہ.....وہاڑی
بات اگر شراب تک ہوتی تو نہ آتے تیرے مے خانے میں
یہ تیری نظروں کا جام ہے کمبخت کہیں اور نہیں ملتا

فریحہ شبیر.....شاہ نکڈر
تیری یادوں کے قافلے اے ہمدم
میرے دل میں قیام کرتے ہیں
طیبہ سعدیہ عطاریہ.....کھٹیالہ
مکتب عشق کے آداب سے تم واقف نہیں وصی
صرف پالینا ہی عشق نہیں فنا ہونا بھی عشق ہے
مصباح تحسین میمونہ حسین.....ڈیرہ غازی خان
میں ہر روز گناہ کرتی ہوں
وہ اپنی رحمت سے چھپاتا ہے
میں مجبور ہوں اپنی عادت سے
وہ مشکور ہے اپنی رحمت سے
نبیلہ ناز.....قصور
اے دوست یہاں ویرانوں کو گلزار سمجھنا پڑتا ہے
کچھ اونچی اونچی راہوں کو ہموار سمجھنا پڑتا ہے
مہر وحق معیشت کے ہاتھوں انسان کا اب یہ عالم ہے
ہر زخم لگانے والے کو غمخوار سمجھنا پڑتا ہے
سمیہ کنول.....مانسہرہ
بس اک شخص ضد ہے میرے دل کی
نہ اس جیسا چاہیے نہ اس کے سوا
اریبہ منہاج.....ملیر کراچی
اس کی فطرت پرندوں سی تھی
میرا مزاج درختوں سا تھا
اسے آخر اڑ ہی جانا تھا!!!
مجھے قائم ہی رہنا تھا

biazdill@aanchal.com.pk

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

کچے گوشت کی بریانی

اجزاء:

گوشت	ایک کلو
لونگ	پانچ عدد
دہی	ڈیڑھ کپ
ادرک (کدوکش کی ہوئی)	دو کھانے کے چمچ
لہسن پیسٹ	چھ جوئے تیار کرلیں
عرق گلاب	چار کھانے کے چمچ
براؤن پیاز	حسب ضرورت
آلو بخارے	آٹھ عدد
دار چینی (چھوٹی اسٹک)	ایک عدد
لونگ	دو سے تین عدد
دودھ	ایک کپ
الائچی (دانے الگ کرلیں)	دس عدد
نمک	حسب ذائقہ
زعفران	ایک چائے کا چمچ
باسمتی چاول	تین پاؤ
گھی	فرائی کرنے کیلیے
ثابت کالا زیرہ	آدھا چائے کا چمچ
پانی	حسب ضرورت

ترکیب:

الائچی دانے، لونگ اور دار چینی کو گرائنڈ کرلیں اور ایک پیالے میں دہی ڈالیں۔ اس میں گرائنڈ کیا ہوا مصالحہ اور نمک ڈال دیں۔ ادرک کا جوس بھی دہی میں ملا دیں۔ اس کے بعد لہسن ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں۔ گوشت کو اس مکسچر میں میری نیٹ کرکے چار سے آٹھ گھنٹے کے لئے رکھ دیں۔ زعفران کو کوٹ کر دودھ میں ملا دیں۔ اس میں عرق گلاب ملا کر چار گھنٹے کے لئے رکھ دیں۔ اوون کو ایک سو ساٹھ ڈگری سینٹی گریڈ پر پہلے سے گرم کرلیں۔ ایک اوون پروف بڑے پین میں پانچ کھانے کے چمچ گھی ڈال کر گریس کرلیں۔ اس پر میری نیٹ کیے ہوئے گوشت کی تہ بچھا دیں۔ اس پر پیاز اور آلو بخارے کی تہہ بچھا دیں۔ ایک پین میں بیس کپ پانی ڈال کر اُبال لیں۔ اس میں ثابت کالا زیرہ، دار چینی، الائچی دانے اور لونگ ڈال کر ایک اُبال لے آئیں۔ اس کے بعد چاول اور نمک ڈال کر چاولوں کو ایک کنی اُبال لیں چاول کو چھان کر آدھے چاول کی تہ گوشت پر بچھا دیں آدھا زعفران مکسچر چاولوں پر ڈال دیں۔ باقی بچے ہوئے چاول اور زعفران کی تہ لگا دیں۔ اوپر سے تھوڑا سا دودھ چھڑک دیں۔ اس کو اچھی طرح ڈھک کر میڈیم ہائی ہیٹ پر ایک اُبال لے آئیں۔ جب اس میں دھواں نکلنے لگے تو فوائل کو دوبارہ سے اچھی طرح فولڈ کرکے اوون میں بیک کرلیں۔ گوشت گل جائے تو اوون سے نکال لیں۔

طلعت نظامی...... کراچی

پسندے

اجزاء:

چکن	1 کلو (پارچے بنوالیں)
دہی	1 پاؤ
گرم مسالا	1 چائے کا چمچہ
پیاز	2 سے 3 عدد (درمیانہ)
ثابت دھنیا، زیرہ	1,1 چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
لہسن، ادرک (پسا ہوا)	1,1 چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا، ہری مرچ	حسب پسند
سبز الائچی	چار عدد
گھی	حسب ضرورت

ترکیب:

ثابت زیرہ، سوکھا دھنیا اور ثابت سرخ مرچ ان تینوں کو ہلکی آنچ پر بھونیں۔ جب خوشبو آجائے تو ان کو موٹا کوٹ لیں اب دہی کو پھینٹ لیں پھر اس میں کٹا ہوا مسالا اور

نمک ڈال کر مکس کریں اور اس میں گوشت ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور ایک گھنٹہ کے لیے رکھ دیں۔ پیاز لچھے دار کاٹ کر گھی میں براؤن کر لیں۔ لہسن، ادرک ڈال کر بھونیں۔ جب لہسن کی خوشبو ختم ہو جائے تو دہی ملا گوشت ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ ساتھ ہی سبز الائچی ثابت بھی ڈال دیں جب گوشت گل جائے اور گھی علیحدہ نظر آنے لگے تو اتاریں اور گارنش کے لیے سبز دھنیا اور سبز مرچ باریک کاٹ کر ڈالیں اور پیش کریں، ٹرائی کریں ان شاء اللہ مجھے ضرور یاد کریں گی۔

نازیہ عباسی......ٹھٹھہ

کشمیری تکے

اجزا:۔

گوشت (گائے کا)	ڈھائی سو گرام
کالی مرچ	نصف چمچہ
پیاز	پچاس گرام
گرم مسالہ	ایک چائے کا چمچ
لیموں کا رس	ایک عدد
گھی	پچیس گرام
ٹماٹر	چار عدد
نمک، سرخ مرچ	حسب ضرورت

ترکیب:۔

گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں۔ پیاز چھیل کر گول گول ٹکڑوں میں کاٹ لیں اور ٹماٹر گول قتلوں کی طرح کاٹ لیں۔ گرم مسالہ، لیموں، کالی مرچ، نمک، سرخ مرچ، مکس کر لیں اب ان مسالہ جات کو گھی میں ہلکی آنچ پر بھون لیں اور گوشت کے ٹکڑے اس مسالے میں اچھی طرح مکس کر لیں۔ سلاخ میں اس طرح پروئیں کہ ایک ٹکڑا گوشت کا اور ایک ٹکڑا ٹماٹر اور پیاز کا لگائیں اور کوئلوں کی دہکتی آگ پر سرخ کر کے پکائیں۔ زبردست کشمیری تکے تیار ہیں خود بھی کھائیں اور گھر والوں کو بھی کھلائیں اور داد وصول کریں اور طلعت آنٹی کے لئے بھی بھیج دیں اور مجھے اپنی دعاؤں میں مت بھولیں۔

حنا مہر......کوٹ اڈو

چینی پلاؤ

اجزا:۔

چاول	آدھا کلو
جھینگا	ایک پاؤ
انڈے	تین عدد
پیاز موٹی کٹی ہوئی	دو عدد
چائنیز ساس	آدھا چمچ

ترکیب:۔

چاول میں ذرا سا نمک ملا کر دو کنی ابال لیں اور پانی نتھار کر چاول کو کسی صاف اور خشک کپڑے پر پھیلائیں تاکہ وہ بالکل خشک ہو جائیں۔ جھینگے میں نمک ملا کر آدھا گھنٹہ پہلے رکھ دیں اس کو تیل میں تل لیں۔ جھینگا تلنے کے بعد اسے کڑاہی سے نکالئے نہیں بلکہ انڈا پھینٹ کر اس میں شامل کر لیں اور انڈے کو چمچے سے اچھی طرح چلائیں تاکہ جمنے نہ پائے اب چاول میں انڈا اور جھینگا ڈال دیں۔ آدھا چمچ چائنیز ساس بھی ڈال دیں۔ چاول کو پانچ منٹ دم کے بعد اتار لیں۔

ہالہ سلیم......اورنگی کراچی

گولڈن کوائن

اجزا:۔

ڈبل روٹی	5 سلائس
آلو	دو عدد (ابلے ہوئے میش کیے ہوئے)
مٹر	آدھا پاؤ
بیسن	ایک چھٹانک
شملہ مرچ	ایک عدد
لال مرچ نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

ہری پیاز، شملہ مرچ باریک کاٹ کر آلوؤں میں ملا لیں پھر مٹر کے دانے نمک اور لال مرچ بھی شامل

کرلیں۔ ڈبل روٹی کو کٹر سے گول کاٹ کر ایک طرف یہ آمیزہ اچھی طرح لگائیں پھر بیسن پھینٹ کر اس میں لال مرچ اور نمک ملالیں۔ اب سلائسز کو بیسن میں ڈبو کر اچھی طرح فرائی کرلیں۔ گولڈن ہونے پر نکال لیں۔ املی کی چٹنی کے ساتھ پیش کرسکتی ہیں۔ چاہیں تو ٹماٹر کی چٹنی بنالیں۔

نادیہ احمد...... دبئی

چکن فرائیڈ کٹلس

اجزا:۔

چکن کا قیمہ	ایک پاؤ (بغیر ہڈی
سبز مرچ	تین سے چار عدد (کٹی ہوئی)
کالی مرچ	آدھا چمچ
گرم مسالہ (پسا ہوا	آدھا چمچ
لیموں کا رس	ایک چمچ
گارلک پیسٹ	ایک چمچ
تیل	تلنے کے لیے
انڈا	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ
پیاز پسی ہوئی	دو عدد

ترکیب:۔

قیمے کو ایک باؤل میں ڈال کر نمک ہری مرچ پیاز گارلک پیسٹ گرم مسالہ کالی مرچیں لیموں کا رس اور پھینٹا ہوا انڈا لیں ان تمام اشیاء کو قیمے میں مکس کرلیں اور ایک گھنٹے تک میری نیٹ کریں اس کے بعد ان کے کٹلس بنالیں ایک پین میں تیل گرم کریں پھر ان کٹلس کو بریڈ کرم میں اچھی طرح لت پت کرکے تل لیں۔ جب یہ دونوں طرف سے سرخ ہوجائیں تو ایک پلیٹ میں نکال لیں اور چٹنی کے ساتھ پیش کریں اور داد وصول کریں کیونکہ میں بھی داد وصول کرچکی ہوں۔ اور ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازیں۔

صوفیہ خان...... سعودیہ

قیمہ بھری ہری مرچوں کا سالن

اشیاء:

قیمہ	آدھا کلو
دہی	آدھا پاؤ
ادرک لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
کالا زیرہ پسا ہوا	آدھا چائے کا چمچ
لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
ہری مرچیں موٹی والی	آٹھ عدد (4 عدد باریک کٹی ہوئی)
پیاز	ایک عدد
ٹماٹر	دو عدد

ترکیب:

سب سے پہلے قیمے کو دھو کر سارے مسالے دہی سمیت قیمے میں مکس کردیں۔ برتن میں پیاز براؤن کرکے دو چمچے دہی ڈال دیں تاکہ خوشبو اچھی ہوجائے پھر مسالا لگا قیمہ ڈال کر ڈھک دیں اور اسی پانی میں پکائیں۔ پانی خشک ہوجائے تو بھون لیں۔ ہری مرچوں کو درمیان سے چاک کرکے اس کے بیج نکال لیں۔ ہری مرچوں کو درمیان سے چاک لگانے کے بعد اس میں نمک اور املی کا پیسٹ بھردیں اور بقیہ کٹی ہوئی مرچوں کو جب قیمہ بھوننے لگے تو ڈال کر پکائیں اور اتار کر جو مرچیں مسالا بھر کر تیار کی ہیں اس میں قیمہ بھی بھردیں اور دیگچی کے بقیہ قیمے میں ڈال کر پانی کا چھینٹا دے کر ڈھانپ کر 10 سے 15 منٹ پکائیں۔ قیمہ بھری مرچوں کا سالن تیار ہے۔

فہمیدہ انجم...... راولپنڈی

دم پخت ہانڈی تکہ

اجزا:۔

گوشت بغیر ہڈی	ایک کلو (صاف بوٹیاں
پیاز	دو عدد (درمیانی)
کٹی مرچ	چار کھانے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
گرم مسالہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
دہی	ایک پاؤ
لہسن کا پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
ادرک کا پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
VTF بناسپتی	چار کھانے کے چمچ

ترکیب:۔

گوشت کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں کرلیں۔ اور پیاز پیس لیں۔ دہی میں سارے مسالے ملا کر بوٹیوں پر لگادیں۔ اس میں VTF بناسپتی ملائیں پھر چار گھنٹے کے لئے میری نیڈ ہونے کے لئے رکھ دیں۔ تا کہ مسالہ بوٹیوں میں رچ بس جائے۔ اس کے بعد پانی ڈالے بغیر اسے چولہے پر رکھ کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ گوشت گل جائے اور پانی سوکھ جائے تو بھون لیں پھر ایک کوئلہ دہکائیں اور پتیلی کے درمیان میں رکھ دیں اب VTF بناسپتی ایک چمچ گرم کر کے کوئلے پر ڈال دیں اور مضبوطی سے ڈھکن بند کر دیں تا کہ تکے میں باربی کیو کا ٹیسٹ آجائے۔ دس منٹ بعد سلاد اور رائتے اور چپاتی یا تندوری روٹی کے ساتھ کھائیں۔

سحرش فاطمہ......کراچی

شملہ مرچ بریانی

اجزا:

گوشت	ایک کلو
چاول باسمتی	ایک کلو
لہسن کے جوئے	چھ عدد
ثابت دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
سونف	ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
کالا زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
پیاز (کٹی ہوئی)	تین عدد (درمیانہ)
ٹماٹر (کٹے ہوئے)	چار عدد (درمیانہ)
کوکنگ آئل	ایک کپ
شملہ مرچ (لمبائی میں کٹی ہوئی)	ڈیڑھ کلو
آلو (لمبائی میں کٹے ہوئے)	ڈیڑھ کلو
ہری مرچ	دو عدد
لال مرچ (کٹی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
دہی	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
زردے کا رنگ	چٹکی بھر
لہسن ادرک (پیسٹ)	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب:

گوشت میں ثابت لہسن، ثابت دھنیہ، سونف، کالا اور سفید زیرہ اور نمک ڈال دیں۔ پانچ پیالی پانی ڈال کر گوشت گلنے تک پکائیں۔ گوشت گل جائے تو گوشت الگ کرلیں اور چھان کر یخنی نکال لیں۔ ایک دیگچی میں آئل گرم کر کے پیاز براؤن کرلیں۔ لہسن ادرک کا پیسٹ ڈال دیں۔ شملہ مرچ ڈال کر دو منٹ تک فرائی کریں۔ اس کے بعد آلو اور ٹماٹر ڈال دیں۔ ساتھ ہی دہی اور لال مرچ ڈال کر دو منٹ بھونیں۔ گوشت شامل کر کے بھونیں ساتھ ہی ہری مرچ بھی ڈال دیں۔ اس کے بعد چاول بھی ڈال دیں۔ یخنی ڈال کر تیز آنچ پر پکائیں۔ جب پانی خشک ہوجائے تو پانی میں زردے کا رنگ گھول کر شامل کردیں، پندرہ منٹ دم پر رکھ دیں۔ شملہ مرچ بریانی تیار ہے۔

نزہت جبین ضیاء......کراچی

میٹھی چٹنی

اشیاء:

کیریاں (چھلکا اتری ہوئی)	ایک پاؤ
چینی	آدھا کلو
ثابت لال مرچ	سات عدد
کلونجی	ایک چمچہ
تیل	آدھی پیالی

ترکیب:۔

ایک برتن میں تیل گرم کر کے کلونجی کو کڑکڑائیں مرچ بھی موٹی موٹی کوٹ کر ڈال دیں پھر اس کے ساتھ ہی چینی اور کیریاں شامل کر کے ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔ اوپر ڈھکنا ڈھک دیں تا کہ کیریاں گل جائیں۔ گل جانے پر ڈش آؤٹ کر کے کھانے کے ساتھ پیش کریں۔ مزیدار چٹنی تیار ہے۔

طیبہ عبید......کراچی

روبینہ احمد

آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے

آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑنا بھی ایک مسئلہ ہے اس کا سبب نیند کی کمی، تھکاوٹ، دباؤ، غذائی کمی یا بیماری ہوسکتا ہے۔ بے خوابی کے پرانے مریضوں کی نشاندہی ان کی آنکھوں کے نیچے گہرے حلقوں کا ہونا ہے۔ اگر آپ کا مسئلہ بے خوابی یعنی نیند نہ آنا ہے یا پھر آپ عرصہ سے کمزوری اور تھکاوٹ کی مریضہ ہیں تو اپنے ڈاکٹر سے رجوع کیجیے طبی مدد حاصل کرنے کے لیے بعد روزانہ بیوٹی روٹین اپنایئے یاد رہے کہ آنکھوں کے اردگرد پائی جانے والی جلد بہت نازک ہوتی ہے اس لیے اپنی کاسمیٹکس کی مصنوعات کا انتخاب خوب احتیاط سے کیجیے۔ روزانہ رات کو آنکھوں کے گرد جلد کی صفائی کسی ری ہائیڈرنٹ جیل سے کریں۔ جیل کا استعمال گیلی روئی سے کرنا چاہیے۔ اس کے بعد انڈر آئی کریم لگائیں۔ آنکھوں کے گرد استعمال ہونے والی کریم بہت پتلی ہونی چاہیے۔ لینولین اور بادام سے بنی انڈر آئی کریم سب سے بہتر ہوتی ہے بادام گہرے حلقوں کو دور کرنے میں مدد دیتا ہے۔ کیونکہ یہ نیچرل بلیچ ہے یہ ایک عمدہ قسم کا اسکن فوڈ بھی ہے کسی بھی قسم کی کریم آنکھوں کے گرد جلد پر زیادہ عرصہ تک موجود نہیں رہنی چاہیے اس سے جلد پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں کو دور کرنے کے لیے آپ رات سوتے وقت بالائی کا استعمال بھی کرسکتی ہیں بالائی سے حلقے بھی ختم ہوجاتے ہیں اور آنکھوں کے گرد جلد بھی متاثر نہیں ہوتی۔

آنکھوں کی صحت اور دلکشی

آنکھوں کی صحت اور دلکشی حسن کو نکھار دیتی ہے آنکھوں کی خوب صورتی کے بارے میں شعرا نے بہت کچھ کہا ہے تاہم تھوڑی سی توجہ سے آنکھوں میں نکھار پیدا کیا جاسکتا ہے۔ خواتین کو آنکھوں سے متعلق کئی مسائل دورپیش ہوتے ہیں جن کی بنیادی وجوہات سے درست طریقے سے میک اپ صاف نہ کرنا زائد المیعاد کاسمیٹکس کا استعمال اور مناسب حفاظت نہ کرنا شامل ہے۔ آنکھوں کی حفاظت کے لیے وٹامن اے، بی اور سی کا استعمال بہت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ دودھ، مکھن، مچھلی، انڈے کی زردی، گاجر، ٹماٹر، آم اور پپیتا بھی آنکھوں کے لیے بے حد مفید ہیں خواتین اپنی آنکھوں کی دیکھ بھال کس طرح کرتی ہیں اس کا اندازہ اردگرد کی جلد آنکھوں کی چمک وخوب صورتی اور عمومی صحت سے ہوجاتا ہے۔ اگر آپ اپنی آنکھوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ یعنی انہیں نہ صرف دھوئیں بلکہ گردوغبار سے بچا کر رکھیں تاکہ آنکھوں کی چمک اور خوب صورتی برقرار رہے آنکھوں کے اردگرد کی جلد پورے چہرے کی جلد سے زیادہ پتلی اور نازک ہوتی ہے اور اس میں آئل گلینڈ پھیلے ہوتے ہیں ان کی صحت کے لیے اچھی کریم استعمال کی جاسکتی ہے جس کے استعمال سے اس حصے کی جھریاں خاص حد تک ختم ہوجاتی ہیں۔

آنکھوں کی دلکشی کو اجاگر کرنا

بڑی آنکھوں کو عموماً حسن وخوب صورتی کی علامت تصور کیا جاتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ چھوٹی آنکھیں خوب صورت نہیں ہوسکتیں۔ چھوٹی آنکھوں والی خواتین بھی میک اپ کرتے وقت چند آسان طریقے پر عمل کر کے اپنی آنکھوں کو نمایاں کرسکتی ہیں۔ چھوٹی اور بے چمک آنکھوں کو نمایاں اور چمک دار بنانے کے لیے ہمیشہ مسکارا لگانے سے قبل پلکوں کو کرل کرلیں۔ آپ چاہیں تو مسکارا لگانے کے بعد بھی پلکوں کو کرل کیا جاسکتا ہے مگر اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ مسکارا اچھی طرح خشک ہوچکا ہو، مسکارا لگاتے وقت کبھی نچلی والی پلکوں کو فراموش مت کریں اکثر خواتین اوپری پلکوں کو بہت زیادہ محنت سے مسکارا لگاتی ہیں مگر نچلی پلکوں کے لیے اس امر کو یکسر ضروری نہیں سمجھتیں، میک اپ ماہرین کے خیال میں آپ نچلی پلکوں کو نظر انداز کرتے ہیں تو درحقیقت آپ اپنی آنکھوں کی مجموعی خوب صورتی کو 50 فیصد نقصان پہنچاتے ہیں اور اس کا

عملی مظاہرہ دیکھنے کے لیے آپ بذات خود یا اپنی کسی سہیلی کی آنکھوں پر یہ مشق کر کے دیکھیں۔

گرتے بالوں کی حفاظت

خواتین کے لیے گرتے ہوئے بال بہت پریشانی کا باعث بنتے ہیں کیونکہ خوب صورتی کے تصورات میں بالوں کو زبردست حیثیت حاصل ہے اس لیے کہ بال کبھی بھی آؤٹ آف فیشن نہیں ہوتے داخلی بیماریاں، ادویات کا ردعمل اور غذائی عدم توازن جیسے کچھ عمومی اسباب ہیں جو بالوں کے گرنے کا سبب ہیں داخلی بیماریوں میں ہارمونز یا غدودوں کی بے قاعدگی بالوں کے مسائل کی جڑ ہے۔ تھائی رائیڈ گلینڈ کی غیر معمولی کارکردگی بھی بالوں کے گرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے خواتین کی زندگی میں مختلف ادوار میں جب ہارمونز کی تبدیلی آتی ہے تو بال جھڑنے لگتے ہیں اور بالوں کی مقدار کم ہو جاتی ہے زچگی کے کچھ ماہ بعد خواتین کے بال بھاری تعداد میں جھڑ جاتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ بالوں کی حفاظت وقت سے پہلے ہی کر لی جائے تاکہ بالوں کی خوب صورتی اور دلکشی برقرار رہے۔ خواتین کو چاہیے کہ وہ بالوں کو ضرورت سے زیادہ کس کر نہ باندھیں اور ہر وقت بالوں کو کھلا رکھنا بھی بالوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ بہت زیادہ گرم ماحول میں بالوں کو زیادہ دیر رکھنے سے بھی بالوں کی خوب صورتی خراب ہوتی ہے بالوں میں ہیئر رولز کا مسلسل استعمال بھی بالوں کو نقصان کی طرف لے جاتا ہے۔

چمکتے لہراتے بالوں کا خیال رکھنا ضروری

خوب صورت بال شخصیت کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ چمکتے لہراتے بال تو ہر کوئی چاہتا ہے مگر اس کے لیے بالوں کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے ذیل میں دی گئی چند ہدایات اور ٹوٹکوں پر عمل کر کے آپ اپنے بالوں کی خوب صورتی میں اضافہ کر سکتی ہیں۔ سب سے پہلے تو آپ اپنے بالوں کی صفائی کا خاص خیال رکھیں جو شیمپو آپ کے بالوں سے میچ کرتا ہو صرف وہی استعمال کریں ہمیشہ اچھی کوالٹی کا شیمپو استعمال کریں روزانہ اپنے بالوں میں شیمپو کریں تاکہ مسام بند نہ ہوں اگر آپ ربر بینڈ استعمال کرتی ہیں تو وہ کس کے نہ باندھیں بلکہ ڈھیلی سی چٹیا کریں اس سے آپ کے بال نہیں ٹوٹیں گے۔ آج کل بالوں کو کٹوانے کا رواج ہے۔ بالوں کو لیئر میں کاٹیں اس سے آپ کم عمر دکھائی دیں گی۔ ہیئر اسپرے اور ہیئر جیل زیادہ استعمال نہ کریں اس سے آپ کے بال جلد ہی سفید ہو جائیں گے اپنا ہیئر اسٹائل بناتے وقت خاص خیال رکھیں اگر آپ کا ہیئر اسٹائل آپ کے چہرے سے میچ کرتا ہو تو وہ آپ کی خوب صورتی میں چار چاند لگا دیتا ہے اگر آپ خوب صورت لہراتے بال چاہتے ہیں تو یہ ٹوٹکہ استعمال کریں تھوڑا سا سمندری نمک لیں اور اسے پانی میں اچھی طرح مکس کر لیں۔ اب اس پانی کو شاور میں ڈال دیں اور سارے بالوں میں اسپرے کریں اس سے آپ کے بالوں میں قدرتی چمک آئے گی۔

خشک اور چکنے بالوں کی حفاظت

اگر آپ کے بال خشک ہیں تو ہیئر ڈرائیر کا استعمال ترک کر دیں اور کوئی ہیئر اسپرے لگاتار استعمال نہ کریں چکنے بال ہیں تو گیلے بالوں کو سکھانے کی عادت ڈالیں چکنے بالوں والی خواتین شکایت کرتی ہیں کہ وہ بار بار شیمپو کیسے کریں اور وہ بالوں کو نئے انداز سے کیسے سنواریں۔ بالوں کی خشکی کم کرنے کے لیے آملے اور ریٹھے لا کر آدھے گھنٹے کے لیے بھگو دیں اور کسی باریک کپڑے میں چھاننے کے بعد شیمپو میں مکس کر کے بالوں کو دھوئیں اس سے بالوں کی خشکی بھی دور ہوگی اور بال چمکدار بھی ہو جائیں گے۔ اگر قد لمبا ہو اور جسم دبلا ہو تو ایسے بال خوب صورتی کے دشمن لگتے ہیں مگر نہیں آپ چکنے بالوں کو عذاب نہ سمجھیں بلکہ ملتانی مٹی سے فیض یاب ہوں۔ مٹی کو گیلا کر کے ایک لیموں نچوڑ لیں اب اس محلول کو بالوں کی جڑوں میں پھیلا دیں اور اس سے نہ صرف کھجلی دور ہوگی بلکہ اضافی تیل بھی سر دھونے سے نکل جائے گا اور دماغ کو بھی تقویت ملے گی۔ چکنے بالوں کے لیے بیسن سے سر دھونا بھی ٹھیک رہتا ہے۔

عائشہ سلیم......کراچی

ایمن وقار

محبت جرم مسلسل

میری نیندیں اب بھی روتی ہیں
انہیں تم سے محبت کی
عجب سی عادت ہے اب بھی
میرے سونے اور جاگنے کے اوقات
اب بھی معین ہیں لیکن
میری آنکھیں
سونے کو ترستی ہیں
عرصہ ہوا کسی نے
گلابی لبوں کا لمس میرے ہاتھوں پہ چھوڑا تھا
میرا ہاتھ آج بھی اس لمس کی گرمی سے دہکتا ہے
میں اب بھی اس پہ تمکنت چہرے کے تصور میں جولاتا ہوں
وہ پری پیکر، حسیں، نازک اندام لڑکی
میرے دل کے تاروں کو بجاتی گنگناتی ہے
وہ پل جب ہم اک دوسرے کے سنگ
پہروں باتیں کرتے تھے
دن و رات کا فرق کیا معنی؟
یہ ماہ و سال چہ معنی دارد؟
اس کو پہروں سوچنے کی میری یہ عادت اب بھی ہے
دل بھی بے چین ہے
میں ادھورا ابھی ہوں
اسے ہر چہرے میں ڈھونڈنے کی عادت اب بھی ہے

دیا آفرین...... شاہدرہ

غزل

زندگی کٹتی نہیں اور بے بسی ہٹتی نہیں
ہمارے بیچ حائل جدائی سمٹتی ہی نہیں
بھولنا چاہوں بھی گر تو بھول تجھ کو سکتی نہیں
تیری یادیں میرے ذہن و دل سے نکلتی ہی نہیں
پاس آنے سے میرے شب بھی گریزاں ہے صنم
میری زندگی پہ چھائی تاریکیاں چھٹتی ہی نہیں
میری چاہت کی شمع فروزاں ہوگی ایک دن
امید اس دل کی کبھی بھٹکتی ہی نہیں
تلخیاں رشتوں میں جھیلنی تو پڑتی ہیں
مگر تلخی ایام شب کسی طور کٹتی ہی نہیں

حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤالدین

پاکستان

پاک وطن سنہری مٹی
پاک وطن سنہرے لوگ، سنہری دھرتی
پاکستان کی عظمت کا سبز ہلالی پرچم
ظریف احسن کا کہنا ہے
آؤ، ہم سب بلند کریں
اپنے مثبت فیصلوں سے
اپنے پیارے سبز ہلالی پرچم کو
پاکستان کے پرچم کو
آؤ ہم سب فخر کریں
شاداب سرسبز فصلوں پر
صنعت کے کارخانوں پر
اپنے جفاکش لوگوں پر
مزدوروں، کسانوں پر
لہلہاتے کھیتوں پر
جگمگاتے ذہنوں پر
ظریف احسن کے خیالوں پر
شاعروں اور ادیبوں پر
پاکستان سرسید کا
پاکستان ہے حالی کا
جوہر کا پاکستان ہے، لیاقت کا پاکستان ہے
قائداعظم زندہ باد
پاکستان پائندہ باد

ظریف احسن......

خاموش محبت

خاموش محبت تم سے کرتا ہے کوئی
روز جیتا روز مرتا ہے کوئی
چپکے چپکے سسکتا ہے کوئی
بوجھل پلکوں سے سوتا ہے کوئی
نازک سا احساس لیے کانچ سے جذبات لیے
دکھ درد کا مداوا کرتا ہے کوئی
اک گہرے سمندر میں خوش فہمی لیے
بے وفائیوں کو گنتا ہے کوئی
آس وامید کے پھول لیے
دامن پھیلائے پھرتا ہے کوئی
شب و روز غم گن کر اپنے
صحرائے ہجر میں بھٹکتا ہے کوئی
تم نے تو قسم کھالی بے اعتنائی کی
یہاں بنجر وجود لیے روز تڑپتا ہے کوئی

ماہ نور نعیم..... بھکر

تیرا نام کافی ہے

میرے عشق کی داستان کو تیرا نام کافی ہے
میرے درد کی پہچان کو تیرا نام کافی ہے
ضروری نہیں ہے چرچا ہوا اس دنیا فانی میں
اس بندہ بے نشاں کو تیرا نام کافی ہے
آتا ہے برس جاتا ہے مجھ پر وہ بے حساب
اس بادل مہرباں کو تیرا نام کافی ہے
ڈگر ڈگر ڈھونڈ رہا ہے جو خوشی کی رات کو
اس غم زدہ انسان کو تیرا نام کافی ہے
یہ جو لفظ لفظ جڑ گئے تیرے ذکر کے لیے
ان لفظوں کی پہچان کو تیرا نام کافی ہے
تنہا خاموش رہنے کا اگر کوئی پوچھ لے سبب
تنہائی اور خاموش زبان کو تیرا نام کافی ہے
خوشی خوشی بکھیرتے ہیں جو اپنی خوش بو چاروں جانب
ان مہکتے گلستان کو تیرا نام کافی ہے
قلم پکڑ کے کیوں سوچ میں پڑ جاؤں میں ثمری
میری شاعری کے عنوان کو تیرا نام کافی ہے

ثمرین یعقوب ثمری..... سرگودھا

یک طرفہ محبت

میری اداس آنکھوں میں اک سپنا ہے
اس سپنے میں کوئی اپنا ہے
وہ اجنبی ہے اپنا سا
میری زندگی ہے اس اپنے میں
میرا اجنبی ہے اس سپنے میں
میری اداس آنکھیں بھی چمک اٹھیں
اس اجنبی کے سپنے نے
میرے اداس جیون کو سنوار دیا
اس اجنبی نے پل بھر میں
مجھے سوہنی، ہیر بنادیا
اس کے لمحہ بھر کے دیدار نے
اسے خبر تک نہ ہوگی میری
مگر میرا چین تو اڑ گیا
اسے معلوم تو اتنا بھی نہیں
میں ہوں بھی یا ہوں ہی نہیں
میں کون ہوں میں کیسی ہوں
وہ جانتا تو کچھ بھی نہیں
میرے دل میں بس اک حسرت سی ہے
کاش دیدار یار یکطرفہ نہ ہوتا
وہ بھی رانجھا، مجنوں یا مہینوال بنتا
اس یکطرفہ محبت نے
مجھے کیا سے کیا بنادیا

مہر مسارشد بٹ..... گجرانوالہ

غزل

رات بھر تیری یاد میں جل کر
شمع کی طرح پگھلتے ہیں
جانتے ہیں کہ تو نہیں میرا
پھر بھی ہم تجھ پہ مرتے ہیں
جوڑتے ہیں روز خود کو مشکل سے
تو نظر آئے تو پھر بکھرتے ہیں

چھین لیں نہ دینا والے تجھے
ہر گھڑی سوچ کہ یہ ڈرتے ہیں
آخری سانس تک رہیں گے تیرے
وعدہ کر کے ہم نہیں مکرتے ہیں
ہاتھ اٹھا کر مانگ لیں گے تجھے
رب سے التجا یہ کرتے ہیں
ہم کو ہے یقین دعاؤں سے غزل
فاصلے قربتوں میں ڈھلتے ہیں
شازیہ غزل..... کراچی

غزل

اس گلی میں اک مکاں ہوا کرتا تھا
جب تک تھا دل جواں ہوا کرتا تھا
کوئی جانتا ہے وہ کدھر کو گیا ہے
ان بد زبانوں میں اک بے زباں ہوا کرتا تھا
وہ جس نے مجھے کچھ بھی نہ سمجھا تھا
وہ اک شخص مرا جہاں ہوا کرتا تھا
فسوں چلا زندگی کا اور سب اہل خاک ہوئے
حکایت گزشتگاں کیا سناؤں، اک کارواں ہوا کرتا تھا
میری بے چارگی جو تھی، اصل میں تیری تھی
تجھے ہی مجھ میں ہونے کا گماں ہوا کرتا تھا
دل شہر، جو اب اجڑ چکا ہے زید
صد افسوس، کبھی بہت شاداں ہوا کرتا تھا
محمد زید..... فیصل آباد

غزل

اس کے ساتھ چلنے کا فیصلہ غلط نکلا
جس کو ٹھیک سمجھا تھا ہمنوا غلط نکلا
عمر بھر چلی لیکن پا سکی نہ منزل کو
میں نے جو چنا وہ ہی راستہ غلط نکلا
خط کسی کو لکھے تھے ہوگئے کسی کی نذر
بعد میں کھلا مجھ پر رابطہ غلط نکلا
جس قدر منظم تھے اس قدر ہوئے رسوا
اپنی زندگی کا ہر ضابطہ غلط نکلا
اعتبار کیا کرنا اب کسی پہ تمثیلہ
جس پہ ہاتھ رکھا وہ آسرا غلط نکلا
تمثیلہ لطیف..... پسرور

غزل

اک تحریر کی روانی یاد آتی ہے
وہ برسوں بیتی کہانی یاد آتی ہے
جن کو چھوڑ کر نکلے کسی منزل کی خواہش میں
تیرے پہلو میں گزریں تھیں جو راتیں یاد آتی ہیں
محبت ہم بھی کرتے تھے محبت وہ بھی کرتے تھے
بھلائے سے بھی نہ بھولے وہ الفت یاد آتی ہے
تیرے اس نام کی رونق تیرے وعدوں کا نبھانا
ان ہاتھوں میں آج بھی تیرے ہاتھوں کی نرمی یاد آتی ہے
ہم وہ انا پرست تھے کہ بدل کر بھی بدل نہ پائے
وہ گزری سوز میں لپٹی محبت یاد آتی ہے
سمیرا اسحاق.....

مضمون

سنو!
میں تم کو
یاد رکھوں گی
اس
اچھی کتاب کے مضمون کی طرح
جس کو میں نے
پڑھا
پسند کیا
اور
یاد رکھا ہمیشہ بھر کے لیے
ایس گوہر طور..... تاندلیانوالہ

غم

میں مسکرانا
بھول بھی جاؤں
تو
کیا تعجب

میرا ایک غم
بھاری ہے
سو خوشیوں پر

عائشہ نور عاشا...... شادیوال، گجرات

کاش

کاش میں پتھر کا مجسمہ ہوتی
میری نہ کوئی خواہش ہوتی
میرے نہ کوئی ارماں ہوتے
میرے نہ کوئی خواب ہوتے
لیکن
میں تو اک لڑکی ہوں
جس کی خواہشات تو ہوتی ہیں
جس کے ارماں تو ہوتے ہیں
جس کے خواب تو ہوتے ہیں
مگر
روایتوں کے بھینٹ چڑھ جاتے ہیں
خواہشات پر توڑ دیتی ہیں
ارماں دل کے اندر ہی رہ جاتے ہیں
خواب ٹوٹ کر چکنا چور ہو جاتے ہیں

مشاعلی مسکان...... قمر مشانی

نظم

بس یونہی بے سبب
چاندنی راتوں میں
جھیل کنارے پر
سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ جانا
بس یونہی بے سبب
پھر چاند کو تکتے رہنا
چاند کی چاندنی میں تیرا عکس تلاش کرنا
بس یونہی بے سبب
ماضی کی دھندلی سی یادوں میں
سنگ تیرے بیتے لمحوں کو
پھر سے یاد کرنا
بس یونہی بے سبب
تجھے پھر سے یاد کرنا

سنبل خان بٹ...... بورے والا

غزل

میرے ہونٹوں پہ کتنے سوال چھوڑ گیا
جدا ہوا یوں کہ مجھ کو نڈھال چھوڑ گیا
میں چاہ کر بھی اب کسی کی نہ ہو پاؤں گی
وہ بے وفائی کی اپنی مثال چھوڑ گیا
رہے گا ساتھ میرے ہجر کا وہ بن کر چاند
کہ دور ہو کہ بھی مجھ میں وصال چھوڑ گیا
جو مجھے کہتا تھا خوشیاں بھر دوں گا دامن میں
میرے کاندھوں پہ دکھوں کی وہ شال چھوڑ گیا
رتیں وصال کی سب خاک میں ملا ڈالی صنم
بھری بہار میں یوں دل بے حال چھوڑ گیا

ایس اے صنم...... نوابشاہ

غزل

دل میں پھر درد ہوا دیر تلک
نہ ملی اس کو دوا دیر تلک
میں نے خوشبو کی حقیقت پوچھی
پھول خاموش رہا دیر تلک
تم نے تو صرف سنا ہی ہوگا
میں نے جو درد سہا دیر تلک
اس نے پوچھا کہ مجھے یاد کیا؟
میں نے تب ہنس کر کہا دیر تلک
جانے والا نہیں اک پل بھی رکا
عکس آنکھوں میں رہا دیر تلک

شگفتہ خان...... بھلوال

عکس

اک لڑکی تھی دیوانی سی
اداس فضاؤں کی باسی تھی
شاید گہرا تعلق تھا اس کا
ان اداسیوں کی وادی سے

ہر بات پر جانے کیوں ہنستی تھی
مگر آنکھوں سے اداسی جھلکتی تھی

چاند کو دیکھ کر جانے کیوں
آنکھوں سے بارش کرتی تھی

وہ لڑکی اداس فضاؤں کی
مجھے اپنا عکس ہی لگتی تھی

اک لڑکی اداس فضاؤں کی

ماریہ طفیل پارس...... چکوال

نظم

اے خدا میری تقدیر میں بھی
کوئی ایسا دوست لکھ دے
جسے دیکھ کر کھل جائے
میرا نصیب لکھ دے
وہ جسے دیکھ کر ہو صبح
جسے دیکھ کر ہو رات
کوئی ایسا سورج لکھ دے
کوئی ایسا چاند لکھ دے
چھوٹے نہ چھوٹنے سے
ٹوٹے نہ ٹوٹنے سے
کوئی ایسا ہاتھ لکھ دے
کوئی ایسا ساتھ لکھ دے
میری زندگی سے کر دے
سب دور جو تکلیفیں
کوئی ایسی دوا کر دے
کوئی ایسا مسیحا لکھ دے
مسحور کر کے رکھے
جس کی خوشبو ذہن و دل کو
میری زندگی کے گلستاں میں
کوئی ایسا گلاب لکھ دے
حسرت رہے نہ دل میں
کہ پورا نہیں ہوا ہے
اے خدا مہک کی زندگی میں
کوئی ایسا خواب لکھ دے

مہک خلیل...... کلور کوٹ

کیا چیز ہے یہ محبت

اڑایا کرتی تھی میں بھی
مذاق اس محبت کا
دیا کرتی تھی نام
اس کو دل لگی کا
نجانے کیسے

یہ محبت
مجھے بھی ہو گئی

کیا چیز ہے یہ محبت
نجانے میں کہاں
کھو گئی

مجھے محبت ہے
اک بے وفا سے
کیا کرتی ہوں اقرار
میں بھی اس محبت کا
اور اب لوگ
اڑاتے ہیں مذاق
میری محبت کا
فرق صرف اتنا ہے کہ
دیا کرتے ہیں وہ نام اس کو
دل کی لگی کا

مدیحہ مدو...... بورے والا

وقت اور انسان

وقت اور انسان
ان دونوں میں
کوئی خاص فرق
نہیں ہوتا
کیونکہ کبھی کبھی
وقت انسان کو
اور انسان وقت کو

دونوں ایک دوسرے
کو دھوکہ دے رہے
ہوتے ہیں
اکثر
وقت انسان کا ساتھ
نہیں دیتا
اور کبھی انسان وقت کو
صحیح استعمال کرنا
نہیں جانتے
انسان وقت سے بہت
ساری امیدیں وابستہ
کر لیتے ہیں
تو اس وقت بہت دکھ
لگتا ہے
جب ساری امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں
طیبہ نذیر..... شادیوال گجرات

شرارت

اس نے پوچھا: ہاتھ کی ریکھاؤں پر یقین ہے
میں نے کہا: بس تھوڑا تھوڑا
وہ بولا: دکھاؤ تو تحریر ہے کیا تمہارے ہاتھوں پہ
میں نے کہا: چھوڑ و جانے دو
کیا رکھا ہے ان باتوں میں
اس نے جب اصرار کیا تو میں نے مٹھی کھول دکھائی
اس نے ہاتھ کو تھام کر دیکھا اور بولا
کر اس بہت ہے اس پر
ویسے قسمت بری نہیں
ہاتھ چھڑا کر میں یہ بولی سچ کہتے ہو یوں ہی ہوگا
تب وہ آہستہ سے بولا
سچ پوچھو تو میں نے جھوٹ کہا تھا
ریکھاؤں کے علم سے میں بھی ناواقف ہوں
میں نے تو بس تمہارا ہاتھ چھونا تھا
ندا علی عباس..... سوہاوہ گجر خان

خواہش

میں ہوں
تنہائی ہو
گھر کی چھت ہو
ایک کپ چائے ہو
ڈائجسٹ ہو
ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو
اور دور کہیں سے کشور کمار کی یہ
آواز سنائی دے
"تیرے بنا زندگی سے کوئی شکوہ تو نہیں
شکوہ نہیں..... شکوہ نہیں
تیرے بنا زندگی بھی لیکن زندگی تو نہیں
زندگی نہیں..... زندگی نہیں
کاش ایسا ہو آج کی رات چاند ڈوبے گا نہیں
رات کو روک لو.....!"
شیریں تبسم..... کراچی

محبت

محبت لفظ ہے ایسا
کہ جس کو جان کر بھی ہم
ناآشنا سے لگتے ہیں
محبت کھیل ہے ایسا
کہ جس کو کھیلنے پر ہم
جان سے کھیل جاتے ہیں
محبت ہی تو ہے زندگی
کہ جس میں جیت کر بھی ہم
اکثر ہار جاتے ہیں
ماہ نور نعیم..... بھکر

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

ایک چمکتے ستارے کے نام

السلام علیکم ایوری باڈی...... امید کرتی ہوں کہ سب خیریت سے ہوں گے۔ سب سے پہلے تو 2 مارچ کو میرے پیارے چاچو جان کی برتھ ڈے ہے آپ کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو پھر مارچ میں ہی آپ کی اور چاچو ثمر کی شادی کی سالگرہ ہے آپ دونوں کو شادی کی سالگرہ کی بہت بہت مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں فیملیز کو ہمیشہ خوش رکھے اور شاد آباد رکھے، آمین۔ 14 مارچ کو میری بہت ہی پیاری دوست ماریہ خالد کی سالگرہ ہے اسے بھی سالگرہ مبارک ہو۔ اس سالگرہ کے موقع پر میری رب تعالیٰ سے یہ التجا ہے کہ میری دوست کو ہمیشہ خوش رکھنا اور اسے وہ سب عطا کرنا جس کی وہ تمنا کرتی ہے اس کی مشکلوں کو دور کرنا اور زندگی میں خوشیاں اور کامیابیاں عطا کرنا کوئی بھی غم اس کے قریب نہ آئے خوشیاں اس کے قدم چومے۔ اللہ ہم دونوں کا ساتھ ہمیشہ قائم و دائم رکھے آمین۔ خدا حافظ۔

اقراء ماریہ...... برنالی

"سب اپنوں کے نام"

السلام علیکم سب پڑھنے والوں کو اسب سے پہلے بھائی وقاص آپ کو بیٹی کی بہت بہت مبارک ہو۔ اقراء اور بھائی راشد آپ کو بھی ٹوئنز بیٹیوں کی مبارک ہو۔ اور سمیرا باجی آپ کی 31 کو شادی ہے آپ کو شادی کی ڈھیر ساری مبارک ہو صدا خوش رہو۔ 12 کو آپ کی سالگرہ "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو" ماریہ خالد آپ کو بھی سالگرہ مبارک ہو۔ جویریہ آپ کو بھی سالگرہ مبارک ہو۔ عروہ 10 کو آپ کی سالگرہ تھی آپ کو بھی مبارک ہو! محسن پاس ہو گئے چلو مٹھائی کھلاؤ تم خوش رہو ہمیشہ طیبہ نذیر ثوبیہ کوثر ماریہ چوہدری جیا آپی آنا حب دعائے سحر نجم انجم عوان اور تمام پڑھنے والوں کو بہت سلام دعاؤں میں یاد رکھیے گا مجھے۔ رب راکھا۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

پیاری کزنز، بہنوں اور اساتذہ کے نام

السلام علیکم! مائی سویٹ سسٹرز امید ہے تم سب خیریت سے ہوں گی تم سب بہت اچھی ہو میرے ساتھ تعاون کرتی ہو۔ مگر مجھے تم لوگوں سے شکایت ہے تم لوگ میرا رسالہ چھپا دیتی ہو اور چوری چوری مجھ سے پہلے پڑھ لیتی ہو مجھے اس بات پر بہت غصہ آتا ہے اور تم لوگ میرا کہنا بھی نہیں مانتیں اور مائی سویٹ کزنز علیشاہ، شیزہ، سدرہ، عالیہ، فائزہ تم سب بہت اچھی ہو۔ خاص طور پر علیشاہ اور فائزہ تو بہت جولی ٹیچر ہیں ہر وقت ہنساتی رہتی ہیں میری دعا ہے یہ ہمیشہ مسکراتی رہیں۔ (ہمارا کیا ہے لوگ انہیں ہی پاگل کہیں گے، ہاہا) عالیہ بے وقوف ہے اور ہر وقت اپنے منگیتر کے خیالوں میں کھوئی رہتی ہے، سدرہ انا پرست ہے، ہمیشہ میرا دل دکھاتی ہے۔ میرے تمام اساتذہ بہت اچھے ہیں خاص طور پر مفتی عبدالغفور قریشی، باجی میمونہ، میڈم حنا، سر راحیل، سر جاوید سب بہت اچھے ہیں۔ اللہ پاک ان کی مشکلات دور فرمائیں اور انہیں دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں نصیب فرمائے اور حج و عمرہ کی سعادت نصیب فرمائے آمین۔

حافظہ عائشہ ستار...... سرگودھا

بادِ صباء کے جھونکوں کے نام

السلام علیکم! فرینڈز کیا حال ہے ڈیئر زینت مکرم، ابرش، اقصیٰ، کنزہ، فوزیہ رانی، شمع مسکان، ثانیہ مغل اینڈ سویٹ شادہ زندگی آپ لوگوں کے بغیر ہم اور ہمارا آنچل بہت اداس ہے پلیز کم بیک خوب صورت فرینڈ امبر اینڈ زرین شفیع کیسی گزر رہی ہے زندگی ہمارے بغیر۔ جاناں جی کن سوچوں میں گم ہیں کشف اینڈ روشنی آپ کیا کرتی ہیں عروسہ ڈیئر آج کل نظر نہیں آ رہی ہو خوبصورت پری آپ اداس کیوں رہتی ہیں۔ لولی فرینڈز عائشہ پرویز اینڈ سمیرا کن فضاؤں میں بستی ہیں۔ لاڈو ملک اینڈ پری چوہدری سدا خوش رہیں۔ ڈیئر بلیو مون آج کل کیا مصروفیات ہیں کبھی یاد کرلیا کرو ارم غزل اینڈ ایمان خوب صورت گلاب کا گل آپ کے لیے مائی پریٹی ڈول حور عین فاطمہ، کومل وفا اینڈ حمیرا عروش مس یو ڈیئر حمیلہ زاہد سویٹی بیٹے

کی مبارک باد۔ ڈیئر سسٹر شائستہ افتخار آپ کو سالگرہ مبارک ہو
۔ پری آپی اپنے پرنس جنجو کا خیال رکھیے گا۔ مجھے مدیحہ کے
ارادے کچھ اچھے نہیں لگ رہے (ہا.....ہا.....ہا) اریبہ شاہ'
کرن شاہ' لیلیٰ شاہ اینڈ تارہ شاہ کیا حال ہے؟ آرزو چوہدری ڈیئر
کبھی ہماری محفل میں بھی آؤ نا' انجم انجم اینڈ تمنا بلوچ سدا خوش
رہو کے ایم الشال شادی کی ڈھیروں مبارک باد' حر کرن بلوچ'
آج کل آپ کہاں ہیں ڈیئر در نجف سیال بالکل ہی بھول گئی
ہو۔ کاجل دی چندا چوہدری عدن ملالہ اسلم زرش بخاری فاخرہ
گل ریناطاہر کومل رباب ڈھیر سارا اسلام آپ کو اور کے دوستوں
خوش رہیں میرے ساتھ بھی میرے بعد بھی۔

رشک حناء ماہ رخ سیال.....سرگودھا

آنچل کی پریوں کے نام' دنیا کی سب سے خوبصورت پری
کا پیغام

السلام علیکم! کیا حال چال ہے جناب؟ ابھی ہمارا کیا
پوچھتے ہیں۔ ہم تو بے حال ہوئے پڑے ہیں آج کل۔ دعا
کیجیے اللہ تعالیٰ صحت عطا فرمائیں (آمین)۔ سب سے پہلے تو
تمام بہنوں کو دعا کی طرف سے نیا سال بہت بہت مبارک
ہو۔ طیبہ نذیر' روبی علی' ملالہ اسلم' مسکان (قصور) تانی
(آکسفورڈ) رشک حنا' حبہ خان' حمیرا عروش' فریدہ فری' انجم
انجم' نورین انجم (ڈھیروں پریاں) تمہاری آنو جانی کی طرف
سے خوش رہو۔ ارم کمال بیٹی کی شادی پر مبارک باد قبول کیجیے
مگر ہم ناراض آپ سے ہیں بھئی انوائٹ جو نہیں کیا ہمیں۔
ساریہ چوہدری' ایس بتول' رشک وفا' نورین شفیع' شاہ زندگی'
جاذبہ عباسی' امبر گل' فریحہ شبیر' دلکش مریم' رانی اسلام' مسز نگہت
غفار' صائمہ سکندر سرمرو' سباس گل' صائمہ قریشی' سیدہ جیا
عباس' شمع مسکان' نزہت جبیں' کرن وفا' حبہ اعوان' جاناں'
ملالہ اسلم سالگرہ وش کرنے کا شکریہ۔ تمنا بلوچ دعاؤں پر مشکور
ہوں۔ فائزہ بھٹی اور جن بہنوں کے نام رہ گئے ہیں سب کو
سلام اور ڈھیروں دعائیں۔ انا احب ویلکم بیک اور غائب
مت ہو جانا پھر سے۔ سامعہ ملک پرویز آپ کے والد کی
وفات کا پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا۔ اللہ انہیں جنت میں جگہ
دیں اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائیں (آمین)۔ سونیا قریشی'
بختاور ناز' فاطمہ نیک' نائلہ رحمان' مسز ناز یہ عابد' سمیرا حیدر'
سائرہ حیدر' ماریہ کنول ماہی مجھے آپ سب کی دوستی دل و جان
سے قبول ہے۔ راشد ترین طویل عرصے بعد غزل کے ہمراہ
دیکھ کر اچھا لگا۔ قدیر رانا بھیا کدھر غائب ہیں۔ اچھی سی شاعری
کے ساتھ واپس آئیے پلیز۔ ثنا صادق آباد ہماری دوستی پکی'
شمائلہ کرن' ہمیں آپ کی دوستی منظور ہے' آتی جاتی رہا
کیجیے۔ پارس (چکوال) دسمبر کے شمارے میں آپ کا خط
میرے نام پڑھا۔ مجھے بہت حیرت ہوئی کہ آپ نے میرا نام
دعا قریشی لکھا کیا میں جان سکتی ہوں کہ آپ کو یہ نام کیسے معلوم
ہوا کیونکہ یہ نام تو میری ڈاکومنٹس پر درج ہے اور صرف اسکول
فیلوز کو ہی معلوم تھا۔ باقی سب تو مجھے دعا ہاشمی اور دعائے سحر
کے نام سے ہی جانتے ہیں۔ خیر آپ کی دوستی قبول
ہے۔ شمائلہ کرن شعر کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ پار زندہ۔
محبت باقی زندگی رہی تو آتی جاتی رہوں گی۔ دعاؤں میں دعا
کو یاد رکھیے گا۔ اللہ حافظ۔

دعائے سحر.....فیصل آباد

پیاری دوست فصیحہ محبوب کے نام

السلام علیکم! فصیحہ 2 کو تمہاری سالگرہ ہے۔ بہت بہت
مبارک ہو اور ایم اے انگلش میں شاندار نمبر لینے پر بھی دل کی
گہرائیوں سے مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ آپ کو یونہی زندگی کے
ہر مقام پر خوشیوں اور کامیابیوں سے نوازے۔ اس دفعہ تمہیں
اپنے جان سے پیارے آنچل کے ذریعے برتھ ڈے وش
کرنے کا سوچا۔ کیسا لگا سرپرائز؟ یقیناً بہت اچھا لگا
ہوگا۔ پیاری دوست ذنیرہ تمہیں بھی سالگرہ بہت مبارک ہو اوہ
اروئی میرا گلا نہ دبا دینا تمہیں تو میں بھول ہی گئی۔ ہیپی برتھ
ڈے ٹو یو سویٹ اروئی۔ فصیحہ اتنا ناراض نہ ہوا کرو تمہیں میرے
جیسا دوست کبھی نہیں ملنا۔ مر گئی تو یاد کرو گی۔ (ہاہاہا)۔ سنا تھا تم
بیمار ہو۔ اللہ تمہیں صحت و تندرستی والی لمبی زندگی عطا
فرمائے۔ اللہ تعالیٰ میرے پیارے آنچل کو ہمارے سروں پر
ہمیشہ قائم رکھے اور پیارے آنچل اور اس میں لکھنے والوں کو اپنی
حفظ و امان میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

میمونہ گل.....میاں چنوں

چند اپنوں کے نام

ہیلو سویٹ سسٹر طیبہ جنوری میں تمہارا برتھ ڈے تھا وش نہیں کر پائی اور فروری میں اب عطیہ مامی کی بھی سالگرہ آ رہی ہے سو اب دونوں کو جنم دن مبارک ہو۔ آنچل کی پریوں کا ذکر نہ کروں یہ کیسے ہو سکتا ہے طیبہ نذیر پروین افضل شاہین ارم کمال شمع مسکان روبی علی ملالہ اسلم سباس گل اور مزید جتنے بھی نام ہیں جو ہر ماہ محفل سجاتے ہیں مجھے سب لوگ بہت اچھے لگتے ہیں میں بھی کبھی کبھار انٹری مار ہی دیتی ہوں۔ تھوڑا سا مجھے بھی یاد رکھنا۔

دیا آفریں...... شاہدرہ

سویٹ فائزہ بھٹی کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے سویٹ ہارٹ؟ میں تو الحمدللہ ٹھیک ٹھاک ہوں ملالٹے تو میں اب بھی چھت پر ہی بیٹھ کر کھاتی ہوں مگر ساتھ ساتھ تمہیں بہت مس کرتی ہوں۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں جو نظروں سے تو دور ہوں مگر دل کے بہت پاس ہوتے ہیں اور تم بھی ان میں سے ایک ہو سویٹی۔ زندگی میں ڈھیروں کامیابیاں سمیٹو اور یونہی ہنستی مسکراتی رہو۔ مجھ پر تو خیر آج کل اداسیوں کا موسم ہے میرا دوستوں جیسا بھائی سعودی عرب چلا گیا ہے جب وہ یہاں تھا تو ہم جی بھر کر شاعری کرتے۔ وہ ہمیشہ میری شاعری پر بہت تنقید کرتا اور میں اور بہتر لکھنے کی کوشش کرتی۔ اللہ میرے بھائی کو لمبی زندگی دے اور ڈھیروں خوشیاں اس کے مقدر میں لکھ دے (آمین) آئی مس یو سوچ مائی ڈیئر برادر! عمرہ ادا کرتے وقت ہمیں بھی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ سبھی بہنیں میرے بھائی کے لیے ضرور دعا کریں پلیز۔ ارم کمال! آپ تو ایور گرین ہیں باتوں سے نٹ کھٹ سی لگتی ہیں۔ پروین افضل آپ کے لیے ڈھیروں دعائیں۔ مدیحہ نورین! بھول گئی ہو؟ طیبہ نذیر اور نورین مسکان کو چاہت بھرا اسلام دعاؤں میں یاد رکھنا۔

مدیحہ کنول سرور...... چشتیاں

دعائے سحر کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو پیاری دعا۔ امید کرتی ہوں آپ اور آپ کے گھر والے بالکل ٹھیک ہوں گے دعا مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے میری دوستی قبول کرلی ہے میں نے اپنا رئیل نام نہیں لکھا اس لیے آپ مجھے خود پہچان کر جواب دیں اگر دوستی دل سے کی ہے تو ضرور پہچان لیں گی۔ اچھا پیاری دعا میں اب آپ کو اپنے بارے میں بتاتی ہوں اس کے بعد آپ مجھے ضرور اپنے بارے میں بتایئے گا۔ میں اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی اور دو بھائی مجھ سے بڑے اور تین چھوٹے ہیں۔ دو بہنوں کی شادی ہو چکی ہے دونوں کے ماشاء اللہ بہت پیارے اور خوب صورت بیٹے ہیں بچے میری کمزوری ہیں مجھے ہر بچہ بہت پیارا لگتا ہے۔ بے حد حساس ہوں کسی کو تکلیف نہیں دے سکتی میری بہنیں ماشاء اللہ بہت اچھی ہیں وہ مجھ سے بے حد پیار کرتی ہیں مگر نہ جانے کیوں میں ان سے کسی کو بھی فرینڈ نہ بنا سکی۔ حالانکہ میرا دل کرتا ہے کہ میں اپنی امی بہنوں کے ساتھ ہر بات شیئر کروں مگر نہ جانے کیوں میں ان سے نہیں کر پاتی۔ سب کہتے ہیں کہ تم سب سے الگ ہو میری سوچ میرے احساسات و جذبات بہت الگ ہیں دعا۔ مرے سب بہن بھائی ایک دوسرے کی شکل دیتے ہیں مگر میں ان میں سے کسی سے نہیں ملتی تمہاری طرح مجھے بھی کتابوں سے عشق ہے جو بھی بک ملے جو بھی رسالہ اخبار ضرور پڑھتی ہوں۔ میرے ابو نے بچوں کا اسلام خواتین کا اسلام عبقری آنچل حجاب علم عمل اور بھی بہت سے رسالے ہر ماہ باقاعدہ لگوا دیئے ہیں ہم متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں کاسٹ ملک ہے۔ مجھے اپنی فیملی سے بے حد پیار ہے میں ایک منٹ ایک پل بھی ان کے بغیر رہنے کا تصور نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ میری بدقسمتی ہے کہ فروری مارچ میں میری شادی ہے ابھی سے سوچ کر پریشان ہوتی ہوں دعا تم میرے لیے دعا کرنا۔ میری خواہش بہت معصومانہ ہیں۔ آسمان کی بلندیوں کو چھو سکوں۔ روڈ پر سائیکل چلا سکوں میری امی ہر روز مجھے چھومے گلے لگائے مجھے اپنے ساتھ سلائے رائٹر بننا ان شاء اللہ بہت جلد آنچل کے صفحات پر دیکھو گی۔ میرا فیورٹ کلر پنک وائٹ اور بلیک ہیں۔ فیورٹ ایکٹرز کاجول اور پریتی زنٹا ہیں۔ پریتی کی مسکراہٹ مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ فیورٹ کرکٹر محمد حفیظ اور عمر اکمل ہیں میں

کرکٹ کی بے حد دیوانی ہوں دعا۔ کیا تمہیں بھی کرکٹ دیکھنا اچھا لگتا ہے؟ میں بھی ہر وقت مسکراتی رہتی ہوں دعا مگر آج کل بہت اداس رہتی ہوں ایسا لگتا ہے موت بہت قریب آ گئی ہے دعا' موت تو اٹل ہے ناں مگر پھر بھی بہت ڈر لگتا ہے موت سے (قل نفس ذائقۃ الموت) دعا میں اپنے رب سے بہت دور ہوں دعا تم میرے لیے دعا کرنا کہ مجھے بھی اپنے رب سے بے حد محبت ہو جائے (آمین) دعا تم تو سراپا دعا ہو۔ محبتوں کی پیکر میں ڈھلی۔ پھر اداسی تمہاری فطرت کیوں' مجھے بہت دکھ ہوگا جب تم اداس رہتی ہو۔ تم میرے لیے بدل جاؤ ناں دعا۔ وہی پہلے والی دعا بن جاؤ جو ہر دم خوش رہتی تھی۔ میں تہہ دل سے تمہارے لیے دعا کروں گی میرا اللہ مجھے پہلی والی دعا لوٹا دے آمین۔ اللہ پاک ہر دم آپ پر اور آپ کے گھر والوں پر اپنی رحمت کا سایہ سلامت رکھے آمین۔ دعا میں ایف ایس سی تھرڈ ایئر میں ہوں۔ میری آپی بہت شدید بیمار ہوگئی تھیں اس لیے پڑھائی چھوڑنی پڑی۔ دعا تم میری آپی کے لیے دعا کرنا کہ وہ ٹھیک ہو جائیں امی ابو بہن بھائی بہت پریشان رہتے ہیں۔ دعا تمہیں پتا ہے میرا بھائی بھی فیصل آباد یونیورسٹی میں DVM ڈاکٹر بن رہا ہے جون میں فارغ ہو جائے گا ان شاء اللہ دعا اچھا تم اپنا بہت خیال رکھنا۔ فی امان اللہ۔

عائشہ' حورین فاطمہ...... طاہر پیر

فزا احمد کے نام

السلام علیکم! فزا کیسی ہو؟ میرے خیال میں تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہوگی۔ تمہاری نانو اور ماما کیسی ہیں؟ تمہیں پتہ ہے فزا کہ تم مجھے بہت یاد آتی ہو اب تو بس چیٹنگ یا پھر فون پر ہی بات ہوتی ہے ہمیں ملے کافی عرصہ ہو گیا ہے چلو کوئی بات نہیں میں تمہارے گھر آ جاؤں گی۔ میرے لیے بس تھوڑا سا کھانا تیار رکھنا' صرف روٹیاں' نان ہوں' قورمہ' چائینز رائس' باربی کیو بھی چلے گا ساتھ۔ سبزی بھی بنا لینا اور سلاد ضرور بنا لینا' میٹھا میں بعد میں ڈیسائیڈ کر کے بتا دوں گی۔ زیادہ اہتمام مت کرلینا اور ہاں رجا نے تمہیں دیکھا بھی نہیں ہوا پھر بھی وہ تمہارے بارے میں میرے ساتھ باتیں کرتی ہے۔ وہ بھی سمجھتی ہے جیسے میں اس کی فزا آپی کی باتیں کر رہی ہوں۔ تم نے بھی تو رجا کو نہیں دیکھا ہوا ناں۔ آنچل میں مجھے نجم انجم اعوان' پروین افضل شاہین' دعائے سحر' عروسہ شہوار' عائشہ پرویز' ارم کمال سارے ہی بہت اچھے لگتے ہیں۔ دعائے سحر اور ارم کمال تو ہمارے ہی شہر کے رہنے والی ہیں ضرور بتایئے گا کہ کس جگہ پر رہتی ہیں آپ دونوں۔ پروین افضل شاہین آپ کافی شرارتی لگتی ہیں' مجھے لگتا تھا کہ ارم کمال میری جتنی ہوگی مگر انہوں نے جب یہ بتایا کہ ان کی بیٹی کی تو شادی بھی ہوگئی ہے تب تو میری آنکھیں ہی باہر آ گئیں مجھے ابھی بھی یہ ہی لگتا ہے کہ آپ چھوٹی سی ہیں۔ ہیلو خضراء' ماہین' عائشہ طاہر' مہک' دعا اور باقی سب فرینڈز تم لوگ تو مجھے بھول ہی گئے ہو مگر میں ابھی تک کسی کو نہیں بھلا پائی او کے پھر ملتے ہیں کچھ دن کی بریک کے بعد اللہ حافظ۔

ملونیہ چوہدری...... حنا بان کالونی فیصل آباد

تسلیم شہزادی کمالیہ' اسلام پورہ کے نام اور آنچل دوستوں کے نام

تیرے لبوں کا تبسم سدا رہے قائم
یہی ہے دعا میری' تیری زندگی کے لیے

السلام علیکم! کیسی ہو بہنا۔ امید ہے آپ بالکل ٹھیک ہوں گی۔ بہنا میں نے آپ کا پیغام پڑھا تھا (دوست کا پیغام آئے) میں۔ دوستی کی آفر کی ہے آپ نے۔ بہنا آنچل کے توسط سے ہم سب ایک دوسرے کی فرینڈز ہی تو ہیں۔ اور ایک دوسرے سے بہت ہی قریب ہیں کیونکہ ہمارا آنچل ہم کو بہت ہی پیارا ہے اور اس سے جڑی ہماری دوستیں بھی بہت پیاری ہیں۔ آج سے ہم پکی فرینڈز ہیں۔ اب خوش! آپ سمجھو ہماری دوستی کا رشتہ مضبوط بن گیا ہے اور رہی بہت سی باتیں کرنے والی بات۔ تو آنچل کے ذریعے تم مجھ سے بہت سی باتیں کر لیا کرو۔ جب تک ہماری ملاقات نہیں ہوتی۔ دل تو میرا بھی بہت کرتا ہے کہ اپنی آنچل فرینڈز سے ملوں ان کو دیکھوں۔ خیر جب خدا پاک ملائیں گے تو ہر خواہش پوری ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ اپنا بہت خیال رکھنا۔ سدا خوش رہو۔ تمام آنچل فرینڈز کو بہت بہت دعا سلام۔ خاص کر ایس انمول

اور میری پیاری سی بہن صنفی کو ڈھیروں دعائیں اور سلام۔ خدا پاک صفی کو بہت سی خوشیاں دے اور ان کی ہر مراد پوری کرے۔ آمین او کے بہنا خدا حافظ۔

شمع فیاض...... بستی بزدار

اپنی پیاری ٹیچرز کے نام

السلام علیکم! امید واثق ہے کہ آنچل پڑھنے والے تمام لوگ خیریت سے ہیں اور ہمیں یاد بھی کرتے ہوں گے مس غزالہ جی آپ کیسی ہیں یقیناً حیران ہو رہی ہوں گی۔ تو مس جی ہم آپ کو بھولے نہیں ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی بیٹی کو علیحہ! کو ڈھیر ساری خوشیوں اور کامیابیوں سے نوازے۔ مس سعیدہ جی آپ کو کیسے بھول سکتے ہیں۔ اللہ جی آپ کی مشکلات دور کرے اور بہت سی خوشیاں دے۔ آپ دونوں ٹیچرز سے ہمیں بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ جو ہماری زندگی میں ہمارے بہت کام آ رہا ہے میری باجیوں آپیوں کو بھی بہت سلام۔ آنچل پڑھنے والی تمام گرلز کو بہت بہت سلام۔ اچھا جی اب اجازت دیں۔

پری...... طور جہلم

آنچل فرینڈز کے نام

آل ریڈرز رائٹرز اینڈ فرینڈز آنچل ٹیم السلام علیکم! ساجدہ مشتاق میڈم صاحبہ جی ہیپی اینڈ بیسٹ آف لک۔ پاکیزہ علی ہماری فرینڈ لسٹ میں شامل ہو جاؤں شاہ زندگی' اللہ آپ کی زندگی کو خوشیوں مسرتوں سے بھر دے۔ زینت مکرم اینڈ آمبرش تاثیر مجھے اپنی فرینڈز لسٹ میں شامل کرلو۔ ارشاد سندھو کالونی اوکاڑہ۔ سلام جی سنایئے کیا حال ہے بھول ہی گئی ہو تمہیں ڈریس ڈیزائنر بننا تھا اللہ کرے جب ہماری ملاقات ہو تو تمہارا اپنا بوتیک ہو کیونکہ تمہیں پتہ ہے نا کہ میرا وہ اسپیشل ڈریس تم نے بنانا ہے سونیہ نواز سچ تم سے ملنے کو بڑا دل کرتا ہے نہ جانے کب ملاقات ہوگی۔ بینش رائے کیسی ہو یار! پوری کائنات میں سب سے بہترین دوست۔ بہن بیٹی راز دار اور بہترین لڑکی ہو' اللہ تجھے اور تیری فیملی کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ عیشل عاصمہ شاہ' حنا مقدس بے وفا تم لوگوں سے زیادہ بے وفا کڑیاں میں نے نہیں دیکھیں' فون ہی کرلیا کرو۔ عاصمہ کالج میں ایڈمیشن کیا لیا تم تو بڑی مغرور ہوگئی ہو۔ اپیا کیسی ہو مبارک ہو اللہ آپ کو اتنی زیادہ خوشیاں دے کہ کبھی بھی غم کو آپ تک آنے کی راہ نہ ملے' اپیا پلیز میرے لیے دعا کرنا' آئی لو یو سوچ' ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد وہ دن آئے گا جس کا ہم دونوں کو انتظار ہے۔ فاطمہ آپی کیا حال ہے میں آپ لوگوں کو بہت مس کرتی ہوں' شانزے پلیز اپنی ناراضگی ختم کردو یار ایک بار میری بات سن کر تو دیکھو بدگمانی گناہ ہے جو بات تمہارے مائنڈ میں ہے وہ غلط ہے' اللہ تجھے کامیابی دے اللہ کرے وہ دن جلد آئے جب تو میری محبت کو مان لے' آئی ایم سوری اینڈ لو یو سوچ۔

لاریب انشال...... اوکاڑہ

سویٹ دل والے گروپ کے نام

دل ویران ہے تیری یاد ہے تنہائی ہے سلام محبت...... کیسی ہیں آپ سب فرینڈز؟ میں ان تمام فرینڈز کو تھنک یو...... ارے نہیں فرینڈشپ میں تو سوری تو تھینکس یا...... بلکہ تمام نیو فرینڈز کی فرینڈشپ کو بہت محبت و خلوص سے ایکسپٹ کرتی ہوں اور بہت خوشی ہوتی ہے ان کے لفظوں میں اپنے لیے محبت دیکھ کر۔ اب پرانی دوست تو خواب ہوتی جا رہی ہیں اب سویٹ دل والے گروپ کا نام آنچل کے صفحات پر میں متلاشی ہی رہتی ہوں۔ پلیز لوٹ آؤ نا......! نورین شفیع تم بہت پیاری دوست ہو (میری) روبی علی تم اب مجھے کبھی نہیں بھولنا۔ پارس شاہ میرے میسج شائع نہیں ہوتے بھولنے کا سوال ہی نہیں۔ طیبہ نذیر جو اکثر مجھے بھول جاتی ہے ملالہ اسلم' ماریہ کنول ماہی تھینکس یاد کرنے کے لیے۔ منزہ حیدر' نورین شاہد' ماہ رخ' طیبہ فضل' امبر گل' جیا عباس' فریحہ شبیر' مہر گل' دعا گل' قرۃ العین' صائمہ عمرین' آنسہ شبیر' آئیشہ خان' کومل رباب افضل' نادیہ یاسمین' فاخرہ گل' فاخرہ ایمان' ایس انمول' کائنات عابد دوستی کرنے کے بعد ایک بار بھی میسج نہیں کیا میرے لیے سویٹی کیسی دوستی کی یہ مسکان قصور' ثوبیہ کوثر' پلوشہ گل' ایس بتول شاہ' پلیز یار آپ سب کہاں غائب ہیں آپ سب کی شمع آپ سب کو بہت مس کرتی ہے۔ شاہ زندگی' صبا کے ایس' یار عید کا چاند ہوگئیں تم تو صبا پلیز ایک بار تو انٹری دے دو آنچل میں پلیز...... میری لائف کے اسٹیج پر میرا اپلے رول ٹریجڈی موڑ پر

ہے جہاں مجھے آپ سب کی دعاؤں کی بہت ضرورت ہے پلیز دعاؤں میں یاد رکھیں۔(رب راکھا)

شمع مسکان......جام پور

تمام آنچل قارئین کے نام

السلام علیکم! نزہت جبیں ضیاء آپ کے شوہر کو اللہ تعالیٰ صحت تندرستی عطا فرمائیں گزشتہ آنچل میں کسی بہن نے اپنی دوست کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ آنچل کی خاموش قاری تھی فوت ہوگئی ہے تو اس کی مغفرت کے لیے دعا گو ہوں اللہ تعالیٰ اسے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے آمین۔ارم کمال نے تو بھلا دیا اوکے ارم بیٹی کی شادی بہت بہت مبارک باد اور نادیہ فاطمہ رضوی آپ کو بھی دونوں کے لیے بہت سی دعائیں۔عابدہ یار کہاں گم ہو (کبھی تو وقت نکال لیا کرو)۔نجم انجم جنوری والی شاعری زبردست تھی۔چندا دھوری فریدہ جاوید اچھی شاعری کرتی ہیں۔حرا قریشی آدھی روٹی متاثر کن تھی یقیناً بہت آگے جاؤ گی ان شاء اللہ۔اینڈ مونا قریشی سیم ٹو یو۔فریدہ جاوید پروین افضل کے لیے آپ کے الفاظ اوف لطف آ گیا یقیناً پروین افضل کو بھی آیا ہوگا۔اور انیلہ سخاوت گل اُحمر نورین انجم طیبہ نذیر جازیہ عباسی عائشہ پرویز شائستہ جٹ عقیلہ رضی کرن ملک ثمر عباس بلبلی شاہ تحفظی فرید کوثر ناز انا احب دعائے سحر لاڈو ملک حمیرا نوشین مہر مہ بٹ صائمہ ملک پرویز فصیحہ آصف خان شمع مسکان زویا خان بنگش سنبل ملک آصفہ اسلم شبانہ شوکت ماہ رخ سیال رشک حنا (تم دونوں آپس میں کیا لگتی ہو۔) اینڈ نور الہدیٰ سب کو میرا سلام ہمیشہ خوش رہو اور گزارش ہے کہ انیتا پارف کے لیے دعا کیجیے گا ایک بائیک والے نے ٹکر ماری جس کی وجہ سے وہ کالج گرل 12 دن سے آئی سی یو میں ہے کیا پتہ ہم سب میں سے کسی کی دعا قبول ہوجائے۔

لائبہ میر......حمزہ

سب سے پیاری ہما آپی

کیسی ہیں آنچل والیاں! ہمارے پاس الفاظ نہیں ہے آپ کے شکریہ ادا کرنے کے لیے ڈیئر۔اپنا نام دیکھ کر آنچل میں بہت زیادہ خوشی ہوئی ہماری تو خوشی سے چیخ ہی نکل گئی اور ڈیئر سسٹر کی تو جان ہی نکل گئی خیر بحث بھی ہوگئی صبح کا بے چینی سے انتظار کیا تو صبح ہوتے ہی سب سے پہلے اکیڈمی جا پہنچے سب دیکھ کر ہمارا نام بہت خوش ہوئیں اور اپنا نام لکھ کر شائع کروانے کا کہا۔لو فیر حاضر آں اقراء رفیق (حسن پری) فائزہ انجم نادیہ ارشاد انجم (چنگی توپ) نسرین یاسرہ نصیب لوجی ثناء تو رہ ہی گئی ثناء ہماری کلاس کی شرارتی گڑیا سب سے کہنا ہے کہ یار چار دن کی زندگی ہے اس میں خلوص پیدا کرو اپنی مزاج کی گرمی کو ختم کرو بقول سر اپنے رویے میں لچک پیدا کرو یارو ان کو یادگار دن بناؤ آپ میں سے کسی نے بھی کسی کو خلوص دل سے دوست نہیں مانا لو ہوگئی غصے سب ارے یہی تو بڑی بات ہے جلد ہی موسم بدل دیتیں ہیں ارے یار یہ کیسے ہوسکتا ہے جہاں دوستوں کا ذکر آئے ہم تیرا نام بھول جائے ایسا مر کے بھی نہیں ہوگا۔ڈیئر رفعت یار بڑا یاد آتی ہو ایسا تو کوئی اپنے عاشق کو بھی یاد نہیں کرتا رفعت قسم سے بہت یاد آتی ہو اور پلیز کال کرلیا کرو ہمارا تو آپ کو پتہ ہی ہے ایک درخواست ہمارا ساتھ بھی نہ چھوڑنا یار پلیز اب ذکر کرتے ہیں اپنے اساتذہ کا جن کے دم سے دنیا میں چمک ہے اور علم بھی شمع جیسی نصیب والے جلاتے ہیں جیسے ہمارے محترم استاد سر اسلم بٹ صاحب جو ایک روشن تارا اور بلکہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن۔ہم جتنا بھی قسمت پر ناز کریں کم ہے ہم بڑے خوش قسمت ہیں جن کو محترم سر اسلم جیسے استاد نصیب ہوئے اللہ تعالیٰ ان کو ہر بلا سے دور رکھے آمین۔مس آفتاب مس ثمینہ پروین مس ثریا ایوب گورنمنٹ گرلز ہائیر سیکنڈری اسکول گگو اور مس سمیرا مس ندا مس طاہرہ صفہ کالج گگو بہت بڑا احسان ہے آپ سب کا آپ کی بدولت دامن روشن ہوا ہے اللہ آپ سب کو ہر مشکل سے دور اور صحت و تندرستی عطا کریں سر اسلم بٹ صاحب کے لیے تو الفاظ بھی نہیں ہے ان کی تعریف بیان کرسکے اور ہم بدنصیب جو ان کو پریشان کرتے رہتے ہیں پلیز سر ہمیں معاف کردے ہم پوری کوشش کرتے ہیں کہ سارے کام مکمل یاد ہو لیکن سب سے زیادہ نالائق شاگرد ہیں پھر بھی غلطی ہوجاتی ہے سر معاف کردیں اللہ تعالیٰ سب کو خوش رکھے ڈھروں خوشیاں دیں آنچل آسمان پر چمکنے والے سارا ہے جو کبھی بھی مدھم نہیں ہوگا اللہ اس کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی

دے (آمین) کوئی بات بری لگے کسی کو بھی تو معافی کے طلب گار ہیں آپ سب کی دوست اینڈ شاگرد

فقط اقصیٰ شوکت...... گگو منڈی

اسٹار کرکٹر شعیب ملک کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ۔ یکم فروری کو آپ کی 34 سالگرہ ہے میری جانب سے سالگرہ کی بے حد مبارک باد منی منی ہپی برتھ ڈے خدا پاک آپ کو آپ کی بہت ساری برتھ ڈیز سیلیبریٹ کرنا نصیب فرمائے دل کی پوری خوشی اور اطمینان کے ساتھ (آمین) PSL اور T20 ورلڈ کپ کے لیے ڈھیر ساری بیسٹ وشز۔ خدا آپ کو زندگی میں ہر قدم پر کامیابی نصیب کرے۔ بے حد خوشیاں دے اور آپ اسی طرح مکمل فارم اور فٹنس کے ساتھ ملک کی کامیابی میں اپنا کردار ادا کرتے رہیں (آمین) اللہ حافظ۔

ثانیہ مسکان...... تحصیل گوجر خان

لائبہ میر اور چھوٹی چھوٹی پریوں کے نام

دعا کی بچی دال دال چچی ناراض ہو اپنی خالہ سے اچھا ٹھیک ہے اب نہیں کہوں گی تمہیں دال دال چچی۔ مما کو تنگ نہ کیا کرو اور مانی کا بھی خیال رکھا کرو۔ لائبہ میر تم نے میری دوستی کی آفر کو قبول کیا۔ ٹھیک ہے اب سے ہم پکے دوست بن گئے ہیں۔ باقی سب آنچل پریوں کو سلام۔

انیلہ سخاوت...... میانوالی

دل میں بسنے والی سہیلیوں کے نام

السلام علیکم! جی میری پیاری پیاری دوستوں کیا حال چال ہیں آپ کے؟ ارے کیٹو سی لڑکیوں عائشہ جاوید طیبہ مبارک سندس صائمہ نواز زرنین علی امہ عماریہ آمنہ امین آمنہ ظفر اور رابعہ خان کیسی ہو آپ سب؟ ارے یار یہ حیرت کیسی مجھے نہیں پہچانا تو سنیں آپ کا جانا پہچانا ہمارا نام سلمیٰ عنایت۔ عائشہ پلیز تھوڑا سا مسکرا دو امہ عماریہ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا نہ کہ میں آپ کا نام آنچل میں دوں گی۔ اب مزے کرو آپ کا نام مشہور ہو گیا ارے میری پیاری سہیلیوں اپنے حیرت سے کھلے منہ بند کرو اچھا نہیں لگتا۔ لیڈی ڈیانا! کیسی ہو آپ؟ کنزہ نوشین آپ سے مخاطب ہوں پراکٹر پارٹی آپ کیوں گم سم ہو سارہ فرید! تم سناؤ کیسی ہو؟ ٹھیک ہو گی میری دعاؤں سے۔ اسمہ جی! آپ کیوں چپ چاپ کھڑی ہو؟ میں سمجھ گئی آج آپ مجھے خاموش نہیں کرا سکتیں آپ بھی یقیناً ٹھیک ہوں گی۔ ارے ارم فردوس! آپ کیا مجھی میں آپ کو بھول گئی نہ جی نہ کیا آپ کو میں موٹے دماغ والی لگتی ہوں۔ مصباح آمنہ اور سندس سندر لڑکیوں تم سناؤ کیسی ہو؟ یوں کن اکھیوں سے نہ دیکھو ربیعہ رفیق! آپ کیا کر رہی ہو؟ آپ کو کون بھول سکتا ہے۔ فائزہ مصباح اینڈ جویریہ سدرہ زینب آپ سب کیسی ہو؟ نائلہ اسلام آباد تم سناؤ کیسی ہو؟ آپ کی بھی شادی ہونے والی ہے دعا ہے کہ اللہ آپ کو خوش رکھے آمین۔ ایمن جمیل! آپ کا منہ کیوں بنا ہوا ہے؟ بے وفا کہیں کی میں میسج نہ کروں تو خود کون سا کرتی ہو؟ مائنڈ نہ کرنا جی تنگ کرنا پرانی عادت ہے۔ سناؤ کیا حال چال ہیں؟ زوبیہ اینڈ شمائلہ کو پیار بھرا اسلام۔ میری پیاری سہیلیوں آپ کیا سمجھیں کہ ہر بار کی طرح اس بار بھی میں آپ کو بتاؤں گی کہ میری لائف میں آپ کی کیا اہمیت ہے نہیں جناب! اس بار ایسا کچھ نہیں کہوں گی بلکہ اس بار آپ کو میں باور کرواؤں گی کہ آپ کی لائف میں، میں خدا کی طرف سے عطا کردہ ایک انمول تحفہ ہوں۔ اس لیے میری قدر کرو کیونکہ میری جیسی دوستیں قسمت والوں کو ملتی ہیں ہاہاہا۔ کیوٹ فرینڈز! کالج کے بس چند دن باقی ہیں پھر ہم سب جدا ہو جائیں گے اس لیے ان چند دنوں کو خوب صورت بناؤ (میرے ساتھ رہ کر ہاہاہا)۔ یہ دن بعد میں بہت یاد آئیں گے ڈیئر! یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اپنی فرینڈز کو کوئی دعا نہ دوں سیریسلی! مجھے آپ سب بہت اچھی لگتی ہو۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش و خرم رکھے اور دنیا و آخرت کی کامیابیاں نصیب فرمائے آمین۔ میری تمام کلاس فیلوز جن کے نام میں نہ لکھ سکی اللہ تعالیٰ ان کو بھی سدا خوش رکھے اور کامیابیاں نصیب فرمائے آمین او کے جی اللہ حافظ۔

dkp@aanchal.com.pk

یادگار لمحے

جویریہ سالک

محبت

بہاریں
لوٹ آنے تک
بہت سے زخم ملتے ہیں
کہیں دو دل جو ملتے ہیں
بہاریں مسکراتی ہیں
"محبت دل کا سجدہ ہے"
یہی نغمہ سناتی ہیں

سباس گل......رحیم یار خان

سچ

ہماری خوش قسمتی یہ ہے کہ ہم اللہ کو ایک مانتے ہیں لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم اللہ کی ایک نہیں مانتے۔

ام حمنہ......کوٹ مومن

کسی نے مجھ سے پوچھا "صنم! تمہارا اپنا کون ہے؟"
ایک پل کی خاموشی کے بعد میرا جواب تھا
"جو کسی اور کے لیے مجھے نظر انداز نہ کرے۔"

شہزادی شاہانہ......نواب شاہ سندھ

دوستی اور محبت میں فرق

محبت کرنے والے کہتے ہیں
تمہیں کچھ ہوگیا تو میں جی نہیں پاؤں گا
دوستی کرنے والے کہتے ہیں
ارے واہ پاگل میرے ہوتے ہوئے تمہیں کچھ نہیں ہوگا

تہمینہ ظفر اینڈ حسینہ ایچ ایس......مانسہرہ

غصہ

اس شخص کو کبھی غلط مت سمجھیں جو آپ پر غصہ کرے کیونکہ غصہ پیار ظاہر کرنے کا آسان ترین اور بچکانہ راستہ ہوتا ہے۔

زرقا جرال......گجرات

پاکیزہ جذبے

جب تم کسی کو نظر انداز کرو اور وہ تمہیں اس کے بدلے وفا دے تو جان لو کہ وہ تمہیں خود سے زیادہ اہمیت دیتا ہے اور تم سے سچی محبت کرتا ہے۔

ایس اے صنم......

زندگی

کتنی مشکل ہے یہ زندگی
کبھی کٹتی نہیں تو
کبھی رکتی نہیں یہ زندگی
کبھی محبت ہے تو کبھی
نفرت ہے یہ زندگی
کبھی رُلاتی ہے تو
کبھی ہنساتی ہے یہ زندگی
کبھی زندگی "زندگی" ہے تو
کبھی موت ہے یہ زندگی
کتنی مشکل ہے یہ زندگی

عائشہ نور عاشا......گجرات

انمول موتی

❁ دل ایک آئینہ ہے اگر بدی سے پاک ہو تو خدا بھی نظر آتا ہے۔
❁ محبت اگر بے وفا ہو جائے تو آنسو مقدر بن جاتے ہیں۔
❁ گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے مگر گناہ سے بچنا واجب تر ہے۔
❁ موت کے درد کا ایک قطرہ اگر دنیا کے پہاڑوں پر رکھ دیا جائے تو وہ پگھل جائیں۔
❁ انسان کو اس گلاب کے پھول کی مانند ہو جانا چاہیے جو ان ہاتھوں میں بھی خوشبو دیتا ہے جو اسے مسل دیتے ہیں۔
❁ احسان جتانے سے احسان کی قدر جاتی رہتی ہے۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

دولت

دولت کا انبار کھاد اور کوڑے کے ڈھیر کی مانند ہے جس کے پاس یہ ڈھیر جمع رہتا ہے اس کے وجود سے اس کے گردونواح اور اس کی سانسوں سے بدبو کے بھپکے آتے رہتے ہیں لیکن جونہی کھاد کا یہ ڈھیر دور دور بکھیر دیا جاتا ہے اور آسمانوں سے اس پر شبنم کا نزول ہوتا ہے تو اس میں سے خوشبودار پھول پیدا ہوتے ہیں جن کی خوشبوؤں سے ساری کائنات مہکنے لگتی ہے۔

اقتباس...... اشفاق احمد "شہر آرزو"

تہمینہ خان ہنی...... ٹوپی

دوستی

دوستی دلوں کے درمیان مضبوط راستہ ہے
سمجھو! تو اک محفوظ راستہ ہے
مانو تو عشق کی انتہا ہے
پرکھو تو دل ہی کی صورت ایک دلبر ہے
لیکن
جو نہ سمجھو نہ مانو اور نہ پرکھو تو
دوستی
محض دل کا زیاں ہے

شگفتہ خان...... بھلوال

شہدائے پشاور کے نام

وہ بھی دور تھا
جب
کوئی بربریت کو روتا تھا
کوئی جمہوریت کو روتا تھا
یہ بھی قیامت ہے کہ
اب ہر کوئی پشاور کی معصوم
کلیوں کو روتا ہے
اور......
بے تحاشہ روتا ہے

اقراء لیاقت...... حافظ آباد

خوب صورت باتیں

❖ جو ایمان ہمیں گھر سے مسجد تک نہیں لے جاسکتا وہ ایمان ہمیں قبر سے جنت تک کیسے لے جاسکتا ہے۔

❖ اپنے جسم کو ضرورت سے زیادہ مت سنوارو اسے تو مٹی میں مل جانا ہے سنوارنا ہے تو اپنی روح کو سنوارو کیونکہ اسے اپنے رب کے پاس جانا ہے۔

❖ نماز جو ہم پر فرض کردی گئی ہے اسے پابندی سے ادا کرو اس سے پہلے کہ تمہاری نماز پڑھی جائے۔

❖ خوف سے تنہائی میں رونے کے سوا کوئی بھی چیز اللہ کی ناراضگی کو مٹا نہیں سکتی۔

❖ اپنی زندگی میں ہم جتنے دل راضی کرلیں اتنے ہی ہماری قبر میں چراغ چلیں گے۔

نجم انجم...... کورنگی کراچی

بڑی باتیں

❖ خدا اگر ہمارے مقدر میں پتھریلے راستے لکھتا ہے تو ہمیں مضبوط جوتے بھی بخشتا ہے۔

❖ ہر مشکل انسان کا امتحان لینے کے لیے آتی ہے۔

❖ دل ایک آئینہ ہے اگر وہ بدی سے پاک ہے تو اس میں خدا بھی نظر آتا ہے۔

❖ اپنے خیالات کو اپنی جیل نہ بناؤ۔

❖ اگر غلطیوں کو روکنے کے لیے دروازے بند کردو گے تو سچ بھی باہر رہ جائے گا۔

❖ بہت زیادہ کھا کر بیمار ہونے والوں کی تعداد بھی اتنی ہی ہے جتنی فاقہ سے بیمار ہوتے والوں کی۔

❖ محبت ایک نورانی کلمہ ہے جسے ہاتھ نے نورانی کاغذ پر لکھا ہے۔

❖ دوست نما دشمن سب سے خطرناک ہے۔

❖ خود پسندی سب سے بڑی تنہائی ہے۔

❖ جب دعا سے بات نہ بنے تو فیصلہ اللہ پر چھوڑ دو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بارے میں بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

ماریہ کنول ماہی...... چک درکاں

زندگی

زندگی وقت کھاتی ہے، زمانے نگل جاتی ہے، کبھی کبھی صدیاں ہڑپ کر جاتی ہے اور ٹس سے مس نہیں ہوتی اور کبھی کبھی ایک لمحے میں کئی انقلابات برپا کردیتی ہے۔
اگر زندگی کو محبت کہہ لیا جائے تو نفرت بھی تو زندگی ہے بلکہ نفرت زیادہ زندہ ہے اور زندگی کو متحرک رکھتی ہے۔
اقتباس: قطرہ قطرہ قلزم (واصف علی واصف)
مونا شاہ قریشی......کبیر والہ

انمول موتی

⌘ گناہ ناسور ہے اگر ترک نہ کرو گے تو بڑھتا جائے گا۔
⌘ ظالموں کے ساتھ رہنا خود ایک ظلم ہے۔
⌘ نیکی اور بدی کے درمیان اتنی باریک لکیر ہے جو نظر نہیں آتی۔
⌘ اطمینان سب سے بڑا سکھ اور بے اطمینانی سب سے بڑا دکھ ہے۔
⌘ محبت کی زبان مسکراہٹ ہے۔
⌘ محبت ایک مٹھاس ہے جو بار بار نہیں ہوتی۔
⌘ ہر شخص سچا دوست تلاش کرتا ہے لیکن خود سچا دوست بننے کی کوشش نہیں کرتا۔
⌘ مصیبت میں گھبرانا سب سے بڑی مصیبت ہے۔
⌘ ضرورت اس امر کو کہتے ہیں جس کو پورا کیے بغیر جینا مشکل ہو اور خواہش وہ ہوتی ہے جس کو پورا کرتے کرتے جینا مشکل ہوجائے۔
⌘ یہ کہانی ایک فرد کی نہیں ہے بلکہ اس پورے معاشرے کی ہے جہاں بڑی بڑی باتیں بھلادی جاتی ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتیں یاد رکھی جاتی ہیں۔
⌘ زندگی میں انسان کی ناکامی پر زیادہ غور نہ کرو کیونکہ بہت سے انسان اس وجہ سے بھی ناکام رہ جاتے ہیں کہ وہ دیانتداری کا خیال زیادہ رکھتے ہیں۔
رابعہ چوہدری......فیصل آباد

طب نبوی ﷺ

○ جو لوگ کھانے سے پہلے تھوڑا سا نمک چکھ لیں تو وہ لوگ تیس قسم کی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔
○ کھجور کو ناشتے میں استعمال کرو تا کہ تمہارے اندرونی امراض کا خاتمہ ہو۔
○ غم کا شکار ہو تو کھیر کھا لیا کرو۔
○ آنکھ کا دکھنا اندھے رہنے سے محفوظ رکھتا ہے۔
○ کھانسی کے ہونے سے فالج سے حفاظت رہتی ہے۔
سائرہ خان......محمد پور دیوان

موتی مالا

✦ رب سے محبت اور انسان سے محبت میں یہ فرق ہے کہ انسان سے محبت آپ کی سب سے بڑی کمزوری اور رب سے محبت آپ کی سب سے بڑی طاقت بن جاتی ہے۔
✦ اپنے متعلق کوئی بری بات نہ کہو آپ کے رشتہ دار اس موضوع پر بحث کرنے کے لیے کافی ہیں۔
✦ جب انسان اللہ سے دور ہوجائے تو سکون اس سے دور ہوجاتا ہے اور اس کی جگہ خوف اور اندیشہ مسلط کردیا جاتا ہے۔
مشی خان......بھیر کنڈ

اچھی باتیں

❁ لڑکیاں رزق کی طرح ہوتی ہیں اپنی ہوں تو ہمیشہ خوشی اور شکر کی نگاہ ڈالو لفظوں سے مت کہو نگاہوں اور دل سے ان کی سلامتی چاہو۔
❁ دوسروں کی ہوں تو نگاہیں جھکالو بات کرو تو کوئی گدلا خیال دل اور نگاہوں کو آلودہ نہ کرے۔ تمہارا ہونا تحفظ کا احساس دلائے نا کہ سامنے والے کو اپنی عزت کی پڑ جائے۔
❁ خوابوں کی بیل کو اتنا اونچا مت چڑھنے دو کہ جب پھل اتارنے کا وقت آئے تو تمہارے ہاتھ اس تک نہ پہنچ سکیں۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

انمول موتی

- تلخ رویے دلوں میں نفرت پیدا کرتے ہیں۔
- اگر تمہاری محبت سے کی گئی بات سے دوسرا خوش ہوتا ہے تو تم دعا گو ہو۔
- اپنے عمل درست کرو اعمال خود درست ہو جائیں گے۔
- دنیا ایک دلدل ہے اس میں جتنا اترو گے اتنا ہی نیچے جاؤ گے۔
- "میں" کا لفظ زندگی سے نکالو کامیاب رہو گے۔
- دوسروں کے لیے جینا سیکھو۔
- دوسروں کی قدر کرو تمہاری قدر خود بخود ہوگی۔
- محبت کرو اور محبت پھیلاؤ دنیا میں پھر ہر طرف محبت ہی ہوگی۔
- غریبوں کا حق نہ چھینو ہو سکے تو ان کی مدد کرو۔ اچھی بات بھی صدقہ جاریہ ہے۔

سمیہ کنول...... بھیر کنڈ، مانسہرہ

آزاد لب

صرف وہی شخص کاہل نہیں جو کچھ نہ کرے بلکہ وہ شخص بھی کاہل ہے جو بہتر کام کر سکتا ہو لیکن نہ کرے کیونکہ خدا ہر طائر کو رزق دیتا ہے لیکن اس کے گھونسلے میں نہیں ڈالتا۔

ہر ناکامی اپنے دامن میں کامرانی کے پھول لیے ہوئے ہوتی ہے، شرطیہ ہے کہ ہم کانٹوں میں نہ الجھ جائیں۔

جس طرح بارش کا پہلا قطرہ موسلا دھار بارش کی آمد کا سبب بنتا ہے اسی طرح کسی بھی اچھے کام کرے لیے یقین کے ساتھ اٹھایا جانے والا قدم آپ کو کامیابی کی منزل کی طرف لے جاتا ہے۔

خیال رکھیے گا ان لوگوں کا جنہوں نے آپ کی جیت کے راستے میں اپنا بہت کچھ ہار دیا اور یاد رکھیے اس ذات پاک کو جس نے آپ کے لیے آپ سے بڑھ کر سوچا اور آپ کی سوچوں سے بڑھ کر آپ کو نوازا ہے۔

کرن شہزادی...... مانسہرہ

خوب صورت بات

زندگی کے کسی بھی موڑ پر اگر مجھے بُرا پاؤ

تو

دنیا کو بتانے سے پہلے ایک بار مجھے ضرور بتانا

کیونکہ

وہ برائی میں نے ختم کرنی ہے دنیا نے نہیں۔

اقراء ماریہ...... برنالی

سنہری باتیں

- ❖ کچھ لوگ گھروں کی طرح ہوتے ہیں کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں دل ان کی روح میں سمٹ جانے کو بے چین رہتا ہے۔
- ❖ انسان کو انسان دھوکہ نہیں دیتا بلکہ انسان کو توقعات دھوکہ دیتی ہیں جو ہم اگلے سے وابستہ کر لیتے ہیں۔
- ❖ کسی سے اتنا مت روٹھیں کہ اگلا مناتے مناتے تھک کر خود ہی روٹھ جائے۔

ساریہ چوہدری...... ڈوگہ گجرات

جذبہ خدمت

جنگل میں چوہے نے ایک چیونٹی کو دوڑتے ہوئے دیکھا تو پوچھا۔

"کیا ہوا؟ اتنی جلدی میں کیوں ہو؟"

چیونٹی نے جواب دیا۔ "ہاتھی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اسے خون دینے ہسپتال جا رہی ہوں۔"

ارم کمال...... فیصل آباد

سنہری حروف

- ☐ فضول باتیں بے فائدہ کام اور فضول مشاغل سے بچ کر رہنے ہی میں عافیت ہے۔
- ☐ ظرف وسیع ہو تو تعلق کو موت نہیں آتی۔
- ☐ لالچ سے ذلت اور پرہیز گاری سے عزت حاصل ہوتی ہے جو دو گے وہی لوٹ کے واپس آئے گا عزت ہو یا دھوکہ۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

محبت کا دعویٰ

ایک کنیز آدھی رات کو کھڑی دعا کررہی تھی۔

"اے اللہ اس محبت کے صدقے جو تجھ کو مجھ سے ہے میری دعا قبول کرلے اور میرے گناہ معاف کردے۔"

مالک کی آنکھ کھل گئی' کہنے لگا "تُو کیسے یہ دعویٰ کررہی ہے کہ اللہ تجھ سے محبت کرتا ہے؟"

اس نے کہا "اگر اللہ مجھ سے محبت نہ کرتا تو مجھے رات کو نماز پڑھنے کی توفیق نہ دیتا اور میں بھی تیزی طرح سورہی ہوتی۔"

رشک حنا..... سرگودھا

دعا

حضرت عثمان غنیؓ نے اللہ رب العزت سے دعا کہ "اے اللہ! تُو نے مجھے اتنا دیا ہے کہ اب مزید مال کی طلب نہیں۔" اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بذریعہ وحی فرمایا۔

"عثمانؓ! سے کہہ دیجیے کہ وہ میری راہ میں خرچ کرنا چھوڑ دے میں اسے دینا چھوڑ دوں گا۔" سبحان اللہ۔

فضہ یونس..... گنگاپور

قول

ایک دانا کا قول ہے:۔

"دوست کے ساتھ ایسے رہو کہ کبھی دشمن نہ بنے اور دشمن کے ساتھ ایسے رہو کہ کبھی نہ کبھی دوست بننے پر مجبور ہوجائے۔"

کوثر خالد..... جڑانوالہ

میری راہ

مجھے کب تک ورغلائے گا
مجھے کب تک پھسلائے گا
ابلیس
میں چلی تھی حوا و مریم سے
اور
پہنچی ہوں یہاں

عائشہ فاطمہ گگی

راہ سے گزرتے ہوئے

نگین افضل وڑائچ..... گجرات

دل ڈوبنا

زندگی کی مختلف کیفیات ہوتی ہیں اسی طرح دل ڈوبنا ایک اصطلاح ہے جو استعمال اکثر ہوتی ہے پر مطلب کوئی کوئی ہی سمجھ پاتا ہے۔ ایک تو وہ کیفیت ہوتی ہے جب دل سطح آب پر ہوتا ہے بڑے ہاتھ پاؤں مارتا ہے بچنے کے لیے آنکھوں سے آنسو اسی صورت میں نکلتے ہیں' دل کی حالت کی خبر دیتے ہیں اور اسے بچانے کی التجا کرتے ہیں۔ دوسری کیفیت میں دل ڈوب ہی جاتا ہے اور جب دل ڈوب جائے تو آنکھیں خشک ہوجایا کرتی ہیں۔

دیا آفریں..... شاہدرہ

باتوں سے خوشبو آئے

- ☐ پانی بنو جو اپنا راستہ خود بناتا ہے' پتھر نہ بنو جو دوسروں کا راستہ روکتا ہے۔
- ☐ صبر زندگی کے مقصد کے دروازے کھولتا ہے کیونکہ اس کے سوا دروازے کی کوئی چابی نہیں۔
- ☐ ماں کے بنا گھر قبرستان کی مانند لگتا ہے۔
- ☐ صبر امید کا آرٹ ہے۔
- ☐ علم حاصل کرو چاہے اس کے لیے تمہیں چین کیوں نہ جانا پڑے

مرسلہ: بسمہ ابنت یوسف..... کراچی

yaadgar@aanchal.com.pk

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' رب ذوالجلال کے بابرکت نام سے ابتدا کرتی ہوں جو خالق ارض وسماں ہے۔ ماہ فروری میں ادب کی نہایت ہی قیمتی ہستیاں وسرمایہ فاطمہ ثریا بجیا و محترم محی الدین نواب اس دارفانی سے کوچ فرماگئے ہم خالق ارض وسماں کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ وہ ان کی کامل مغفرت فرما' ان کے درجات بلند فرما کر ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کریں' آمین۔ مارچ کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ امید ہے آپ کے ادبی ذوق وشوق کے عین مطابق ہوگا' آئیے اب چلتے ہیں بزم آئینہ کے دلچسپ تبصروں کی جانب جہاں آپ بہنیں رخ روشن لیے اس محفل کو چار چاند لگا رہی ہیں۔

پروین افضل شاھین...... بھاولنگر۔ اس بار فروری کا آنچل ہما خان کے سرورق سے سجا میرے ہاتھوں میں ہے' کہانیوں میں تینوں سلسلے وار ناولز کے تو کہنے ہی کیا ہیں۔ ان کے علاوہ "چراغ خانہ' ترے عشق نچایا' بدلتی رتیں' گھنا سایہ' باب محبت" پسند آئے۔ ہمارے شہر بہاولنگر میں بہت پیاری آواز کے مالک ایف ایم 90 کے آر جے شہروز رضا رائے آپ کے آنچل' حجاب' نئے افق میں شائع شدہ بہترین تحریریں اور اقتباسات کو اپنے پروگرام کی زینت بناتے ہیں اور ایف ایم 90 بہاولنگر کی آواز کافی دور تک سنی جاتی ہے۔ نیرنگ خیال کے لیے ہم اپنے شہر کے ایک نامور شاعر کا کلام بھیج رہے ہیں' ضرور باری آنے پر شائع فرمائیں۔ ایک مرتبہ میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین جلدی میں شاپ پر جارہے تھے' میں نے کہا پان تو کھالو' میرے میاں نے پان منہ میں ڈالا اور پلٹے تو میں نے کہا "ارے وہ جوتے؟" میرے میاں نے کہا "مجھے دیر ہورہی ہے واپس آکر کھالوں گا" دعا ہے آنچل اور اس کا سارا اسٹاف خوش رہے آمین۔

☆ پرنس جی سدا شاد وآباد رہو آمین۔

سعدیہ رمضان سعدی...... پسنہ 186 پی۔ السلام علیکم آپی کیسی ہیں آپ؟ آنچل اس بار 23 کو ملا تو دل خوشی سے بھر گیا۔ دلہن سرخ جوڑے میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی' جھٹ امی سے فرمائش کر ڈالی کہ میں بھی اپنی شادی پر ایسا کلر لوں گی' ہاں' ہاہاہا۔ پھر جی سارا آنچل کھنگال ڈالا پر جی اپنا نام نہ ملا بس جی پھر کیا تھا۔ ہاں پھر بھاگے "ٹوٹا ہوا تارا" پر ٹوٹ پڑے' اتنی مزے کی اسٹوری پڑھ کے پھر جڑ گئے' ہاہاہا۔ اوکے جی اب جاتی ہوں' فی امان اللہ۔

آمنہ ریاض...... گجرات۔ السلام علیکم' اس دفعہ آنچل 28 کو ہی مل گیا' بے تابی سے سب سے پہلے دوست کے نام پیغام آئے پڑھا لیکن اپنی جگریوں کو موجود نہ پایا اور بہت غصہ آیا اس کے بعد "موم کی محبت" پڑھا انتہائی بورنگ جارہا ہے اس کے بعد اپنا موسٹ فیورٹ "ٹوٹا ہوا تارا" پڑھی۔ شہوار بے چاری کے ساتھ بہت برا ہوا' کاشفہ کا علاج صرف ولید کے پاس ہی ہے وہی اس کو ٹھیک کرے گا۔ اب ماضی کے بارے میں اور پتا نہیں کیا پتا چلتا ہے مجھے تو لگتا ہے کہ جب گھر کو آگ لگائی تھی تب لالہ رخ گھر میں نہیں ہوگی۔ اب اللہ کرے انا اور ولید کے درمیان سب کچھ ٹھیک ہوجائے' اب اجازت اگلے ماہ پھر حاضر ہونے کی کوشش کروں گی' اللہ حافظ۔

نیلی ظھیر...... کوٹلہ جام' بھکر۔ السلام علیکم شہلا آپی! اتمام آنچل اسٹاف کو خلوص دل سے سلام اور نیک تمنائیں آپی! دل خوش ہوگیا اپنا خط آنچل میں دیکھ کر نئے سال کی پہلی خوشی ہمارے دامن میں آئی۔ ارم کمال اور طیبہ نذیر کا شکریہ کہ انہیں یادگار لمحے میں میری اچھی باتیں پسند آئیں۔ اس بار ساری کہانیاں اچھی تھیں مگر "گھنا سایہ" نے دل کو چھولیا' اجازت اس دعا کے ساتھ کہ اللہ پاک ہم سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین' اللہ حافظ۔

مسرت بشیر مغل' پروین ولی' ماریہ رفیق مغل...... لانڈھی' کراچی۔ السلام علیکم شہلا آپی کیسے مزاج ہیں آپ کے؟ تمام رائٹرز اور قارئین کو امیدوں بھرا اسلام۔ شادی بیاہ اور قرآن خوانی کے علاوہ پہلی بار کسی محفل میں شرکت کی ہے' خوش آمدید ایسے کہیں کہ ہر بار شرکت کرنے کی جسارت دل میں پیدا ہو ویسے تو آنچل کا ہر سلسلہ قابل تعریف ہے مگر سلسلے وار ناولز کی بات ہی اور ہے۔ سمیرا جی کا "ٹوٹا ہوا تارا" دل کے بہت قریب ہے' ولید کو چاہیے کہ وہ انا کو معاف کردے اور انا کو چاہیے کہ وہ عقل کے ناخن لے۔ باقی کہانی خوب صورتی سے اپنی منزل کی طرف گامزن ہے' اب باری ہے "شب ہجر کی پہلی بارش" کی' نازی

آپی بہت زبردست طریقے سے کہانی کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ رفعت سراج کا ''چراغ خانہ'' بہت زبردست ناول ہے۔ مشہود بھائی کو کچھ نہیں ہونا چاہیے پلیز دانیال اور پیاری کو ملادیں۔ نگہت عبداللہ کا ''ترے عشق نچایا'' تو آنچل کی جان ہے اور راحت وفا کا ''موم کی محبت'' ایک اچھی تحریر ہے آنچل کی اور آنچل کی تمام رائٹرز کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے اور ہم یوں ہی آنچل سے ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں اگر آنچل کے نایاب صفحات پر ہمیں تھوڑی سی جگہ مل جائے تو ہم خود کو خوش نصیب سمجھنے لگیں گے ان شاء اللہ اگلے ماہ شرکت کریں گے تب تک کے لیے اللہ حافظ۔

☆ آپ سب پیاریوں کو پہلی بار شرکت پر ادارہ خوش آمدید کہتا ہے۔

اقراء ماریہ...... ہو نالی۔ السلام علیکم شہلا آپی! امید کرتی ہوں کہ آپ خیریت سے ہوں گی آنچل تقریباً 26 کو ہی مل گیا' زبردست ٹائٹل نے دل خوش کردیا پھر ہم نے حمد و نعت سے اپنے دل کو منور کیا اس کے بعد دوڑ لگائی اپنی پسندیدہ اسٹوری ''ٹوٹا ہوا تارا'' کی طرف سمیرا آپی بہت ہی اچھی اسٹوری جارہی ہے بس تھوڑا انا پر ترس کھائیں۔ پلیز انا اور ولید کو جلدی سے ملادیں اس کے بعد ''موم کی محبت'' ناول پڑھا' راحت وفا آپ بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں مجھے شرمین کا کردار بہت پسند ہے۔ ''ترے عشق نچایا'' نگہت عبداللہ ویل ڈن۔ ''چراغ خانہ'' بہت اچھا جارہا ہے' باقی سب تحریریں بھی بہت اچھی تھیں۔ یادگار لمحے میں طیبہ نذیر' لیلیٰ شاہ' عقیلہ رضی' اقصیٰ مریم' جاذبہ عباسی کا انتخاب پسند آئے۔ ہم سے پوچھیے شمائلہ آپی تو سب کی بولتی بند کردیتی ہیں' اوکے جی' اجازت چاہتے ہیں' اللہ حافظ۔

کرن شہزادی...... مانسہرہ۔ السلام علیکم سویٹ شہلا آپی اینڈ ڈیئر آنچل فرینڈز' آنچل مجھے 25 کو مل گیا تھا سرورق بہت دلکش تھا۔ سب سے پہلے قیصر آنی کی سرگوشیاں سنیں اور حمد و نعت سے دل کو منور کیا۔ درجواب آں میں کافی نئی رائٹرز کو حوصلہ افزائی ملی' پیاری رائٹرز نزہت جبین ضیاء کے شوہر کی ناساز طبیعت کے متعلق جان کر دکھ ہوا' اللہ انہیں صحت کاملہ عطا فرمائے' آمین۔ نادیہ فاطمہ رضوی کو پیا دیس سدھارنے کی مبارک باد۔ دانش کدہ میں درود پاک کی فضیلت سے مستفید ہوئے ''ہمارا آنچل'' میں یہ کیا' یہ لڑکا کہاں سے لڑکیوں کی محفل میں گھس آیا' چلو پڑھتے گئے اور آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جن کو فیاض اسحاق صاحب سمجھتی تھیں وہ تو صاحبہ نکلیں' ہاہاہا۔ چاروں بہنوں سے مل کر اچھا لگا اور بھاگتے ہوئے ''ٹوٹا ہوا تارا'' پر رکے' شہوار کے نقصان کا دکھ ہوا اور ایاز کی موت پر خوشی۔ ولید جو انا پر تھپڑ برساتا تھا آخر کا خفہ کو بھی پڑ گئے (بہت خوشی ہوئی دل تو چاہ رہا تھا دو تین اور مارے خیر) مصطفیٰ' ولید اور رابعہ کے درمیان اب رشتے مکمل رہے ہیں۔ ''موم کی محبت'' (معذرت کے ساتھ) میں ارم کمال سے ایگری کرتی ہوں کہ واقعی میں اب ہم بور ہورہے ہیں اب اس کا اینڈ ہوجانا چاہیے۔ زیبا جسے اپنا مجرم سمجھتی ہے وہ صاف انکاری ہے' اب بلی تھیلے سے نکل آنی چاہیے۔ ''شب ہجر کی پہلی بارش'' بھی زبردست رہا۔ نگہت عبداللہ آپ کی والدہ کا جان کر افسوس ہوا' اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔ ''ترے عشق نچایا'' پہلے مونی پر ترس آتا تھا لیکن اب اس کا مزاج بھی پل میں تولہ پل میں ماشہ ہورہا ہے۔ دوسری طرف لگتا ہے خان جنید کا کردار ختم ہونے والا ہے البتہ صبا کی جوڑی آصف جاہ کے ساتھ فٹ رہے گی۔ مکمل ناول ''دشت طلب کی دھول'' عتیقہ ملک نے حقیقت پر مبنی کہانی لکھی۔ لڑکیاں چاہے خوب صورت ہی کیوں نہ ہوں' خوب صورت لڑکے کی تلاش میں اپنی عمر نہ گنوائیں۔ ''گمشدہ رشتے'' ہما عامر کا دلنشین انداز بیان اچھا لگا اور باقی افسانے بھی زبردست تھے۔ بیاض دل میں طیبہ نذیر' ثوبیہ سحر' نورین لطیف' پارس شاہ اور کنزہ مریم کے اشعار پسند آئے۔ نیرنگ خیال میں مالا بھٹی رانا' ناہید بشیر رانا اور کوثر ناز کی نظمیں اچھی لگیں۔ دوست کا پیغام آئے میں سب کے پیغام پڑھے سمیہ کنول ویلنٹائن ڈے وش کرنے کا شکریہ۔ یادگار لمحے میں لائبہ میر' جاذبہ عباسی (ٹل سسٹر) نورین انجم اعوان' نجم انجم اعوان' اقصیٰ مریم' نورالشال شہزادی' ارم کمال اور مونا شاہ قریشی کے مراسلے پسند آئے۔ آئینہ میں اپنا دلکش چہرہ دیکھ کر خوشی ہوئی' پروین افضل شاہین میری تحریر پسند کرنے کا شکریہ میری دعا ہے اللہ آپ کو جڑواں بچوں سے نوازے' آپ دودھوں نہائیں اور پوتوں پھلیں' آمین۔ ہم سے پوچھیے میں شمائل آپی کے کرارے جواب پڑھ کر ہنسی نکل گئی (ارے نکلی دانت نہیں ہیں) جن میں میں خود بھی شامل تھی۔ زینت رشید' زینب مغل (مغل ٹاؤن) عائشہ آپی اور حافظہ آپی آپ آنچل کی خاموش قاری ہیں آپ بھی شرکت کریں نا' آخر میں اتنا کہوں گی سدا خوش رہیں' دعاؤں میں یاد رکھیں' پاکستان زندہ باد۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ۔ السلام علیکم! فروری کا شمارہ ہاتھ آیا سکون آیا ماڈل بہت اچھی لگ رہی تھی اور رومینٹک سا تاثر دے رہی تھی اپنی موسٹ فیورٹ سمیرا شریف کا ''ٹوٹا ہوا تارا'' دم سادھے دل تھامے پڑھا۔ یہ دھماکا خیز قسط الٰہی خیر طوفان تو اگلی دفعہ برپا ہوں گے۔ سمیرا شریف آپ کا لکھا ہوا حرف حرف میری نگاہ میں معتبر اور سبق آموز ہے' اللہ

مزید ترقیاں دے آمین۔ دیگر مستقل سلسلے بہت مزے کے رہے۔ بیاض دل میں مدیحہ نورین مہک اور ہاجرہ ظہور کے شعر پسند آئے۔ مونا شاہ قریشی خود کو تنہا کیوں سمجھتی ہیں (ہم ہیں نا......) آئینہ میں شہزادیوں' ملکاؤں' پریوں کے محبت نامے' تنقید' تعریف نامے وضاحتیں' پیار و محبت اور کھٹا میٹھا انداز دل و دماغ کو تروتازگی بخشتا ہے۔ اللہ سب پریوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔ ہم سے پوچھیے شمائلہ آپی نے زبردست جواب دیے' آنچل اس مرتبہ پورا ہی بیسٹ تھا' والسلام۔

☆ شہزادیوں جزاک اللہ۔

مشی خان...... بھیر کنڈ' مانسہرہ۔ السلام علیکم شہلا آپی کیسی ہیں آپ؟ ہر دفعہ کی طرح آنچل 27 کو ملا تھینک یو سوچ اتنے خوب صورت سرورق کے لیے' سب سے پہلے "ٹوٹا ہوا تارا" سمیرا جی تھینکس' سسپنس ختم کرنے کا۔ "ترے عشق نچایا" شکر ہے کہ نشاء کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا لیکن مونی اس کے ساتھ ایسا کیوں کر رہا ہے' اس کا انتظار ہے۔ "چراغ خانہ" میں پلیز رفعت آنٹی مشہود کے ساتھ کچھ غلط مت کیجیے گا۔ باقی کہانیاں ابھی نہیں پڑھیں۔ دوست کا پیغام آئے میں کرن شہزادی' سمیہ کنول کو خوش آمدید۔ یادگار لمحے میں مونا شاہ قریشی' طیبہ نذیر' لیلیٰ شاہ۔ بیاض دل میں ام ستر' شبانہ امین راجپوت' شازیہ اختر کے اشعار اچھے لگے۔ نیرنگ خیال میں حمیلہ لطیف کی غزل اچھی لگی۔ ڈش مقابلہ بھی بہت اچھی رہی' طیبہ نذیر آپ کا شکریہ دوست کا پیغام آئے میں مجھے یاد رکھنے کا۔ اوکے جی اللہ حافظ' جان کی امان رہی تو پھر ان شاء اللہ حاضر ہوں گی' جہاں رہیں خوش رہیں آباد رہیں' ہنستے مسکراتے رہیں' آمین۔

اقصیٰ کشش...... محمد پور دیوان۔ السلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب' امید ہے خیریت سے ہوں گی سارے یہ کیا سب حیران کیوں ہو رہے ہیں (یہ میں ہوں) آئینہ میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں۔ آنچل کا ساتھ تین سال سے ہے۔ مجھے آنچل ڈائجسٹ بہت پسند ہے' آنچل میں ایک عجیب سی کشش ہے جو باقی تمام ڈائجسٹ میں نہیں۔ آنچل کی تمام اسٹوریز سبق آموز ہوتی ہیں۔ اب اجازت چاہتی ہوں میری دعا ہے کہ آنچل اسی طرح دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے آمین۔

☆ پیاری اقصیٰ! پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ۔ پیاری شہلا آئینہ میں حاضر ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں ہمارے پاس حرا قریشی جیسے مایہ ناز الفاظ نہیں کہ آپ کی منی سی تعریف کر سکیں۔ ہر بار کی طرح 28 کو رسالہ آیا' 29 کو تمام مستقل سلسلے پڑھ کر فیض یاب ہو چکے اور پیغامات کا سلسلہ وشاعری ہم دو دو بار پڑھتے ہیں اس سب کے لیے شکریہ' مدیرہ اور ادارہ کے ہر فرد کا۔ پچھلی بار سب کی کہانیاں بہت اچھی تھیں اور "چراغ خانہ" بقول سب کے' بے حد دلچسپ کرداروں کی بھرمار سے ہمارا ناقص ذہن الجھ جاتا ہے' مگر کام کی باتیں ڈھونڈنا ہمیں آتا ہے۔ وقت کا بھی مسئلہ ہے' نیرنگ خیال' بیاض دل' یادگار لمحے' کس کس کا نام لکھوں' سب اپنی جگہ لطف دیتے ہیں تمام پیغامات سر آنکھوں پر تمام مداحوں کو سلام' کچھ نام۔ ارم کمال' ماں ہو تو ایسی' حرا' شاگرد ہو تو ایسی...... دوست ہو تو عقیلہ رضی جیسی' پہلی بار نام پڑھا اور دل پر چھا گئی' پہلے بھی لکھا تھا کہ ہم جڑانوالہ چھٹہ ہسپتال کے بالکل پاس رہتے ہیں۔ جنہوں نے متاثر کیا۔ نجم انجم' نیلی ظہیر' فصیحہ آصف' سنبیاں زرگر' لیلیٰ شاہ' طیبہ نذیر' نور الشال' لائبہ میر' ماریہ کنول' وجیہہ بادل' روشی وفا' جاناں' مونا شاہ اور بھی کئی اور بڑی رائٹرز تو دل کے نہاں خانوں میں جیسا کہ فاخرہ گل' سباس گل' ادارے کے لوگ بہت محنتی' اچھا جی رب راکھا' والسلام۔

☆ ڈیئر کوثر بزم آئینہ میں شرکت پر خوش آمدید۔

حافظہ عائشہ ستار...... سرگودھا۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' امید ہے آپی شہلا آپ خیریت سے ہوں گی اور ہمارے لیے آنچل کو بنانے سنوارنے میں مصروف ہوں گی پھر یہ چمکتا آنچل آپ کے پیارے ہاتھوں سے نکل کر ہم تک پہنچے گا اور ہمیں پیار و محبت سے بہت کچھ سکھا دے گا اور مخلص دوست کی طرح ہماری رہنمائی کرے گا۔ اس مرتبہ آنچل 25 جنوری کی ٹھنڈی شام کو ملا' پہلے سرورق پر نظر دوڑائی ماڈل سے زیادہ اس کا ڈریس پسند آیا ہے۔ تین دن میں پورا رسالہ پڑھ ڈالا اور اب باقی مہینہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اس دلبر کا انتظار کریں گے اور اس کی جدائی میں شامیں بھی اداس گزریں گی۔ "ٹوٹا ہوا تارا" بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہا ہے اس مرتبہ کہانی بہت تیزی سی آگے بڑھی ہے اور لگتا ہے کہ دو تین اقساط کے بعد اختتام پذیر ہو جائے گی اور میرا اندازہ ہے اس کہانی میں "ٹوٹا ہوا تارا" شہوار ہے۔ "موم کی محبت" بھی اچھی کہانی ہے اب اگر شرمین عارض کی طرف مائل ہوئی تو عارض ناراض ہو گیا۔ برائے مہربانی یہ مشکل تو حل کر دیں کہ زیبا کا اصل مجرم عارض ہے یا پھر کوئی اور...... مکمل ناول "دشت طلب کی دھول" کا اختتام دکھی کر گیا۔ کاش عظمیٰ عقل سے کام لیتی اور بروقت ڈاکٹر بابر کی محبت کو پہچان کے ان کی زندگی میں شامل ہو جاتی تو بہت سے

پچھتاوؤں سے بچ جاتی۔ ''گھنا سایہ'' میں نورالعین کی موت نے افسردہ کردیا۔ والد ایک حقیقی چھت ہے اللہ پاک میرے والد اور سب قارئین کے والد کی حفاظت فرمائے' آمین۔ ''باب محبت'' بہت اچھی اصلاحی تحریر تھی جس میں ان لڑکیوں کے لیے سبق تھا جو بھنورا صفت مردوں کی محبت میں گھر والوں کو دھوکا دیتی ہے پھر جب یہ بھنورا ان کا رس چوس لیتا ہے تو پھر ان کی آنکھوں سے محبت کی پٹی اترتی ہے۔ ''زہرا'' کو دادی کی دعاؤں نے بچالیا' اللہ پاک اسی طرح ہر لڑکی کی حفاظت فرمائے' آمین۔ باقی شمارہ بھی اچھا تھا' اس کے ساتھ ہی اجازت' اللہ حافظ۔

بخت آور نقیبی ...... شیخو پورہ۔ شہلا آپی اور قارئین کو میرا محبتوں بھرا اسلام اور نئے سال کی مبارک باد' ڈھیر ساری مسکانوں کے ساتھ شاد وآباد رہیں۔ سب سے پہلے تو میں آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کروں گی کہ آپ نے میری غزل سلیکٹ کرکے میری حوصلہ افزائی کرکے میرے لکھنے کی لگن کو بڑھایا اور مجھے نئے سال کا تحفہ دیا ہے' اس کو زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔ اب تبصرہ کی طرف' کہانیوں میں سب سے پہلے ''ٹوٹا ہوا تارا'' زبردست ہے۔ ''شب ہجر کی پہلی بارش'' بہت اچھی جارہی ہے اور نگہت عبداللہ کا ناولٹ ''ترے عشق نچایا'' بھی بہت اچھا جارہا ہے۔ ''چراغ خانہ'' بھی بہت تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے ویل ڈن رفعت جی۔ بیاض دل میں ارم کمال' سباس پری' جویریہ کے اشعار اچھے لگے۔ اچھا لکھا یادگار لمحے میں بھی' باقی زیر مطالعہ ہے اچھا جی اب اجازت دیں' اللہ حافظ۔

طیبہ نذیر ...... شادیوال گجرات۔ السلام علیکم شہلا آپی کیسی ہیں اور سب آنچل فرینڈز کیسے ہیں؟ مجھے آنچل 24 کو مل گیا تھا سب سے پہلے آنٹی قیصر آرا کی سرگوشیاں سنیں پھر حمد ونعت سے مستفید ہوئے۔ درجواب آں میں بھی بہنیں شامل تھیں لیکن میرا لیٹر شائع نہیں ہوا (افسوس)۔ دانش کدہ بہت زبردست سلسلہ ہے رئیلی۔ ہمارا آنچل میں چاروں بہنوں کی تعارف بے حد پسند آئے' آصفہ اسلم بے شک آپ نے صحیح کہا اس سے بڑھ کر کوئی اور دعا نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے' آمین۔ اس کے بعد سلسلے وار ناولز کی طرف بڑھی تو ''موم کی محبت'' شرمین' صفدر' عارض ان سب پر بہت کڑا وقت ہے لیکن سمجھ نہیں آرہی آگے ہوگا کیا۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' سب کچھ اچھا جارہا ہے لیکن اب کاشفہ کو کوئی سزا مل جانی چاہیے۔ انا اور ولید کے درمیان غلط فہمیاں اب ختم ہوجانی چاہیے۔ ''شب ہجر کی پہلی بارش'' زبردست جارہی ہیں۔ ''اب کرمیری رفوگری'' شبانہ شوکت بہت زبردست اسٹوری تھی کیپ اٹ اپ۔ ''باب محبت'' صبا جاوید بہت سبق آموز اسٹوری تھی' میری دعا ہے اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کو سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق دے' آمین۔ ''گھنا سایہ'' بہت عمدہ اسٹوری تھی۔ ''گمشدہ رشتے'' ساری باتیں سوچنے اور سمجھنے کی ہیں اگر کوئی سمجھ لے تو بڑی بات ہے بڑی اعلیٰ اسٹوری تھی ہما جی۔ ''زندگی حسین ہے'' ریحانہ آفتاب بڑی سبق آموز اسٹوری تھی ایک بہت اچھی کاوش تھی کیپ اٹ اپ۔ ''بدلتی رتیں'' بڑی کیوٹ اسٹوری تھی بے شک جسے اللہ چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق بھی اسے دیتا ہے۔ ''وشب طلب کی دھول'' عتیقہ ملک بہت مزے کی اسٹوری تھی میں نے بہت انجوائے کیا پڑھ کے سونائس جی اینڈ کیپ اٹ اپ۔ کام کی باتیں انجم خان زبردست جی' ہم سے پوچھیے میں ارم کمال' جاذبہ عباسی' عقیلہ رضی' حرا قریشی آپ سب نے قہقہے لگانے پر مجبور کردیا رئیلی لیکن شائلہ آپی نے میرے سوال کم شائع کیے تھے۔ آئینہ ارم کمال' حرا قریشی آپ دونوں کا تبصرہ جاندار تھا۔ یادگار لمحے شائلہ رفیق' نیلی ظہیر' فائزہ بھٹی' نورالشال' عظمیٰ فرید' نجم انجم آپ سب نے لمحوں کو یادگار بنادیا۔ ناہید بشیر رانا' مدیحہ اکرم کشش' عنایت اللہ راحل' ایم فاطمہ سیال' مہر ماہ ارشد بٹ' مشاعل مسکان آپ سب نے نیرنگ خیال کو سجادیا۔ بیوٹی گائیڈ ہما جاوید کافی معلوماتی باتیں بتائیں آپ نے۔ ڈش مقابلہ آمنہ رابعل کنول راحیلہ لاریب آپ کی ڈشز بہت مزے کی تھیں۔ بیاض دل میں نورین لطیف' ہاجرہ ظہور' پارس شاہ' کنزہ مریم' شازیہ اختر آپ سب کے شعر لاجواب تھے۔ اب کی بار آنچل میں سب اسٹوریز لاجواب تھیں پورا آنچل ایک دم پرفیکٹ تھا۔ میری دعا ہے آنچل ہمیشہ ترقی کی راہوں پر گامزن رہے' زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی' دعاؤں میں یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

☆شہزادی جزاک اللہ۔

فوزیہ سلطانہ ...... تونسہ شریف۔ السلام علیکم اس بار آنچل 24 تاریخ کو ملا' ٹائٹل ٹھیک تھا سب سے پہلے دوڑ لگائی۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' انا بے چاری پر بہت ترس آتا ہے' شہوار کا نقصان ناقابل تلافی ہے (بہت دکھ ہوا رئیلی) ایاز مرگیا (خس کم جہاں پاک) تو تابندہ بوا روشی کی والدہ محترمہ ہیں اس بار سمیرا جی نے کافی دھماکہ خیزی کی ہے۔ ولید کو کہیں پلیز انا سے ناراضگی ختم کرے اب۔ ''موم کی محبت'' شرمین مسلسل مصائب کا شکار ہے (آخر کیوں؟) ''شب ہجر کی پہلی بارش'' یہ ناول تو اسٹار پلس کی ڈراموں کی طرح کرداروں سے بھرپور ہے (مطلب کرداروں کی بہتات ہے) آئی ایم سوری تازیہ آپی۔ ''چراغ خانہ'' بہت زبردست اسٹوری

ہے الفاظ بتادیتے ہیں کہ یہ کہانی کس نے لکھی ہے۔ ”ترے عشق نچایا“ بہترین ہے۔ بیاض دل میں عظمیٰ فرید کا شعر پسند آیا (ایسا لگا جیسے مجھے ہی سنا رہی ہیں) یادگار لمحے لائبہ میر‘ طیبہ نذیر اور نورالشال کے پسند آئے (نورالشال) اپنے ٹوٹکے کبھی خود پر تو آزمانا) ہاہاہا۔ سب بہنوں کو انا کے تھپڑ کا بہت افسوس ہورہا تھا۔ ہم سے پوچھیے میں ارم کمال اور جازبہ عباسی کے سوالات پسند آئے۔

حافظہ صائمہ کشف...... فیصل آباد۔ شہلا آپی اینڈ آنچل کے تمام اسٹاف اور قارئین کو میری طرف سے پیار بھرا اسلام۔ کیسی ہیں آپی جان؟ امید رکھتی ہوں خیریت سے ہوں گی ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں آپ ہمیشہ خوش رہیں آمین۔ آنچل مجھے 25 کو مل گیا تھا سب سے پہلے سرگوشیاں اور اس کے بعد حمد و نعت سے فیض یاب ہوئے اس کے بعد دانش کدہ میں مشتاق انکل نے بہت اچھا درس دیا۔ ایمان تازہ ہوگیا ہمارا آنچل میں چاروں بہنوں کے تعارف پسند آئے۔ فیاض اسحاق پہلے تو مجھے یہی لگا کہ واقعی کوئی لڑکا ہمارے آنچل میں گھس آیا ہے‘ پسند آیا آپ کا تعارف اور سنبل ملک آپ کا بھی اب آتے ہیں اپنے پسندیدہ ناول کی طرف۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ شہوار کے ساتھ بہت برا ہوا بہت دکھ ہوا ایاز مرگیا‘ خوشی ہوئی اس سے تو جان چھوٹی اب دریہ کا بھی جلد راز فاش ہوجائے گا جو آستین کا سانپ بنی ہوئی ہے وہ کیا کہاوت ہے ”جس تھالی میں کھایا اسی میں چھید کیا“ دریہ کا یہ حال ہے ان کے گھر میں رہ کر انہی کا گھر برباد کررہی ہے۔ سکندر کی بیٹی عائشہ شہوار ہے اور تابندہ بی افشاں ہے یعنی کہ شہوار کی حقیقی ماں نہیں ہے وہ اور ولید بھی شہوار کا بھائی ہے ویل ڈن سمیرا آپی بہت مزا آیا اس دفعہ۔ ”موم کی محبت“ شکر ہے صفدر کچھ پگھلا تو ہے زیبا کی محبت میں اور عارض کو تو کافی سزا مل چکی ہے اور اگر عارض زیبا کا گناہ گار ہے تو کیسے بھول گیا وہ زیبا کی زندگی برباد کرکے خیر دیکھتے ہیں زیبا کی آزمائش ختم ہورہی ہے یا باقی ہے ابھی۔ ”ترے عشق نچایا“ نشاء نے اگر سمجھوتہ کرلیا ہے تو محسن بگڑ گیا ہے یقیناً اسے پتا چل گیا ہے نشاء اور احسن کے بارے میں خان جنید کو ہارٹ اٹیک ہوا۔ لگتا ہے صبا اور آصف جاہ ملنے والے ہیں اور بزدل جازب ایک بار پھر ایسے ہی رہ جائے گا۔ مکمل ناول ”چراغ خانہ“ اچھا جارہا ہے مکمل ہونے پر تبصرہ کریں گے۔ سمیرا فلک کا افسانہ ”بدلتی رتیں“ بے حد پسند آیا‘ ریحانہ آفتاب نے بہت اچھی تحریر لکھی۔ وہاج کا کردار پسند آیا‘ اللہ سارے مردوں کو وہاج جیسا سمجھ دار اور نرم دل بنادے۔ ہما عامر کا ناول ”گمشدہ رشتے“ طویل ناول بہت پسند آیا‘ نازیہ کنول نازی کا ناول بھی اچھا جارہا ہے‘ ابھی تک تو تقریباً سبھی غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔ شبانہ شوکت کا افسانہ پسند آیا‘ تیمور کے بارے میں جان کر بہت دکھ ہوا‘ کتنا اچھا تھا اس نے اپنی محبت کی خاطر نشاء کو دھوکے میں نہیں رکھا۔ محبت کو قربان کردیا اس نیکی کے صدقے وہ اسے دوبارہ مل گئی‘ شبانہ جی اللہ آپ کو توفیق دے‘ اچھا اچھا لکھنے اور ہماری اصلاح کرنے کی۔ ”باب محبت“ زہرا کو اس کی نانو کی دعاؤں نے بچالیا ورنہ وہ تو اس درندے کے ہاتھ چڑھ گئی تھی‘ صبا جاوید نے بہت اچھے موضوع پر لکھا ہماری اصلاح کی کہ کوئی اعتبار کے لائق نہیں کی۔ اللہ ہم سب بہنوں کو بچائے اور ہمیں عقل و شعور عطا فرمائے۔ نظیر فاطمہ کا افسانہ ”گھنا سایہ“ بھی بہت پسند آیا‘ نظیر فاطمہ جی آپ نے تو ہمیں رُلا ہی دیا‘ عینی کی موت کا بہت دکھ ہوا۔ بیاض دل میں یاسمین کنول‘ راؤ کرن‘ تانیہ مسکان‘ اذنا کونڈل‘ نورین لطیف‘ فضیلہ وصی‘ مدیحہ نورین مہک‘ فرخندہ کی شاعری پسند آئی۔ ڈش مقابلہ میں کبھی اے ون تھیں‘ بیوٹی گائیڈ نہیں پڑھا‘ کیونکہ اس کی ضرورت نہیں الحمدللہ ہم فٹ فاٹ ہیں‘ نیرنگ خیال میں اسماء نور‘ مشاء علی مسکان‘ مہر ماہ ارشد‘ ایم فاطمہ سیال‘ مدیحہ اکرم آپ سب کی غزلیں پسند آئی۔ دوست کا پیغام آئے میں انجم انجم جی آپ نے مجھے یاد کیا بہت بہت شکریہ‘ توبہ ہے بہنوں ناراض مت ہونا‘ مجھے اچھا نہیں لگتا کوئی ڈھنگ کا سوال نہیں ہوتا جیسا سوال کروگی ویسا جواب ملے گا۔ آئینہ میں بھی کے تبصرے پسند آئے‘ خاص کر حرا قریشی‘ ثوبیہ سحر‘ کائنات عابد‘ طیبہ نذیر‘ ارم کمال‘ شائستہ جٹ‘ علوینہ چوہدری نے اچھا لگا۔ اگلے ماہ تک کے لیے اجازت چاہتی ہوں ہمارا آنچل دگنی رات چوگنی ترقی کرے آمین۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے‘ مصائب سے آزمائشوں سے بچائے آمین‘ فی امان اللہ۔

☆ جزاک اللہ شہزادی۔

ودیعہ یوسف زماں قریشی...... لانڈھی‘ کراچی۔ آنچل اسٹاف اور تمام قارئین کو خلوص بھرا اسلام قبول ہو اس بار آنچل ہاتھ میں آتے ہی ”ترے عشق نچایا“ پر قیام کیا‘ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی لاجواب رہا اس کے بعد ”موم کی محبت“ نے جی بھر کر اداس کرڈالا۔ راحت جی بہت ظالم ہیں آپ‘ آغا جی کو چھین ہی لیا نہ اور سمیرا جی نے بھی اداس کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ شہوار اور مصطفیٰ کے ساتھ بہت برا ہوا اس کے بعد افسانوں کی طرف آئے ”باب محبت“ میں لڑکیوں کے لیے جو میسج تھا پسند آیا۔ ”زندگی حسیں ہے“ اگر زندگی ابریشینہ جیسی ملے تو واقعی زندگی حسین ہے۔ پر افسوس کے وہاج شافع جیسے لوگ صرف کہانیوں میں ملتے ہیں۔ بیاض دل میں شاہ ریاض‘ وقار بھٹی اور شبانہ امین کے اشعار پسند آئے۔ نیرنگ خیال میں ناہید بشیر کی نظم بہت پسند آئی۔

دوست کا پیغام آئے میں ہر پیغام محبت اور اپنائیت سے بھرپور تھا آخر میں ہمارے پیارے وطن کے بہادر سپاہیوں کو السلام علیکم 23 مارچ بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے وطن کو اپنی حفظ وامان میں رکھے آمین۔

ادم کمال...... فیصل آباد۔ پیاری شہلا جی ہمیشہ خوش وخرم اور شاداب رہیں آمین۔ اس دفعہ آنچل بہت ٹائم سے مل گیا واہ کیا کہنے ہمارے پیارے پیارے آنچل کے ٹائٹل تو لشکارے مار رہا تھا۔ خوشیوں کی لہر ماڈل کے پورے سراپے سے جھلک رہی تھی۔ سرگوشیاں سن کر خراماں خراماں درجواب آں میں پہنچے تو دل خوشی سے گارڈن گارڈن ہوگیا۔ دانش کدہ درود شریف کے عظیم تبرکات سمیٹے ہمارا آنچل میں پہنچے تو حمد سرا اور آصفہ اسلم نے دل موہ لیا۔ سلسلے وار ناول "موم کی محبت" پر اس دفعہ تبصرہ کرنے کا دل نہیں چاہ رہا البتہ "ٹوٹا ہوا تارا" نے تو دھماکے پر دھماکے کر دیئے۔ ایاز کو ان کاؤنٹر میں مارا یہ تو میری دلی خواہش تھی لیکن اس کے لیے شہوار کا بہت بڑا نقصان ہوگیا اس کا مجھے بہت افسوس ہوا اب دریہ کی بھی ایسی کی تیسی ہونی چاہیے۔ "چراغ خانہ" کا دوسرا حصہ بوا کی باتوں کی وجہ سے ممتاز رہا۔ پیاری اور دانیال کو پیار کے اظہار سے پہلے ہی مشکلات آپڑیں۔ "ترے عشق نچایا" میں صد شکر نشاء کو عقل آگئی جبکہ صبا ابھی ڈانواڈول ہے۔ "دشت طلب کی دھول" عقیقہ ملک کی بہت ہی پاورفل اور سبق آموز تحریر تھی جس کے لیے وہ مبارک باد کی مستحق ہیں۔ آج کل یہی مسئلہ سارے معاشرے کو درپیش ہے' خوب سے خوب تر کی تلاش میں کنکر اور پتھر ہی ہاتھ لگتے ہیں اور جھولیاں خالی رہ جاتی ہیں۔ "زندگی حسین ہے" ریحانہ آفتاب کی نہایت دلکش تحریر رہی ویسے آپس کی بات ہے اتنے اچھے شوہروں کی کیٹگری تقریباً نایاب ہے جنہیں مل جائیں انہیں قدر کرنی چاہیے۔ "گمشدہ رشتے" میں بالآخر ازبیہ ماں کو معاف کرنا ہی پڑا اس لیے کہ معاف کرنا اللہ کو بہت پسند ہے اور پھر ماں کے تو نو مہینوں کا حق بھی کوئی ادا نہیں کرسکتا۔ "گھنا سایہ" پڑھ کر نور کے لیے دل ودماغ بوند بوند پگھلے بالآخر نور نے اپنی جان کی قربانی دے کر اپنی بہنوں کے لیے باپ کا گھنا سایہ حاصل کرلیا۔ "اب کر میری رفوگری" میں تیمور نے اپنی پرخلوص محبت کا ثبوت دیا۔ یہ صفت سچی محبت کرنے والوں کو ہی ودیعت ہوا کرتی ہے۔ نیرنگ خیال میں عروبہ عباس' ماہ نور نعیم' سامعہ ملک پرویز' ثوبیہ بلال صبح اور مدیحہ اکرم کشش کی شاعری اعلیٰ پائے کی رہی۔ بیاض دل میں طیبہ نذیر' شبانہ امین راجپوت' شازیہ اختر اور عائشہ سلیم کے اشعار نظروں میں سما گئے۔ ڈش مقابلہ میں ساری ڈشز منہ میں پانی لے آئیں مگر وائے حسرت گیس کی لوڈشیڈنگ نے معمول کی دال روٹی پکانا دوبھر کر رکھا ہے اور پیاری امی جان نے لکڑیاں جلانا سکھایا نہیں۔ دوست کا پیغام آئے میں بڑی رونقیں لگی تھیں۔ کوثر خالد آپ نے مجھے یاد کیا بے حد شکریہ' نجم انجم اور کرن کے لیے آپ کی دعاؤں کی بہت مشکور ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی بہنوں' بیٹیوں کو اپنے ٹائم پر اپنے اپنے گھروں کا کرے آمین۔ تسلیم شہزادی آپ نے مجھے یاد رکھنا سو نائس آف یو۔ یادگار لمحے میں جاذبہ عباسی' سنیاں واقصیٰ زرگر اور حرا قریشی کے مراسلات اے ون تھے۔ آئینہ میں سب سے مل کر دل خوش اور شاد ہوا' شکیلہ عائشہ صدیقہ آپ کو میرا لمبا تبصرہ پسند آیا۔ جزاک اللہ کائنات عابد' طیبہ نذیر' اذنا گوندل' پروین افضل شاہین آپ سب کو میری طرف سے نیک دعائیں اور بہت سارا پیار۔ ہم سے پوچھیے میں اس دفعہ لیلیٰ ثمر عباس' جاذبہ عباسی' آصفہ قیصرانی اور حرا قریشی کے سوالات نے ہنسا ہنسا کر پیٹ میں بل ڈال دیئے اچھا اب اجازت دیں اللہ حافظ۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی۔ السلام علیکم آپی کیسے مزاج ہیں آپ کے اس ظالم مزاج سردی کو آپ کیسے برداشت کررہی ہیں سویٹ آپی پروین افضل شاہین آپ رنگلی بہت اچھی ہیں۔ وہ کیا ہے نا میں شروع سے آپ کو پرکس افضل شاہین کہہ کر مخاطب کرتی ہوں' خوش رہو۔ دعا ہے کہ اللہ ہمارے بھائی کو ٹھیک کرے اور آپ کو جڑواں بیٹوں سے نوازے آمین اور ان کا نام پھر ہم رکھیں گے' اوکے آپی۔ بیاض دل میں سب کے اشعار اچھے لگے' نیرنگ خیال میں نوشین' ناہید شبیر اور ان احب' اسحاق انجم کی شاعری اچھی لگی۔ دوست کا پیغام میں ہمارا پیغام ہی شامل نہیں تھا۔ یادگار لمحے میں بھی ہم نہیں تھے مگر یادگار لمحے میں سب کے الفاظ اچھے لگے' شمائلہ آپی کی محفل میں بھی ہم نہیں تھے پر محفل عروج پر تھی۔ "ترے عشق نچایا" بہت عمدہ جارہا ہے' افسانے سب ہی ٹھیک تھے۔ رفعت سراج کی تحریر بھی اچھی ہے' تمام پڑھنے والوں کو سلام اور ہاں فروری کا ٹائٹل واؤ گڈ نائس۔ سر تصور بشیر آپ کے والد محترم کی وفات کا بہت دکھ ہوا' اللہ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

نیلم فیاض...... ڈیرہ غازی خان۔ اسلام علیکم! شہلا آپی کیسی ہیں آپ ان شاء اللہ ٹھیک ہوں گی کیونکہ ہماری دعائیں جو آپ کے ساتھ ہیں۔ اچھا جی اب آتے ہیں "آنچل" کے تبصرے پر تو شمارہ لینے کی ہمیں اتنی جلدی تھی بس کیا بتائیں جلدی سے شمارہ پکڑا اور رات کو تقریباً سب کاموں سے جان چھڑا کے شمارہ ہاتھوں میں لیا اور دل تھام کے بیٹھ گئے وہ اس لیے کہ ہم نے (ہمارے آنچل) میں شرکت کی تھی اس لیے جلدی تھی کہ شاید ہمارا نام بھی پہلی دفعہ جگمگا رہا ہوگا لیکن بے سود۔ ایک دم دل کی دھڑکن

جیسے رک سی گئی...... خیر ہم بھی کہاں ہار ماننے والوں میں سے ہیں جب ارادہ کیا ہے کہ آنچل میں شرکت کرنی ہے تو بس پھر ہم (آئندہ) میں اپنا نام دیکھیں گے۔ جی تو سب سے پہلے "ماہنامہ حجاب" کی جھلک دیکھی واہ کیا مزہ آگیا اس کے بعد سرگوشیاں پڑھنے کے لیے جونہی سلام کا جواب دیا تو پھر دیکھا اوپر تو حدیث شریف تھی پھر اس کو پڑھ کے اپنے ذہن کو فریش کیا۔ سرگوشیاں پڑھیں اور اس ماہ کے ستاروں میں اپنا نام ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن شاید ابھی ہمارے نام میں کچھ کمی تھی جو وہ آنچل کی زینت نہ بن سکا (اٹس او کے) اپنے نادان دل کو جلدی سے ٹھیک کر کے سلایا اور حمد و نعت سے خود کو فیض یاب کیا اس کے بعد چھلانگ لگائی شبانہ شوکت کی طرف یعنی کہ ان کی نئی کاوش "اب کرمیری رفوگری" اٹس سونائس پہلے اس لیے ان کو پڑھا کیونکہ ہماری بھی یہ سچویشن ہے اور اس لیے بھی کہ سلسلے وار ناول میں کم پڑھتی ہوں کیونکہ تمام شمارے نہیں مل سکتے اس کے بعد "گھنا سایہ" نظیر فاطمہ بہت اچھا لکھا۔ خوشی اور غم کا ملا جلا سا تاثر تھا نور پر بہت ترس آیا لیکن "زندگی حسین ہے" ریحانہ آفتاب جی آپ نے بالکل ٹھیک کیا کہ ابرشمنہ کو بغیر کوئی بڑے نقصان کے سبق سکھا دیا کیونکہ رشتے بہت انمول ہوتے ہیں پھر چاہے وہ "گمشدہ رشتے" ہی کیوں نہ ہوں۔ جی ہما عامر صاحبہ آپ کا شکریہ کہ از بیہ نے محبت کا مان رکھا کہ "باب محبت" میں ہر لڑکی کی قسمت زہرا جیسی نہ ہو جو اس پاکیزہ جذبے سے نفرت کرنے پر ہر انسان کو مجبور ہو سکے باقی تمام زیر مطالعہ ہے اور نیرنگ خیال پر تو واہ بھئی واہ دوست کا پیغام میں بھی ہم (نو لفٹ) ہوئے اور (گولڈن لفظ) یادگار لمحے باقی سب ہمیشہ کی طرح بہت اچھا تھا اور آخر میں ٹائٹل کو ہر بار دیکھ کر فریش ہوئے اتنا اچھا تو نہ لکھ سکے لیکن پھر بھی اُمید پر دنیا قائم ہے ہماری شرکت بتایئے گا کہ کیسی لگی کہ آئندہ بھی حاضر ہو سکتے ہیں؟ ڈھیروں دعائیں اور پیار کی طالب۔

☆ ڈیئر آپ روز روز شامل ہو سکتی ہیں۔

فضہ ہاشمی...... عارف والا۔ اسٹاف آف آنچل السلام علیکم! خداوند عالم سے دعا ہے کہ ہمارا آنچل بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم وآل محمد ﷺ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ ہمارا پاکستان بھی دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے آمین۔ عرض حال یہ ہے کہ اس دفعہ آنچل 20 جنوری کو مل گیا تھا ہم بڑی دیر سے غائب تھے اس لیے سوچا کہ اب کی بار ہماری حاضری تو لازمی ہو گئی ہے اب میں SIXTEEN GRADE کی گورنمنٹ آفیسر بن چکی ہوں یہ میری خوش قسمتی ہے مگر ابھی تک آنچل کے حوالے سے میں زیرو کے مقام پہ کھڑی ہوں مجھے ابھی تک باری کے انتظار میں ہی لٹکایا ہوا ہے۔ میرا تو مرزا غالب کے بقول (قیامت کا دن ہے کوئی اور) جیسا حال ہو چکا ہے بلکہ اب تو تین کے بجائے چوتھا سال ہونے والا ہے انکل مشتاق قریشی کے تمام مضامین میرے پسندیدہ ہوتے ہیں اس بار جو درود پاک کی فضیلت بیان کی ہے پڑھ کے دل کو سکون آگیا ہے اتنی بہترین تحقیق جس نے ایمان میں اضافہ کر دیا ہے یقیناً انکل مشتاق مبارک باد کے مستحق ہیں واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات ہیں ان کا بدلہ دینا چاہیں بھی تو قیامت تک بھی تمام نوع جن وانس مل کر بھی نہیں دے سکتے ایک بار پھر مبارک باد۔ امید کرتی ہوں کہ آئندہ بھی ایسے ہی بہترین مضامین لکھ کر معرفت کی مشعل جلاتے رہیں گے اس بار آنچل کافی سے زیادہ اچھا لگا حمد و نعت کے بعد میں نے سب سے پہلے "ٹوٹا ہوا تارہ" پڑھی سارے اسرار کھلتے جا رہے ہیں شکر ہے کہ یہ بھی منطقی انجام کی طرف ہولے ہولے بڑھنا شروع ہوئی ورنہ تو اب تک قارئین کے ضبط کا امتحان تھی ایاز تو اپنے انجام کو پہنچ گیا لیکن سمیرا جتنا آہستہ لکھ رہی ہیں میرا نہیں خیال کہ وہ ابھی ایک سال سے پہلے ختم کریں گی مگر دریہ کا کردار سوالیہ نشان بن چکا ہے انا اور ولی بھی ایک دوسرے کی طرف مائل ہو رہے ہیں حسب عادت سارے کردار ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں گے جیسا کہ "یہ چاہتیں یہ شدتیں" میں ہوا تھا "موم کی محبت" میں آغا جی کا چلے جانا اچھا ثابت نہیں ہوا صفدر کا کردار بھی سلجھے کی کوشش میں ہے ساتھ ہی ساتھ اس کا زیبا کی طرف متوجہ ہونا اچھا سائن تو ہے مگر کیا وہ اپنے دوست کو چھوڑ دے گا؟ شرمین سے اذان کو جدا نہ کریں وہی پرانا انداز اگر ان سب میں کوئی کہانی پاور فل جا رہی ہے تو شب ہجر کی پہلی بارش ہے واقعی نازی نے ایک اچھے topic پہ قلم اٹھایا ہے سارے کردار ہی الجھے ہوئے ہیں مگر حال اور ماضی کو نازی نے ملا دیا ہے سلسلے وار کہانیوں میں سب سے بہترین نگہت عبداللہ کی کاوش "ترے عشق نچایا" کیونکہ یہ حقیقت سے قریب ترین ہے اس میں تائی ہو یا تایا نشاء کے ماں باپ سب ہی کردار زندگی کے سچے کردار ہیں جن میں ہوس بھی ہے لالچ بھی الجھنیں بھی پیچیدگی بھی جینے کی چاہ بھی موت کا خوف بھی لیکن اعلیٰ ترین تفہیم تھی وہ تھی حقیقہ ملک کی دشت طلب کی دھول۔ جس میں زندگی کا سب سے حساس پہلو ڈسکس ہوا تھا جو سب مڈل کلاس لڑکیوں کا بلکہ ہر دور کی لڑکی کا دکھ تھا ہمارے معاشرے میں سو فیصد لڑکیوں کے ساتھ ایسا ہی صدیوں سے ہوتا آ رہا ہے سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ ہم اسے بدل ہی نہیں سکتے جو لڑکیاں کسی عزت دار مقام پہ پہنچنا چاہتی ہیں ان سب کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ عظمیٰ کے ساتھ ہوا ہے انکل مشتاق قریشی کی خدمت میں میرا ڈھیر سارا سلام اور مدیرہ صاحبہ کی خدمت میں آداب۔

☆فصہ ڈیئر بہت مبارک اور رب ذوالجلال آپ کو ڈھیروں کامیابیاں عطا فرمائے آمین۔

عطیہ ندیم نبیلہ منظور...... بھکڑیوالی۔ السلام علیکم! آپی کیا حال ہے تمام رائٹرز اور قارئین کو محبتوں بھرا اسلام قبول ہو آپی دوسری مرتبہ شرکت کررہی ہوں پہلے بھی کی تھی لیکن منظور نہیں ہوئی دوبارہ کوشش کررہی ہوں۔ہاں جی اب آتے ہیں تبصرہ کی طرف ویسے تو سب رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں مگر آپی مجھے سمیرا شریف طور نازیہ کنول نازی نگہت عبداللہ فرحت اشتیاق فاخرہ گل بہت پسند ہیں۔ناول میں مجھے "جو چلے تو جاں سے گزر گئے" برف کے آنسو بھیگی پلکوں پر ٹوٹا ہوا تارا" اور "شب ہجر کی پہلی بارش" بہت پسند ہے اللہ تعالیٰ تمام رائٹرز کو کامیاب کرے آمین۔مجھے آنچل بہت پسند ہے اور بہت شوق سے پڑھتی ہوں اللہ تعالیٰ آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔اب دوبارہ حاضر ہوں گے اگر سانسوں نے وفا کی تو اللہ حافظ۔

☆پیاری عطیہ آپ کا پہلا تبصرہ تو ڈاک خانے والے کھا گئے اور دوسرا شامل اشاعت ہے خوش آمدید آئینہ کی بزم میں۔

رابعہ عمران چوہدری...... رحیم یار خان۔ فروری کا شمارہ خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ میرے خوب صورت ہاتھوں میں جگمگا رہا ہے آہم......سب سے پہلے تو سب کو میری طرف سے سلام اور پھر حاضر خدمت ہے میرا مختصر سا تبصرہ فروری کے اس شمارے پر کیونکہ اس دفعہ میں تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں اور تقریباً ایک ہی دن میں پڑھ ڈالا۔دانش کدہ سے مستفید ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خوب صورت لفظوں کی تحریر پُراثر لگی انٹرویوز اچھے لگے۔رفعت سراج کے ناول کی دوسری قسط دلچسپ لگی عتیقہ ملک کی تحریر "دشت طلب کی دھول" بہت زبردست لگی عتیقہ ماشاءاللہ بہت عمدہ لکھا آپ نے۔عظمیٰ جیسی بہت سی لڑکیاں دیکھی ہیں میں نے جس کی زندگی میں آخر میں صرف پچھتاوے رہ جاتے ہیں۔واقعی یہ بھی حقیقت ہے کہ زندگی میں سب کچھ نہیں ملتا سب کچھ کی چاہ میں جو مل رہا ہے اسے کیوں کھودیں بہترین کی تلاش میں بہتر کا انتخاب گنوا کر پچھتاوے کیوں خریدیں ویل ڈن عتیقہ ملک۔اب باری ہے سویٹ فرینڈ ریحانہ آفتاب کی ارے جناب وہاج کا کردار تو میرے ہسبینڈ کی فوٹو کاپی جیسا معاملہ ہوگیا۔قسم سے ابریشمینہ کو بھی شکر ہے کہ بروقت عقل آگئی بس جو عورتیں گھروں میں ہیں وہ کہتی ہیں کہ جاب کرنے والی عورت اچھی جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس مگر انسان بھی ناشکرا ہی ہے ناں کہ کسی بھی حال میں خوش نہیں تو جناب آگے بڑھتے ہیں ریحانہ آفتاب کے لیے بہت سی تالیاں ہونی چاہئیں اور مبارک باد بھی۔ہما کی تحریر "گمشدہ رشتے" پڑھی بہت منفرد اچھا ٹاپک چنا گیا۔پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آگئے ماں باپ کے غلط فیصلے اولاد کو کس موڑ پر لا کھڑا کرتے ہیں۔نازیہ کنول نازی کی تحریر پڑھی اسی ماہ والی قسط بہت دلچسپ لگی کچھ قسطیں میں پڑھ نہیں سکی۔نظم تو بہت خوب۔"گھنا سایہ" نظیر فاطمہ کی سپر ب تحریر لگی نور کی قربانی نے اس کے باپ کے دل کو نرم کردیا مگر اس کا کتنا نقصان ہوا جس کی تلافی ممکن نہیں۔میری بھی تین بیٹیاں ہیں میری اور عمران کی جان ہے ان میں۔ہم ان کی آنکھ میں آنسو نہیں آنے دیتے ان کو کوئی تکلیف ہو تو عمران کی آنکھیں پانی سے بھر جاتی ہیں۔بیٹیاں تو اللہ کی رحمت ہوتی ہیں نظیر فاطمہ نے بہت خوب صورت لفظوں میں ایک اچھا پیغام دیا۔ماضی کی غلطیوں کو سدھارا نہیں جاسکتا اس سے صرف سبق سیکھا جاسکتا ہے جو ماضی کی غلطیوں سے کچھ نہیں سیکھتے انہیں زمانے کی ٹھوکروں سے کوئی نہیں بچا سکتا ویل ڈن نظیر فاطمہ۔صبا جاوید کی تحریر "باب محبت" ایک سبق آموز تحریر تھی آج کل کی نیو جنریشن کے لیے لوگوں نے خود پر اندھی ہوس کے خوب صورت خول چڑھائے ہوئے ہیں جن کو وہ محبت جیسے پاکیزہ رشتے کا نام دیتے ہیں۔اللہ پاک ہم سب کی بیٹیوں بہنوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔شبانہ شوکت کی تحریر بھی بے حد خوب صورت لگی تیمور کا کردار اچھا تھا اور واقعی محبت خود پر ہر ستم سہہ جاتی ہے مگر محبوب کو تکلیف دینا گوارہ نہیں کرتا اور یہ بھی سچ ہے کہ جذبے سچے ہوں تو منزل مل ہی جاتی ہے۔ماشاءاللہ اس دفعہ مجھے پورا آنچل بہت پسند آیا سب تحریریں لاجواب لگیں باقی تمام سلسلے بہت اچھے لگے۔نزہت جبیں نازیہ کوثر ناز فریدہ جاوید فصیحہ آصف کو مختلف سلسلوں میں دیکھا تو اچھا لگا میری طرف سے آنچل ٹیم قارئین کے لیے بے شمار دعائیں۔

فریحہ شبیر...... شاہ نکڈر۔ پیاری شہلا آپی آنچل اسٹاف ریڈرز رائٹرز اور جان سے پیاری دوستوں کی خدمت میں پیار بھرا سلام اور خلوص بھری دعا۔پرانے دوست تو پہچان گئے ہوں گے یقیناً نئے دوستوں کے لیے تعارف کی رسم ادا کرتی چلوں میں ہوں فریحہ شبیر آنچل کی جان (آہم)۔بات ہوجائے آنچل کی تو ٹائٹل بس ٹھیک لگا کافی عرصے سے کوئی ایسا ٹائٹل نہیں آیا جسے دیکھ کر دل سے نکلے بھئی واہ کیا بات ہے۔فہرست پر نظر دوڑائی اور سرگوشیاں سننے لگے حمد و نعت سبحان اللہ بہت خوب صورت الفاظ دل و دماغ روشن ہوگئے۔در جواب آں میں کچھ نئے اور پرانے چہرے نظر آئے اور قیصرہ آنی اتنے پیار و شفقت سے جواب دیتی نظر آئیں کہ بندہ پڑھ کر ہی دیوانہ ہوجائے۔بہت سی دعائیں آنی کے لیے دانش کدہ جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ماشاءاللہ بہت

خوب صورت اور معلوماتی سلسلہ ہے۔ فیاض اسحاق سے مل کر بہت اچھا لگا خاص طور پر تعارفی شعر (فیاض آپ سلانوالی میں کہاں رہتی ہو) حمنہ سحر' سنبل ملک اور آصفہ اسلم آپ سب سے مل کر اچھا لگا بہت سی دعائیں آپ لوگوں کے لیے' ہمیشہ خوش رہو۔ بات ہو مکمل ناول کی تو رفعت سراج میری پسندیدہ ترین لکھاریوں میں سے ایک ہیں جن کا لکھا ہوا میں سانس روک کر پڑھتی ہوں۔ "چراغ خانہ" ایک اور خوب صورت تحریر' اس قسط میں ایک بہن اور بھائی کا پیار اور بھائی کے چھن جانے کا خوف' اُف آپی میں بتا نہیں سکتی میری کیا حالت تھی پڑھ کر۔ اللہ کبھی کسی کے بھائی کو اس سے دور نہ کرے کہ یہ تکلیف اور دکھ تو سب سے بڑا ہوتا ہے۔ "دشت طلب کی دھول" عقیقہ ملک بہت مبارک باد اتنا خوب صورت ناول لکھنے پر' الفاظ اتنے خوب صورت۔ عظمیٰ کا کردار اور اختتام زبردست' بے شک خود پسند لوگ ہی خود اذیتی برداشت کرتے ہیں اور زندگی میں تنہا رہ جاتے ہیں شاید اس لیے کہتے ہیں کہ دل خوب صورت ہونا چاہیے' چہرہ تو خوب صورت بن بھی جاتا ہے۔ بات ہو جائے سلسلے وار ناول کی "موم کی محبت" راحت وفا کافی خوب صورتی سے ناول کو آگے بڑھا رہی ہیں' پھر بھی کافی گتھیاں ابھی سلجھنے کے انتظار میں الجھتی جارہی ہیں خیر انتظار ہے اگلی قسط کا۔ "ٹوٹا ہوا تارا" سمیرا آپی' اُف آپ نے تو پورا سامان کر رکھا تھا' رلانے کا۔ شکر ایاز تو ٹھکانے لگا دیا مگر یہ کیا شہوار کا اتنا بڑا نقصان اور انا کے ساتھ اتنا ظلم تو بہ آپی آپ کو ذرا رحم نہیں آتا۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے' آپی سمیرا ہاتھ ہولا رکھیں اور میں تو کہتی ہوں بس اب انا اور ولید کا نکاح پڑھوا دیں جلدی سے بڑا مزہ آئے گا۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" نازیہ آپی پہلے تو یہ بتائیں آپ اتنی خوب صورت اور دلوں کو چھو جانے والی شاعری کہاں سے لاتی ہیں۔ اتنے خوب صورت الفاظ بھئی واہ...... بات ہو ناول کی تو بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہا ہے' آپ کے لیے بہت سی دعائیں۔ ناولٹ میں "ترے عشق نچایا" نگہت عبداللہ میری فیورٹ رائٹرز میں سے ایک نام' بہت خوب صورت تحریر۔ مونی اور نشاء ایک خوب صورت کپل بن سکتا ہے' احسن کو تانیہ کے لیے منانا' یہ کام نشاء ہی کر سکتی تھی۔ "گمشدہ رشتے" ہما عامر کی تحریر پسند آئی' بہت مبارک باد ڈیئر۔ افسانوں کی بات ہو جائے تو سب کی کاوش اچھی تھی مگر جو زیادہ پسند آئی وہ ہے "گھنا سایہ" نظیر فاطمہ اس تحریر کی جتنی تعریف کروں کم ہے کتنے ہی گھروں کی کہانی ہے یہ' فرق صرف اتنا کہ نور نے قربانی دے کر اپنے ابا کو اپنی غلطی کا احساس دلا دیا۔ کاش سب والدین اس رمز کو سمجھ جائیں تو کوئی نور جدا نہ ہو۔ باقی "بدلتی رتیں" سویرا فلک بہت مبارک باد' ایک اور کامیابی پر' اللہ ہمیشہ ایسے ہی کامیابیاں عطا کرے' آمین۔ "زندگی حسین ہے" ریحانہ آفتاب اور "باب محبت" آپ دونوں کو بھی ڈھیروں مبارک باد اس کامیابی پر۔ "اب کر میری رفو گری" شبانہ شوکت پہلی کاوش لکھنے پر ڈھیروں مبارک باد بہت اچھا لگا۔ ڈھیروں دعائیں آپ لوگوں کے لیے۔ بات ہو بیاض دل کی تو یاسمین کنول' ثانیہ مسکان' سیدہ ندا کرم' عائشہ سلیم اور شبانہ امین کا انتخاب دل کو چھو گیا۔ نیرنگ خیال میں فریدہ آپی' فصیحہ آپی' مشاء علی' مالا بھٹی رانا (بہت مبارک باد) ماہ نور' سامعہ ملک' نوشین' ثوبیہ بلال' انا احب اور مدیحہ اکرم پسندیدہ رہی۔ کوثر ناز کی نظم بھی پسند آئی' دوست کا پیغام آئے' ہما آپی سے میں سخت ناراض ہوں۔ آپی سمیت کسی کو میری یاد نہیں آئی۔ یادگار لمحے میں سباس آپی کی نظم' سنیاں واقصیٰ زرگر' فائزہ بھٹی (زبردست) عقیلہ رضی کے گولڈن لفظ۔ لیلیٰ شاہ' ارم کمال اور نجم انجم کا انتخاب بہت پسند آیا۔ آئینہ خانے میں کچھ نئے چہرے نظر آئے مگر پرانے کہاں غائب ہیں شہلا آپی؟ عنبر مجید' حرا قریشی (یار کہاں سے لاتی ہو اتنے خوب صورت الفاظ کہ بس پڑھے ہی جانے کو دل کرے) طیبہ نذیر (زبردست) ارم کمال (کیا بات ہے تمہاری) شائستہ جٹ کے تبصرے پسند آئے کیونکہ ہر بات کا ذکر تھا' بھئی چھوٹے موٹے تبصروں میں مزہ نہیں آتا' مجھے تو وہ تبصرے پسند آتے ہیں جو ذرا تفصیلی ہوں۔ ہم سے پوچھیے میں سب سوالات سیر اور جوابات سوا سیر' ویل ڈن شمائلہ کاشف۔ کام کی باتیں' حنا احمد زبردست انعام خان' کافی معلوماتی تحریر تھی۔ آخر میں ان سب دوستوں کا شکریہ جو میری زندگی کا حصہ رہی اور جو ہیں خاص طور پر میری اسکول فرینڈز عابدہ' صباء' عینی' گلناز' سمیرا' حمیرا' سعدیہ انجم' عنبرین' اقراء' شمائلہ کالج فرینڈز صبا' رمشہ' سعدیہ انجم' تحسین' حور' سائرہ' نصاحت' رما' ثمن' ارم' تم سب لوگ جہاں بھی رہوں میری دعاؤں اور یادوں میں شامل رہو گی۔ مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا' والسلام۔

☆ پیاری فریحہ! آپ کا تفصیلی و جامع تبصرہ پسند آیا۔

انعم زرین' سائرہ زرین...... چکوال۔ السلام علیکم شہلا آپی' قارئین' مصنفین اور آنچل اسٹاف کو ہمارا محبتوں بھرا پرجوش سلام' ڈیئر شہلا آپی آپ کیسی ہیں؟ امید ہے ٹھیک ہوں گی' اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش و خرم اور تندرست رکھے' پچھلے کئی ماہ سے غیر حاضری کی وجہ مصروفیات تھیں لیکن اب مصروفیات میں بھی آنچل کو تھامے رکھا۔ اس دفعہ آنچل کا ٹائٹل بہت فریش سا لگا' در جواب آں میں نزہت جبیں ضیاء کے شوہر کی ناساز طبیعت کے متعلق جان کر دل بوجھل سا ہو گیا۔ ہم نے دل سے دعا کی ہے ان شاء اللہ وہ جلد صحت یاب ہوں گے۔ نادیہ فاطمہ رضوی آپ کو ہماری طرف سے زندگی کے نئے سفر کی بہت بہت مبارک باد۔ دانش کدہ ہمیشہ کی

طرح معلومات سے بھرپور ڈائجسٹ کا یہ سلسلہ پورے ڈائجسٹ کی جان ہے۔ ”چراغ خانہ“ کہانی کا عنوان بہت زبردست ہے گزشتہ قسط میں تو تعارف ہی ہوا اور اب دوسری ہی قسط میں اتنا بڑا جھٹکا؟ اب تو بس ہماری دعائیں ”پیاری“ کے ساتھ ہیں کہ مشہود بھائی خیریت سے گھر پہنچ جائیں' ساتھ میں یہ دانیال کی محبت اور دوستی کا بھی تو امتحان ہے اس کے بعد دوڑ لگائی ”موم کی محبت“ کی طرف راحت آپی ناول کچھ کچھ بوریت کا شکار ہورہا ہے۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ کی اس دفعہ کی قسط بہت زبردست تھی۔ سمیرا آپی نے پھر سے لفظوں کا خوب صورت سا جال بچھا کر دل کو گرفت میں لے لیا' ایک ساتھ اتنی بڑی الجھنوں کا ڈھیرے ڈھیرے سلجھنا سچ میں قسط کا مزہ آ گیا لیکن اس سب میں شہوار پر جو بیتی بہت ہی دکھ کی بات ہے۔ تابندہ بی جو کہ افشاں بھابی ہیں' ان کے پاس ضرور کوئی نہ کوئی راز دفن ہے' سمیرا آپی پلیز سسپنس اچھا لگتا ہے لیکن کچھ باتیں ہم ہضم نہیں کرسکتے جلدی جلدی سسپنس ختم کریں۔ ”شب ہجر کی پہلی بارش“ میں نازی آپی بہت کھچڑی بنی ہوئی ہے لیکن اس قسط کی آخری سطر پڑھ کر بے اختیار دل تھام لیا کہ دونوں گدھ ایک دوسرے کو نوچنے کا سوچ رہے تھے اور ادھر تقدیر کے پنوں پر سیاہی بکھرتی جارہی تھی۔ اف تو بہ انسان کو پتا ہی نہیں چلتا اور وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے مقدر کی سیاہی خرید لیتا ہے۔ ”ترے عشق نچایا“ بھی اچھا جارہا ہے سب سلسلے وار ناولز کے بعد اب بات ہوجائے افسانوں کی تو سب سے پہلے ہماری نگاہ کا مرکز ”زندگی حسین ہے' گھنا سایہ' باب محبت' دشت طلب کی دھول“ اور ”گمشدہ رشتے“ قابل تعریف ٹھہریں۔ سباس آپی' حیا آپی' اقراء صغیر احمد آپ کہاں ہیں جلدی سے ایک بمباسٹک ناول کے ساتھ انٹری دیں۔ ڈش مقابلہ میں سب ہی ڈشیز پسند آئیں' بیوٹی گائیڈ بہت ہی اچھا سلسلہ ہے۔ دوست کا پیغام آئے میں نٹ کھٹ سی دوستوں کے پیغامات پڑھ کر دلی خوشی محسوس ہوئی۔ آئینہ میں ارم کمال اور حرا قریشی کے خطوط اچھے لگے۔ کام کی باتیں واقعی کام کی باتیں ہیں' موسم کی مناسبت سے ہماری معلومات میں اضافہ کریں۔ حسب معمول سب سلسلے ذوق وشوق سے پڑھے' رب کریم ہمیشہ حجاب اور آنچل کو خوشبو سے معطر رکھیں اور سب قارئین اور بہنوں کو دعا اور پیار بھرا اسلام' اگلے ماہ کے میگزین کا بھی بے چینی سے انتظار ہے' آئندہ ماہ تفصیلی تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گے تب تک کے لیے اجازت' اللہ نگہبان۔

نائمہ خان...... ای میل۔ السلام علیکم! کیا حال ہیں آپی آپ کے' میں آنچل بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ نازیہ آپی کا ناول ”شب ہجر کی پہلی بارش“ بہت اچھا جارہا ہے۔

سیدہ مائرہ منور...... حافظ آباد' ای میل۔ السلام علیکم! آنچل میرا فیورٹ ڈائجسٹ ہے' اکیشلی نازی آپی کو پڑھنا اچھا لگتا ہے سب سلسلے اچھے جارہے ہیں۔ ”ترے عشق نچایا“ کی کیا بات ہے' پہلی دفعہ شریک محفل ہوں' اگلی دفعہ تفصیلی خط کے ساتھ حاضری لگاؤں گی' اللہ حافظ۔

☆ پیاری مائرہ! خوش آمدید

شازیہ...... ٹوبہ ٹیک سنگھ' ای میل۔ السلام علیکم شہلا آپی میں آنچل کافی ٹائم سے پڑھ رہی ہوں' مگر خاموش قاری ہوں۔ ایک بار پہلے بھی آپ کی محفل میں شامل ہوئی تھی اس بار صرف ”ٹوٹا ہوا تارا“ کے لیے' سمیرا آپی سے کہنا چاہتی ہوں کہ اچھا کیا انہوں نے ایاز کو شوٹ کروادیا ورنہ میں تو کردیتی سچ میں۔ باقی آنچل بہت اچھا جارہا ہے' بہنوں کی عدالت میں فاخرہ گل کے لکھنے کے بارے میں محتاط سوچ بہت اچھی لگی اگر ساری رائٹرز ایسا نقطہ نظر رکھیں تو پاکستانی قوم کی اصلاح یقینی ہے۔ اب تک کے لیے اتنا ہی اللہ حافظ۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے وطن پاکستان کو امن وسلامتی عطا کرے اور حاسدوں کے شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہم سب کو اپنے خاص فضل وکرم کے سایہ میں رکھے آمین۔

aayna@aanchal.com.pk

ہم سے پوچھیے

شمائلہ کاشف

آمنہ جٹ...... میرپور آزاد کشمیر

س: اپیا جان کیسی ہیں؟ پہلی دفعہ تشریف لائی ہوں آپ کی محفل میں جگہ دیں گی؟

ج: خوش آمدید اب وجہ تاخیر بھی عرض کرو۔

س: کیا میں آپ کی دوست بن سکتی ہوں اپیا جان؟

ج: دوست بن کر ادھار تو نہیں مانگو گی؟ سچ بتانا پھر سوچتی ہوں۔

س: آپ کو کون سا رنگ پسند ہے کیا ہم پوچھ سکتے ہیں؟

ج: محبت کا رنگ' اپنوں کے سنگ آئندہ پوچھ کر ہمیں کرنا نا تنگ۔

س: اچھا اپیا جان! اب اجازت لیتی ہوں ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہیں آمین۔

ج: تم بھی سدا شاد رہو آمین۔

دیا آفرین...... شاہدرہ

س: زمانے بیت جاتے ہیں سزا پوری نہیں ہوتی' بتایئے بھلا کون سی؟

ج: کہیں تمہاری مراد شادی خانہ آبادی سے تو نہیں' قید حیات اور وہ بھی بامشقت۔

س: آدھی رات کو کمرے میں کھٹ پٹ کی آواز آئے تو کیا سمجھنا چاہیے چوہا یا جن بھوت؟

ج: کہیں تم چوہیاں تو نہیں...... جبھی کھٹ پٹ کر کے سب کی نیندیں خراب کرتی ہو۔

س: ساری دنیا ایک طرف ہم بے چارے اکیلے کیوں بھلا؟

ج: تمہاری ساس تمہاری ان فضول حرکتوں کی وجہ سے اپنے بیٹے کو رخصت کرنے پر تیار نہیں اسی لیے اکیلی ہو۔

موناشاہ قریشی...... کبیروالہ

س: آداب بجو جانی! واللہ یہ ناراضگی ایسی جان لیوا خفگی کہ اپنی بزم میں داخلہ ہی منسوخ کر دیا ہمارا' کیوں؟

ج: ہم بھلا کون ہوتے ہیں اس ناچیز سے ناراض ہونے والے جبکہ آپ بزعم محکمہ ڈاک میں پھنسی تھیں۔

س: کوئی شعر تو داغ دیں موڈ بڑا اداس ہے۔

ج: ہماری اتنی مجال نہیں کہ ہم آپ کو "داغ" دے سکیں ویسی بھی وہ بے چارے رحلت فرما گئے۔

ارم کمال...... فیصل آباد

س: شمائلہ جی! جلدی سے بتائیں دیواروں سے باتیں کب کی جاتی ہیں؟

ج: جب میاں جی سے جھگڑا ہو جائے تب ان کی برائیاں دیواروں سے ہی تو......

س: مجھے تم سے شدید قسم کی "وہ" ہو گئی ہے بھلا بتاؤ کیا؟

ج: توبہ توبہ تم کو بھی شدید قسم کی "وہ" ہو گئی ہے ہمیں تم سے ہرگز بھی یہ امید نا تھی افسوس۔

س: لڑکیاں ہر چیز میں بلیک کلر کیوں پسند کرتی ہیں لیکن میاں وائٹ مانگتی ہیں؟

ج: تو کیا پہلوئے حور میں لنگور کو بٹھا لیں۔

س: محبت+اعتماد+خدمت= کیا بنا؟

ج: سسرال والوں کے لیے سب کیا مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔

نجم انجم...... اعوان

س: سی این جی بند تھی اس لیے شاہی سواری پر آئی ہوں' سواری کا نام بتایئے؟

ج: میاں گاڑی...... آسان الفاظ میں گدھا گاڑی۔

س: دل پر قبضہ کرنے والے جن بھوت کو بھگانے کا طریقہ بتاؤ؟

ج: ساس نندوں کا دیدار کرو دل پر کیا کبھی خواب میں بھی جن بھوت نظر نہیں آئیں گے۔

س: عشق کرنے سے بدنامی کیوں ملتی ہے؟

ج: اس عمر میں عشق کرو گی تو بدنامی ہی ملے گی آنٹی!

س: دل میں جانے کے لیے کس بس میں سوار ہونا چاہیے؟

ج: تمیز و تہذیب کی بس میں اور اس بس میں سوار ہونے کے لیے آپ کے پاس کرایہ نہیں۔

س: عاشق کو دیوانہ کیوں کہتے ہیں؟

ج: آپ سر پھرا کہہ لیں آخر آپ کا شمار بھی تو...... سمجھ گئی ناں۔

نورین انجم اعوان...... کورنگی' کراچی

س: سویٹ آنٹی! میں اکثر سوچتی ہوں کہ لوگ سیب' انگور' امرود وغیرہ جامن چھلکے کے ساتھ کھاتے ہیں تو پھر تربوز' خربوزہ' آم' کیلا' انار چھلکے کے ساتھ کیوں نہیں کھاتے؟ ہاہاہا۔

ج: کیونکہ وہ چھلکے ہم آپ کے لیے جو بچا کر رکھتے ہیں

محترمہ بکری صاحبہ!

س: جب گھر کا کام کرنے کو دل نہ چاہے تو کون سا بہانہ کروں؟

ج: کہہ دینا امی دوسرے گھر جا کر ضرور کروں گی ابھی آرام کرنے دیں۔

س: کوئی اچھی سی نصیحت تاکہ کامیابی میرا مقدر بنے؟

ج: پہلے اپنی امی کی نصیحت پر عمل کرو بیٹا پھر دوسروں سے نصیحت لینا۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

س: آپی مرغا فجر کی اذان دیتا ہے باقی چار اذانیں کیوں نہیں؟

ج: باقی چار سے پہلے ہی آپ جیسے لوگ اسے ذبح کر چکے ہوتے ہیں۔

س: اُدھار محبت کی قینچی کیسے جی؟

ج: نہیں بتاؤں گی ورنہ محبت کے واسطے دے کر ادھار مانگو گی۔

س: من کے پنچھی کو کس پنجرے میں قید کیا جائے؟

ج: سسرال کے پنجرے میں۔

س: یکم جنوری کو میری برتھ ڈے ہے کیا تحفہ دیں گی؟

ج: کنجوسی کی چابی دوں گی تاکہ تم حاتم طائی کے خزانے سے کچھ تو خرچ کرو۔

س: میری ہر سوچ میں آپ کیوں ہیں آخر؟

ج: کیونکہ ہم ہیں ہی خواب سوچ میں رہنے والوں کے لیے۔

س: سردیاں گرمیوں میں کیوں نہیں آتی؟

ج: لگتا ہے تمہارے دماغ پر سردی نے گہرا اثر ڈالا ہے اور تمہارا دماغ جم گیا ہے۔

س: آپ کی خوب صورتی کا کیا راز ہے؟

ج: بہت اچھا راز ہے لیکن بتاؤں گی نہیں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

س: میرے پیا پرنس افضل شاہین کی نظر یا پڑوسن کی چھوکریا پر اٹکنے لگی ہے کیا کروں؟

ج: اس میں کرنا کیا ہے دعوت ولیمہ کا اہتمام کر کے سوتن گھر لے آؤ روز روز کی تانکا جھانکی سے ان کو جہاں نجات ملے گی وہیں گھر کے کام کرنے والی بھی آجائے گی۔

س: عورت کی محبت میں مرد نے تاج محل بنوایا مگر مرد کی محبت میں عورت نے کیا بنوایا؟

ج: قبرستان بنوائے یقین نہیں آتا تو کسی بھی قبرستان میں جا کر دیکھ لیں خواتین سے زیادہ مردوں کی قبریں نظر آئیں گی۔

س: سنا ہے آپ کے میاں جانی بات کرتے ہیں تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں مگر میرے میاں کے منہ سے تو؟

ج: ان کی عمر پوری ہو چکی ہے لہٰذا آپ کے میاں جی کے منہ سے دانت ہی جھڑیں گے۔

عقیلہ رضی...... فیصل آباد

س: آپی اتنی بے قرار کیوں ہیں ہم نے آ ہی جانا تھا؟

ج: اسی بات پر بے چین و بے قرار ہیں کہ تمہاری آمد ہو چکی ہے اب اللہ ہی بچائے۔

س: آپی جی آپ کے بال اتنے لمبے ہیں کیا استعمال کرتی ہیں اب یہ نہ کہنا بیوٹی سوپ' ٹائم سوپ' چھالی مارکہ' برتن دھونے والا صابن......؟

ج: اپنی حسین زلفوں کا راز بتا دیا ہے تبھی گنج پن کی شکایت ہے تمہیں۔

س: آپی جب میں ریڈ کلر پہنتی ہوں بھلا پھر کیا ہوتا ہے؟

ج: تم آگے آگے اور کالی گائے تمہارے پیچھے پیچھے چودہ طبق روشن کرنے کے لیے۔

وثیقہ زہرہ...... سمندری

س: آپی زلزلہ آیا مجھے آپ کی فکر ہو رہی تھی؟

ج: اس لیے کہتی ہوں زمین پر چلا کرو بھاگا مت کرو زمین تمہارا وزن برداشت نہیں کر پاتی۔

س: ارے حیران نہ ہوں پیار سے پوچھ رہی تھی آپ نے پہچانا مجھے؟

ج: شیطان کی خالہ آپ کو کون نہیں پہچانے گا۔

س: میرا آنا برا تو نہیں لگتا آپ کو بتائیں تو؟

ج: اب اگر آپ کو سچ بتا دیا تو آپ کو برے سے بھی زیادہ برا لگ سکتا ہے جانے دیں۔

س: میں بہت حساس ہوں اپنی حساسیت ختم کرنے کے لیے کیا کروں؟

ج: ہر بار ہم سے پوچھنے میں حاضر ہو جاؤ صرف حساسیت ہی نہیں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے گی۔

لائبہ میر...... حضرو

س: سنجیدہ لڑکی سنجیدہ موڈ میں سنجیدہ سوالات کے ساتھ دانتوں کے بجائے دماغ کا استعمال کیوں کرتی ہے؟

ج: کیوں تمہاری بتیسی کوئی چرا کر لے گیا ہے غائب

دماغ خاتون۔

س: گونگے لوگ سرگوشیاں کرسکتے ہیں کیا؟

ج: یہ سوال اپنے شوہر سے کرو جو تم سے شادی کرکے گونگا ہوگیا ہے۔

س: محبت کا نام محبت کس نے رکھا تھا آج کل مجنوں، لیلیٰ، ہی رانجھا جیسے لوگ کیوں نہیں ہوتے؟

ج: کس نے کہا نہیں ہوتے اپنے میاں کو ہی دیکھ لو تم سے شادی کرنے کے بعد مجنوں کی طرح اپنے ہی گھر میں گھومتا ہے۔

اسماء نور عشا...... بھوج پور

س: شمائل آپی! پہلی بار آپ کی محفل میں تشریف لائے ہیں، خوش آمدید نہیں کہیں گی؟

ج: خوش آمدید کہہ تو دوں مگر پہلے یہ تو بتاؤ کہ پہلے تمہیں کہوں یا تمہاری ساس کو۔

س: آپی! مجھے لگتا ہے آپ بالکل میری طرح خوب صورت، اسمارٹ اور کیوٹ سی ہیں ہاں یا ناں؟

ج: بہت زیادہ خوش فہمی ہے تم کو اپنے بارے میں مجھ جیسا تو کوئی دوسرا اس محفل میں ہے ہی نہیں۔

فوزیہ سلطانہ...... تونسہ شریف

س: شمائلہ آنٹی! آپ اتنی شرارتی کیوں ہیں؟

ج: یہ عمر ہی شرارت کرنے کی ہے ننھی بوا!

س: آپ بچوں کو نیند میں ڈرانے کیوں آتی ہیں؟ (میں ڈر گئی تھی نیند میں آپ کو دیکھ کر)؟

ج: لگتا ہے تم نے آئینہ دیکھ لیا ہوگا۔

س: خواب میں میں نے آپ کو دیکھا تھا، اپنے لمبے لمبے دانت، لمبے لمبے ناخن، سرخ آنکھیں، اُف توبہ؟

ج: اُف اتنی جیلس ہو تم مجھ سے اللہ رحم کرے۔

س: اُف توبہ! آپ ہر وقت میرے کان میں یہ نہ کہا کریں کہ میں ایک بار کہہ دوں کہ آپ بہت خوب صورت ہیں (میں جھوٹ نہیں بول سکتی؟)

ج: یہ تو سب سے بڑا جھوٹ ہے کہ آپ جھوٹ نہیں بول سکتیں۔

عائشہ صدیقہ...... چکوال

س: میرا ہاتھ دیکھئے اور جلدی سے بتایئے...... بھلا کیا؟

ج: کتنے گندے ہیں......اُف......

س: آج ایک کوے نے مجھے آپ کا سلام دیا یہ کوے کب سے پیغام رسانی کے لیے رکھ لیے آپ نے؟

ج: آپ کے میاں جی سے کوئی کام تو کروانا تھا اس لیے میں نے انہیں پیغام رسانی کے لیے رکھ لیا، واپسی کا کرایہ ادھار لے گئے تھے شرافت سے دے جانا۔

س: شوہر خود بدسلیقہ ہوکر سلیقہ دار بیوی کی تمنا کیوں کرتا ہے؟

ج: عقل سے پیدل ہوتے ہیں اس لیے۔

س: او ہو جارہی ہوں ناد ھکے تو نہ دیں اللہ حافظ پھر آؤں گی ضرور دیکھ لیجیے گا۔

ج: آنا ضرور، پہلے جاؤ تو سہی۔

نورین مسکان سرور...... سیالکوٹ ڈسکہ

س: آپی نئے سال کی خوشی میں بھی آپ کی محفل ہمارے بنا سونی رہی سنا تو بس دوڑے چلے آئے؟

ج: دوڑتی کیوں نہیں پیچھے کتا جو لگ گیا تھا اب جلدی سے یہ بتاؤ کہیں کاٹا تو نہیں۔

س: آپی سب ہر فنکشن پر مجھ سے کہتے ہیں پارلر سے تیار ہوآؤ مگر میں تو کہتی ہوں کہ بھلا نورین مسکان کیوں جائے کیونکہ حسن والوں کو سنورنے کی ضرورت کیا ہے؟ سادگی میں بھی قیامت کی ادا ہوتے ہیں۔

ج: پارلر جایا کرو کہ آنکھوں کو تسکین ملے ایسا ہم نہیں تمہارے وہ کہتے ہیں بہت خوف محسوس ہوتا ہے تمہیں دیکھ کر۔

س: آپی ویسے آپ نے پچھلی بار مجھ سے اس نئے سال پر کچھ اچھا سا گفٹ دینے کا وعدہ کیا تھا تو......؟

ج: کس سال پر وضاحت بھی دو اور ساتھ میں گفٹ لینے کے پیسے بھی۔

س: ہاں ہاں جی یہ لپ گلوس تو میں آپ کے لیے لائی تھی مم...... مگر ادھار...... وہ آپ پیسے......؟

ج: اب نہیں دوں گی ویسے بھی تم ادھار پیسے لے کر واپس نہیں کرتی اور غائب بھی ہوجاتی ہو۔

س: ارے ارے روئیں مت، بس چند دنوں کی جدائی ہے ہم تو پھر سے آپ کی محبت میں ڈوب کر بنا کشتی کے بھی چلے آئیں گے۔

ج: ہاں کیوں کہ تمہیں تو سمندر بھی قبول نہیں کرتا۔

ہومیوڈاکٹرہاشم مرزا

سورج مکھی حویلیاں سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترمہ آپ EUPION-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور SABINA-200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن پیا کریں اور 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں بال ختم کرنے والا APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

حبہ نور سمندری سے لکھتی ہیں کہ میرا پیٹ بڑھا ہوا ہے کھانا کھانے کے بعد مزید پھول جاتا ہے اور سر کے بال بہت تیزی سے گررہے ہیں اس کا علاج بتادیں۔

محترمہ آپ CALCFLOUR-6X کی چار چار گولی تینوں وقت کھانے سے پہلے کھالیا کریں اور مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں۔ HAIR GROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ تین چار بوتل کے استعمال سے بال گرنے بند ہوں گے اور گرے ہوئے بالوں کی جگہ نئے مضبوط بال پیدا ہوں گے۔

یاسمین گلزار احمد نواب شاہ سے لکھتی ہیں کہ میری شادی کو پانچ سال گزر گئے چار سال بعد امید ہوئی تھی مگر چھ ماہ کا حمل ضائع ہوگیا۔ الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ بھیج رہی ہوں کوئی مناسب علاج تجویز فرمائیں۔

محترمہ آپ APIS-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں ان شاءاللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

پروین بہاولپور سے لکھتی ہیں کہ میری ٹھوڑی اور اپر لپ پر غیر ضروری بال ہیں جو بہت برے لگتے ہیں مختلف ٹیسٹ کروانے پر یہ معلوم ہوا کہ ہارمونز کا مسئلہ ہے۔

محترمہ آپ OLIUMJAC-3X کی ایک ایک گولی تینوں وقت کھانے سے پہلے کھالیا کریں اور مبلغ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں۔ APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گا دونوں دواؤں کے استعمال سے ان شاءاللہ بال ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں گے۔

عابدہ فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترمہ آپ ایفروڈائٹ کے لیے 900 روپے اور ہیئر گروور کے لیے 700 روپے اور بریسٹ بیوٹی کے لیے 600 روپے ٹوٹل 2200 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر تینوں دواؤں کے نام ضرور لکھیں تینوں دوائیں آپ کے گھر پہنچ جائیں گی ان پر لکھی ہوئی ترکیب استعمال کے مطابق استعمال فرمائیں اور چہرے پر دانوں کے لیے GRAPHITES-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں کھانے سے پہلے پلائیں یہ دوا کسی بھی ہومیو پیتھک اسٹور سے جرمنی کی بنی ہوئی حاصل کریں۔

عاصمہ گجرات سے لکھتی ہیں کہ میری ناک میں خارش بہت ہوتی ہے صبح سو کر اٹھنے پر اور چھینکیں بھی بہت آتی ہیں اور ناک سے پانی بہتا ہے میرا یہ مسئلہ دو سال پرانا ہے اور میرا وزن بھی بڑھا ہے۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA BARRY-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔ GELSEMIUM-6 کے پانچ قطرے تینوں وقت کھانے کے آدھے گھنٹے بعد پی لیا کریں۔

مسز زاہد لیاقت پور سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر براؤن اور بلیک تل ہیں اور میرے سر کے بال میں نے کلر کرائے ہیں کلر ختم ہوگیا اور بال سارے سفید ہوگئے اور

بڑھتے بھی۔ کمزوری بہت ہوگئی ہے جسم تھکا تھکا سا رہتا ہے اور بلڈ پریشر بھی لو رہتا ہے اس کا علاج بھی بتادیں۔

محترمہ آپ KALIPHOS-6X کی 4-4 گولی تینوں وقت کھانے سے پہلے کھائیں اور THUJA-Q کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے کے بعد پیا کریں اور مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں ہیئر گروور آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

بنت زاہد شیخوپورہ سے لکھتی ہیں کہ اپنی مکمل کیفیت لکھ رہی ہوں برائے مہربانی کوئی مناسب دوا تجویز فرمائیں تاکہ میری بھی صحت بحال ہو۔

محترمہ آپ COLCHICUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور زیادہ سے زیادہ پیدل چلا کریں۔

افرا فائزہ میانوالی سے لکھتی ہیں کہ 700 روپے کا منی آرڈر بھیج رہی ہوں ہیئر گروور ارسال فرمائیں۔

محترمہ آپ نے آنچل کے پتے پر منی آرڈر کیا اور منی آرڈر فارم پر اپنا مکمل پتا نہیں لکھا جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح پڑھا نہیں جارہا لہٰذا آپ فون نمبر پر رابطہ فرمائیں اور اپنا مکمل پتا لکھوائیں فون نمبر کے ساتھ تو آپ کو ہیئر گروور پہنچ جائے گا۔

بشریٰ رانا ہڑالی سے لکھتی ہیں کہ میری بہن کو تھوڑی سے لے کر کان کی لوتک اور گردن پر بہت سخت اور بڑے بال ہیں الغرض پورے جسم پر مردوں کی طرح بال ہیں ماہانہ نظام بھی خراب ہے اور میری بہن کو سیلان کی شکایت ہے اس کا علاج بتادیں۔

محترمہ آپ BORAX-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور فالتو بال ختم کرنے کے لیے بہن کو OLIUMJAC-3X کی ایک ایک گولی تینوں وقت کھانے سے پہلے دیا کریں اس کے علاوہ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں۔ APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گا تین چار بوتل کے استعمال سے بالوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوجائے گا۔

خشامہ خان بکھر سے لکھتی ہیں کہ میں پہلے دبلی پتلی تھی اب میرا جسم بہت بھاری ہوگیا ہے میں وزن کم کرنا چاہتی ہوں دوسرا مسئلہ میری بہن کا ہے جس کے چہرے پر دانے نکلتے ہیں اس کا علاج بتادیں۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA BARY-Q دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور بہن کو GRAPHITES-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے دیا کریں۔

زوبیہ گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں کہ میرے ماتھے پر کنپٹی کے پاس جلے ہوئے کا نشان ہے بچپن میں جلا تھا برائے مہربانی مجھے اس کے لیے کوئی دوا بتادیں اور میرے چھوٹے بھائی کے منہ پر سرخ رنگ کے چھوٹے چھوٹے دانے بنتے ہیں جو بعد میں داغ چھوڑ جاتے ہیں۔

محترمہ آپ اپنے بھائی کو GRAPHITES-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے دیا کریں جلے ہوئے پرانے داغ کا کوئی علاج نہیں ہے۔

عشرت کومل لدھے والا وڑائچ سے لکھتی ہیں کہ ہم تینوں کزنز کا بریسٹ کا مسئلہ ہے بریسٹ بیوٹی سے ہمارے مسئلے حل ہوجائیں گے۔

محترمہ آپ 1800 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر اپنا مکمل نام پتہ صاف ستھرا لکھیں اور تین بوتل بریسٹ بیوٹی کے الفاظ ضرور لکھیں بریسٹ بیوٹی آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

منصور احمد خان ٹوپی ضلع صوابی سے لکھتے ہیں کہ میری ماں کا مسئلہ ہے ان کے سر میں درد رہتا ہے ہر قسم کے ڈاکٹروں اور حکیموں سے علاج کرایا لیکن افاقہ نہ ہوا میری

ماں کے پندرہ سالوں سے سر میں درد ہے اس کا علاج بتادیں آپ کی بڑی نوازش ہوگی۔

محترم آپ اپنی والدہ کو USENEA BARBATA-3x کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے دیں ان شاءاللہ دائمی سر درد سے مکمل شفا حاصل ہوگی۔

ر۔ط گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں کہ میں اپنا رنگ گورا کرنا چاہتی ہوں اس کے لیے کوئی دوا بتادیں۔

محترمہ آپ JODUM-1000 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر پندرہ دن میں ایک بار پیا کریں چھ ماہ کا کورس مکمل کرلیں۔

مسز عبدالشکور ڈسکہ سے لکھتی ہیں کہ میری عمر تیس سال ہے میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے چہرے پر بہت زیادہ فالتو بال ہیں مردوں کی طرح اور یہ دن بہ دن بڑھتے جا رہے ہیں اور مجھے ماہواری بھی باقاعدگی سے نہیں ہوتی کبھی دو ماہ بعد اور کبھی تین ماہ بعد میرا یہ مسئلہ شادی سے پہلے بھی تھا اور دوسرا مسئلہ میرا پیٹ بہت بڑھا ہوا ہے بچوں کی پیدائش کے بعد سے بہت امید سے آپ کو خط لکھ رہی ہوں کہ میرا ابھی مسئلہ حل کریں گے۔ان شاءاللہ

محترمہ آپ CALC FLOUR-6X کی چار چار گولی تینوں وقت کھانے سے پہلے کھالیا کریں اس کے علاوہ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں۔ APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گا تین چار بوتل کے استعمال سے بال ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں گے۔

طاہرہ کوثر چکوال سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترمہ آپ نے لکھا ہے کہ رسولی کا دانہ بن رہا ہے اس کی مکمل تفصیل لکھیں دانے کا مقام اور پوری کیفیت لکھیں آپ کے دوسرے مسئلے کے لیے 1600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں دوا آپ کو بھیج دی جائے گی۔شادی سے ایک ماہ پہلے استعمال شروع کردیں۔شادی تک استعمال جاری رکھیں ان شاءاللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

مہوش نورین جھنگ صدر سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترمہ آپ MERC COR-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور SABAL SERULATA-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے آدھے گھنٹے بعد پیا کریں بریسٹ بیوٹی کا استعمال جاری رکھیں۔

ش ن دھنوالہ، فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترمہ آپ نے بہت سے مسائل لکھے ہیں ان سب کا علاج اتنی دور سے بیٹھ کر نہیں ہوسکتا اس کے لیے مریض کا معائنہ اور سامنے رہنا ضروری ہے لہٰذا آپ کسی اچھے مقامی ہومیو پیتھک ڈاکٹر سے رجوع فرمائیں۔

عروسہ نصیر ملتان سے لکھتی ہیں کہ میرا قد چھوٹا ہے کوئی مناسب دوا بتادیں میرا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میری کمر پر دانے ہیں اور میری کزن کے چہرے پر دانے ہیں اور میری اس کزن کا وزن بھی بڑھا ہوا ہے ان سب مسئلوں کا حل بتادیں اللہ تعالیٰ آپ کو اور آنچل کو ترقی دے آمین۔

محترمہ آپ CALC PHOS-6X کی چار چار گولی تینوں وقت کھانے سے پہلے کھایا کریں اور BARIUM CARB-200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر آٹھویں دن ایک بار پیا کریں اور دانوں کے لیے GRAPHITES-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور وزن کم کرنے کے لیے PHYTOLACCA BARY-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

ص۔م ساہیوال لکھتی ہیں کہ آپ سب کے مسائل

حل کرتے ہیں پلیز میرا بھی مسئلہ حل کریں میں بہت امید سے آپ کو خط لکھ رہی ہوں مجھے کافی عرصہ سے قبض کا مسئلہ ہے چند ماہ سے سکرلیکس کے قطرے استعمال کررہی ہوں مگر یہ وقتی حل ہے مجھے مستقل علاج چاہیے میرا خط شائع ضرور کریں میرا دوسرا مسئلہ میرے چہرے پر باریک پیپ بھرے دانے نکلتے ہیں تیسرا مسئلہ میرے چہرے پر فالتوں بال بھی ہیں پلیز مجھے ان سب کا علاج بتادیں۔

محترمہ آپ GRAPHITES-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں ایفروڈائٹ آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے فالتو بال ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں گے۔

مسز ارشاد لیاقت پور سے لکھتی ہیں کہ میری دو بیٹیاں ہیں ان کے قد عمر کے لحاظ سے چھوٹے ہیں اس کا علاج بتادیں اور میری دائیں ٹانگ میں عرصہ ڈیڑھ سال سے شدید درد ہے اس کے لیے میں بہت پریشان رہتی ہوں مجھے کوئی اچھی دوا بتادیں۔

محترمہ آپ KALMIA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پی لیا کریں قد بڑھانے والی دوا اوپر لکھی ہے اس کو دیکھ لیں۔

عابدہ نورین منڈی بہاؤالدین سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 22 سال ہے نسوانی حسن کی کمی ہے اس کے علاوہ میرے سر میں خشکی بہت رہتی ہے اور بال گرتے بہت ہیں اس کا حل بتادیں۔

محترمہ آپ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں ہیئر گرور آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے آپ کے سر کے بالوں کا مسئلہ حل ہوجائے گا اور آپ کی عمر بائیس سال ہوگئی ہے گروتھ کی عمر نکل چکی اب کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا۔

نورین راشد فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا جسم بچے کی پیدائش کے بعد بہت پھیل گیا ہے ویٹ لوز کرنا چاہتی ہوں اس کا علاج بتادیں۔

محترمہ آپ PHYTOLACA BARRY-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

نادیہ عمر فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترمہ آپ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں ایک ہفتے میں دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔

سدرہ جہلم سے لکھتی ہیں کہ آپ کے پاس مسائل کا انبار لے کر حاضر ہوئی ہوں ان مسائل کا حل تجویز کریں۔

محترمہ آپ ALOES-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور PULSATILLA-200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن پیا کریں۔

ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتا۔

صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے فون نمبر 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان نمبر C-5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14 نارتھ کراچی 75850

خط لکھنے کا پتا

آپ کی صحت ماہنامہ آنچل کراچی پوسٹ بکس 75 کراچی۔

حنا احمد

ذہنی عادتیں تبدیل کرکے زندگی خوشگوار بنائیں

ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں اس کا دارومدار ہماری ذہنی عادتوں پر ہوتا ہے یوں کہہ لیں کہ ہماری ذہنی عادتیں ہمارے عمل پر اثر انداز ہوتی ہیں جب ہم اپنی ذہنی عادتوں کو ایک خاص شکل دینے اور اس پر قابو پانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو ہم جو کچھ چاہتے ہیں کرنے کے قابل ہوجاتے ہیں دوسری طرف جب ذہنی عادتیں ہماری زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں تو ہم وہ کچھ حاصل کرتے ہیں جو ہم کررہے ہوتے ہیں چاہے وہ اچھی بات ہو یا بری بات۔

ذہن کی چھ عادتیں

عادتیں...... ہماری زندگی کا ایسا پاورفل حصہ ہیں جو ہمارے حق میں ہوسکتی ہیں اور ہمارے خلاف بھی خاص کر ہماری ذہنی عادتیں ہماری زندگی پر اثر رکھتی ہیں اور اگر ہم ان کو اسی طرح چھوڑ دیں تو ہمارے لیے راستہ کا تعین بھی کردیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ذہنی عادتوں سے آگاہی حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور ان کو ایسی شیپ دی جائے کہ ہم زندگی کے ثمرات سے لطف اندوز ہوسکیں۔

ہم اپنی ذہنی عادتوں پر قابو پانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے ذہن کی صفائی کرنا ہوگی۔ اس میں پہلے سے جو باتیں ہیں ان کو باہر نکالنا ہوگا تاکہ نئی سوچ کو اس میں جگہ ملے۔ ہمیں یہ بھی جاننے کی ضرورت ہے کہ ہمیں کیا تبدیلی کرنا ہے۔ کیا ہوا اگر ہم پہلے کوئی تبدیلی کرنے میں ناکام رہے ہیں ہمیں ذہن کو بالکل صاف نہیں کرنا بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ اس میں سے فضول باتوں کو کس طرح سے الگ کرنا ہے اور جن باتوں کو الگ کرنا ہے واقعی اسے الگ کرنے کی ضرورت بھی ہے یا نہیں۔

ہمیں اپنا آپ پیچھے کی طرف چھوڑنا ہوگا اور نئے سرے سے آغاز کرنا ہوگا۔

تقابل، سکون، خوف، کاملیت، تاخیر، سب یا پھر کچھ نہیں۔

آپ نے نوٹ کیا کہ ہم آپ کو یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ آپ ذہنی عادتوں کو مکمل طور پر واش کردیں کیونکہ دماغ بہرحال ہمارے جسم کا ایک لازم وملزوم حصہ ہے اور ہماری شخصیت کا پرتو بھی ہمارا مقصد اور ہدف یہ ہے کہ ہم دماغ سے کام لے کر کس طرح اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں کیوں نہ مذکورہ بالا عادتوں پر روشنی ڈالی جائے۔ ان کا تجزیہ کیا جائے ان کو سمجھا جائے تاکہ ہم خود کو اور بہتر طریقے سے جان سکیں اور تب ہم اس قابل ہوسکیں گے کہ ہم وہ سب کچھ حاصل کرسکیں جو ہمیں واقعی چاہیے۔

موازنہ (تقابل)

موازنہ یہ انسان کو آگے بڑھانے میں بہت مدد دیتا ہے اپنا موازنہ خود اپنے آپ سے کریں کہ آپ آج سے پہلے پانچ سال قبل یا ایک سال قبل یا تین ماہ قبل کیا تھے۔ اچھا ہوگا کہ آپ گزرے کل سے اپنے اج کا موازنہ کریں تاکہ آپ کو پتا چلے کہ آپ کس قدر آگے بڑھے ہیں یا پیچھے ہٹیں ہیں اس عمل سے آپ اپنی اچھائیوں برائیوں سے واقف ہوکر اپنی شخصیت کو بہتر بنا سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ موازنہ اگرچہ سب کچھ نہیں ہے مگر بہرحال ضروری اور اہمیت کا حامل ہے۔

مسئلہ تب کھڑا ہونے لگتا ہے جب ہم اپنا اور اپنی زندگی کا موازنہ دوسروں سے کرنے لگتے ہیں۔ ہم خود سے پوچھتے ہیں میرے ساتھ مسئلہ کیا ہے کیا دوسروں کے ساتھ اپنا موازنہ کرنا غلط ہے، کیا اس سے خود میں تحریک نہیں پیدا ہوتی ہے کہ ہم اوروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں، ان سے زیادہ سہولتیں حاصل کریں؟ مگر ہم اس موازنہ کے تاریک پہلو سے مکمل طور پر آگاہ نہیں

ہوتے ہیں۔ دوسروں سے اپنا موازنہ کرنے کی عادت زندگی میں کئی مسائل پیدا کرتی اور بے سکونی کا باعث بنتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ خود سے مطمئن نہیں ہو پاتے ہیں اس کی وجہ سے ہماری توجہ کسی اور طرف ہو جاتی ہے اور ہم اپنی زندگی اوروں کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں اس عمل کی وجہ سے ہمارا سکون اور ذہنی اطمینان ختم ہو جاتا ہے۔ اگر ہم اوروں سے اپنا موازنہ کرنا بند کردیں تو سب کچھ سیٹ ہو جائے گا۔

ہر کسی کی اپنی زندگی ہے یہ سوچنا غلط نہیں ہے کہ ذاتی افزائش اور ذاتی ارتقا ویسی ہی ہوگی جیسی ہم چاہیں گے۔ ذاتی افزائش کا مطلب ہے ذاتی کوشش اور جدوجہد اور ذاتی ارتقا کا مطلب ہے ذات کی ترقی جب ہم زندگی کے انقلابی راستے پر چلتے ہیں تو ہمیں اس فرق کو یاد رکھنا چاہیے ہمیں اپنی ذاتی افزائش اور ذاتی ارتقا میں ایمانداری اور سچائی کو جگہ دینی ہے ایک ماہر کا کہنا ہے "اس میں کوئی کمال کی بات نہیں ہے کہ آپ اپنے ساتھی سے بہتر ہیں۔ اصل کمال کی بات یہ ہے کہ آپ اپنے آپ سے بہتر بنیں۔ یہی ذاتی ارتقا اور ذاتی افزائش کی تعریف اور بہتری کا راستہ ہے۔

اگر آپ موازنہ ہی کرنا چاہتے ہیں تو خود کا خود سے موازنہ کریں کہ آپ پہلے کیا تھے اب کیا ہیں۔ اس میں ہمیں سچائی اور ٹھوس پن ملے گا کیونکہ آپ خود سے جھوٹ نہیں بول سکتے ہیں آپ کو اپنے بارے میں سب پتا ہے ہم دوسروں سے موازنہ کریں گے تو اپنے ہدف سے ہٹ جائیں گے وقت اور توانائی کا الگ زیاں ہوگا اور ہم سچائی حاصل نہیں کر پائیں گے۔ اس عمل میں ایک بلیو پرنٹ موجود ہے ایک اندرونی پلان جس کے ذریعے ہم گروتھ اور تخلیق کے عمل سے گزرتے رہتے ہیں۔ اپنے اندر کے بلیو پرنٹ کا اوروں کے بلیو پرنٹ سے موازنہ کرنا ہدف نہیں ہونا چاہیے۔ اصل ہدف یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے بلیو پرنٹ کے مطابق زندگی گزاریں دوسروں سے موازنہ راہ میں رکاوٹ ثابت ہوتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہم ذہنی عادت سے مجبور ہو کر جب دوسروں سے موازنہ کرتے ہیں تب یہ ہوتا ہے۔

اپنی ترقی کو ناپنے کے لیے دوسروں کی ترقی کا پیمانہ استعمال کرنے لگتے ہیں۔

ہم جس قدر بھی ترقی کرلیں اپنے آپ اور اپنی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہوتے ہیں۔

ہم یہ اور وہ صرف اس لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ دوسرے اسے حاصل کرچکے ہیں۔

ہم جدوجہد اور مقابلہ اس لیے کرتے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں ایسا کرنا چاہیے ہم اس دوڑ میں اپنے آپ کو جھونک دیتے ہیں یہ سوچ کر کہیں ہم اوروں سے پیچھے نہ رہ جائیں۔ ہم جب اپنی ذہنی عادتوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگتے ہیں تو یہ ہوتا ہے۔

ہم خود اپنے آپ پر نظر ڈالتے ہیں کہ ہم کون ہیں اور کہاں کھڑے ہیں اسی کو ہم اپنا معیاری پیمانہ مقرر کرلیتے ہیں اور اپنے ارتقا کو اسی سے ناپنے لگتے ہیں۔

ہم اپنی کارکردگی سے خوش اور مطمئن ہوتے ہیں اور ہم آئندہ بھی ایسے ہی جذبات سے سرشار رہنا چاہتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ ہمیں خود کو کس طرح مطمئن کرنا ہے۔

ہم اپنے اندر چلنے والی گھڑی اور اس کی ٹائمنگ کی آواز کو سننے لگتے ہیں اور اپنی ذات کی خوبیوں کو اظہار کا موقع بھی دیتے ہیں۔

ہم بھی مقابلہ کرتے ہیں جب ہمارے اپنے اندر سے تحریک ابھرتی ہے اس طرح کا مقابلہ جدوجہد کی بجائے تفریح لگتا ہے ہم جان جاتے ہیں کہ جدوجہد زندگی کی ناگزیر ضرورت ہے۔

عنبر فاطمہ.....کراچی